ماہنامہ آنچل میں چھپنے والا مشہور سلسلہ وار ناول

جان

شاہینہ چندا مہتاب

جان

ایک تو دسمبر کا مہینہ، اس پر کوئٹہ کی قیامت خیز سردی، کوئٹہ تو عام سردی کے دنوں میں بھی بندوں کو ٹھٹھرنے پر مجبور کردیا کرتا تھا، اب تو خیر مہینہ ہی دسمبر کا تھا۔ اگرچہ کافی دنوں سے موسم ابر آلود تھا مگر نہ تو بارش ہو رہی تھی اور نہ ہی برفباری شروع ہوئی تھی۔ بس خشک سردی تھی اور تھی بھی بہت زیادہ۔

یا پھر مجھے ہی کچھ زیادہ محسوس ہورہی تھی کیونکہ میں کوئٹہ کی رہنے والی نہیں تھی۔ میرا تعلق پنجاب سے تھا۔ اگرچہ پنجاب کی اپنی سردی بھی کچھ کم مشہور نہیں لیکن یہ بھی سچ تھا کہ پنجاب میں زیادہ سردی اُسی وقت شروع ہوتی تھی جب مری اور کوئٹہ کے پہاڑوں پر برف باری شروع ہوتی۔ اگر کوئٹہ کے پہاڑوں پر پڑنے والی برف کا اثر پنجاب تک جاسکتا ہے تو خود کوئٹہ کا کیا حال ہوگا۔ اگرچہ ابھی تک برف باری شروع نہ ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود سردی بہت شدید تھی۔

اتفاقاً آج موسم معمول سے کچھ زیادہ ہی خراب تھا۔ تیز برفیلی ہوائیں چلنا شروع ہوچکی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اب کسی وقت بھی برفباری شروع ہوسکتی ہے۔ یہ اندازہ میں نے اس بنیاد پر لگایا تھا کہ چند برسوں سے میری مستقل رہائش کوئٹہ میں ہی تھی اور اب میں یہاں کے موسموں کے مزاج کو خوب سمجھنے لگی تھی۔

ہاں تو موسم کے خراب تیور دیکھتے ہوئے میں نے کھانا بنانے کا پروگرام مؤخر کردیا تھا۔ دراصل آج میں خود کو ذرا بہتر محسوس نہیں کررہی تھی، دوسرے کالج سے بھی کچھ لیٹ آئی تھی۔ اگرچہ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی مگر کھانا پکانے کا موڈ

نہیں تھا۔ ویسے بھی کھانا بنانے میں کافی وقت لگ جاتا۔ اس لئے میں نے کم وقت میں تیار ہونے والے کھانے کا سوچ کر فریج سے انڈے نکال کر آملیٹ بنایا اور سلائس کے ساتھ کھالیا۔ وقت بھی کم لگا اور پیٹ بھی بھر گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں باقی کا کام صبح پر چھوڑ کر کچن بند کر کے باہر نکلی تو ہوا کی شدت میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے کمرے کا رخ کیا کیونکہ اس موسم میں زیادہ دیر باہر رہنا بیماری کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کیا اور الیکٹرک کیتلی میں چائے کیلئے پانی رکھ دیا۔ اچانک میری نظر سامنے دیوار پر لگے کیلنڈر کی طرف اُٹھی تو میں چونک پڑی۔

آج ۳۱ دسمبر تھی۔ گزرتے سال کی آخری شب، چند گھنٹے بعد نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ نئے برس کا خیال آتے ہی مجھے شاداب یاد آگیا...... آج ہی کالج میں اُس کی طرف سے نئے سال کا کارڈ اور ساتھ چند حرفی خط ملا تھا جس میں شاداب خان نے لکھا تھا۔

ڈیئر عائشہ جی۔ سلام

یقین ہے، آپ اچھی ہوں گی۔

آپ کی دعاؤں سے میرے رینک میں ایک اور رینک کا اضافہ ہو گیا ہے اور اب آپ کے وعدے کے مطابق مجھے آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے کا حق مل گیا ہے؟ میں اور کیا کہوں؟ کہ ۔

یہ سال بھی اُداس رہا روٹھ کر گیا
تجھ سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا

مگر نئے سال کے نئے لمحوں میں یعنی پہلے گھنٹے کے شروع ہوتے ہی میں آپ کے روبرو ہوں گا......اور پھر نئے برس کی نئی اور پہلی صبح کا آغاز ہم دونوں مل کر کریں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا......؟ ارے ہاں چلتے چلتے آپ کو یہ بھی بتادوں کہ دو ماہ پہلے میں پورے چھبیس کا ہو کر ستائیسویں میں لگ چکا ہوں۔ اچھا اب اجازت۔ گو کہ باتیں بہت ہیں مگر سب باتیں ملاقات پر ہوں گی...... خدا حافظ

آپ کا اپنا شاداب خان آفریدی۔

اور اب سے چند گھنٹے بعد نیا سال شروع ہونے والا تھا یعنی شاداب آنے والا تھا۔ اگرچہ صبح ہی میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ کوئٹہ کے خراب موسم اور شدید دھند کی وجہ سے اس کا فضائی رابطہ ملک کے دوسرے حصوں سے کٹ گیا ہے۔ اس لیے کوئٹہ آنے اور جانے والی تمام پروازیں منسوخ کر دی گئی ہیں۔ اس بات کا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا تھا کہ آج نئے سال کے ساتھ شادب نہیں آئے گا کہ وہ ہمیشہ ٹرین میں سفر کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ آج کسی طرح بھی نہیں آسکتا تھا۔

یہ سب سوچ کر مجھے اطمینان سا ہو رہا تھا...... نجانے کیوں میں ابھی تک خود کو شاداب کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہ کر سکی تھی۔ یہی وجہ تھی جتنی تاخیر اس ملاقات میں ہو رہی تھی میں اتنا ہی اس کو اپنے حق میں اچھا سمجھ رہی تھی۔ حالانکہ یہ ایک احمقانہ سی بات تھی۔ شاداب سے مجھے جلد یا بدیر ہر حال میں ملنا ہی تھا۔ یہ آخری ملاقات بہت ضروری تھی۔ تاہم یہ اور بات تھی کہ ابھی تک میں ذہنی طور پر اس کا سامنا کرنے پر تیار نہ تھی۔

اچانک کیتلی میں کھولتے ہوئے پانی نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور میں نے شاداب کو بھول کر اس میں پتی ڈالی۔ کچھ دیر بعد چائے تیار کر کے اسے فلاسک میں ڈال کر مگ پکڑے اپنے بستر پر آگئی۔ چائے پیتے ہوئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں پھر شادب کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ جو ڈسٹرب کرنے آرہا تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ کیوں آرہا ہے۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ مجھے اس سے کیا پوچھنا ہے؟ میں اس کی آمد کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی اور اس کے سوالوں کو جانتی تھی مگر عجیب بات تھی مجھے اس کے سوال تو معلوم تھے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ جواب میں مجھے کیا کہنا ہے یعنی جواب۔ کیا دینا ہے؟...... حالانکہ اس کے جواب کو سوچنے کے لئے مجھے بہت سا وقت ملا تھا ایک لمبا عرصہ ملا تھا مجھے اسکے جواب کو سوچنے کے لئے...... اور میں اب بھی یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے اس سے کیا کہنا ہے بارہ سال کے بعد بھی مجھے جواب نہ آیا تھا یا میں نے جواب سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی لیکن اب شاید جواب کا وقت قریب آگیا تھا مگر اب تو مجھے کچھ بھی

یاد نہیں تھا جبکہ میرے وعدے کو یاد رکھتے ہوئے آج شاداب آ رہا تھا۔

شاداب نے اب تک وہی کیا تھا جو میں نے اس سے کہا تھا مگر کیا اب میں وہ کر سکوں گی جو شاداب چاہے گا۔ کبھی نہیں۔

اسی پریشانی میں، میں تین کپ چائے کے پی گئی حالانکہ میں مغرب کے بعد چائے یا کافی بالکل نہیں پیتی تھی۔ باقی رات بھر مجھے جاگ کر گزارنی پڑتی تھی مگر آج تو موسم کچھ زیادہ سرد تھا دوسرے طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہ تھی اس لئے میں نے سوچا تھا ایک دو کپ چائے کے پی لئے جائیں تو اچھا ہوگا اب یہ الگ بات تھی کہ سوچوں میں گم ایک کی بجائے تین کپ پی گئی اور پھر خالی کپ سائڈ میز پر فلاسک کے پاس رکھ کر اچھی طرح لحاف اوڑھ کر لیٹ گئی مگر سردی آج بہت زیادہ تھی اور پھر میرا دھیان بھی شاداب کی طرف لگا ہوا تھا.....شاداب نے لکھا تھا۔

''میرے رینک میں ایک اور کا اضافہ ہوگیا ہے.....'' وہ یہ بات نہ بھی لکھتا تو تب بھی مجھے تو پتہ چل چکا تھا کہ اسی ہفتے کے جمعہ میگزین میں سیاہ چن گلیشئر پر انجام دئے جانے والے اس کارنامے پر ایک مضمون لکھا گیا تھا اور مضمون کے ساتھ اس کا ایک مختصر انٹرویو بھی چھپا تھا جس کے ساتھ اس کی ایک پرانی تصویر لگائی گئی تھی جو اس کے فوج میں جانے کے ابتدائی زمانے کی تھی۔ نہ جانے شاداب نے اپنی تازہ تصویر اخبار کو کیا سوچ کر نہیں دی تھی۔

مضمون میں شاداب کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ کس طرح خراب اور طوفانی موسم میں شاداب نے اکیلے ہی کمک نہ ملنے کے باوجود اپنی ذہانت، عقلمندی، ہوشیاری اور محنت سے دشمن کو ایک اہم چوکی پر قبضہ کرنے سے نہ صرف باز رکھا بلکہ دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان بھی پہنچایا۔ آفیسر بہت خوش تھے شاداب سے جو تین دن اکیلا دشمن سے برسرِ پیکار رہا تھا۔ بعد میں موسم صحیح ہونے پر جب اس کی مدد اور خبر گیری کو دوسرے جوان پہنچے تو وہ شدید زخمی تھا مگر حوصلے اب بھی بلند تھے وہ کسی قیمت پر چوکی چھوڑنے پر تیار نہ تھا مگر اس کی خراب حالت کے پیش نظر آفیسرز نے اُسے زبردستی سی ایم ایچ اسپتال راولپنڈی بھیج دیا تھا۔ صحت مند ہونے پر اس کے اعزاز میں آرٹلری اور آفیسرز میس

میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں اسے ایک اور رینک ملا تھا اپنے اس کارنامے پر جو اس نے سیاہ چن پر انجام دیا تھا۔ مضمون کے ساتھ ہی شاداب کا مختصر انٹرویو تھا جس میں شاداب سے پوچھا گیا تھا کہ اسے فوج میں آنے کا خیال کیسے آیا، کیا بچپن سے یہی شوق تھا یا بعد میں بڑے ہو کر سوچا؟'' جواب میں شاداب نے عقیدت سے بتایا تھا۔

''مجھے فوج میں آنے کا مشورہ میری ایک بہت پیاری اور عزیز ہستی نے دیا تھا اگر وہ مجھے بروقت راہ نہ دکھاتی تو نہ جانے اس وقت میں کہاں بھٹک رہا ہوتا۔ مستقبل کا میں نے سوچا ہی نہ تھا دراصل میں ایک لاابالی اور غیر ذمہ دار نوجوان تھا جس کا زیادہ وقت پٹھانوں کی روایتی دشمنیوں اور بدلہ لینے کے طریقوں کے بارے میں سوچتے ہوئے گزرتا تھا یا پھر آوارہ گردی کرتے ہوئے۔ میرے آج کے مقام کی ذمہ دار وہی ہستی ہے جو مجھے اپنے آپ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ میرا یہ مقام، عزت، شہرت اسی ہستی کی مرہون منت ہے۔''

پھر شاداب سے پوچھا گیا تھا کہ اس کی زندگی کے اب اور کیا مقاصد ہیں۔؟ جواب میں شاداب نے کہا تھا۔

''میری زندگی کے صرف دو مقصد ہیں ایک اپنے وطن عزیز کے چپے چپے کی حفاظت کرنا..... اور دوسرا اپنی محبت کو حاصل کرنا جس کو اب تک میں اپنی کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اپنا نہ سکا تھا۔'' اس نے صاف صاف کہا تھا۔

''اگرچہ میرا جسم اور ذہن میرے وطن کے دفاع کے لئے سرحد پر ہوتے ہیں لیکن میرا دل میری محبت کے پاس ہوتا ہے۔''

پروموشن کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں شاداب نے کہا تھا۔

''یہ میرے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ سات سال انتظار کئے بغیر ہی مجھے نیا رینک مل گیا.....مگر اصل خوشی مجھے اس دن حاصل ہوگی جب میں اپنی محبت کو پانے میں کامیاب ہو جاؤں گا.....'' باقی باتیں سیاہ چن کے سخت محاذ کے بارے میں تھیں وہاں کے موسم کے بارے میں، پہنے جانے والے مخصوص لباس اور کھائی

جانے والی خوراک کے بارے میں تھیں۔

مضمون اور انٹرویو پڑھتے ہی مجھے لگا تھا جیسے اب وہ کسی وقت بھی مجھ سے ملنے اچانک آسکتا ہے کہ وہ اہم ہستی میں ہی تھی...... میرا جی چاہا یہاں سے فوراً کسی ایسی جگہ چلی جاؤں جہاں وہ مجھے کبھی نہ پاسکے، جہاں اس کا سامنا ہونے کا خوف نہ ہو۔مگر اس طرح تو بات بگڑ سکتی تھی...... وہ اپنی راہ سے پھر بھٹک سکتا تھا اور میں نے جو محنت اس پر کی تھی اسے ضائع ہوتے نہ دیکھ سکتی تھی۔

اس دن میں نے سوچا...... بلکہ میں نے سوچنا شروع کردیا تھا کہ اگر وہ مجھ سے ملنے آیا تو مجھے کیا کہنا ہے شاداب سے،مگر ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔تاہم اب کھلتی اور بند ہوتی آنکھوں سے میں سوچ رہی تھی کہ یہ جو ایک دو دن مجھے اتفاق سے مل گئے ہیں اب مجھے مزید وقت ضائع کرنے کی بجائے اس کا جواب سنجیدگی سے سوچنا ہوگا اور یہی سوچتے ہوئے نہ جانے کب آنکھ لگ گئی حالانکہ چائے پینے کے بعد مجھے نیند کم ہی آتی تھی۔

معلوم نہیں کتنا وقت گزرا تھا بس نیند میں ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی دروازے کو زور زور سے پیٹ رہا ہو۔پوری طرح آنکھ کھلی تو پتا چلا کہ کوئی بیل پر انگلی رکھ کر بھول چکا ہے......کون ہوسکتا ہے اس وقت؟ میں نے خوفزدہ نظروں سے کلاک کی طرف دیکھا ایک بج رہا تھا۔بیل انٹرکام تھی میں نے بیڈ کے پیچھے دیوار سے ریسیور اُتار کر پوچھا۔

”کون ہے“

”جناب دروازہ کھولنے کا پروگرام ہے یا فوت ہوجاؤں یہاں اس سرد اور طوفانی موسم میں۔“شاداب کی زندگی سے بھرپور آواز آئی اور میں اچھل پڑی......

اُف نہ جانے کب سے باہر کھڑا ہے، میں نے ریسیور بھی ٹھیک سے نہ رکھا تھا اور بغیر کچھ اوڑھے اور جوتا پہنے چابی اُٹھا کر دروازہ کھول کر بھاگتی ہوئی باہر نکلی اور فضا میں پھیلے اندھیرے میں ہلکی سی سفیدی دیکھ کر وہیں رک گئی پھر پہلے صحن کی لائٹ آن کی پھر باہر آئی تو میرا اندازہ درست نکلا تھا بارش کے بعد برفباری شروع ہوچکی تھی۔صحن میں آتے ہی مجھے سخت سردی کا احساس ہوا۔ پاؤں سے بھی ننگی تھی اور

چادر بھی نہیں اوڑھی تھی۔ میں نے لاک میں چابی گھمائی اور جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی وہ تیزی سے اندر آگیا...... پھر جلدی سے دروازہ بند کیا اور میرے ہاتھ سے چابی پکڑتے ہوئے اس نے مجھے اور میں نے اس کو دیکھا۔فل وردی پر اس نے سیاہ جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے کالر اُٹھے ہوئے تھے اور سر پر ہیٹ تھا۔ میں اس کا چہرہ اچھی طرح نہ دیکھ سکی تھی کہ ہیٹ اس نے چہرے پر جھکا رکھا تھا......مگر شاید مجھے وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا کیونکہ جلدی سے لاک لگاتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا۔

”اتنی شدید سردی میں آپ بغیر جوتے اور شال کے باہر نکل آئیں!پلیز آپ اندر چلیں۔“ اور میں نے کوئی جواب دیئے بغیر گم صم اپنے کمرے میں آکے جوتا پہنا پھر شال اوڑھ رہی تھی جب وہ صحن کی لائٹ آف کرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

مجھے حیرت تھی وہ آج پہلی بار اس گھر میں آیا تھا اور دروازہ لاک کرنے کے بعد لائٹ بھی آف کردی تھی۔ بھلا اس کو سوئچ بورڈ کا پتہ کیسے چلا......؟
شاداب نے اندر داخل ہوتے ہی کاندھے سے بیگ اُتار کر سائیڈ پر رکھا پھر......
”ارے“ کہتے ہوئے ایڑیوں پر گھوما اور باہر نکل گیا۔

”اب کیا ہوا؟“میں نے دل میں سوچا پھر کھلے دروازے سے باہر نظر گئی وہ سامنے برآمدے میں کھڑا خود پر پڑی برف جھاڑ رہا تھا پہلے کندھے جھاڑے پھر سر سے ہیٹ اُتار کر جھاڑنے لگا اور میں نے پورے پانچ سال بعد آج اسے غور سے دیکھا تھا وہی قد جو پہلے تھا مگر جسم ذرا بھر گیا تھا وہی نقش مگر دو چیزوں کا اضافہ ہوگیا تھا سیاہ داڑھی اور گھنی مونچھیں جنھوں نے اس کی وجاہت میں اور بھی اضافہ کردیا تھا وہ پہلے سے زیادہ خوبرو ہوگیا تھا اور اپنی عمر سے بڑا مرد لگ رہا تھا شاید داڑھی کی وجہ سے۔

پھر جیکٹ اُتاری تو شولڈرز پر لگے رینک چمکنے لگے تھے میں نے غور سے ان چمکتے ستاروں کو دیکھا جن کو حاصل کرنے کے لئے وہ دن رات کا فرق بھول گیا

تھا خود کو بھول گیا تھا کیونکہ ان ستاروں کو حاصل کئے بغیر وہ مجھ سے نہ مل سکتا تھا مجھ سے ملاقات کی شرط ہی رینک تھے۔

ہیٹ اور جیکٹ جھاڑنے کے بعد اس نے پاؤں کو دوبارہ لیفٹ رائٹ کے انداز میں زمین پر مارا اور جب اندر کی طرف بڑھا تو مجھے کھلے دروازے میں کھڑی دیکھ کر یوں چونکا جیسے ابھی ابھی پہلی بار دیکھا ہو پھر جلدی سے اندر داخل ہو کر جیکٹ کرسی پر ڈالی اور میرے مقابل آن کھڑا ہوا۔

میری سمجھ میں نہ آیا اب کیا کروں، کیا کہوں،؟ وہ کچھ دیر یونہی کھڑا مجھے دیکھتا رہا وقت گزرتا رہا اور میں دل ہی دل میں جھنجھلاتی رہی مگر ہونٹوں پر نہ جانے کیسے چپ لگ گئی تھی۔

اچانک شاداب نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر میرے شانوں پر رکھ دیئے یہ اس کی پہلی جرأت تھی۔ میں یوں اچھلی گویا کرنٹ لگا ہو فوراً گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی تو شاداب بجائے ہاتھ اُٹھانے کے دو قدم آگے بڑھ آیا اور شکوے بھرے لہجے میں بولا۔

”کیا پانچ سال بعد بھی مجھے آپ کو دیکھنے کا حق نہیں۔“

”شادب پلیز۔“ میں صرف اتنا کہہ سکی۔

”کیا پلیز!“ شاداب نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔” کیا اتنے طویل انتظار کے بعد بھی ان آنکھوں کو اپنی پیاس بجھانے کا حق نہیں۔ اتنی ظالم تو نہ بنیں، اب مزید ظلم مجھ پر مت کریں۔اور کچھ برداشت کرنے کا مجھ میں نہ تو حوصلہ ہے اور نہ ہمت، اب اور کوئی زیادتی میں برداشت نہیں کروں گا۔“ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور میں چاہنے کے باوجود پھر کچھ نہ کہہ سکی لیکن جب بہت سارا وقت گزرنے پر بھی اس کی پوزیشن میں فرق نہ آیا وہ اسی وارفتگی سے مجھے دیکھتا رہا تو میں نے آہستہ سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیئے اور چار قدم پیچھے ہٹ کر اسے دیکھا اور کہا۔

”اب بس کرو۔“

میری بات سن کر وہ مسکرا دیا۔ وہی قاتل مسکراہٹ جس کی تعریف مجھے

اس مقام پر لے آئی تھی۔ وہ اب بھی دیوانگی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں سے بچنے کے لئے میں نے رخ بدل لیا تو شاید وہ بھی سنبھل گیا۔

”اور سنائیں کیا حال ہے آپ کا ؟ کیسی گزر رہی ہے یہ زندگی۔؟“ شاداب نے میرے بستر پر بیٹھتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں پوچھا۔

”تم سناؤ کیسے آ گئے۔“ میں نے سائیڈ میز کے پاس رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا اور دل ہی دل میں اس کے سنبھل جانے کا شکریہ ادا کیا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ آنے کی تو میں نے باقاعدہ اطلاع کی تھی۔ کیا میرا کارڈ اور خط نہیں ملا آپ کو؟“ شاداب نے حیرانی سے پوچھا۔

”وہ تو خیر مل گئے مگر۔“

”مگر کیا۔ میرے آنے کا یقین نہیں تھا؟“ شاداب نے ایک بار پھر مجھے نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے پوچھا۔

”یہ بات نہیں، وہ دراصل یہاں کا موسم۔“ میں بات پوری نہ کر سکی کیونکہ وہ مسلسل مجھے دیکھے جا رہا تھا۔

”اچھا...... ہاں ادھر آنے اور جانے والی ساری پروازیں منسوخ ہو گئی ہیں لیکن میں تو اپنے ایک آفیسر کے ساتھ آیا ہوں ہیلی کاپٹر میں۔ ان کو ادھر ایک بہت ضروری قسم کا کام تھا۔ مجھے پتہ چلا تو میں نے ان کو بتایا کہ آج میرا بھی ادھر جانا بہت ضروری ہے سر، اور وہ مان گئے۔“

”خیر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر آنا ضروری تو نہیں تھا۔ تم موسم ٹھیک ہونے کا انتظار کر لیتے۔“ میں نے خفا ہو کر کہا۔

”انتظار کچھ کم تو نہیں کیا تھا جو اب موسم کے نخرے بھی دیکھتا۔“ شاداب نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔“ میں اتنا کہہ کر چپ ہو گئی پھر جذباتی ماحول کو بدلنے کے لئے پوچھا۔

”تمہاری امی کیسی ہیں۔؟“

”اچھی ہی ہوں گی۔“ شاداب نے مسکرا کر مجھے دیکھا جیسے سمجھ گیا ہو میں

موضوع بدل رہی ہوں۔

”کیا مطلب ہے تمہارا چارسدہ کبھی نہیں گئے۔؟“

”سچی بات ہے جب آپ نے خود ملنے پر پابندی لگائی تو میں نے سارے رشتوں سے وقتی طور پر ناتہ توڑلیا اور آپ کی شرط پوری کرنے کی طرف متوجہ ہوگیا۔کتنی کڑی شرط تھی آپ کی۔ ایک تو مجھے میجر بننا تھا دوسرے آپ سے دور رہنا تھا میجر کا رینک حاصل کرنے تک۔ آپ جانتی تھیں کہ یہ سب بہت مشکل ہوگا میرے لئے مگر آپ کو ترس نہ آیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ نے زیادتی کی تھی کیونکہ آپ نے تو یہ سب میری بہتری کے لئے کیا تھا مگر جب دل ہی اُداس ہو تو ہر کام ہی مشکل ہوجاتا ہے......خیراس کے باوجود میں نے آپ کی شرط پوری کردی۔“ وہ مسکرایا۔

”وہ تو ٹھیک ہے شاداب، لیکن ماں کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا۔تمہیں ان سے ملنے جانا ہی چاہئے تھا۔ کیا سوچتی ہوں گی وہ۔“ میں نے سرزنش کی۔

”کچھ نہیں سوچتی ہوں گی وہ کیونکہ جب وہ اُداس ہوتی تھیں تو میں انہیں ٹکٹ بھیج کر میس میں ہی بلوالیا کرتا تھا اور پھر جب میں سیاہ چن سے زخمی حالت میں واپس آیا تو وہ پورے دومہینے اسپتال میں میرے پاس رہیں تھیں۔ ویسے پچھلے دنوں میں پشاور گیا تھا اپنے کمانڈر کے کام سے تب ان سے ملنا چاہتا تھا مگر وقت نہیں تھا چارسدہ جانے کا۔ پھرفون پر ان کی خیریت معلوم کرکے میں ایبٹ آباد آگیا اور یہ آپ مجھ سے امی کا کیوں پوچھ رہی ہیں، آپ پر تو کوئی پابندی نہیں لگائی تھی میں نے۔آپ تو وہاں جاسکتی تھیں یا پھراس خیال سے آپ بھی وہاں نہ گئیں کہ مجھ سے سامنا نہ ہوجائے۔“ وہ شکوے بھرے انداز سے مجھے دیکھنے لگا۔

”ایسی کوئی بات نہیں بس موڈ ہی نہ بن سکا وہاں جانے کا۔“ میں نے کہا حالانکہ وجہ وہی تھی جو شاداب نے بتائی تھی۔

”چھٹیاں بھی آپ تنہا ہی گزارتی ہوں گی......؟“

”ہاں یہی مقدر ہے۔ویسے میں عادی بھی ہوچکی ہوں تنہا رہنے کی۔“

میری بات پر شاداب نے ایک نظر مجھ پر ڈالی، کچھ کہنا چاہا پھرنہ جانے کیا سوچ کر

چپ رہا اور میں نے پوچھا۔

”ارے باتوں میں مجھے کچھ خیال ہی نہ رہا اتنی سردی میں آئے ہو، چائے پیو گے یا؟“۔

”چائے سے پہلے میں کھانا کھاؤں گا میں نے صبح کے ناشتے کے بعد اب تک کچھ نہیں کھایا، شاید مصروف رہنے کی وجہ سے یا پھر آپ سے ملنے کی خوشی میں۔“

”مگر کھانا۔“ میں ہچکچائی کہ کیسے بتاؤں، وہ کیا سوچے گا کہ اس کی آمد کا سن کر بھی میں کھانا نہ بنا سکی۔

”مگر کیا۔؟“ شاداب نے مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور میں نے طویل سانس کھینچتے ہوئے بتایا۔

”دراصل آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی اس لئے کالج سے واپس آنے کے بعد بجائے کھانا بنانے کے میں نے آملیٹ بنا کر سلائس کے ساتھ کھالیا تھا اور اب سوچتی ہوں تمہیں کیا کھلاؤں؟“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”طبیعت کو کیا ہوا تھا۔؟“ شاداب نے بے قراری سے پوچھا حالانکہ اس وقت تو میں اس کے سامنے ٹھیک ٹھاک بیٹھی تھی۔

”کچھ خاص نہیں۔ بس تھکن اور سردی تو تم دیکھ ہی رہے ہو، کہاں عادی تھی میں اس موسم کی۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں ہلکا سا دکھ شامل ہوگیا۔شاداب نے تڑپ کر مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

”اب بتاؤتم کیا کھاؤ گے۔؟“

”کچھ نہیں دفعہ کریں چائے یا کھانے کو اب آپ آرام کریں۔“ وہ میرے بستر سے اُٹھتے ہوئے بولا۔

میرے جی میں آئی اس موقع سے فائدہ اٹھالوں جلدی سے بستر میں گھس کر لحاف منہ تک کھینچ لوں اس طرح کم ازکم بس آج کی رات تو شاداب کے سوالوں سے بچ جاؤں گی مگر شاداب نے بتایا تھا وہ صبح سے بھوکا ہے اس لئے میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم بیٹھو شاداب، اب تو میں ٹھیک ہوں،تمہارے لئے بھی آملیٹ بنا کر ٹوسٹ سینک لیتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں جلدی سے باہر نکل آئی۔ کمرے کے ساتھ ہی کچن کا دروازہ تھا جسے کھول کر میں اندر داخل ہوئی صبح اور دوپہر کے جھوٹے برتن یونہی پڑے تھے میں نے فریج کھول کر انڈے اور ڈبل روٹی نکالی پھر گیس جلاتے ہوئے شاداب کے بارے میں سوچنے لگی۔

وہ اپنی جان کی پروا کئے بغیر اسی خراب اور طوفانی موسم میں چلا آیا تھا اگر خدانہ کرے اسے کچھ ہوجاتا تو اس بیوہ ماں کا کیا ہوتا جس کا وہ اکیلا سہارا تھااور جس نے دکھ سہہ کر اس کی پرورش کی تھی اور جس کو محض میری وجہ سے نظر انداز کررہا تھا۔

"لگتا ہے آج آپ نے کچن کی صفائی بھی نہیں کی۔" شاداب کچن کے اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔ شاید اکیلا بیٹھا نہ گیا تھا۔

"وہ بس۔" میں مارے شرمندگی کے کوئی وضاحت نہ کرسکی۔

"ارے آپ نے بتایا تو تھا کہ آج آپ کی طبیعت ٹھیک نہ تھی......لائیے میں آپ کے برتن ہی صاف کردوں۔" اس نے سنک کے آگے کھڑے ہوکر نل کھولتے ہوئے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی قندیلیں روشن تھیں وہ جب سے آیا تھا تب سے اس کی نگاہیں میرے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔

"ارے ارے تم رہنے دو۔" میں نے انڈے کا آمیزہ فرائی پین میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"مگر کیوں رہنے دوں۔؟" شاداب نے پوچھا۔

"اب تم کیا برتن صاف کرتے اچھے لگو گے۔" میں نے آملیٹ کو پلٹتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو آپ اس خیال میں روک رہی ہیں کہ میں مرد ہوں اور یہ کام عورت کا ہے ۔یعنی مرد کا کمانا اور عورت کا۔" وہ ہنسا اپنے اندر کی پوری خوشی کے ساتھ۔

"اب باتیں ختم۔تم کھانا کھاؤ تب تک میں برتن صاف کرلوں گی۔" میں

نے آملیٹ پلیٹ میں نکالتے ہوئے اس کو دیکھا جس کی نظریں میرے چہرے سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں اور میں نہ جانے کیوں ضبط کررہی تھی لیکن اندر ہی اندر گھبرائے جارہی تھی۔

"نہیں اب آپ میرے ساتھ اندر چلیں کھانا میں اندر چل کر کھاؤں گا۔ ویسے بھی برتن اب صبح ہی صاف کیجئے گا ، آدھی رات کو صاف کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ہاتھ دھونے کے بعد نل بند کیا اور ٹرے اُٹھاتے ہوئے بولا۔

"پانی کی بوتل فریج میں سے لے آئیں۔"

"آج کل فریج میں کہاں رکھتے ہیں پانی، باہر ہی جم جاتا ہے۔" کہتے ہوئے میں نے بوتل اٹھائی اور باہر نکل کر دروازہ بند کردیا۔

برفباری اب بھی ہورہی تھی ہم دونوں اندر آئے اور شاداب ٹرے لے کر بستر پر بیٹھ گیا۔ بوٹ اس نے پاؤں کی مدد سے ہی آتار دیے تھے...... وہ کھانا کھاتا رہا اور میں سوچتی رہی اس مسئلے کا حل، جوشاداب کی آمد سے پیدا ہوا تھا مگر فی الحال کچھ بھی سمجھ میں نہ آرہا تھا جبکہ وہ بڑے اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھا...... وہ کھانے سے فارغ ہوا تو میں نے اپنے والے کپ میں فلاسک سے چائے ڈال کر اس کو دی اور خود ٹرے اُٹھا کر باہر جانے لگی تو شاداب نے کہا۔

"یہیں کہیں رکھ دیجئے صبح دیکھی جائے گی۔" میں نے ٹرے ایک سائیڈ پر رکھ دی ادھر شاداب نے چائے پی کر کپ فلاسک کے قریب رکھا پھر میری طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"آپ وہاں سردی میں کیوں بیٹھی ہیں یہاں بستر میں آجائیں۔" اس نے لحاف اٹھاتے ہوئے مجھے دیکھا ۔ نہ جانے کیوں میں سرخ پڑ گئی حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہئے تھا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔" میں نے دل ہی دل میں دانت پیستے ہوئے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں آخر اتنی نرم کیوں ہورہی ہوں۔

"اوہ سمجھا ۔ آپ میری وجہ سے اپنے بستر میں آنا نہیں چاہتیں۔" اس نے رک کر بغور میرے چہرے کو دیکھا اور پھر کہا۔"چلئے میں کرسی پر بیٹھ

جاتا ہوں......ارے لیکن ہیٹر تو آن کیجئے، دیکھئے تو سہی کتنی سردی ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ ہیٹر تو خراب ہے بہت دنوں سے میں سوچ رہی ہوں کسی کو گھر بلا کر دکھاؤں یا خود کسی دکان پر لے جاؤں مگر وقت نہ ملا۔'' میں جھینپ کر بولی۔

شاداب گہری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا تو میں نے کہا۔'' دیکھو شاداب تم اسی بستر پر لیٹ جاؤ۔''

'' اور آپ؟'' شاداب ایک بار پھر میرے روبرو آن کھڑا ہوا۔

''میں اپنی دوست کے کمرے میں لیٹ جاتی ہوں۔'' میں نے نظر چراتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہاں کیوں نہیں'' میں نے کوئی جواب نہ دیا۔کہتی بھی تو کیا اس ضدی سے جو اپنی من مانی کرنے کے موڈ میں تھا۔

'' دیکھئے یہاں صوفہ بھی ہے، میں صوفے پر لیٹ جاؤں گا اور آپ اپنے بستر میں آرام کیجئے گا۔'' وہ مجھے روکنے پر بضد تھا۔

'' ارے بھئی جب دوسرا کمرہ ہے تو پھر تمہیں بے آرامی سے سونے کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے کچھ بیزاری سے کہا۔وہ مان جو نہیں رہا تھا آج میری کسی بات کو۔

''میری بے آرامی کے خیال سے کہہ رہی ہیں یا اپنی بے اعتباری سے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

'' کیسی بے اعتباری ۔؟'' میں نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ شاداب کی آنکھوں میں شکوہ مچل گیا مگر اس نے ہمیشہ کی طرح ضبط کرتے ہوئے کہا۔

'' یہ تو آپ خود سے پوچھیں، ویسے کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں۔'' وہ رُکا پھر شوخی سے کہا۔'' ارے جناب اگر میں نے بارہ سال انتظار کیا ہے تو مزید چند راتیں انتظار کرنے کی طاقت ہے مجھ میں۔''

''فضول باتیں مت کہو۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو شاداب نے گھور

کر مجھے دیکھا۔'' یہ فضول باتیں ہیں۔؟''

''نہیں تو پھر اور کیا ہیں۔؟'' میں نے لہجے کی سختی برقرار رکھی کہ وہ مزید نہ پھیل جائے۔

''آپ واقعی بڑی ظالم ہیں۔'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا یعنی وہ سنبھل گیا تھا۔

'' میں کیا ہوں تم اس کو بھول کر سونے کی تیاری کرو۔ بلکہ سو جاؤ۔'' میں نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

''سوجاؤں۔'' شاداب نے حیرت سے میرے الفاظ دہرائے۔

''ہاں کیونکہ رات بہت بیت چکی ہے اور پھر تمہیں تھکن بھی ہوگی۔'' میں نے کمزور سا جواب تلاش کیا مگر اس کے پاس میرے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔میں نے ہی وقت ضائع کیا تھا اور اس کے سوالوں کو جانتے ہوئے بھی جواب نہ سوچ سکی تھی۔

''تھکن تو آپ کو دیکھتے ہی جاتی رہی۔'' شاداب نے آہستہ سے کہا۔

''پھر بھی سونے کی کوشش کرو۔'' میں جھلاگئی۔حد ہوتی ہے ضدی پن کی۔

''نہیں ، اتنے سال میں نے اس رات کا انتظار سونے کے لئے تو نہیں کیا تھا۔'' شاداب نے گہری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مطلب کیا ہے تمہاری اس بات کا۔؟'' میں نرم ہوتے ہوئے پھر سخت ہوگئی۔

''مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔'' وہ مسکرایا شرارت بھرے انداز میں ، بچوں کی طرح۔

''شاداب ۔'' میں نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''جی حاضر ہوں۔'' وہ میرے غصے سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا......مگرفوراً ہی سنجیدہ ہوگیا۔''مطلب یہ ہے کہ آج کی رات سونے والی رات نہیں ہے آج کی رات نیند کسی کو بھی نہیں آئے گی کیا آپ کو نیند آئے گی۔؟'' میں چپ رہی تو شاداب نے پھر کہا۔

"آپ کو کیا معلوم اس ایک رات کے انتظار میں نہ جانے میں نے کتنی راتیں جاگ کر گزاری ہیں۔ کتنے دن بے چین گزارے ہیں انتظار میں۔ بیتے ان سالوں کے ایک ایک لمحے کی اذیت مجھے ایک ایک صدی جتنی محسوس ہوئی ہے۔ میں اکثر سوچتا تھا یہ انتظار کبھی ختم بھی ہوگا یا میں ہی ختم ہوجاؤں گا آپ کی محبت کو حاصل کرنے کے انتظار میں۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

میں جن باتوں سے بچنا چاہتی تھی وہ انہیں کی طرف آرہا تھا شاید اس لئے کہ اب مزید ضبط کرنا اس کے بس سے باہر تھا وہ کہہ رہا تھا۔

"آپ نہیں جانتیں میری بے تابیوں کو میری بے قراریوں کو۔ کاش آپ میری کیفیت کو سمجھ سکتیں میں اگر آج اس طوفانی موسم کی پروا کیے بغیر آیا ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ مجھے اب آپ سے ایک لمحہ کی دوری بھی قبول اور منظور نہیں۔" وہ باتیں کرتے کرتے رکا...... مجھے دیکھا اور کہا۔ "ارے آپ کھڑی کیوں ہیں۔ پلیز بیٹھئے نا آج کی رات ہم باتیں کریں گے۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ لینا چاہا میں نے تڑپ کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"اب سو جاؤ شاداب پلیز...... کیوں مجھے پریشان کرتے ہو؟"

اس نے پوری آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور نفی میں سر ہلادیا۔

"آپ بھی تو مجھے پریشان کرتی ہیں۔ آخر آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟ آج مجھے نیند نہیں آئے گی۔ میرا یقین کریں آج تو میں آپ سے باتیں کروں گا، بہت ساری باتیں......وہ باتیں جن کو کہنے کی کبھی آپ نے اجازت دی اور نہ کبھی میں خود آپ سے کہہ سکا۔ نہ جانے کیسی جھجک تھی جو دل کا حال میں پوری طرح کھول کر آپ کے سامنے نہ رکھ سکا لیکن آج...... اب آپ مجھے نہیں روک سکتیں اور نہ ہی اب آپ کے کہنے پر میں رکوں گا۔" اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا میں گھبراگئی...... ان ہی باتوں سے بچنے کے لئے ہی تو میں اسے سونے کا مشورہ دے رہی تھی، میں ابھی باتیں سننا ہی نہ چاہتی تھی جن کا جواب میں نے ابھی سوچا ہی نہ تھا مگر اس کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ مجھے آج سونے نہیں دے گا۔ آج وہ میری کوئی بات نہیں مان رہا تھا کیونکہ وہ ہر بات کا جواب سوچ کر آیا

تھا۔ مجھے لگا وہ مجھے کمرے سے باہر ہرگز نہ جانے دے گا مگر کمرے میں رکنا بھی اچھی بات نہ تھی۔

"اب کھڑی سوچ کیا رہی ہیں۔ بیٹھیے ناں" شاداب نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔

میں سمجھ گئی وہ کسی صورت مجھے معاف نہیں کرے گا آج مجھے اس کے ساتھ بیٹھنا ہی ہوگا۔ مگر میں بیٹھنا بھی نہ چاہتی تھی اس لئے سوچتی رہی۔ اور بہت سوچ کر ایک ترکیب ذہن میں آئی کہ اس کے علاوہ وہ اور کوئی بات مان ہی نہ سکتا تھا سو میں نے کہا۔

"شاداب باقی باتیں صبح ہوں گی کالج بند ہے میں گھر پر ہی رہوں گی۔"

"مگر ابھی کیوں نہیں۔" شاداب نے میری بات کاٹی۔

"اگر مگر کچھ نہیں جذباتی مت بنو۔ اصل میں میری طبیعت ٹھیک نہیں! جاگنا میرے حق میں اچھا نہیں ہوگا...... اب تو سخت سردی بھی محسوس ہونے لگی ہے اس لئے میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ اگر مزید جاگی تو بیمار ہی نہ پڑجاؤں۔" پھر اس کا جواب سنے بغیر تیزی سے باہر نکل آئی۔

اپنی دوست کے کمرے میں داخل ہوکر میں نے نہ صرف دروازہ بند کیا بلکہ لاک بھی لگادیا تھا اور بستر ٹھیک کرکے لیٹ گئی اور اچھی طرح لحاف اوڑھ لیا۔ بہت دیر بستر سے باہر رہنے پر اب حقیقت میں مجھے سخت سردی لگ رہی تھی بلکہ باقاعدہ کانپ بھی رہی تھی۔ جب کسی طرح بھی سردی کم ہونے میں نہ آئی تو میں نے اٹھ کر نازیہ کا ہیٹر آن کیا پھر احتیاطاً تھوڑی سی کھڑکی کھول کر بستر میں گھس گئی۔ اور سونے کی کوشش شروع کردی ......مگر نیند آنکھوں سے بہت دور تھی۔ اتنی دور جتنی دور میرے سارے پیارے مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے اور اب میں تھی یا میری تنہائی اور اس تنہائی کا حصے دار بننے آج میجر شاداب خان آفریدی آگیا تھا۔ وہ میرے وعدے کے مطابق میری شرائط پوری کرنے کے بعد آیا تھا اور اب میں سوچ رہی تھی رات تو ٹل گئی مگر صبح تو پھر آنی ہی ہے شاداب کے سوالوں کا کیا جواب دوں گی شاداب کا محبت اور چاہت سے لبریز دل ایک بار پھر کیسے توڑوں گی مگر یہ سب تو

مجھے کرنا ہی ہوگا۔

دفعتاً مجھے خود پر بھی غصہ آگیا۔ ”یہ آج مجھے ہوکیا گیا تھا میں اس کے سامنے کمزور کیوں پڑگئی تھی۔ وہ میرے رویے سے نہ جانے کیا سمجھ رہا ہوگا جب اس نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھے تو مجھے اسی وقت اس کے ہاتھ جھٹک دینے چاہیے تھے اور یہ میں اس کے لحاف میں کہنے کا سوچ کر سرخ کیوں پڑگئی تھی؟ حد ہوتی ہے بیوقوفیوں کی۔“ میں نے خود کو ڈانٹا اور اگلے ہی لمحے دکھ سے سوچا۔

”اتنے سال بعد صرف ایک رات اگر وہ میرے نرم رویے کی وجہ سے خوشگوار گزار لے گا تو کون سی قیامت آجائے گی۔ اپنی زندگی کے خوبصورت بارہ سال اس نے میری محبت حاصل کرنے کے انتظار میں گزارے ہیں اور باقی سال مجھے کھونے کے غم میں گزارے گا۔ کہ آخر جدائی ہی اس کا مقدر بنے گی تو پھر اگر یہ ایک رات صرف ایک رات وہ حسین خواب دیکھتے ہوئے گزار لے تو کیا حرج ہے“ میری آنکھیں بھیگ گئیں پتہ نہیں کیوں؟ اپنے دکھوں پر یا شاداب کے آنے والے دنوں کا سوچ کر...... اپنے مقدر پر تو میں اب شاکر ہوگئی تھی کہ ملتا وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے اور میرے مقدر نے مجھے سوائے نئے نئے دکھوں اور اذیتوں کے دیا ہی کیا تھا میں بھی کیسی قسمت لے کر اس دنیا میں آئی تھی سوچتی تو مرجانے کو جی چاہتا ۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی تھی جو میں گزار رہی تھی اکثر جی چاہتا تھا خدا سے پوچھوں آخر ایسا کیا جرم کردیا تھا میں نے جس کی سزا اتنی طویل ملی تھی۔ جو کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آتی تھی۔ اور اگر سزا لمبی تھی تو زندگی ہی مختصر ہوجاتی مگر لگتا تھا زندگی سزا سے بھی زیادہ سزا ثابت ہوئی ایک لمبی سزا۔ بہت لمبا عرصہ گزر گیا تھا کہ کبھی میں نے اپنے ماضی کو یاد نہیں کیا تھا مگر نہ جانے کیوں آج وہ خود بخود میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا تھا۔

میرا تعلق پنجاب کے سوہنے شہر قصور سے آگے ایک گاؤں برج کلاں کی معزز آرائیں فیملی سے تھا برج کلاں کو آباد کرنے والوں میں ہمارے آباواجداد بھی شامل تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ کئی نسلوں سے ہمارا خاندان برج کلاں کا رہائشی تھا میرا یہ خوبصورت اور پیارا گاؤں جس کے تین اطراف میں آلوچے اور امرود کے وسیع

باغات کا سلسلہ تھا اور چوتھی طرف نہر تھی بہت خوبصورت جگہ پر واقع تھا گنڈا سنگھ بارڈر ہمارے گاؤں سے صرف دس منٹ کی مسافت پر تھا۔

ہمارے گاؤں کی خاص بات یہ بھی تھی کہ یہاں پچانوے فیصد لوگ آرائیں تھے۔ آرائیں جن کے بارے میں بابا بلھے شاہ نے بہت کچھ فرمایا ہے۔

پنجابی زبان کے عظیم المرتبت بابا بلھے شاہ صوفی شاعر تھے اور وہ ایک اور صوفی شاعر اور بزرگ کامل شاہ عنایت کے مرید تھے اور قصور میں رہتے تھے۔ قصور ایک تاریخی شہر ہے اس نے اپنی طویل تاریخ میں سیاست کے بڑے نشیب وفراز دیکھے ہیں لیکن قصور کی ساری شہرت حقیقت میں بابا بلھے شاہ کی مرہون منت ہے جنہوں نے اس شہر میں جنم تو نہیں لیا تھا مگر جب یہاں آئے تو پھر واپس نہیں گئے ساری زندگی یہیں گزاری اور اسی شہر میں ابدی قیام فرمایا۔

بابا بلھے شاہ کو آرائیوں سے دلی محبت تھی اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ ان کے مرشد شاہ عنایت ولی بھی آرائیں تھے ایک بار شاہ عنایت ان سے کسی بات پر خفا ہوگئے تو بابا بلھے شاہ نے فرمایا۔

پتروں جے سائیں دا
وساہ نہ کھائیں آرائیں دا

کیونکہ آرائیں اگر دوستی میں اپنا تن من سب نثار کردیتے ہیں تو دشمنی میں بھی کبھی معاف نہیں کرتے ۔ یہ بات تو خیر بلھے شاہ نے ناراضگی میں کی تھی ورنہ سچ تو یہ ہے کہ وہ سید ہونے کے باوجود خود کو آرائیں کہلوانا زیادہ پسند کرتے تھے ۔ اس بات سے ان کے خاندان والے بہت خفا ہوتے تھے ان کی خفگی کو انہوں نے بہت بار اپنے شعروں میں بیان بھی کیا مگر انہوں نے ان کی خفگی کی کبھی پروا نہ کی تھی یہی وجہ ہے انہوں کہ ایک بار فرمایا۔

جہیڑا سانوں سید آکھے دوزخ ملن سزایں۔
جہیڑا سانوں آرائیں آکھے بہشتی پینگاں پایں۔

ویسے کچھ کینہ پرور لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ آرائیں گنڈے کھائیں کیونکہ آرائیں زمینوں کا سینہ چیر کر اناج اگانے والی محنتی اور جفاکش قوم ہے اس

کے باوجود آرائیں ہی وہ واحد ذات ہے جس کو پیدائشی چوہدری کہا جاتا ہے۔

آرائیں خواہ زمین کے سینے سے اناج اگانے والا ہو یا ریڑھی لگانے والا رہتا چوہدری ہی ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ چوہدری میاں یا مہر جیسے القابات صرف آرائیوں کے لئے مخصوص تھے یعنی لوگ میاں مہر یا چوہدری کہلوانے والوں کے نام سے ہی سمجھ جایا کرتے تھے کہ یہ آرائیں ہیں۔

اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تبدیلی آئی کہ جیسے ہی خدا نے چار پیسے دیئے اُس نے بھی اپنے آپ کو چوہدری کہلوانا شروع کردیا۔ شہروں میں رہنے والے آرائیں زیادہ تر خود کو میاں کہلواتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی کچھ لوگوں نے فیشن سمجھ کر اپنے نام کے ساتھ میاں کا اضافہ کردیا مگر ان نقلی میاں کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کچھ کم ہے تاہم لفظ مہر آج بھی صرف آرائیوں کے لئے ہی مخصوص ہے اور ان کی شناخت ہے۔ مطلب اگر کوئی یہ کہے کہ اس کا نام مہر جاوید ہے تو آرائیوں کو جاننے والے فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شخص آرائیں ہے۔ چند روپے ملنے پر خود کو چوہدری کہلوانے والے تو آپ کو بہت مل جائیں گے۔ کہیں خود کو اونچا ظاہر کرنے کے چکر میں آپ کو ایک آدھ نقلی میاں بھی مل جائے گا مگر نقلی مہر کوئی نہیں ملے گا۔

ہاں تو میرا تعلق بھی اسی آرائیں ذات سے تھا مطلب میں بھی پیدائشی چوہدری کی بیٹی تھی اور مجھے اپنے آرائیں ہونے پر فخر تھا کیونکہ جب میں اپنے گاؤں کی ماچھن رضیہ یا نائن بشیراں کو دیکھتی یا پھر ترکھانی سکینہ اور کمہارن میراں کو دیکھتی جن کی محض اس لئے عزت نہ تھی کہ وہ چھوٹی ذات سے تعلق رکھتی تھیں حالانکہ وہ بھی انسان تھیں اور سب گاؤں والوں کی عزت کرتی تھیں مگر ان کی اپنی کوئی عزت نہ تھی تب ان کی حالت دیکھ کر میں سوچتی شکر ہے خدا کا جس نے مسلمان ہونے کے علاوہ مجھے آرائیں ذات میں پیدا کیا اور یہ احساس مجھے ایک گہرا سکون دیتا تھا۔

ہاں تو ہمارا خاندان شروع ہی سے یہاں آباد تھا میرے ابا چوہدری صدیق اور چچا چوہدری حنیف صرف دو ہی بھائی تھے بہن کوئی نہ تھی۔ ان کی اپنی

زمینداری تھی، باغات تھے پہلے تو دونوں بھائی ایک ساتھ ہی رہتے تھے مگر باپ کی وفات کے بعد دونوں نے اپنے حصے الگ کر لئے اور یہ دونوں حصے دونوں بھائیوں کی مکمل رضا مندی اور خوشی سے ہوئے تھے بغیر کسی جھگڑے اور ناخوشگوار واقعے کے۔

میرے ابا کے حصے میں زمین تھوڑی اور باغات زیادہ آئے تھے۔ اصل میں میرے چچا نے اپنی مرضی سے باغ کم اور کاشت والی زمین زیادہ لی تھی اور میرے ابا نے چھوٹا بھائی سمجھ کر کوئی اعتراض نہ کیا تھا کیونکہ میرے ابا ایسے تھے کہ اگر چچا ان سے ان کے حصے کے باغات بھی مانگ لیتے تو ابا کبھی انکار نہ کرتے کہ ان کو چھوٹے بھائی سے بیٹوں جیسی محبت تھی۔ زمینوں کے بعد حویلی کا نمبر آیا حویلی بس نام ہی کی تھی کہ بہت چھوٹی تھی چچا نے حویلی سے حصہ لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''لالہ صدیق! اب حویلی آپ ہی رکھ لیں کہ آپ کی فیملی چھوٹی ہے میں باہر زمینوں پر ہی بڑا گھر بنواؤں گا۔''

ابا مان تو گئے مگر بڑی مشکل سے کہ بھائی کی جدائی ان کو گوارہ نہ تھی مگر چچا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''آج نہیں مگر آنے والے کل میں یہ جگہ کم پڑسکتی ہے بلکہ پڑجائے گی۔ چار بیٹے ہیں ان کی شادیاں ہوں گی بیوی بچے والے ہوگئے تو بڑا مسئلہ پیدا ہوجائے گا اور پھر میں کون سا گاؤں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ صرف چند فرلانگ کا ہی تو فاصلہ ہے۔'' اور یوں میرے ابا بات سمجھ بھی گئے اور مان بھی گئے یوں چچا اپنا گھر بنوا کر اس میں چلے گئے۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی میں چونکی اور ماضی سے نکل کر حال میں آگئی...... اس وقت کیوں دستک دی ہے شاداب نے؟ میں نے دل میں سوچا......

دستک پھر ہوئی تو میں اٹھ بیٹھی لحاف سے نکل کر چپل پہنی کاندھوں پر شال ڈال کر دروازہ کھولا تو سامنے شاداب کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے شاداب؟'' میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"آپ نے کچن کو بھی لاک لگا رکھا ہے ایک کپ کافی پینے کی خواہش ہورہی تھی پلیز کچن کی چابی۔" شاداب نے باہر کھڑے کھڑے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

"اس وقت کافی پیو گے تو نیند نہیں آئے گی۔" نہ جانے کیسے میرے منہ سے یہ بات نکل گئی۔

"نیند تو ویسے بھی نہیں آئے گی، پلیز چابی۔" شاداب نے مجھے دیکھے بغیر کہا۔

"مجھے ٹھیک سے یادنہیں کہاں رکھی تھی سائیڈ میز کی دراز میں دیکھ لو یا پھر میں خود دیکھ کر دیتی ہوں اور کافی بھی بنادیتی ہوں۔" میں نے میزبانی کے خیال سے کہا۔

"دراز میں دیکھ چکا ہوں۔"

"تو پھر کارنس پر دیکھ لو یا میں۔"

"نہیں میں خود دیکھتا ہوں اور کافی بھی بنالوں گا۔" شاداب نے کہا اور مجھ پر ایک نظرڈال کر واپس مڑگیا تو میں وہیں کھڑی رہی اور جب وہ دوبارہ کمرے سے باہر آیا تو مجھے وہیں کھڑے دیکھ کر بولا۔

"آپ آرام کریں چابی مل گئی ہے۔" اور میں نے دروازہ بند کیا پھر بستر میں لیٹتے ہوئے سوچا۔ نیند اگر تمہیں نہیں آرہی تھی تو مجھے بھی کب آئی ہے شاداب، مگر جلد ہی شاداب کو بھول کر میں پھر ماضی میں کھوگئی جس کو آج میں ایک طویل مدت کے بعد یاد کررہی تھی۔

میرے ابا کا کنبہ تو صرف ان ہی دو بھائیوں پر مشتمل تھا جبکہ امی کی فیملی بڑی تھی میری امی پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں اور گھر بھر کی لاڈلی بھی۔ اور پھر قسمت سے شوہر بھی بہت اچھا ملا جو ہربات مانتا تھا بلکہ بات منہ سے نکلتی نہ تھی کہ پوری پہلے کردی جاتی تھی۔ امی ابا کی دور پار کی رشتہ دار تھیں اور لائل پور (فیصل آباد) کے ایک دور دراز گاؤں کی رہنے والی تھیں...... باقی ہمارا خاندان کچھ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ دادا تو بالکل ہی ان پڑھ تھے اسکول کی شکل تک ان لوگوں نے نہ

دیکھی تھی۔ تاہم ابا اور چچا کے لئے دادا جان نے پوری کوشش کی کہ وہ دونوں پڑھ لکھ جائیں اس لئے انہوں نے بڑے شوق اور پیار سے دونوں بھائیوں کو اسکول میں داخل کروایا تھا۔

مگر شومئ قسمت ابھی ہمارے خاندان میں تعلیم داخل ہونا ہی نہیں چاہتی تھی کیونکہ ابااور چچا کو پڑھنے سے زیادہ گلی ڈنڈا کھیلنے اور پتنگ بازی کا شوق تھا ان مشاغل کی موجودگی میں پڑھائی کس طرح ہوسکتی تھی اس لئے ابا نے دوسری جماعت میں اور چچا نے تیسری جماعت میں اسکول کو خیر باد کہہ دیا یوں ہمارا خاندان ان پڑھ ہی رہا۔

جبکہ اماں کی پوری فیملی اعلی تعلیم یافتہ تھی میرے تین ماموں فوج میں تھے اور ایک پولیس میں جبکہ ایک ماموں زمینوں پر ہوتے تھے مگر انہوں نے بھی زرعی یونیورسٹی سے ڈگری لے رکھی تھی اور اپنی وسیع زمینوں پر زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے نت نئے تجربات کرتے رہتے تھے اور نانا بھی ان کے ساتھ ہی ہوتے تھے تاہم ان کے گھر میں صرف اماں ہی ان پڑھ تھیں اور اس کی وجہ شاید حد سے بڑھا لاڈ پیار تھا اور اسی لئے شاید وہ ابا کے حصے میں آئیں۔

میرے ابا ایک زمیندار تھے تو اماں صرف گھر اور بچوں کو سنبھالنے والی ایک سیدھی سادی عورت تھیں اماں کا خدا سے صرف ایک ہی شکوہ تھا کہ ان کو اولاد کم دی ہے صرف ایک بیٹا اور ایک بیٹی جبکہ چچا کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑے فیاض، پھر ریاض، ان سے چھوٹے فراز، اور آخری فیروز۔ جبکہ بیٹیاں سیما، بشریٰ، اور عذرا۔ گو کہ میرے ابا کی شادی چچا سے پورے دو سال پہلے ہوئی تھی کہ ابا چچا سے دوسال ہی بڑے تھے جبکہ اولاد بہت عرصے بعد یعنی شادی سے گیارہ سال بعد ہوئی جبکہ چچی نے شادی کے فوراً بعد ہی بچوں کی لائن لگانی شروع کردی تھی۔

شادی کے ایک سال بعد ہی انہوں نے بیٹے کو جنم دیا تھا اور دوسرے سال دوسرے بیٹے کواس کے بعد دوبیٹیاں پیدا ہوئیں مگر دونوں ہی خدا کو پیاری ہوگئیں ان کے بعد پھر دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے ایک چل بسا۔ بیٹے کے

بعد پھر دو بیٹیاں ہوئیں اور اس کے بعد پھر دو بیٹے جن میں ایک چل بسا بیٹے کے بعد پھر بیٹی پیدا ہوئی تو اس کے بعد پھر کوئی اولاد نہ ہوئی۔

خدا نے چچی کو کل گیارہ بچے دیئے اور بڑی ترتیب سے دیئے یعنی دو سال بیٹے ہوئے اور دو سال بیٹیاں اسی ترتیب سے انہوں نے گیارہ بچوں کو جنم دیا بس آخر میں ترتیب اس لئے ٹوٹ گئی کہ دو کی بجائے صرف ایک بیٹی پیدا ہوئی اور شاید اولاد کا چچا کے لئے خدا کے گھر مخصوص کوٹہ بھی ختم ہوگیا اور ورنہ چچی کا ابھی ختم کرنے کا موڈ نہیں تھا۔

چچی نے پیدا تو گیارہ بچے کیے تھے مگر ان میں سے زندہ صرف سات بچے تھے چچی میرے چچا کی خالہ کی بیٹی تھیں اور بڑے لمبے چوڑے خاندان سے تھیں چچی کا خاندان دس بہنوں اور دو بھائیوں پر مشتمل تھا ان کے خاندان کی عورتیں بچے پیدا کرنے کی بہت شوقین تھیں۔ اس لئے چچی کی بہنوں نے بھی درجنوں کے حساب سے بچے پیدا کیے تھے۔

شوق تو میری اماں کو بھی بہت تھا کہ ان کے بارہ بچے ہوتے تو ان کی بھی بڑی فیملی ہوتی درجن نہ سہی آدھی درجن بہن بھائی تو وہ بھی تھے مگر خدا کو اماں کے ہاں زیادہ اولاد منظور نہ تھی اس لئے صرف ایک بیٹا اور ایک بیٹی دی اور وہ بھی بڑی مشکلوں اور منتوں کے بعد۔ دراصل دادی تو تھیں نہیں چچی نے ہی شادی کے بعد اماں کے علاج وغیرہ پر توجہ دی۔ دونوں دیورانی جٹھانی میں بڑی محبت تھی یہی وجہ تھی کہ چچی، اماں کو حکیموں ڈاکٹروں کے علاوہ مزاروں پر بھی لے جاتی تھیں آخر ان کی کوششیں رنگ لائیں اور جب چچی نویں بچے کو فیروز کی شکل میں جنم دینے والی تھیں تو امی کا پاؤں بھی بھاری ہو چکا تھا۔

یوں اماں نے شادی کے گیارہ سال بعد جس بچے کو جنم دیا وہ بیٹا تھا۔خاندان بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اماں ابا سے زیادہ چچا، چچی خوش تھے بچے کا نام بھی چچی نے ہی رکھا تھا اور چپکے سے اماں کے کان میں کہہ دیا تھا کہ اب اگر میرے گھر بیٹی پیدا ہوئی تو میں اس کی شادی پرویز سے کروں گی اور اماں نے بھی خوشی سے سرشار لہجے میں کہا تھا۔

''پرویز میرا بیٹا کم اور تمہارا زیادہ ہے مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔''

مگر خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ بیٹی کی بجائے چچی نے بیٹے کو جنم دیا کہ اب باری ہی دو بیٹیوں کی تھی فیروز کی پیدائش پر چچی نے ہنس کر فخر سے کہا تھا۔

''ارے لو حمیدہ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ اب بیٹیوں کی باری ہے خیر ان کے بعد جو بیٹی ہوگی اس کی شادی میں پرویز ہی سے کروں گی۔'' پہلے سے موجود دو بیٹیوں کا ذکر چچی نے اس لئے نہ کیا تھا کہ ہمارے خاندان میں پیدا ہوتے ہی منگنی کردینے کی بری رسم موجود تھی اور چچا دونوں بیٹیوں کے علاوہ چاروں بیٹیوں کی منگنی بھی چچی کے خاندان میں کر چکے تھے۔

فیروز کے بعد حسب معمول ایک بیٹا پیدا ہوا اور مر گیا اور اس کے بعد آخری بیٹی عذرا کی شکل میں پیدا ہوئی اور چچی کی خواہش کے مطابق پیدا ہوتے ہی اس کی منگنی پرویز سے ہوگئی جن کی عمر اس وقت چار سال تھی اور ابھی تک کوئی مزید اولاد نہ ہوئی تھی۔ چچی ایک بار پھر اماں کے لئے اِدھر اُدھر درباروں، مزاروں اور حکیموں کے پاس جانے لگیں، یوں پرویز بھائی کی پیدائش کے آٹھ سال بعد خدا نے ایک بار پھر یہ رحمت میری شکل میں اماں کو ملی تو وہ بہت خوش ہوئیں جب کہ چچی کی نیت ایک بار پھر خراب ہوگئی انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''حمیدہ یہ بچی میرے فیروز کی دُلہن بنے گی۔''

اگرچہ فیروز کی منگنی بھی اس کے پیدا ہوتے ہی چچی نے اپنے بھائی کی بیٹی سے کردی تھی مگر وہ بچی تین برس کی عمر میں ہی دنیا چھوڑ گئی تھی اب جب میں پیدا ہوئی تو بہت خوبصورت تھی بالکل روئی کے گالے کی طرح سفید و نرم و نازک چچی کا دل للچا گیا مگر اماں چپ رہیں، ہاں ناں میں کوئی جواب نہ دیا۔

اصل میں اماں لاکھ دیورانی کی احسان مند سہی کہ ان کی کوششوں سے خدا نے ان کی گود بھری تھی مگر تھیں تو وہ بھی عورت اور ہر عورت کی طرح ان کو بھی اپنے میکے سے بہت محبت تھی اور وہ دل سے چاہتی تھیں کہ بیٹے کی شادی اگر اس کے ددھیال میں ہو تو بیٹی ان کے میکے جائے۔

اس سوچ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پرویز بھائی کی پیدائش کے تین ماہ بعد

خالد ماموں جو زمینوں پر ہوتے تھے ان کو خدا نے بیٹا دیا تھا جس کا نام نانا نے ایاز رکھا تھا۔اماں نے ایاز کی پیدائش پر ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ اگر خدا نے ان کو بیٹی دی تو اس کی شادی اپنے بھتیجے ایاز ہی سے کریں گے۔یہی وجہ ہے کہ میرے پیدا ہونے پر جب چچی نے میری خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے فیروز کے لئے بات کی تو اماں چپ رہیں۔ چچی بھی عقل مند عورت تھیں اماں کی خاموشی کو انکار سمجھ کر چپ ہوگئیں مگر گھر جا کر انہوں نے شوہر سے کہا۔

''حمیدہ کی بچی بہت پیاری ہے میرا جی چاہتا ہے میرے فیروز کی دلہن بنے۔''

''تو بنالو منع کس نے کیا ہے۔'' چچا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''حمیدہ کی شاید مرضی نہیں میں نے بات کی تھی مگر وہ چپ رہیں۔''

''تو اس میں مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے میں لالہ صدیق سے بات کروں گا۔'' چچا نے کہا تو چچی خوش ہوگئیں کہ میں ان کو بے حد پسند آئی تھی۔

لیکن جب چچا نے ابا سے بات کی تو ابا نے پیار سے بھائی کو سمجھایا۔

''حنیف برا نہ ماننا پرویز تمہارا بیٹا ہے جبکہ بیٹی تمہاری بھابی کی خواہش ہے کہ وہ اپنے بھائی خالد کو دے گی۔'' چچا نے ابا کی بات سمجھ لی اور بیوی کو بھی سمجھادی۔

اس طرح میری پیدائش کے چند روز بعد نانا جان ایاز کو ساتھ لے کر آئے جو اُس وقت آٹھ سال کا تھا نانا جان نے ہی میرا نام عائشہ رکھا اور کہا۔

''عائشہ کی شادی ایاز سے ہوگی۔'' یہ کہہ کر انہوں نے میرے چھوٹے سے ہاتھ میں چند بڑے نوٹ رکھ کر بات پکی کردی۔

میرے بعد پھر کوئی اولاد نہ ہوئی حالانکہ اماں اور چچی نے بہت کوشش کی مگر افسوس اماں کی بارہ بچوں والی خواہش پوری نہ ہوسکی آخر تھک ہار کر اماں اپنی قسمت پر شاکر ہوگئیں اور دو بچوں پر ہی اکتفار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے دونوں بہن بھائی کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دینا شروع کردی۔

اماں چونکہ خود تعلیم یافتہ خاندان سے تھیں اگرچہ خود ان پڑھ تھیں اور اُن

کے اَن پڑھ ہونے کا میں پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی تھی اماں تو چاہتی تھیں ہم دونوں بہن بھائی ان کے خاندان کی طرح خوب پڑھ لکھ جائیں مگر آخر ہم پر کچھ اثر اپنے خاندان کا بھی تو ہونا تھا۔ یہی وجہ تھی بھائی تو اچھے جا رہے تھے انہوں نے اپنے گاؤں برج کلاں سے پرائمری کیا پھر مڈل گنڈا سنگھ اسکول سے کیا کیونکہ ہمارے گاؤں میں صرف پرائمری تک ہی اسکول تھا۔ اور میٹرک انہوں نے قصور کے ہائی اسکول سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تو ابا نے ان کو اور چچا نے فیروز کو لاہور کالج ڈاکٹری پڑھنے کے لئے بھیج دیا جہاں وہ دونوں ہاسٹل میں رہتے تھے اور چھٹی کے دنوں میں کالج سے آیا کرتے تھے۔

ہمارے گاؤں میں لڑکیوں کا کوئی اسکول نہ تھا اور نہ ہی گنڈا سنگھ میں لڑکیوں کا اسکول تھا اس لئے اماں نے مجھے بیدیاں کے اسکول میں داخل کرایا تھا جو ہمارے گاؤں سے تھوڑے فاصلہ پر تھا اور میں گاؤں کی چند دوسری لڑکیوں کے ساتھ وہاں پڑھنے کے لئے جایا کرتی تھی مگر مجھے پڑھنے کا بالکل بھی شوق نہ تھا...... وجہ بچپن کی منگنی تھی ہوش سنبھالتے ہی جب مجھے اپنی منگنی شدہ ہونے کا پتہ چلا بس تب سے میرا دل ہی پڑھائی سے اچاٹ ہوگیا تھا ورنہ پہلے تو جیسے تیسے پڑھنے کی کوشش کرتی ہی تھی۔

بات یہ ہے کہ میں ذرا نرم و نازک احساسات کی مالک لڑکی تھی جب مجھے اپنی منگنی کا پتہ چلا تب میری عمر تیرہ سال تھی اور میں ساتویں میں پڑھتی تھی اور ساری خرابی مجھ میں اسی وقت پیدا ہوئی اور ان دیکھے منگیتر کی محبت پریشان کرنے لگی۔ جی چاہتا پڑھائی وغیرہ کو چھوڑ چھاڑ کر اُڑتی ہوئی اس کے پاس چلی جاؤں، اسکو جی بھر کر دیکھوں، ڈھیروں باتیں کروں اور باقی سب کچھ بھول جاؤں، مطلب پڑھائی۔

اس کے خیالات میرے بارے میں کیا تھے یہ میں جانتی تو نہیں تھی مگر جاننے کی شدید خواہش مند تھی جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا تب سے وہ ہمارے ہاں نہ آیا تھا یہی وجہ تھی ابھی تک میں نے اُسے دیکھا بھی نہیں تھا۔

ایاز چونکہ اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے اور تین بہنوں کے لاڈلے

بھائی تھے اس لئے ان کی تعلیم وتربیت پر بھی خوب توجہ دی جا رہی تھی کہ ماموں خالد تعلیم کے بارے میں بہت سخت تھے یہی وجہ تھی کہ اکلوتا ہونے کے باوجود انہوں نے پانچویں پاس کرتے ہی ایاز کو کیڈٹ کالج حسن ابدال بھیج دیا تھا جہاں سے وہ بس مخصوص دنوں میں ہی گھر والوں سے ملنے آیا کرتے تھے۔ اور ایسے میں کبھی انہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ ہمارے ہاں کا بھی ایک چکر لگالیتے کہ اپنی منگنی کا تو انہیں بھی پتہ ہوگا...... مگر اس کو کبھی ہمارے ہاں آنا نصیب نہ ہوا اور خود میں بھی اس لئے نہ گئی کہ مجھے لمبے سفر اچھے نہیں لگتے تھے اس لئے ہماری بھی ملاقات نہ ہوسکی مگر اس کی دونوں چھوٹی بہنیں میری بہت اچھی سہیلیاں تھیں وہ اکثر ہمارے گھر رہنے آیا کرتی تھیں اور میں ان کو اپنے دل کا حال جی بھر کر سنایا کرتی تھی مجھے تو ایاز کی باتیں کرنا اور سننا اچھا لگتا تھا۔ میں اماں کے سامنے بیٹھ کر اُن سب کا ذکر چھیڑ دیتی...... پھر اماں تو شروع ہو جاتیں اور میں محبت سے بیٹھی سنتی رہتی اور سوچتی کیا وہ بھی میرے لئے یہی جذبات رکھتا ہوگا یا صرف اپنی پڑھائی میں مگن ہوگا جبکہ میں اس کی محبت میں پڑھائی بھی بھول بیٹی تھی۔ میرے دن رات اس سے ملنے کی تڑپ میں گزر جاتے تھے۔ اس بار ابا جب ماموں سے ملنے آئے تو بتایا۔

''خالد کہہ رہا تھا کہ ایاز اب تعلیم سے فارغ ہو کر آنے ہی والا ہے اس کے آنے پر منگنی کی باقاعدہ رسم ادا کی جائے گی۔

یہ بات سن ک میں مارے خوشی کے ناچ اُٹھی اور یہ بات اپنی سب سہیلیوں کو بھی بتاتی تھی غرض کہ اب مجھے دن رات ایاز کا ہی خیال رہتا تھا۔ میں سوچتی کاش وہ کبھی اچانک آجائے تو میں اماں سے چھپ کر ایاز سے بہت ساری باتیں کروں گی اور یہ بھی پوچھوں گی کہ وہ اب تک ہمارے ہاں آیا کیوں نہیں۔

اپنے فائنل امتحانوں سے فارغ ہوکر پرویز بھائی جان واپس آئے تو میں بہت خوش تھی کہ اب ہاؤس جاب شروع ہونے تک وہ فارغ ہی تھے اور جب وہ فارغ ہوتے تھے تو اکثر مجھے اپنی موٹر بائیک پر شہر (قصور) کی سیر کے لئے لے جاتے تھے لیکن اب کے بھائی جان آئے تو آتے ہی کہا۔

''اماں آپ کو اطلاع کرنے آیا ہوں کچھ دنوں کے لئے ماموں کے ہاں

جارہا ہوں۔'' اور اسی وقت وہ ضروری تیاری کر کے چلے گئے اور میں جو یہ سوچ کر بیٹھی تھی کہ اب خوب سیر کروں گی ان کے جانے پر منہ بسور کر بیٹھ گئی۔ میں موڈ آف کئے بیٹھی ہی تھی کہ اچانک میرے چچا کی بیٹی میری ہونے والی بھابی چلی آئی اس کو دیکھتے ہی میرا موڈ خود بخود درست ہوگیا۔ کیونکہ عذرا میری کزن اور ہونے والی بھابی ہی نہیں بہت پیاری اور رازدار سہیلی بھی تھی میں اپنے دل کی ہر بات بلا جھجک اسے بتادیا کرتی تھی اور عذرا بھی ہر بات مجھ سے کرلیا کرتی تھی عذرا جب بھی ہمارے گھر آتی ہم سب لڑکیاں مل کر نہر پر چلی جایا کرتی تھیں ہمارا گاؤں برج کلاں بہت پیارا تھا یا پھر ہمیں ہی لگا کرتا تھا اور تھا بھی حقیقت میں بہت خوبصورت جگہ پر اونچائی والی جگہ پر گھر تھے اور نشیب میں باغوں کے لامتناہی سلسلے اور پھر نہر۔ ان کی وجہ سے ہمارے گاؤں کا موسم بہت سہانہ رہتا تھا۔ درختوں پر ایک پھل جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا۔

باغات میں ہر وقت کام کرنے والے مرد، عورتوں اور بچوں کی وجہ سے رونق رہتی تھی خاص کر جب آلو چے کی سفید سفید پھول کھلتے تو فضا میں ایک بھینی سی مہک پھیل جاتی تھی ایسے میں ہم سب سہیلیاں باغوں کی سیر کو نکل پڑتی تھیں۔

''کیا بات ہے مرغی کی طرح منہ پھلائے بیٹھی ہو؟'' عذرا نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے ہنس کر پوچھا جیسے وہ میرے منہ پھلانے کی وجہ جانتی ہو۔ ہوسکتا ہے فیروز بھائی کو پرویز بھائی نے بتادیا ہو کہ وہ لائل پور (فیصل آباد) جارہے ہیں کیونکہ دونوں ایک ہی کالج میں پڑھ رہے تھے اور ایک ساتھ ہی فارغ ہوکر آئے تھے۔

''ارے بولتی کیوں نہیں کیا مجھ سے بھی ناراض ہو؟'' عذرا نے پھر پوچھا تو میں پھٹ پڑی۔

'' وہ تمہارا کچھ لگتا سیر کروائے بغیر ہی چلا گیا ہے ماموں لوگوں کے ہاں۔''

''وہ تمہارا بھی تو کچھ لگتا ہے'' عذرا نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔۔ میں چپ رہی تو اس نے پھر کہا۔

''ارے اب اٹھو بھی دیکھو موسم کتنا خوبصورت ہو رہا ہے اور میں اٹھی ہی تھی کہ اماں جو ساتھ والی پڑوسن کے ہاں گئی ہوئی تھیں واپس آگئیں عذرا نے جلدی سے سلام کیا کہ وہ تائی ہونے کے علاوہ ہونے والی ساس بھی تھیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' اماں نے عذرا کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہر پر'' میں نے چادر لیتے ہوئے جواب دیا۔

''خبر دار اُدھر نہ جانا۔ سنا ہے پھر وہاں کچھ خانہ بدوشوں نے ڈیرہ لگایا ہے۔'' اماں نے بتایا۔

''تو پھر کیا ہوا ہمیں تو وہ کچھ بھی نہیں کہیں گے اماں۔'' میں نے کہا اور عذرا کے ساتھ باہر نکل آئی ہمارے گھر کے ساتھ ہی میری سہیلی کلثوم کا گھر تھا میں نے ٹاٹ کا پردہ اٹھاتے ہوئے اس کو آواز دی اور پھر باری باری سب کو پکارتی گئی گڈو ثریا، ارشاد۔ گلی کے اختتام کیساتھ ہی باغات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

ہم سب ہنستی مسکراتی باتیں کرتیں باغات سے نکل کر میدان سے ہوتی ہوئیں نہر پر چلی آئیں۔ نہر کے کنارے قطار در قطار درخت لگائے گئے تھے جن کی چھاؤں میں گرمیوں میں بیٹھنا کتنا اچھا لگتا تھا اور سردی میں سارے درخت خزاں کی وجہ سے ٹنڈ منڈ ہو جاتے تھے ہم سب سہیلیاں نرم نرم گھاس پر بیٹھ گئیں تو عذرا نے مسکراتی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سنا ہے تمہارا ایاز تعلیم اور ٹریننگ مکمل کر کے واپس آ رہا ہے؟'' ایاز کا سن کر میں مسکرا دی اور کہا۔

''تمہارے والا تو ایاز سے پہلے ہی فارغ ہو کر آ گیا ہے۔''

''ہاں'' عذرا نے ٹھنڈی سانس لی۔۔۔۔ ''شکر ہے خدا کا ان کی تعلیم مکمل ہوئی ورنہ مجھے تو لگتا تھا میں بوڑھی ہو جاؤں گی شادی ہونے تک۔'' اس کی بات سن کر سب ہنسنے لگیں تو میں نے کہا۔

''بہت شوق ہے تمہیں شادی کا تو میں اماں سے کہتی ہوں۔''

''اب کیا فائدہ اب تو وہ فارغ ہو ہی چکا ہے شادی ہو ہی جائے گی مگر دو سال پہلے جب ابا نے تایا سے کہا تھا کہ لڑکا پڑھتا بھی رہے مگر شادی بھی کر لے

تب انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا کہ شادی کے بعد ڈاکٹری نہیں پڑھی جا سکتی اس وقت تم کہاں تھیں تب تم میرے لئے کچھ نہ کر سکیں'' عذرا نے مصنوعی غصے سے کہا تو ایک بار پھر سب ہنسنے لگیں۔

ہم سب باتوں میں مصروف تھیں کہ ایک فقیرنی ٹائپ عورت ہماری جانب آتی ہوئی دکھائی دی اس کو دیکھتے ہی ثریا نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے اٹھو، اٹھو دیکھو وہ ادھر ہی آ رہی ہے۔''

''میری بات سنو اماں کہتی ہیں یہ جو خانہ بدوش ہیں یہ ناک پر رومال ڈال کر لڑکیوں اور بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔'' ثریا کی گھبراہٹ میں کمی نہ ہوئی تھی۔

''ارے بیٹھو'' گڈو نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا'' پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اکیلی ہے اور ہم چھ۔ کس کس کے منہ پر رومال رکھے گی۔۔۔۔ اور فرض کر وہ ہمیں بے ہوش کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو تمہیں اور عائشہ کو اٹھائے گی کیسے کیا کرین لائے گی تمہارے لئے''اس نے میرے اور ثریا کے فربہ جسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو سب ہنسنے لگیں۔

اتنے میں وہ عورت ہمارے قریب آگئی اور کہنے لگی۔

''ہاتھ دکھانا ہے کسی کو بی بی۔''

''نہیں'' ثریا نے تنک کر کہا ''یہ سب ٹھگنے کے بہانے ہیں اور ہم یہاں گھروں سے پیسے لے کر نہیں آئے ہیں۔''

''پیسے کون مانگتا ہے'' عورت خود ہی ہمارے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تو پھر اور کیا مانگتی ہو؟'' ارشاد نے پوچھا۔

''جب تک ہم یہاں ہیں آپ ہمیں دو وقت کی روٹی اور لسی دے دیں تو مہربانی ہوگی۔''

''مگر دیں کیسے ہم گھروں سے نکل نہیں سکتیں اور تم لوگوں کا بستی میں آنا منع ہے۔'' کلثوم نے کہا کیونکہ جب بھی خانہ بدوشوں کا کوئی قافلہ ادھر رکتا تھا تو عورتیں روٹی کے بہانے گاؤں کے ایک ایک گھر میں جا کر بھید حاصل کرتیں پھر

موقع پا کر ان کے مرد چوری کرتے اور قافلہ لے کر چلے جاتے ہیں اس لئے اب گاؤں والوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ اب اگر خانہ بدوشوں کا کوئی قافلہ میدان میں لگا تو ان کی عورتوں اور بچوں کو گاؤں کے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔

’’بی بی جی ہمارے بچے دودھ لسی کے لئے روتے ہیں اگر اب تک یہاں چور خانہ بدوش آتے رہتے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور۔‘‘

’’ٹھیک ہے، ٹھیک ہے‘‘ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

’’تم ہمارے ہاتھ دیکھو اور سنو صرف تم ہی گاؤں سے روٹی لینے آؤ گی تمہارا کوئی مرد یا دوسری عورت نہیں آئے گی۔‘‘

’’ٹھیک ہے جی‘‘۔ وہ مان گئی تو ثریا نے جھٹ پٹ اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور کہا۔

’’پہلے تم میرا ہاتھ دیکھو‘‘ گڈو نے کہا۔

’’پہلے تو ڈر کر بھاگ رہی تھی اب کیسے سب سے پہلے ہاتھ دکھا رہی ہو۔‘‘ ثریا نے سنی ان سنی کر کے ہاتھ عورت کے سامنے کر دیا عورت نے ہاتھ پکڑا اور بولی۔

’’پوچھو کیا پوچھنا ہے؟‘‘

’’ارے وہی شادی، بچے‘‘۔ ثریا کے بولنے سے پہلے ہی ارشاد نے شرارت سے کہا اور عورت بولی۔

’’تمہاری شادی ذرا دیر سے ہوگی اور بچے پانچ ہوں گے اور سب ہی زندہ رہیں گے‘‘

’’صرف پانچ‘‘ ۔ثریا کے منہ سے بے ساختہ نکلا ہم سب، ہنسنے لگیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بولی۔

’’بس بس اب ان کا ہاتھ دیکھو‘ اور الگ ہٹ کر بیٹھ گئی۔

’’چلو عائشہ اب تم دکھاؤ‘‘ عذرا نے کہا۔

’’نہیں پہلے تم۔‘‘ میں نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر عورت کے سامنے کر دیا

وہ غور سے دیکھنے لگی پھر بولی۔’’ تمہاری شادی بہت جلد ہونے والی ہے۔شاید ایک مہینہ ہی لگے اور۔‘‘

’’بکواس‘‘ کلثوم نے کہا’’ ابھی تو اس کا منگیتر پڑھ کر آیا ہے نوکری ملے گی تو۔‘‘

’’میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ بمشکل شادی کو ایک مہینہ لگے گا اور چھ بچے ہوں گے چار بیٹے دو بیٹیاں مگر یہ دو لکیریں ذرا ہلکی میں اسلئے ہوسکتا ہے دو بچے مرجائیں۔‘‘

’’ہائے نہیں۔‘‘ عذرا نے ہاتھ چھپالیا تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’تمہاری ساس کی تو ایک درجن بچے پیدا کرنے کی خواہش پوری نہ ہوسکی اب تم آدھے درجن۔‘‘

’’نہیں‘‘عذرا سرخ چہرے کے ساتھ مجھے ڈانٹنے لگی تو میں نے اپنا ہاتھ عورت کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

’’اب اس کو دیکھو‘‘ اور وہ بغور دیکھنے لگی اور دیکھتی رہی جب کچھ وقت یونہی گزرا تو میں نے جھنجھلا کر کہا

’’اب پھوٹو بھی منہ سے کچھ یا اندھی ہوگئی ہو‘‘ کہ زبان دراز تو میں ہمیشہ سے تھی۔

’’وہ بی بی جی‘‘ عورت کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئی۔

’’وہ کیا‘‘ میں نے اس کی خاموشی پر دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

’’تمہارے ہاتھ میں شادی والی جگہ پر تین لکیریں ہیں۔‘‘

’’کیا بک رہی ہو؟‘‘ عذرا نے غصہ سے بھرے لہجے میں کہا۔

’’میں سچ کہہ رہی ہوں بی بی ہوسکتا ہے ان کی دو منگنیاں ہو کر ٹوٹ جائیں کیونکہ دو لکیریں ذرا باریک ہیں۔‘‘ عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

’’ارے تو مار کھا کر ہی باز آئے گی۔ اس کی منگنی تو بچپن ہی میں ہوچکی ہے اب تو اس کا منگیتر پڑھ کر آنے والا ہے۔‘‘

عذرا غرائی تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''عذرا کیوں غصے ہوتی ہو وہ کونسا سچ بول رہی ہے روٹی کیلئے نجانے بچاری ،خیر ہاں بھئی آگے بتاؤ۔''

''آگے یہ کہ آپ پڑھ کر بہت ترقی کریں گی'' عورت نے شاید مجھے اور عذرا کو خوش کرنے کے لئے کہا تو میں ہنس پڑی پھر عذرا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''دیکھو میں پڑھ لکھ کر بہت ترقی کرونگی کیونکہ مجھے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہے میں ہر وقت کتاب ہاتھ میں رکھتی ہوں'' میری بات سمجھ کر عذرا ہی نہیں وہ سب بھی ہنسنے لگیں کہ وہ سب جانتی تھیں کہ مجھے پڑھائی سے کتنی نفرت ہے۔

''ہاں بھئی بچوں کا تو تم نے بتایا ہی نہیں،'' ارشاد نے عورت سے کہا جو پاگلوں کی طرح ہمیں ہنستے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو غصہ تو نہیں آئے گا؟'' عورت نے میرے ہاتھ پر نظر جما کر کہا۔

''پرواہ مت کرو'' میں نے اس کے خوف کو سمجھتے ہوئے حوصلہ دیا تو وہ بولی۔

''بچوں کی صرف دو لکیریں ہیں اور وہ بھی مجھے سمجھ نہیں آ رہیں ایک تو بہت ہی مدھم ہے اور دوسری ٹوٹی ہوئی ہے۔

''اس کا مطلب؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''مطلب آپ کے صرف دو بچے ہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر چپ ہوئی تو میں نے ہنس کر کہا۔

''میری اماں کے بھی دو ہی بچے ہیں۔''

''مگر بی بی ان میں سے ایک بچہ مرجائے گا جبکہ دوسرے کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔'' وہ ہچکچائی۔

''میرے اپنے تو زندہ بچنے کی امید ہے ناں'' میں ہنسنے لگی جبکہ عذرا نے کہا۔

''ارے چل اٹھ جھوٹی نمبر ایک خبردار جو روٹی اور لسی لینے گاؤں میں آئی''

عورت رحم بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگی تو میں نے کہا۔

''یہ جو باغات کے پاس گلی ہے ناں اس میں چوتھا گھر ہمارا ہے تم آنا روٹی ہی نہیں دودھ بھی دونگی۔''

''ابھی آپ کے ساتھ نہ آجاؤں'' عورت نے اجازت طلب کی۔

''ہاں ٹھیک ہے ہمارے ساتھ ہی چلو شام ہورہی ہے ہم بھی جا ہی رہی ہیں'' میں نے غروب ہوتے سورج کو دیکھتے ہوئے کہا کہ ایسے میں اماں مجھے گھر سے باہر جانے نہ دیتی تھیں۔

وہ عورت ہمارے ساتھ آئی جبکہ عذرا راستے سے ہی اپنے گھر چلی گئی۔ میں نے گھر میں داخل ہوتے ہی کہا۔

''نوری اس عورت کو روٹیاں، گڑ اور سویرے کی لسی اگر ہو تو دیدو۔'' اور خود سامنے بچھے تخت پر بیٹھ گئی۔۔۔وہ عورت مسلسل میری طرف دیکھ رہی تھی آخر تنگ آ کر میں نے پوچھ ہی لیا۔

''بی بی میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ لڑکی جو آج آپ کی محبت میں بول رہی تھی آنے والے دنوں میں آپ سے بہت نفرت کرے گی اور۔۔۔آپ اتنی اچھی ہیں میری دعا ہے خدا آپ کو شادو آباد رکھے میں نے جو کچھ آپ کے ہاتھ میں دیکھا ہے خدا کرے وہ سب غلط ہو اور آپ ہمیشہ خوش رہیں۔''

''ارے میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتی'' میں نے کہا اتنے میں نوری گڑ، روٹیاں اور لسی لے کر آگئی ساتھ صبح کا بچا ہوا سالن بھی تھا وہ عورت سب کچھ لے کر بہت خوش ہوئی وہ جانے ہی لگی تھی کہ اچانک یاسین دودھ کی بھری بالٹی لے کر آگیا عورت نے جاتے جاتے دودھ کی طرف دیکھا تو میں نے کہا۔

''نوری اس کو تھوڑا دودھ بھی دے دینا'' اور خود تخت پر ہی آرام کرنے کے لئے لیٹ گئی۔

بھائی جان کو ماموں لوگوں کے ہاں گئے پورا ہفتہ ہوچکا تھا مگر وہ ابھی تک واپس نہ لوٹے تھے۔اس روز میں دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوکر اماں کے پاس بیٹھی بور ہورہی تھی کہ اچانک بھائی جان گھر میں داخل ہوئے ان کو دیکھ کر میں

مارے خوشی کے کھل اٹھی۔۔۔مگر یہ کیا وہ اکیلے تو نہ تھے اُن کے ساتھ کوئی اور بھی تھا بھائی جان نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

''اماں دیکھو تو میرے ساتھ کون آیا ہے۔''۔۔۔۔۔اور اماں سے پہلے تو میں نے دیکھا اور ششدر سی دیکھتی رہ گئی وہ بہت خوبرو اور سوہنا تھا۔

''کون ہوسکتا ہے؟'' میں نے دل میں سوچا اور پھر اماں کی آواز سن کر چونک پڑی۔

''میں صدقے یہ میرا پتر ایاز کیسے آگیا آج بھول کر۔'' وہ تخت پوش سے اتر کر بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھیں۔

اور میں یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو یعنی جس کو دن رات میں سوتے جاگتے یاد کرتی تھی وہ حقیقت بن کر میرے سامنے آگیا تھا میرا انگ انگ خوشی سے ناچنے لگا تو پھر وہ تو اماں سے گلے ملنے میں لگ گیا اور میں مارے شرم کے چپل وہیں چھوڑ کر بھاگی تو پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

''ارے اس کو کیا ہوا؟ یہ عائشہ ہی تھی ناں'' وہ بھائی جان سے پوچھ رہا تھا۔

☆☆☆

''ہاں یار وہی تھی۔'' بھائی جان نے مسکرا کر کہا۔''کیا پہچانا نہیں؟''

''لیکن یہ بھاگ کیوں گئی؟'' وہ اماں سے الگ ہوتے ہوئے پوچھنے لگا جبکہ میں اندر دروازے کے قریب کھڑی ان کی تمام باتیں سن رہی تھی۔

''میرا خیال ہے شرما کر بھاگی ہے، خیر تم بیٹھو میں ذرا ایک چکر باغات کا لگا آؤں ورنہ ابا ناراض ہوں گے کہ اس بار آتے ہی تمہاری طرف نکل گیا اصل میں قدیر نے بلایا تھا کہہ رہا تھا کہ اس موسم میں شکار بہت ہے چلے آؤ اور میں فارغ ہوتے ہی چلا گیا۔'' پھر وہ ایاز کا جواب سنے بغیر باہر نکل گئے جبکہ ایاز وہیں اماں کے پاس تخت پر بیٹھ گیا تو اماں نے پوچھا۔

''تم کب آئے تھے ایاز؟''

''پھوپھی امتحانوں سے فارغ ہو کر آج صبح ہی گھر پہنچا تھا وہاں پرویز

سے ملاقات ہوئی جو آنے کی تیاری کر رہا تھا میں نے سوچا بہت عرصہ گزر گیا آپ کی طرف آنا نہیں ہوا دیکھیں تو سہی ہماری پھوپھی بھلا رہتی کہاں ہیں اس لئے پرویز کے ساتھ ہی چلا آیا۔''

''بہت اچھا کیا جو چلے آئے۔تم سے ملنے کو میرا بہت دل چاہتا تھا یہ بتاؤ وہاں تو سب خیریت ہے ناں بھائی، بھابھی اور بچے؟''

''ایک دم فرسٹ کلاس۔'' ایاز نے بتایا۔

''اچھا اور وہ قدیر وہ تو ٹھیک ہے ناں؟'' اماں نے پوچھا پھر جواب سنے بغیر چلائیں۔

''او عائشہ کہاں ہو تم؟''

''اماں یہاں ہوں'' میں منمنائی۔

''ارے تجھے کب عقل آئے گی کب سے ایاز آیا بیٹھا ہے کچھ کھانے پینے کو دوگی یا یوں بھوکا ہی رکھو گی یا پھر مجھے ہی اٹھنا پڑے گا۔''

''کیا لاؤں اماں؟'' میں نے اندر سے ہی پوچھا تو ایاز بولا۔

''رہنے دیں پھوپھی، فی الحال کھانے پینے کی گنجائش ہی نہیں دراصل کھانا تو ہم نے لاہور میں کھایا تھا اور اب گاؤں آتے ہوئے پرویز نے قصور کا مشہور فالودہ بنوایا تھا اس لئے اب اگر کچھ کھاؤں گا تو رات کو ہی کھاؤں گا۔'' ایاز نے میری مشکل آسان کردی پھر بولا۔

''پھوپھی صبح حسن ابدال سے گھر آتے ہی پرویز کے ساتھ چلا آیا اب تھکن ہو رہی ہے اس لئے آرام کروں گا کمرہ دکھا دیں۔''

''عائشہ باہر آؤ ذرا ایاز کو پرویز کا کمرہ تو دکھانا۔'' اماں کہہ رہی تھیں۔

میں نے سوچا، اماں کو معلوم بھی ہے کہ میں محض اس کی وجہ سے اندر چھپی کھڑی ہوں اور اماں مجھے اس کے سامنے ہی باہر بلا رہی ہے میں بھی نہیں جاؤں گی۔

''عائشہ! سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے؟'' اماں نے غصے سے کہا تو دھڑکتے دل کے ساتھ دوپٹہ سنبھالتی باہر چلی آئی...... ایاز اماں کے پاس یوں نظریں جھکائے

بیٹھا تھا جیسے بہت شرم آ رہی ہو۔ مجھے دیکھتے ہی اماں نے کہا

"اٹھو ایاز عائشہ تمہیں کمرہ دکھا دے گی۔" اور وہ خاموشی سے اٹھ گیا اس نے ایک بار بھی مجھے نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا اور نہ ہی میری خیر خیریت پوچھی تھی۔ میں اس کے آگے آگے چلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ خدا جانے میرے بارے میں اس کے خیالات کیا ہیں وہ مجھے پسند بھی کرتا ہے کہ نہیں۔ ان ہی سوچوں میں گم دروازے کے پاس پہنچ کر میں رکی......اور پھر دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"یہی ہے پرویز بھائی جان کا کمرہ آپ آرام کریں۔"

"شکریہ" جواب میں ایاز نے کہا اور میرے قریب سے گزر گیا۔

میں دل ہی دل میں اس کی خاموشی پر کھولتی ہوئی واپس مڑنا ہی چاہتی تھی کہ بس اچانک ہی ایاز نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک جھٹکے سے اندر کھینچ لیا...... اور میں بغیر کسی رکاوٹ کے سیدھی اس کے ساتھ جا لگی۔ یہ سب اچانک ہوا تھا......مگر جیسے ہی مجھے ہوش آیا میں نے شرما کر الگ ہونے کی کوشش کی تو ایاز نے بازوؤں کا حصار تنگ کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"کہاں بھاگی جا رہی ہو عائشہ ڈیئر؟"

میں چپ رہی تو ایاز نے پھر کہا۔

"اتنی دور سے صرف تمہارے لئے آیا ہوں۔ آج صبح ہی حسن ابدال سے گھر پہنچا تو پرویز یہاں آنے کی تیاری میں تھا میں نے اس کے ساتھ آنے کا فیصلہ کیا کہ بہت لمبا عرصہ تمہیں دیکھے بغیر گزر گیا تھا۔ میرا خیال ہے دس سال سے میں نے تمہیں نہیں دیکھا مگر" وہ رکا...... تو میں نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا اور ایاز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر وہ دونوں جو تمہاری بہت گہری سہیلیاں ہیں وہ تمہاری باتیں کر کے میرے دل میں تمہاری محبت جگاتی رہیں اور میرے اشتیاق کو بڑھاتی رہی تھیں۔"

"جبھی اتنی جلدی چلے آئے۔" میں نے صرف دل میں سوچا اور بازوؤں کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی تو ایاز نے پوچھا۔

"کیا تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا؟"

میں نے تڑپ کر سر اٹھایا...... یہ وہ کیا پوچھ رہا تھا وہ جس کا ہوش سنبھالتے ہی میں نے انتظار شروع کر دیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا، مگر جواب میں، میں اب بھی خاموش تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" ایاز نے مجھے مسلسل اپنے چہرے کی طرف دیکھتے پا کر پوچھا تو میں نے نگاہیں جھکا لیں۔

"عائشہ میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے کیا جواب دینے کا موڈ نہیں یا......؟"

"عائشہ!" اماں نے آواز دے کر میری مشکل آسان کر دی اور میں جواب دیئے بغیر خود کو چھڑا کر باہر بھاگ آئی۔

"اتنی دیر لگا دی کیا کر رہی تھی وہاں؟" اماں نے پوچھا۔

"اماں بستر کی چادر اور تکیے کے غلاف میلے ہو رہے تھے سوچا مہمان ہے بدل دوں بس ان کو بدلنے میں دیر ہو گئی۔" میں نے وضاحت کی۔ جھوٹی ہی سہی مگر اماں کو مطمئن بھی تو کرنا تھا پھر میں بھاگ کر اپنے کمرے میں آئی شکر ہے اماں نے میرا چہرہ غور سے نہ دیکھا تھا جو مارے خوشی اور جذبات کی شدت کی سرخ ہو رہا تھا، تپ رہا تھا۔

میں ایاز کی باتیں یاد کر کے مسکرانے لگی، بے شرم کیسے مجھے کھینچ لیا تھا اور کتنا بے وقوف ہے مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ مجھے اس کا آنا اچھا نہیں لگا کیا میرے چہرے پر رقص کرتی خوشی اس نے نہیں دیکھی۔

خوشی سے میں مسکرا دی اگر ایاز سے مجھے محبت تھی تو ایاز کو بھی مجھ سے پیار تھا اور یہ بہت سارا پیارا اس کے دل میں میری نندوں نے پیدا کیا تھا مجھے اپنی نندوں پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

"عائشہ۔" اماں نے پھر آواز دی تو میں کمرے سے باہر نکل آئی۔

"جی اماں؟" میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"رات کے کھانے میں کیا بنانا ہے؟" اماں نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ اماں" کہنے کو تو میں نے کہہ دیا۔ مگر دل چاہ رہا تھا کہ دنیا

بھر کے پکوان بنا کر اس کے سامنے رکھ دوں...... تاہم مجبوری یہ تھی کہ مجھے ابھی
بھی پکانا نہیں آتا تھا۔ اگر مجھے اس کے اچانک آنے کا پتہ ہوتا تو نہ جانے کیا،
پکانا سیکھ لیتی۔ فی الحال میری عمر بھی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ہر کام میں ماہر ہوجاتی۔
کہ ہمارے خاندان میں لڑکی کی کم عمری میں شادی کر دینے کا رواج تھا۔ وجہ ہمار
یہاں کا ماحول بھی تھا ہمارا ماحول ہی ایسا تھا کہ چھوٹی چھوٹی عمر میں لڑکیوں
شادی کر دی جاتی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر میں شادی ضرور ہوجاتی تھی۔

یہ ہمارے ماحول کا ہی اثر تھا کہ میں بن دیکھے ایاز کی محبت میں گر
ہوگئی تھی۔

میری دو تین سہیلیوں کی شادی آٹھویں پاس کرتے ہی ہوگئی تھی جبکہ
اس وقت میٹرک میں تھی۔ میں نے اماں سے کئی بار کہا۔

''اماں میرا اسکول جانے کو دل نہیں چاہتا اور نہ ہی کتابوں کی شکل دیکھ
کو''۔

ہوسکتا ہے کہ اماں میری بات مان ہی جاتیں کہ میں ان کی بہت لاڈلی
اور وہ میری ہر بات مان لیتی تھیں مگر بھائی جان میرے رستے کی سب سے بڑ
دیوار تھے ان کا کہنا تھا۔

''ایاز پڑھ رہا ہے، اسے آفیسر بننا ہے بہت زیادہ نہیں مگر میٹرک تو کرلو''

میری محبت میں ہوسکتا ہے اماں اپنے پیارے بیٹے کی بات بھی نہ مانتی
خالد ماموں یعنی میرے ہونے والے سسر کو پتہ چلا تو انہوں نے سختی سے کہا۔

''خبردار جو اسکول چھوڑنے کی حماقت کی، شادی سے پہلے کم از کم میٹر
تو کرلو باقی پڑھائی بعد میں ہوتی رہے گی۔'' یعنی وہ شادی کے بعد بھی مجھے پڑھ
چاہتے تھے ان کی بات سن کر میرا دل چاہا پھوٹ کر رو دوں مگر کوئی فائدہ نہیں تھا۔

میں اچھی طرح جانتی تھی ماموں خالد کی بیوی ان پڑھ تھی مگر شادی کے
پہلے سال ہی انہوں نے دو کام کئے تھے ایک تو ایک بیٹی کو جنم دیا تھا دوسرا ماموں
نے ان کو خود تیاری کروا کر میٹرک کا امتحان دلوایا تھا اس کے بعد بھی ماموں۔
پڑھائی کا یہ سلسلہ جاری رکھا تھا اور مامی کو بھی بی اے کروانے کے بعد کہیں چھو

تھا۔

ماموں کے جانے کے بعد میں خوب روئی تھی اماں کو دکھانے کے لئے،
بھلا یہ بھی کوئی بات ہے دل نہ بھی چاہے تو پڑھو...... پڑھ لکھ کر مجھے کون سا ایاز کی
طرح آفیسر بننا تھا مگر اماں نے میرے رونے سے متاثر ہوئے بغیر کہا۔

''اگر ایاز سے شادی کرنا چاہتی ہو تو خوب پڑھو۔''

یہی وجہ ہے میں نے اسکول جانا تو نہ چھوڑا تھا مگر پڑھائی بھی کچھ خاص
نہ کرتی تھی جس کی وجہ سے نویں میں مجھے فیل کر دیا گیا۔ تو میں بہت خوش ہوئی تو
یہ لوگ لازماً مجھے اسکول سے اٹھالیں گے۔ مگر اماں نے ایک بار پھر میرے ساتھ
دشمنی کی اور ہیڈ مسٹریس سے بات کر کے ہمیشہ کی طرح مجھے نئی کلاس یعنی دسویں
میں داخل کروایا مگر اب کی بار ہیڈ مسٹریس نے صاف کہہ دیا کہ میٹرک بڑا امتحان
ہے اور ہوگا بھی اسکول سے باہر بورڈ کا اب اس کو محنت کرنا ہوگی۔

''کرے گی اب ضرور کرے گی محنت، اب اس کا بھائی فارغ ہو کر آنے
ہی والا ہے اس کو کہوں گی کہ وہ اس کو پڑھا دیا کرے گا۔'' اماں یہ کہہ رہی تھیں اور
میں چپ چاپ بیٹھی دانت پیس رہی تھی...... یہ سب گھر والوں کی کوششیں ہی تھیں
جو میں فیل ہونے کے ریکارڈ قائم کرنے کے باوجود ابھی تک اسکول میں تھی جبکہ
میری سہیلیاں اپنے گھروں کو آباد کر رہی تھیں۔

''عائشہ! تو کس سوچ میں پڑ گئی۔'' اماں کی آواز مجھے ہوش میں کھینچ لائی
کہ وہ کچھ کہہ رہی تھیں چند مہینوں سے ان کے ہاتھوں پر دانے سے نکل آئے تھے
جو کسی طرح ختم ہونے میں ہی نہیں آتے تھے یہ حالت دیکھ کر اماں نے مجھ سے کہا
تھا۔

''اب تجھے کھانا پکانا سیکھنا ہوگا'' اور میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

''اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں کھانا پکانا سیکھ لوں تو پھر اسکول کو چھوڑنا''۔

''بس بس رہنے دو'' اماں نے بگڑ کر کہا۔'' حد ہوگئی ہے۔ نالائقی کی۔
بات کوئی کرو فوراً اسکول چھوڑنے کی دھمکی۔''

پھر مجھ سے مایوس ہو کر انہوں نے کشور کو رکھ لیا تھا کھانا بنانے کیلئے۔ بے

اولاد عورت تھی اور اب رہتی بھی ہمارے گھر میں تھی اگرچہ گھر میں ایک اور نوکرا نوری بھی تھی مگر وہ صفائی وغیرہ کرتی تھی کھانا صرف کشور ہی بناتی تھی۔ میں کشور بلا کر لائی تو اماں نے کہا۔

”سنو کشور ڈربے میں سے دو چار مرغ نکال کر ذبح کرلو اور رات کا کھا بہت اچھا ہونا چاہئے سالن اور روٹی کے ساتھ پلاؤ بھی بنانا اور کھیر بھی ضرور بنا بلکہ کھیر ابھی سے بنا کر رکھ دو تا کہ رات تک ٹھنڈی ہوجائے۔“

”اچھا آپا جی۔“ کشور نے کہا تو میں جلدی سے بول پڑی۔

”اماں! بھائی جان آتے ہیں تو ان سے کہنا کہ وہ شہر (قصور) سے تلی ہوئی مچھلی اور کباب بھی لے آئیں“۔

”ہاں ہاں۔ کیوں نہیں، بس تم یاد دلا دینا جب پرویز آئے“۔ اماں نے کہ میں اٹھ کر باورچی خانے میں آگئی نگرانی کے لئے کیونکہ میں سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے تیار کروانا چاہتی تھی تا کہ کوئی کسر نہ رہ جائے۔ کشور نے بہت کہا۔

”عائشہ بی بی! تم چلی جاؤ میں سب چیزیں بہت اچھی طرح بناؤں گی“۔

مگر میں وہیں ایک چوکی پر بیٹھ گئی اور اس کو کام کرتے دیکھتی رہی۔

”عائشہ“۔ اماں نے مغرب کے قریب مجھے آواز دی۔ میں باہر آئی تو اماں نے کہا۔

”عائشہ اتنی بڑی ہوگئی ہو مگر عقل نہیں آئی۔“

”اب کیا ہوا اماں؟“ میں نے غصے سے پوچھا کہ مجھے ان کا کہنا ناگوارا گزرا تھا اگر اتفاق سے ایاز سن لیتا تو کیا سمجھتا مجھے اپنی نظروں میں۔

”ایاز کے لئے الگ کمرہ صاف کروانا تھا۔ کیا تجھے ہر بات کہہ کر سمجھانی ہوگی۔“

”آپ نے خود ہی تو کہا تھا اس کو پرویز بھائی کا کمرہ دکھا دو پھر اب الگ کمرے کی کیا ضرورت ہے؟“ میں نے جل کر کہا۔

”وہ تو میں نے اس لئے کہا تھا کہ اس وقت کوئی دوسرا کمرہ صاف نہیں تھا اور ایاز اچانک آیا تھا۔ اگر اس کے آنے کی اطلاع مجھے پہلے مل جاتی تو میں اس

کے لئے الگ کمرہ تو کیا سارے گھر کی صفائی کرواتی۔ وہ میرا بھتیجا ہی نہیں ہونے والا جوائی (داماد) بھی ہے“۔ اماں محبت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

اماں کی بات سن کر میں شرما گئی۔ سارا غصہ جاتا رہا اور میں نے محبت سے اماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

”اماں! آپ تو اب آرام سے نماز پڑھیں۔ میں ابھی دومنٹ میں کمرہ صاف کرتی ہوں“ یہ کہہ کر میں بھاگ کر اندر آئی میرے جہیز کے لئے جو سامان بنا کر پیٹی میں رکھا ہوا تھا اسے کھول کر میں نے پلنگ کی چادر، لحاف اور تکیے نکالے، پھر نوری سے کمرے کی صفائی کروا کے چادر پلنگ پر بچھائی اور لحاف رکھ کر باہر آئی تا کہ اماں کو بتا سکوں کہ میں نے ایاز کے لئے کمرہ صاف کروادیا ہے مگر مجھے دروازے پر ہی رک جانا پڑا اور بھائی جان باغات سے آچکے تھے اور شاید ایاز بھی اٹھ چکا تھا کیونکہ ابا کے ساتھ باتیں کرنے میں وہ پیش پیش تھا وہ ابا کو بتا رہا تھا۔

”میری تعلیم ختم ہوگئی ہے اور اب رزلٹ آتے ہی لفٹیننٹ بھرتی ہوکر ڈیوٹی پر چلا جاؤں گا تاہم چند مہینے بالکل فارغ ہوں“

”عائشہ“۔ اماں نے شاید مجھے کھڑا دیکھ لیا تھا۔ ”چل جلدی سے کھانا لگادے“۔

مجھے پتہ تھا کہ اماں کو بھول جانے کی عادت ہے اس لئے نوری سے کہا وہ اماں سے جا کر کہے بھائی جان کو شہر بھیج کر تلی مچھلی اور کباب منگوالیں ...... نوری نے اندر جا کر آہستہ سے ساری بات اماں کے کان میں کہہ دی اور اس کی بات سنتے ہی اماں نے کہا۔

”پرویز تم شہر سے مچھلی اور کباب تو لے آؤ“۔

”کس لئے؟“ بھائی جان نے کہا اور میں دانت پیس کر رہ گئی ان کی موٹی عقل پر رونا بھی آیا کہ کیا انہیں سامنے بیٹھا مہمان ایاز نظر نہ آرہا تھا۔

”ارے بھئی ایاز آیا ہے اس لئے“۔ اماں نے لہجے میں شہد بھر کر کہا اپنے میکے کے تو کتے پر بھی پیار آتا ہے وہ تو پھر بھتیجا تھا اماں کا۔

”ارے چھوڑو اماں کل لے آؤں گا۔ ایاز بھی چند دن رکے گا یہاں، آج

تو میں تھک گیا ہوں۔آپ عائشہ سے کہیں جو پکا ہے وہی ٹھیک ہے“۔ بھائی جان نے سامنے بیٹھے ایاز کی بھی پروانہ کی۔

میرا جی رونے کو چاہنے لگا۔ عذرا جب بھی آتی کبھی مچھلی ، کبھی دہی بڑوں کی فرمائشیں کرتی تھیں اور بھائی جان موٹر سائیکل کی چابی اٹھاتے ہوئے کہتے۔”بس یہ سمجھ لو یوں گیا اور یوں آیا“۔ اور باہر نکل جاتے ۔وہ ان کی منگیتر تھی ناں‘ بھاگے بھاگے جاتے تھے اس کیلئے اور میرا منگیتر، دفعتاً میں نے پھرامی کی آواز سنی۔

”ارے بہت رہے پھر بھی تم جا کر کباب اور مچھلی لے کر آؤ کتنے برسوں بعد میرا بھتیجا آیا ہے“۔ اماں نے پیار بھری نظروں سے ایاز کو دیکھتے ہوئے میرے دل کی بات کی۔

”چھوڑیئے پھوپھو جان پرویز ٹھیک کہہ رہا ہے ابھی میں کچھ دن یہاں ہی ہوں پھر کسی دن کھالوں گا۔“ ایاز نے کہا تو اماں نے کھانا لگانے کا حکم دے دیا۔

میں نے نوری کو دوسرے کمرے میں دری بچھانے کو کہا اور خود کشور کے ساتھ کھانا لگانے لگی۔نوری نے سارا کھانا لگا دیا تو میں نے کہا اب ان کو بتادو اور خود وہیں کھڑی ہوکر چیزوں کا جائزہ لینے لگی جبکہ دل ہی دل میں مجھے بھائی جان پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

وہ سب کے ساتھ بڑی شرافت سے کھانے والے کمرے میں آیا اور مجھے دیکھے بغیر بڑے شریفانہ انداز میں بھائی جان کے ساتھ بیٹھ گیا ابا، اماں بھی بیٹھ گئے مگر میں کھڑی رہی تو اماں نے کہا۔

”عائشہ تونہیں آئے گی؟ آبیٹھ تو بھی کھالے ہمارے ساتھ ہی“۔

”اماں مجھے بھوک نہیں“۔ میں نے بھائی جان کی ڈھٹائی پردانت پیستے ہوئے کہا تو ایاز نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ایاز اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے لگا اور مجھ سے مزید وہاں کھڑا نہ رہا گیا۔ میں باہر آ گئی۔

میرا دل تو اس کو دیکھتے ہی دھک دھک کرنا شروع کر دیتا تھا نوری کو اندر بھیج کر میں باہر والے کمرے میں بیٹھی ان کی باتیں سننے لگی جو کھانا ختم ہوتے

ہی شروع ہوگئی تھیں کشور چائے بنا کر لائی تو ایاز نے کہا۔

”یار پرویز میں تورات کے کھانے کے بعد کافی اور صرف کافی پیتا ہوں ان سے کہو مجھے کافی بنا دیں“

”یارا ایاز ! یہاں ہمارے گھر میں کافی نام کی کوئی چیز نہیں ہے کل لے آؤں گا“۔

”اوہ تو کل لاکر دے گا آج کیا کروں ؟“ ایاز نے اماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یار اگر بہت ضروری ہے تو میں شہر چلا جاتا ہوں“۔ بھائی جان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں نہیں، اس وقت آٹھ بج رہے ہیں، رات ہوچکی ہے میں تمہیں شہر نہیں جانے دوں گی“۔ اماں نے جلدی سے کہا پھرایاز سے بولیں۔

”پتر! آج گزار کرلو کافی کی جگہ دودھ پی لینا لیکن میں یاد سے تمہیں منگوادوں گی“۔اورایاز چپ ہوگیا اور میں اشتیاق سے سوچنے لگی، یہ کافی کیا ہوتی ہے کل آئی تو میں بھی پی کر دیکھوں گی وہ پھر سے باتوں میں مصروف ہوگئے اچانک بھائی جان اٹھتے ہوئے بولے۔

”بھئی میں تو اب سوؤں گا کہ صبح مجھے ایک ضروری کام سے لاہور جانا ہے“۔ بھائی جان چلے گئے تو باقی سب لوگ بھی اٹھ گئے اور یہ بھی اچھا ہوا کہ ایاز کو کمرہ دکھانے اماں خود اس کے ساتھ گئی تھی۔ اس کو چھوڑ کر اماں واپس آئی تو میں کھانا کھارہی تھی اماں نے مجھے دیکھ کر کہا۔

”ایاز کو یاد سے دودھ کا گلاس دے آنا یا پھرنوری کے ہاتھ بھیج دینا“۔

”اچھا اماں۔“ میں نے کہا اور کھانے میں مصروف رہی۔ کھانے سے فارغ ہوئی تو نوری برتن اٹھانے لگی...... پہلے جی میں آیا کہ اس کو کہہ دوں کہ ایاز کو دودھ کا گلاس دے آنا مگر پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر میں نے خود جانے کا فیصلہ کیا۔ میں سونے سے پہلے ایک بار پھراس کو دیکھنا چاہتی تھی اور دوچار میٹھی میٹھی نرم باتیں کرنا اور سننا چاہتی تھی۔

دودھ کا گلاس لئے میں بغیر دستک کے اس کے کمرے میں چلی گئی وہ کپڑے بدل چکا تھا اور شاید سونے کی تیاری میں تھا مگر دیکھ کر اس نے ہونٹ بھینچ لئے میں نے کہا۔

''اماں نے کہا تھا کہ آپ کو دودھ دے آؤں''۔ میں نے گلاس آگے کیا۔

''وہاں میز پر رکھ دو''۔ ایاز نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں نے گلاس میز پر رکھا اور واپس مڑ گئی...... ابھی میں دروازے میں ہی تھی جب ایاز نے پکارا۔

''عائشہ''

''جی''

''یہاں آؤ میرے پاس''۔ ایاز نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی'' میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی......

ایاز نے نظر اٹھا کر بہت غور سے مجھے دیکھا پھر کہا۔

''عائشہ میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟''

''کیا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''کیا میرا آنا اچھا نہیں لگا؟'' اس نے وہی دوپہر والا سوال دہرایا۔

میں چپ رہی نجانے کیوں حالانکہ جب وہ نہیں آیا تھا جب تک میں نے اسے نہیں دیکھا تھا تب تک میں اس کے آنے اور ملنے کی دعائیں مانگتی تھی اور اکثر سوچتی تھی وہ آیا تو یہ کہوں گی وہ کہوں گی مگر اس کی شکل دیکھتے ہی نجانے کیوں میرے لبوں پر تالے لگ گئے تھے۔ شاید اس لئے کہ میں ناتجربہ کار تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ ایسے موقع پر کیسی باتیں کی جاتی ہیں۔

ایاز مسلسل مجھے دیکھ رہا تھا جب میں کچھ نہ بولی تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''اچھی بات ہے تم نہیں بتانا چاہتیں تو نہ سہی میں خود ہی سمجھ گیا ہوں، تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا''...... وہ رکا ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی پھر کہا۔

''اس لئے تم کھانے میں بھی شامل نہ ہوئیں اور اب میری بات کا جواب دینا بھی تمہیں گوارا نہیں۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟''

اس کی ناراضگی کا سوچ کر میں گھبرا گئی کچھ اور نہ سوجھا تو میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو؟'' ایاز بوکھلا کر بولا اور میں روتی گئی۔

''آپ غلط بات جو سمجھ رہے ہیں''۔ میں نے روتے ہوئے غصے سے کہا

''اوہ'' وہ مسکراہٹ دبا گیا مگر میں نے دیکھ لیا تھا۔

''اچھا تو تم پھر کہو تمہیں میرا آنا اچھا لگا ہے؟'' ایاز نے بازوؤں سے پکڑ کر مجھے قریب بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بہت اچھا لگا ہے'' میں نے بمشکل یہ سوچ کر کہا کہ کہیں وہ پھر خفا نہ ہوجائے اور میری بات سنتے ہی ایاز ہنسنے لگا اور میں سمجھ گئی وہ اب تک مجھے جان بوجھ کر تنگ کر رہا تھا، یہ سوچتے ہی میں شرما گئی۔

''بے وقوف اس میں بھلا رونے کی کیا بات تھی''۔ ایاز نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے اچھی طرح معلوم ہے میری آمد کے خواب تم سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے دیکھا کرتی تھیں کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں''۔

میں شرما گئی اور سمجھ گئی کہ یہ بات بھی میری نندوں نے بتائی ہوگی تاہم میں نے کہا۔

''یہ سب معلوم ہونے کے باوجود آپ کون سا جلدی چلے آئے''۔

''میں تمہاری طرح ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتا تھا ایک بار تمہیں دیکھ جاتا تو پھر بار بار تمہیں دیکھنے کو دل چاہتا اور ایسی حالت میں پڑھائی مشکل ہوجاتی''۔ ایاز نے مسکرا کر کہا تو میں بھی مسکرا دی۔ کچھ وقت یونہی گزرا پھر اچانک ایاز نے پوچھا۔

''ارے ہاں یہ بتاؤ تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے''۔ اور میں جو مزید پیار بھری پیاری پیاری باتیں سننے کی خواہش مند تھی ایک دم ناگواری سے منہ بنانے لگی۔

''بھلا یہ سب پڑھائی کا کیوں پوچھتے ہیں پڑھوں گی تو اپنے لئے نہ

پڑھوں گی تو اپنے لئے پھر یہ لوگ اونہہ' پڑھائی''۔ میں نے دل میں کہا۔

''ہاں بھئی بتایا نہیں تم نے''۔ ایاز نے پھر پوچھا تو میں نے جل کر کہا۔

''فکر نہ کریں میٹرک تک ضرور پڑھوں گی امتحان میں چاہے فیل ہوجاؤں''۔

''اس کا مطلب ہے میں نے تمہارے بارے میں ٹھیک ہی سنا ہے''۔

''کیا؟'' میں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ تمہیں پڑھنے کا شوق نہیں''

ایاز نے سنجیدگی سے مجھے دیکھا اور کہا۔

''تعلیم اچھی چیز ہے جاب کرنی ہو یا نہ کرنی ہو یہ الگ مسئلہ ہے مگر......'

''میرا نہیں جی چاہتا پڑھنے کو''۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا۔

''بری بات، پڑھنا تو ہوگا تمہیں''۔ ایاز کی سنجیدگی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

''ٹھیک ہے اسکول جاتی رہوں گی باقی جو اللہ کو منظور''۔

''پڑھائی محنت سے ہوتی ہے۔ دیکھو کبھی زندگی میں ایسے مقام بھی آجاتے ہیں کہ عورت کو خود اپنے گھر کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے''

''مطلب کیا ہے آپ کی ان باتوں کا، نوکری ضرور کروائیں گے آپ مجھ سے؟''

''میری بات کا مطلب یہ ہے کہ ہماری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ فرض کرو شادی کے بعد میں کسی محاذ پر شہید ہوجاؤں تو؟''

''نہیں......نہیں'' میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے ڈیئر میں نے کہا ہے فرض کرو بھئی۔ مرنا تو سب کو ہی ہے اگر کوئی ایسا وقت آجائے تو تم جاب کرسکتی ہو اور''۔

''میں چلتی ہوں''۔ میں ناراض ہوکر اٹھ گئی ایاز نے مجھے روکنا چاہا مگر میں نے کہا۔

''میں اب مزید ایسی باتیں نہیں سن سکتی''۔

''اچھا اب دل لگا کر پڑھو گی ناں؟'' وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں''۔ کہہ کر میں اپنے کمرے میں آگئی مجھے اس پر شاید غصہ آرہا تھا کہ ابھی ہماری شادی بھی نہیں ہوئی اور منحوس باتیں کرنے لگا تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ صرف مجھے پڑھانے کے لئے ایسی باتیں کررہا تھا۔ ورنہ میرے تین ماموں فوج میں تھے ان میں سے تو ابھی کوئی مرا نہ شہید ہوا تھا۔

ارے میں کیا سوچ رہی ہوں، میں نے خود کو ڈانٹا اور سونے کی کوشش کرنے لگی مگر رہ رہ کر ایاز کی باتیں یاد آرہی تھیں۔

صبح اماں نے مجھے حسب معمول جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

''ارے آج کیا اسکول نہیں جائے گی؟''

اور اسکول نہ جانے کے لئے میں نے پروگرام رات کو ہی سوچ لیا تھا بھلا یہ کیسے ممکن تھا ایاز گھر پر رہتا اور میں اسکول جاتی۔

''اب میری شکل کیا دیکھ رہی ہو اٹھو جلدی کرو ورنہ''۔

''ورنہ کیا اماں؟'' میں دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا عائشہ؟'' اماں نے جو مجھے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دابے دیکھا تو گھبرا گئی۔

''معلوم نہیں اماں پیٹ میں سخت درد ہے ساری رات نیند نہیں آئی اور اب تو سر بھی بھاری ہو رہا ہے''۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''ارے ابھی بلاتی ہوں پرویز کو''۔ اماں باہر گئیں اور میں مسکراتے ہوئے لیٹ گئی۔

اماں میری ذرا سی تکلیف برداشت نہیں کرتی تھیں شاید اس لئے کہ میں ایک ہی بیٹی تھی اور میں ویسی ہی تھی جیسی اکیلی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ میں صرف ایک رہی۔ یعنی ، بھائی جان تو لاہور میں ہاسٹل میں رہتے تھے اور اماں بارہ بچوں کا لاڈ پیار مجھ سے کرتی تھیں بات صرف لاڈ پیار تک ہی رہتی تو ٹھیک بات تھی مگر اماں تو ان بارہ بچوں کی خوراک بھی مجھے کھلانا چاہتی تھیں۔ تین وقت کھانا تو خیر وہ مجھے

پاس بٹھا کر کھلاتی ہی تھیں اس کے علاوہ سارا دن بھی یہ کھلا وہ کھلا اس کھانے پینے کا انجام یہ ہوا کہ مجھے اماں کے کہے بغیر بھی کھانے کی عادت پڑگئی اگر اتفاق سے کبھی کچھ کھانے کو نہ ملتا تو میں کچے چاولوں میں شکر ملا کر کھانا شروع کر دیتی ، دودھ کی بالائی اتار کر کھاتی رہتی جس کا اثر یہ ہوا کہ میرا جسم موٹا ہونا شروع ہوگیا۔ صحت مند تو خیر میں بچپن سے ہی تھی اب کھانے پینے کے شوق نے مجھے اور بھی صحتمند بنادیا تھا۔

مجھے صرف کھانے پینے کا ہی شوق نہ تھا بیمار پڑنے کا بھی بہت شوق تھا اور اس کی وجہ شاید پڑھائی کا شوق نہ ہونا تھا جب اسکول جانے کا موڈ نہ ہوتا تو بیمار پڑ جاتی اور میری بیماری ہمیشہ نظر نہ آنے والی ہوتی تھی یعنی پیٹ میں درد یا سر میں درد۔ یہ تو خیر عام بیماریاں تھیں خطرناک بیماری تو میری یہ ہوتی کہ موسم میں کھٹے آلو چے کھا کر میں گلا خراب کرکے الٹے سیدھے سانس لیتی تو اماں کی جان پر بن جاتی۔ ابا بھی گھبرا جاتے پھر ابا حکیم کو بلاتے تو اماں دم کروانے کے لئے مولوی صاحب کو۔

ان حضرات کی آمد پر میں کھینچ کھینچ کر سانس لیتی تو حکیم صاحب نے فرمادیا۔ ”لڑکی کو دمہ ہے“۔ اماں خوب روئی ...... پر میں نے بالکل نہ بتایا کہ یہ مکروفریب ہے کیونکہ یہ ایک ایسی بیماری تھی جس کے شروع ہوتے ہی اماں مجھے اسکول جانے سے منع کردیتی تھی کہ خدانخواستہ راستے میں کچھ ہو نہ جائے...... میری بھولی اماں کو یہ پتہ ہی نہ چلتا کہ یہ بیماری میں کھٹے آلوچے کھا کر گلا خراب کر کے خود پر طاری کرلیتی تھی کیونکہ گلاب خراب ہونے سے کھانسی خود بخود آنے لگتی تھی۔اور رہی سہی کسر میں سانس کھینچ کھینچ کر لینے سے پوری کردیتی تھی۔

آج کل چونکہ آلوچوں کا موسم نہ تھا اس لئے مجھے پیٹ کے درد کا بہانہ کرنا پڑا تھا اب میں جانتی تھی کہ اماں بڑی گھبرائی ہوئی تھیں اور ایاز سے کہہ رہی تھیں۔

”پرویز تو صبح ہی صبح لاہور چلا گیا تھا مجھے ہی یاد نہ رہا دیکھ تو بیٹا کیا حالت ہوگئی ہے عائشہ کی پیٹ کے درد سے جا تو ہی حکیم کو بلالا“۔

”کیا ہوا عائشہ؟“ وہ اماں کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔

”پیٹ میں بہت درد ہے“۔ میں کراہی۔

”سر تو ٹھیک ہے ناں؟“ وہ نجانے کیوں پوچھ رہا تھا۔

”نہیں اب تو سر بھی بھاری ہورہا ہے“۔ میں نے اس کی بھرپور توجہ حاصل کرنے کے لئے کہا۔

”ہوں کبھی بخار بھی ہوا ہے؟“ ایاز نے بغور مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں“۔ میری بجائے اماں نے کہا۔

”اچھا“۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر کہا۔ ”چلو اٹھو اور اسکول جانے کی تیاری کرو“۔

”اس حالت میں“۔ میں نے غصے سے کہا۔

”ارے پیٹ میں درد ہی تو ہے ناں چلنے پھرنے سے ٹھیک ہوجائے گا“۔

”مگر کیسے ٹھیک ہوگا؟“ میں نے غصے سے پوچھا مگر وہ میری بجائے اماں سے کہنے لگا۔

”پھوپھی آپ کو معلوم ہے پیٹ میں درد زیادہ کھانے سے ہوتا ہے اور ان کا کھانا تو بہت مشہور ہوچکا ہے“۔

”نہیں بیٹا کھاتی تو یہ بہت ہی کم ہے“۔ اماں نے جلدی سے کہا۔

”جی ہاں وہ تو ان کی صحت سے ہی نظر آتا ہے“۔ایاز نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟“ میں نے غصے سے اس کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”مطلب یہ ہے کہ اب اٹھو اور اسکول جاؤ۔ خبردار جو چھٹی کی، حد ہوگئی ہے بدتمیزی کی“۔ پھر وہ اماں کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا ۔ اماں بیچاری کہتی ہی رہ گئیں۔

”بیٹا تمہیں معلوم نہیں عائشہ کو اکثر پیٹ میں درد رہتا ہے یہ بہت نازک

ہے زیادہ بیمار ہی رہتی ہے"۔

"اچھی طرح معلوم ہے مجھے ان کی کیس ہسٹری" ایاز نے کہا اور پھر باہر نکل گیا۔

اس کے باہر جاتے ہی میں مارے غصے کے اٹھ بیٹھی پھر میں جلدی جلدی تیار ہورہی تھی جب کلثوم جو میرے ساتھ ہی پڑھنے جاتی تھی میرے کمرے میں داخل ہوئی اور کہا۔

"ارے تم ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئیں تانگے والا کب کا آچکا ہے"۔

"تو میں کیا کروں؟" میں بالوں کو بن سے باندھتے ہوئے تنک کر بولی۔

"کیا بات ہے غصے میں ہو؟"۔

"کچھ نہیں" میں کتابیں اٹھا کر باہر آئی تو اماں کے ساتھ ایاز بھی تخت پوش پر بیٹھا تھا۔میں نے کلثوم سے کہا۔

"ذرا اس کو تو دیکھو"۔

"ارے تم دیکھو تو سہی" اور جب وہ ایاز کو دیکھ رہی تھی اماں کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔

"ناشتہ کرلیا عائشہ؟" اماں نے ممتا بھرے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے" میں نے غصے سے کہا وہ بھی ایاز کی باتوں میں آکر مجھے اکیلی چھوڑ گئی تھیں اور پھر کون سی قیامت آجاتی اگر میں ایک چھٹی کرلیتی۔

"ناشتے میں بھوک کا کیا کام" اماں پھر اپنی ممتا سے مجبور ہوکر بولیں۔

"کشور ساتھ لے جانے کے لیے ہی کچھ دے دو"۔

"پھوپھی رہنے دیں پیٹ میں درد ہو تو سارا دن بھوک نہیں لگتی ۔ ویسے بھی پیٹ کے درد کا صحیح علاج یہ ہے کہ بندہ ایک پورا دن فاقہ کرے پھر کبھی پیٹ میں درد نہیں ہوگا"۔اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں پاؤں پٹختی آگے بڑھ گئی۔

تانگے میں بیٹھتے ہوئے کلثوم نے پوچھا

"کون تھا یہ عائشہ؟"

"پتہ نہیں کون تھا" اب مجھے ایاز پر سخت غصہ آرہا تھا۔

"پھر مجھے کیوں دکھ رہی تھیں؟"

"دماغ خراب ہوگیا ہے میرا" میں غصے سے بولی مگر کلثوم میرے غصے کی پرواہ کئے بغیر بولی۔

"اب سیدھی طرح یہ کیوں نہیں کہتی ہو کہ بتانا نہیں چاہتی۔ میں چپ رہی تو کلثوم نے پھر کہا۔

"آخر یہ غصہ ہے کس بات کا؟"

"ایاز" ناراضگی کے باوجود میرے لہجے میں محبت شامل ہوگئی ۔

"ارے ، ایاز تمہارا مطلب ہے تمہارا ہونے والا"۔

"چپ کر باقی باتیں اسکول جاکر"۔ میں نے تانگے میں بیٹھی دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر کہا مگر کلثوم کہاں چپ ہونے والی تھی آہستہ آہستہ کھسر پھسر کرتی رہی۔

تین بجے کے قریب میں اسکول سے گھر واپس آئی تو صحن میں بیٹھا ایاز کسی بات پر قہقہہ لگا رہا تھا مگر وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ساتھ فیروز بھائی اور پرویز بھائی بھی تھے اور وہ دونوں بھی ہنس رہے تھے نجانے ایسی کون سی بات تھی جس نے ان کو ہنسنے پر مجبور کردیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پرویز بھائی اور فیروز چپ ہوگئے جبکہ ایاز اب بھی مسکرا رہا تھا......جیسے مجھے چڑا رہا ہو۔ وہ بغور میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں سلام کئے بغیر دانت پیستی ہوئی اندر چلی آئی تو اماں نے مجھے دیکھتے ہی کشور کو کھانا لانے کا حکم دیا اور پیار سے میرے پیٹ کے درد کا حال پوچھا۔

"ٹھیک ہوں" میں نے منہ بنا کر جواب دیا اور اپنے کمرے میں جانے کی بجائے وہیں کتابیں رکھ کر بیٹھ گئی اور جیسے ہی کشور نے کھانا سامنے رکھا میں کئی دنوں کے بھوکے کی طرح ٹوٹ پڑی کیونکہ اسکول میں بھی کچھ نہ کھایا تھا میں بیٹھی کھانے سے انصاف کررہی تھی کہ وہ تینوں اندر چلے آئے مجھے کھاتے دیکھ کر ایاز بڑبڑایا۔

"یہ کیا حماقت ہے بھئی؟"

"کون سی حماقت؟" میں سمجھنے کے باوجود انجان بن گئی۔

"یونیفارم بدلتے صدیاں تو نہیں لگتیں" ایاز نے سخت لہجے میں کہا۔

مارے توہین کے میں جل اٹھی آنکھوں میں ایک دم آنسو مچل کر باہر آنے لگے جن کو چھپانے کے لئے میں نے مزید سر جھکا لیا۔ میری یہ کیفیت دیکھ کر ہی شاید فیروز بھائی نے کہا تھا۔

"ایاز ایاز اب تین بج رہے ہیں اور پھر جانتے ہو ان کا اسکول اسٹاپ سے کچھ دور ہے وہاں سے پیدل آنا پھر بس کے انتظار میں کھڑے رہنا ایسے میں اگر تم ہوتے تو بھی یہی کچھ کرتے"۔

"میں تب بھی ایسا نہ کرتا" وہ ذرا بھی متاثر نظر نہیں آرہا تھا۔

"او کے تم نہ کرتے مگر میں تو خود یہی سب کچھ کرتا رہا ہوں کہ صبح ناشتے کے بعد اسکول میں کبھی کھانے کا موڈ نہیں بنتا تھا اور پھر کپڑے نہ بدلنے سے کون سی قیامت آجاتی ہے۔ پہلے نہ سہی بعد میں سہی"۔

"میں نے تو ناشتہ بھی نہیں کیا تھا"۔ میں جلدی سے بول پڑی کہ فیروز بھائی کی باتوں نے میرے جلے دل پر برف کا سا کام کیا تھا پھر بھلا ان کی ہمدردی پر میں کیوں نہ بولتی۔

"ارے صبح ناشتہ نہیں کیا مگر کیوں؟" وہ براہ راست اب مجھ سے مخاطب تھے۔

"وہ میں رات دیر سے سوئی تھی اور" میں ایاز کی وجہ سے اپنی بیماری چھپا گئی تھی کہ وہ پہلے ہی میرا مذاق اڑا چکا تھا۔

"زیادہ کھانے سے پیٹ میں درد تھا محترمہ کے اور میری آمد کا بہانہ بنا کر چھٹی کرنا چاہتی تھیں مگر پھوپھی نے اور میں نے بھیج کر دم لیا" وہ پھر میرا دل جلانے کے لئے کہہ رہا تھا۔

"بڑے بے وقوف ہو پھر تو" فیروز نے آہستہ آہستہ سے کہا مگر میں نے سن لیا اور مجھے تو اب وہ بے وقوف ہی لگتا تھا جو بجائے پیار محبت کے مدت بعد ملے

ان دنوں کو جھگڑے میں ضائع کر رہا تھا، میں اس کی بات سن کر چونک پڑی جو کہہ رہا تھا۔

"یار میرے لئے سب سے اہم تعلیم ہے، باقی باتوں کے لئے تو ساری عمر پڑی ہے مگر مجھے لگتا ہے ان کے لئے کوئی چیز بھی اہم نہیں سوائے کھانے کے"۔

"زیادہ بکواس نہ کرو"۔ فیروز نے گھور کر کہا، پھر بولا۔

"اچھا تو میں چلتا ہوں شام کو یاد سے سب آنا" کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا اور کب کے چپ چاپ کھڑے نوک جھونک سنتے بھائی جان ایاز کو اپنے کمرے میں لے گئے اور میں پھر کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

اگر چہ ایاز کی باتوں پر دل جل رہا تھا مگر میں اس کی باتوں کی سزا اپنے پیٹ کو دینا نہیں چاہتی تھی۔ کھانے سے فارغ ہوکر میں اپنے کمرے میں آئی اور بغیر یونیفارم بدلے بستر پر گر گئی کہ غصے میں کھانا کچھ زیادہ ہی کھا لیا تھا اور اب غنودگی طاری ہورہی تھی۔ ویسے بھی کھاتے ہی مجھے نیند آنے لگتی تھی یہی وجہ ہے لیٹتے ہی میں سوگئی۔

آنکھ کھلی تو شام کا ملگجا اندھیرا گہرا ہورہا تھا۔ میرا اٹھنے کو پھر بھی جی نہیں چاہا۔ طبیعت کچھ سست ہورہی تھی خیر سستی اور میں لازم و ملزوم تھے مگر نجانے کیا بات تھی اٹھنے کا موڈ نہیں ہورہا تھا۔ ہوسکتا ہے میں لیٹی ہی رہتی مگر اچانک میرا کمرہ خوشبو سے مہک اٹھا میں نے دیکھا ایاز اندھیرے میں بجلی کا سوئچ تلاش کررہا تھا پھر وہ کامیاب ہوا اور لائٹ آن کردی۔ کمرہ ایک دم روشن ہوگیا اور روشنی میں میں نے دیکھا وہ لباس بدل چکا تھا، سفید سوٹ کی جگہ سرمئی سوٹ پہن رکھا تھا اور اب کھڑا مجھے گھور رہا تھا؟ پھر دھاڑا۔

"یہ وقت ہے تمہارے سونے کا"۔

"کیوں وقت کو کیا ہوا؟" میں نے اس کے گھورنے کا اثر لئے بغیر جل کر پوچھا۔

"تمہاری عادتیں پھوپھی نے بہت خراب کررکھی ہیں کھا لیا، سو لیا، بیمار

ہولیایا پھر فیل ہولیا اور رشوت دے کر جماعت بدل لی اس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے تمہیں"۔ وہ خاصے برہم لہجے میں گھورتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"زبردستی پڑھانے کا یہی انجام ہوتا ہے اور اماں سے میں نہیں کہتی کہ وہ رشوت دے کر مجھے نئے کلاس میں کرادیں"۔ میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا حالانکہ جی رونے اور اس کا منہ نوچنے کو چاہ رہا تھا۔

"اور اپنے اس موٹاپے کے بارے میں کیا کہتی ہو؟" اس نے میرے فربہ جسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ کہا۔ "بتاسکتی ہو تمہارا وزن کتنا ہے؟"

"ہمارے ہاں ویٹ مشین نہیں، یہ گھر ہے کیڈٹ کالج نہیں۔ آخر تمہیں ہوا کیا ہے میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟ اس لئے میں تمہیں یاد نہیں کرتی تھی کہ تم آؤ اور مجھ سے ......" میں بات ادھوری چھوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی پھر چلا کر کہا۔

"میں نے کیا قصور کیا ہے جو تم مجھے یہ سزا دے رہے ہو اگر میرا پڑھنے کو دل نہیں چاہتا تو اس میں میرا کیا قصور۔ اٹھا کیوں نہیں لیتے اسکول سے اور اماں بارہ بچوں کی خوراک مجھے کھلا کر اپنی ادھوری خواہش کی تکمیل کرتی ہے۔ انکار کردوں تو ناراض ہوتی ہیں اس میں میرا کیا قصور...... اور تم" میں اس کو کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئی مگر آنسو آنکھوں سے گرتے رہے مگر وہ ذرا بھی متاثر نہ ہوا بولا۔

"پھوپھی زبردستی کھلاتی ہیں اور کھا کر نیند تمہارے ساتھ کرتی ہیں مطلب سارے قصور پھوپھی کے ہیں، تمہارا کوئی نہیں۔"

"نہیں"۔ میں نے معصومیت سے کہہ دیا۔

"بکومت، جب پڑھائی میں ان کی زبردستی نہیں چلتی تو پھر" میں نے گھور کر اس کو دیکھا اور حلق پھاڑ کر چلائی۔

"پھر یہ کہ مجھے نہیں پڑھنا، صرف کھانا ہے، سونا ہے اور موٹا ہونا ہے" کہہ کر میں پھر پھسک پھسک کر رونے لگی...... اچانک کھلے دروازے سے فیروز کی شکل نکل آئی اس نے حیران ہوکر پہلے مجھے دیکھا پھر ایاز سے کہا۔

"کیا ہورہا ہے بھئی؟"

"باز پرس"۔ ایاز نے سنجیدگی سے جوب دیا۔

"کس کے بارے میں؟" انہوں نے مزید حیرانی سے پوچھا۔

"محترمہ کی پڑھائی، موٹاپے اور وقت بے وقت سونے اور بیمار ہونے کے بارے میں"۔ ایاز نے تفصیل سے بتایا۔

"کیا مطلب؟" فیروز نے کچھ ناگواری سے کہا شاید میرا رونا اس کو دکھ دے رہا تھا کہ وہ میرا بہت اچھا کزن تھا اس کا رویہ ہمیشہ میرے ساتھ دوستوں جیسا تھا اور ایک دوست دوسرے دوست کی توہین کس طرح برداشت کرسکتا ہے مگر ایاز کو تو لگتا تھا کسی کی بھی پرواہ نہیں تھی۔

"بتاسکتے ہو اس کا وزن کتنا ہوگا؟" وہ فیروز سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں" فیروز نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا یہاں ویٹ مشین تو ہوگی تمہارے گھر میں؟"

"نہیں" فیروز نے اس کا مطلب سمجھ کر پہلے سے بھی زیادہ خراب لہجے میں کہا۔

"اچھا"۔ ایاز نے مایوسی سے کہا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"یار اسی کلو تو ہوگا ان محترمہ کا وزن۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بکواس مت کرو۔ نکلو باہر میں سب لوگوں کو لینے آیا ہوں" پھر اس نے مجھے دیکھا

"تم نہیں چلو گی عائشہ"۔

"نہیں" میں نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ارے کیوں نہیں چلوگی؟ اگر تم نہ گئیں تو اماں خفا ہوں گی ویسے بھی عذرا نے کہا تھا تمہیں ضرور لے کر آؤں"۔

"یار وقت کیوں ضائع کررہے ہو دعوت میری کررہے ہو یا ان محترمہ کی؟"

"پھر بکواس"۔ فیروز نے گھور کر دیکھا تو ایاز ہنستے ہوئے باہر نکل گیا اور فیروز بھائی مجھے تیار ہونے کا کہہ کر اس کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ مارے مروت

کے میں اٹھی اور جلدی سے تیار ہوکر باہر آئی تو ابا، اماں پرویز اور فیروز بھائی او
ایاز سب بیٹھے تھے۔

"چلو بھئی اٹھو میری بیٹی آگئی" ابا نے مجھے دیکھتے ہی کہا پھر میری سر
آنکھوں کو دیکھتے ہوئے حیران ہوکر پوچھا۔

"ارے میری بیٹی روتی ہے مگر کیوں؟" انہوں نے مجھے پیار سے اپنے
ساتھ لگالیا۔ میرا جی چاہا رو روکر سب کچھ بتادوں مگر وہ ظالم مجھے عزیز بھی تو بہت
تھا اس لئے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"ابا ابھی سوکر اٹھی ہوں نا اس لئے شاید ایسا لگ رہا ہے اور شاید زکام
بھی ہونے والا ہے۔"

"اور شاید دمہ......" ایاز نجانے کیا کہنا چاہتا تھا کہ فیروز اس کا ہاتھ پکڑکر
باہر نکل گیا پیچھے پیچھے ہم بھی تھے۔ کار کی اگلی سیٹ پر وہ فیروز بھائی کے ساتھ بیٹھ گیا
اور ہم سب پیچھے بیٹھ گئے۔

چند منٹ بعد ہم چچا کے گھر موجود تھے چچا نے ایاز کو گلے لگایا پھر چچی
نے ایاز کو پیار کیا اور ایک حسرت بھری نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے مجھے گلے سے لگا کر
خوب پیار کیا ملنے ملانے کے بعد ہم سب بیٹھ گئے جبکہ دونوں بھابیاں ہم سے ملنے
کے بعد پھر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ فراز کی بیوی میکے گئی ہوئی تھی۔

چچا ایاز سے اس کی پڑھائی کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور ایاز بڑے
ادب سے جواب دے رہا تھا۔ پھر چچا نے ماموں اور زمینوں کا پوچھا تو ایاز نے
بتایا۔

"ابا بتا رہے تھے آج کل پانی کا مسئلہ بڑا مشکل بنتا جارہا ہے مگر پھر بھی
کھاد کے استعمال کی وجہ سے فی کس پیداوار میں اضافہ ہورہا ہے اور اباجی کا آپ کو
پتا تو ہے نئے نئے تجربات کرتے ہی رہتے ہیں اب بتا رہے تھے باغوں کو لگانے کا
ارادہ ہے"۔

"اچھا"۔ ابا نے کہا پھر بولے۔

"خالد کا ارادہ باغ لگانے کا ہے جبکہ میں اب باغوں کو صاف کرنے کا

سوچ رہا ہوں"۔

"کیوں لالہ؟" چچا نے پوچھا۔

"یار پرویز کا خیال ہے باغ صاف کرکے بانس لگائیں اس طرح آمدن
میں بھی اضافہ ہوگا یہ امرود اور آلوچہ بہت سستے پھل ہیں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے
جبکہ معاوضہ بہت کم ملتا ہے۔ باغ صاف کرکے بانس لگالوں پھل سے کئی
گنا زیادہ معاوضہ ملے گا"۔

ابا نے حقہ پیتے ہوئے کہا۔

"مگر تایا جی! ملٹری والے آپ کو باغات صاف نہیں کرنے دیں گے یہ
بارڈر والا علاقہ ہے میں نے سنا ہے حکومت مزید زمین پر باغات لگانے کا حکم دے
رہی ہے"۔ فیروز کے بڑے بھائی فیاض نے کہا۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے فیاض مگر میں نے بات شروع کررکھی ہے مجھے
اجازت مل جائے گی۔ ویسے بھی میں فی الحال صرف آلوچے کے باغات صاف
کرواؤں گا امرود کے نہیں، ہاں چند سالوں بعد پھر امرود کے باغوں کے بارے
میں سوچوں گا"۔ ابا نے کہا۔

"بہت مشکل ہے اجازت ملنا"۔ فیاض سے چھوٹے ریاض نے کہا۔

"ایسی مشکل نہیں بھائی جان! سلطان والا میں چوہدری رحمت نے بھی
باغ صاف کروا کر بانس لگائے ہیں"۔ ریاض سے چھوٹے فراز نے کہا تو چچا بولے۔

"تو اس کا مطلب ہے آہستہ آہستہ سارے باغ ختم ہوجائیں گے"۔

"نہیں بھئی حنیف، میرا خیال ہے شروع میں جو لوگ بانس لگائیں گے
جب تک ان کا منافع دیکھ کر دوسرے اس طرح آنے کا سوچیں گے تب تک
اجازت ملنا ختم ہوجائے گی"۔ ابا نے چچا کو بتایا پھر زمینداری کی باتیں کرنے لگے
تو عذرا نے سرگوشی میں کہا۔

"ارے اٹھو یہاں باغوں اور زمینوں کے علاوہ اور کسی موضوع پر بات نہ
ہوگی"۔ اور میں عذرا کے ساتھ اٹھ کر باہر آگئی باہر آتے ہی وہ مجھے چھیڑنے لگی۔

"ہاں تو پھر دیکھ لیا اپنے منگیتر سے مل کر؟ بہت بے تاب رہتی تھی تو ملنے

کو"۔

"تم تو اکثر دیکھتی ہو، آج میں نے بھی دیکھ لیا"۔ مَیں نے ہنس کر کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ باتیں کیا کیا ہوئیں؟" وہ رازداری سے پوچھنے لگی۔ وہ میری بہت سہیلی اور راز داں تھی اس کی ہمدردی پا کر میں نے سب کچھ صاف صاف بتادیا ایاز کی بے رحمی کے بارے میں بھی۔

"سچ کہہ رہی ہو؟" عذرا نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم سے کبھی جھوٹ بولا ہے میں نے"۔ میں برا سامنہ بنا کر پوچھا۔

"اچھا حیرت ہے عائشہ۔ ارے وہ تمہیں تنگ کرنے کے لئے ایسا کہتا ہوگا ورنہ آتے ہی اس نے تمہیں کس پیار سے گلے لگایا تھا؟"۔

"بکواس نہیں کرو" میرا منہ سرخ ہوگیا۔

"جناب یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔ وہ تم سے پیار کرتا ہے ذرا پھر سے تو بتانا اس نے کیسے کھینچا تھا اپنی طرف"۔ عذرا شرارت سے ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اچانک ساتھ والے کمرے سے زور زور سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں تب عذرا اور میں چپ ہوکر ان کی باتیں سننے لگیں پھر مارے خوشی کے میں اچھل پڑی ایاز بھائی جان کی شادی کی بات کررہا تھا۔ وہ چچا جان سے کہہ رہا تھا۔

"اب جبکہ پرویز تعلیم سے فارغ ہوگیا ہے تو میرا خیال ہے آپ کی شادی کی تیاری کریں بلکہ فیروز بھی فارغ ہوگیا ہے اس کی اور پرویز کی شادی اب جلدی سے کردیں" چچا نے جواب دینے سے پہلے ہی فیروز نے کہا۔

"تم بھی تو فارغ ہوچکے کیا خیال ہے ماموں خالد سے تمہاری شادی کی بات کی جائے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"جی نہیں ابھی میری شادی نہیں ہوسکتی" وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہاری کیوں نہیں کی جاسکتی؟" فیروز نے ہی پھر پوچھا تھا۔

"ارے بھائی سمجھنے کی کوشش کرو عذرا بھابھی میٹرک کرچکیں ہیں جبکہ"۔ ایاز نے بزرگوں کی موجودگی کی وجہ سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میرا بھی یہی خیال ہے لالہ کہ اب میں عذرا کے فرض سے سبکدوش ہوہی جاؤں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" چچا جان نے براہ راست ابا سے پوچھا۔

"ان کا کیا پوچھتے ہو، میں تو دن رات یہی سوچتی ہوں کب میرے بیٹے کے سر پر سہرا سجے گا" اماں جلدی سے بولی تو ایاز نے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر کردو شادی مجھے بھلا کیا اعتراض ہے ڈاکٹری ذرا مشکل ہوتی ہے اس لئے میں چاہتا تھا پہلے پڑھائی مکمل کرلے اب جبکہ وہ فارغ ہوگیا ہے تو میری طرف سے پوری اجازت ہے۔"

"ٹھیک، اب ایاز تم جاتے ہی جمعہ کو خالد لالہ کو یہاں بھیج دینا تاکہ ان کی موجودگی میں شادی کی تاریخ طے کی جاسکے"۔ اماں مارے خوشی کے کھل پڑیں۔

"لیکن پھوپھی جان میرا ابھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں"۔ ایاز نے ہنس کرکہا۔

"اچھاتو پھر تار دے دواب میں دیر ہرگز نہ کروں گی"۔ اماں کہہ رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو کب کی عذرا کو دلہن بنا کر اپنے گھر لے جاتیں مگر ابا ان کی یہ بات مانتے ہی نہیں تھے مگر آج جب ابا نے اجازت دی تو خود میں بھی مارے خوشی کے کھلی جارہی تھی۔ مجھے بہت شوق تھا کہ ہمارے گھر بھی کسی کی شادی ہو۔ میری نہیں تو بھائی جان کی ہی سہی کہ چچا کے گھر آئے دن کوئی نہ کوئی شادی ہوتی رہتی تھی پہلے فیاض بھائی کی ہوئی پھر دونوں بہنوں کی اس کے بعد ریاض اور فراز بھائی کی مگر ہم چونکہ دو ہی بہن بھائی تھے اس لئے ابھی تک ایک خوشی ہمارے گھر نہ ہوئی تھی۔

"چلیں پرویز کا مسئلہ تو حل ہوگیا ہے اب فیروز کی بات کریں"۔ ایاز نے کہا پھر چچی سے پوچھا۔

"آپ نے فیروز کے لئے کوئی لڑکی دیکھی ہے یا نہیں"۔

چچی کے جواب دینے سے پہلے ہی فیروز نے کہا۔" میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا اس لئے میری بات نہ کرو"۔

"میں نے تم سے تمہاری رائے نہیں پوچھی"۔ ایاز نے منہ بنا کر اس کو

دیکھا پھر چچی سے کہا۔

''میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟''

''بیٹا لڑکیوں کی کیا کمی ہے اس کے ماموں اور خالہ کی بہت سی بیٹیاں ہیں مگر یہ مانتا نہیں وہ تو اپنے منہ سے کئی بار کہہ چکے ہیں پر یہ مانے تب ناں'' چچی نے پیار سے فیروز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے آپ خود ہی لڑکی دیکھ کر بات پکی کر دیں''۔ ایاز نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

''بکواس نہ کرو میں نے کہا ناں میں ابھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا''۔ فیروز یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور چچا نے حقے کا کش بھرتے ہوئے کہا۔

''پتہ نہیں یہ لڑکا کیا چاہتا ہے جبکہ اس کے تینوں بڑے بھائی ماں کی پسند پر شادی کر چکے ہیں''۔

کوئی کچھ نہ بولا البتہ ایاز اٹھ کر فیروز کے پیچھے آیا اور وہ باہر برآمدے میں کھڑا صحن میں لگی رات کی رانی کو گھور رہا تھا۔ ایاز نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے فیروز؟''۔

''کوئی بات نہیں'' فیروز نے اسی طرح کھڑے ہوئے کہا۔

کوئی بات نہیں تو پھر شادی سے انکاری کیوں ہو؟''

''یونہی'' فیروز نے آہستہ سے کہا اور بات کو مذاق کا رنگ دیتے ہوئے بولا۔

''تمہیں شاید معلوم نہیں میری منگیتر تین برس کی عمر میں انتقال فرما گئی تھیں۔ اگر میری قسمت میں شادی ہوتی وہ زندہ رہتی''۔ بات ختم کر کے وہ ہنس پڑا مگر ایاز نے دیکھا اس کی آنکھوں میں کچھ اور ہی تھا ایاز کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر پوچھا۔

فیروز کیا تمہاری کوئی اپنی پسند ہے؟''

''پتہ نہیں'' فیروز نے اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹا دیا۔

''کیا مطلب؟ دیکھو اگر تم شہر میں کسی کو پسند کرنے کی غلطی کر بیٹھے ہو تو مجھے بتا دو وہ لڑکی ہماری ذات کی نہ بھی ہوئی پھر بھی میں چچا، چچی کو راضی کر لوں گا''۔ وہ پورے خلوص سے کہہ رہا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں یار، بس فی الحال میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا ہاؤس جاب مکمل ہونے کے بعد دیکھی جائے گی''۔

''سچ کہہ رہے ہو؟''

''جھوٹ سمجھنے کی وجہ بھی بتا دو'' فیروز بیدلی سے مسکرا دیا۔

''او کے۔ کر لیتا ہوں تمہاری بات کا اعتبار، ویسے کوئی بات ہے ضرور''۔ ایاز نے فیروز کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آؤ بھئی کھانا لگ گیا'' زبیدہ بھابی نے ان کے قریب آ کر کہا تو وہ دونوں مسکراتے ہوئے کھانے والے کمرے میں آ گئے جہاں دوسرے لوگ بھی آ چکے تھے اور باتوں میں مصروف تھے۔ موضوع ظاہر ہے پرویز کی شادی ہی تھی۔ بحث یہ تھی کہ دن اور تاریخ کون سی رکھی جائے۔ ایاز اور فیروز کے آتے ہی کھانا شروع ہو گیا اور پھر باتوں کے درمیان ہی کھانا ختم ہوا تھا۔ کھانے کے بعد جب سارے مرد اٹھ گئے تو بھابی نے بچوں اور عذرا عائشہ کو آواز دی۔

''بچو اور لڑکیو اب تم بھی آ جاؤ'' کام کرنے والی جھوٹے برتن اٹھا کر دوسرے رکھنے لگی جبکہ میں اب عذرا کو چھیڑ رہی تھی۔ بھابی نے کہا۔

''باقی باتیں بعد میں اب آ بھی چکو''۔ اور میں عذرا کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گئی۔ پھر مچھلی اور شامی کباب دیکھ کر یوں ان پر ٹوٹ پڑی جیسے بہت دنوں بعد کھانے کو ملا ہو۔ یہ دونوں چیزیں مجھے بہت پسند تھیں عذرا بتا رہی تھی۔

''یہ دونوں چیزیں فیروز بھائی قصور سے لائے ہیں''۔ فیروز بھائی کی عادت تھی وہ جب بھی چھٹی پر گاؤں آتے میرے لئے یہ دونوں چیزیں ضرور لے کر آتے کیونکہ انہیں معلوم تھا میں یہ سب بہت شوق سے کھاتی ہوں اسی لئے فیروز بھائی مجھے اچھے لگتے تھے۔

''کھانے کے بعد بہت دیر تک پروگرام طے ہوتے رہے پھر فیروز بھائی

ہم سب کو گھر چھوڑ گئے اور واپس جاتے ہوئے ایاز کے لئے قصور سے لائی ہوئی کافی کی بوتل بھی دے گئے جو وہ بھائی جان کے کہنے پر لائے تھے ۔ گھر میں داخل ہوتے ہی میں سب سے پہلے وہ بوتل پکڑ کر باورچی خانے کی طرف بڑھی تو ایاز نے کہا۔

"کافی بنانی آتی بھی ہے یا؟"

"مجھے تو نہیں آتی تمہیں آتی ہے تو خود آکر بنالو" میں نے جلے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ بات ہے تو کشور آپا سے کہو پانی ابال کر مجھے آواز دے۔"

"بیٹا میں نے چائے کے لئے پانی رکھا ہوا ہے تمہیں جتنی ضرورت ہو آکر لے لو"۔ کشور نے ایاز کی بات مان کر کہا۔

"او کے"۔ کہتے ہوئے ایاز میرے ساتھ ہی باورچی خانے میں چلا آیا بوتل کھول کر سونگھی پھر کپ میں پانی ڈالا کر دو چمچ کافی اس میں ڈالی۔ پھر چینی اور دودھ ملانے کے بعد بولا۔

"لو پہلے تم اس کو پی کر دیکھو"۔ اس کی بات سن کر میں خوش ہوگئی کہ اس کو میرا کتنا خیال ہے، پہلے مجھے بنا کر دی ہے۔ میں نے جلدی سے کپ اٹھالیا۔ وہ اپنے لئے دوسرا کپ تیار کر رہا تھا میں نے کپ ہونٹوں سے لگایا تو ہلکی سی جلنے کی بو آئی اور جیسے ہی پہلا گھونٹ لیا سارا منہ کڑوا ہوگیا۔ میں نے وہ گھونٹ نگلنے کی بجائے اگل دیا۔ ایاز نے حیران ہوکر مجھے دیکھا اور پوچھا۔

"کیا اچھی نہیں بنی؟"

"یہ کافی ہے" میں نے برا سا منہ بنا کر ناگواری سے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" ایاز ابھی تک حیران سا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ارے یہ کافی ہے جیسے جلی ہوئی روٹی پیس کر بوتل میں ڈال دی ہو اس کے لئے کل تم نے ہمیں پریشان کیا تھا۔ اگر کل ہی مجھے بتا دیتے کہ ایسی ہوتی ہے کافی تو میں تمہیں تنور میں روٹی ڈال کر پیس دیتی اور"۔

"بس کر بے وقوف، تمہیں کیا معلوم کافی کی تعریف ، کافی تھکے ہوئے

ذہن کو سکون دیتی ہے اس کو پینے سے ذہن چست رہتا ہے اور موٹاپا بھی دور رہتا ہے۔ تاہم یہ چائے کی نسبت ذرا تلخ ہوتی ہے لیکن بندے کو سکون دیتی ہے"۔

"چھوڑو یار اس کو کیا پتہ کافی کیا ہوتی ہے؟ تم مجھے پکڑاؤ یہ کپ" بھائی جان نے کہا تو میں اٹھ کر باہر آتے ہوئے بولی۔

"رات سے میں سوچ رہی تھی نجانے کافی کیا ہوتی ہے اور اب پتہ چلا اونہہ اس کو کافی......"

"جی اس کو کافی کہتے ہیں لیکن یہ پڑھے لکھے لوگوں کا مشروب ہے آپ جیسوں کا نہیں"۔ ایاز نے کہا تو میں جل اٹھی اور بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی مگر آتے آتے میں نے سنا ایاز کہہ رہا تھا۔

"اگر تم کافی پینا شروع کردو تو چند دنوں میں اسمارٹ ہوجاؤ گی"۔ غصہ تو مجھے بہت آیا مگر میں برداشت کرتے ہوئے سونے کے لئے لیٹ گئی۔

آج کل مجھے وقت گزرنے کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ سارا دن شادی کی شاپنگ اور باتیں ہوتیں کیونکہ تاریخ طے ہوچکی تھی اور ایاز بھی واپس اپنے گاؤں جاچکا تھا وہ مجھ سے ناراض ہی چلا گیا تھا میری سمجھ میں اس کی ناراضگی نہ آئی تھی اور نہ ہی وہ کچھ خاص بتا کر گیا تھا البتہ جاتے ہوئے اس نے مجھے بطور خاص کہا تھا۔

"سنو مجھے موٹی، بھاری لڑکیاں ذرا بھی پسند نہیں اور نہ ہی ان پڑھ قسم کی ، دیکھو لڑکی اپنی عادتیں ٹھیک کرلو ورنہ ایسا نہ ہو مجھے تمہارے بارے میں دوبارہ سوچنا پڑے۔ اس عمر میں وزن پینٹھ کلو دیکھو جب میں پرویز کی شادی پر آؤں تو تمہارا وزن پچاس کلو ہونا چاہیے بلکہ یہ بھی زیادہ ہے"۔

"دس کلو ہونا چاہیے" میں نے دانت پیس کر کہا۔ وہ تھا کہ کہتا جا رہا تھا، بجائے اس کے کہ پیار محبت کی باتیں کرتا وہ مجھے نصیحت کر رہا تھا۔

"نہیں بھئی دس کلو تو بہت کم ہے پینتالیس کلو کر لینا"۔ وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ میں چپ ہی رہی تو اس نے کہا۔

"سن رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

''سن رہی ہوں'' میں نے زہر خند سے کہا کہ زہر لگ رہا تھا وہ مجھے اس وقت۔

''اور سنو اب جوسٹ ہونے والے ہیں ان میں خوب محنت کرنا ورنہ''۔

''ورنہ کیا؟'' میں نے کاٹ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''وہی جو پہلے کہا تھا مجھے تمہارے بارے میں دوبارہ غور کرنا ہوگا''۔

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں نے رونا شروع کر دیا کہ بات بے بات رونا بھی میری عادت تھی اور یہ تو میرا آزمودہ نسخہ تھا میرے رونے کی دیر ہوتی ابا، اماں یہاں تک بھائی جان میری بات فوراً مان لیتے تھے مگر اس ظالم پر کچھ اثر نہ ہو رہا تھا وہ بجائے مجھے چپ کروانے کے مسکرا رہا تھا جیسے میرے اس نقلی رونے کو سمجھتا ہو......اچانک فیروز بھائی اندر آئے ایک نظر مجھ پر ڈالی پھر ایاز سے پوچھا۔

''اب آج کیا ہوا؟''

''اب تک تو کچھ نہیں ہوا لیکن ان محترمہ کا وزن اسی رفتار سے بڑھتا رہا اور اپنی عادتیں بھی اس نے نہ بدلیں تو پھر ضرور کچھ ہوگا کہ حد ہوتی ہے ہر بات کی''۔

''کیا ہوگا پھر؟'' فیروز بھائی نے تلخی سے پوچھا۔

''یار تم سمجھتے کیوں نہیں۔ مجھے ان پڑھ قسم کی لڑکیاں ذرا اچھی نہیں لگتیں''۔

''یہ بتاؤ نوکری کروانے کا ارادہ رکھتے ہو بیوی کو؟'' بھائی کے لہجے کی تلخی کم نہ ہوئی تھی۔

''اس میں حرج بھی نہیں'' ایاز نے ڈھٹائی سے کہا۔

''کیا چاہتے ہو؟'' فیروز نے شاید پہلی بار دل کی سنجیدگی سے پوچھا۔

''نمبر ایک پڑھائی، نمبر دو موٹاپے سے نجات اور''۔

'' اور میرا خیال ہے اگر تم چند روز مزید یہاں رک جاتے تو موٹاپے کا نشان تک نہ رہتا''۔ فیروز بھائی کی بات سن کر میرا دل خوش ہوگیا۔

''طنز کر رہے ہو مجھ پر۔ ویٹ پوچھو محترمہ کا۔ پینسٹھ کلو''۔

''ویٹ کا تمہیں کیسے پتہ چلا؟'' فیروز بھائی نے حیرانی سے پوچھا۔

''پیسے خرچ کر کے''۔

''میں سمجھا نہیں''۔

فیروز نے بغور ایاز کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یار ویئنگ مشین لا کر دی ہے''۔ ایاز نے جھلا کر کہا۔

''اچھا زیادہ بک بک نہ کرو اب باہر چلو فراز بھائی اور پرویز گاڑی میں بیٹھے تمہارا انتظار کر رہے ہیں وہ تمہیں چھوڑنے لاہو اسٹیشن تک جائیں گے''۔

مگر ایاز اس کی طرف متوجہ ہی کب تھا وہ تو مجھ سے کہہ رہا تھا۔

''سنو دودھ پینا بند کر دو، کافی اگر اچھی نہیں لگتی تو چائے پینا شروع کر دو۔ اس طرح بھوک بھی کم لگے گی اور نیند بھی کم آئے گی جب یہ دونوں چیزیں چھوٹ جائیں گی تو تمہارا دل خود بخود پڑھائی میں لگے گا''۔

''لیکن مجھے چائے بالکل اچھی نہیں لگتی پھر اماں بھی پینے سے منع کرتی ہیں''۔ میں نے منہ بنا کر کہا تو ایاز نے گھور کر مجھے دیکھا اور میں نے لاپرواہی سے کہا۔

''اور پھر ایک دوبار میں نے چائے پی کر بھی دیکھی ہے چائے پینے کے بعد مجھے زیادہ نیند''۔

''کیا چائے پینے کے بعد بھی تمہیں نیند آتی ہے''۔ ایاز میری بات کاٹ کر بولا پھر فیروز سے کہا۔

''سنا تم نے اس کی ہر بات نرالی ہے۔ خدا کی شان چائے پی کر بھی نیند آتی ہے ارے نیند تو اس سوا من اناج کی وجہ سے آتی ہے جو تم چائے پینے سے پہلے ٹھونستی ہو''۔

''ایاز یہ کیا لڑکیوں جیسی باتیں کر رہے ہو چلو اب'' فیروز بھائی نے سخت لہجے میں کہا۔

''چلو'' ایاز نے بیگ کاندھے پر ڈال لیا اور آخری نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے

بولا۔

''میں نے جو کچھ کہا ہے اس کو یاد رکھنا اور اس پر عمل بھی کرنا''۔ کہہ کر باہر نکل گیا۔ اماں پہلے سے دروازے کے سامنے کھڑی گاڑی میں بیٹھے فراز ا پرویز بھائی سے باتیں کر رہی تھیں وہ اماں کو سلام کر کے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

جبکہ میری محبت اس کی نفرت بھری باتیں سننے کے باوجود بڑھی تھی کم ہوئی تھی وہ جتنے دن بھی رہا تھا ایک دن بھی اس نے میرے ساتھ سیدھے منہ بات نہیں کی تھی جبکہ جب وہ آیا تھا تو مجھ سے بڑی محبت کے ساتھ ملا تھا۔

وہ تو چلا گیا تھا مگر میں نے اس کی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی لیکن اب تو بھائی جان کی شادی تھی جس کی وجہ سے اسکول سے لمبی چھٹیاں لے ا تھیں۔ بے

شک میں چھوٹی تھی مگر تھی تو گھر کی بڑی بیٹی اور اکلوتی بھی اس لئے اماں ہر جگہ مجھے ساتھ ساتھ رکھتی تھیں ہر بات مجھ سے پوچھ کر کرتی تھیں...... روز شادی کی شاپنگ کے لئے کبھی قصور اور زیادہ تر لاہور کے چکر لگتے چچی بھی ہمارے ساتھ جاتی تھیں بلکہ ہم چچی کے ساتھ جاتے تھے کیونکہ ہماری گاڑی نہیں تھی جبکہ چچی کے پاس ایک گاڑی تھی۔

شاپنگ کروانے کے لئے کبھی پرویز بھائی ہمیں لے جاتے کبھی فیروز بھائی ایسے میں انارکلی جاتے ہی شاپنگ بعد میں کرتی پہلے بانو بازار سے فروٹ چاٹ کھاتی پھر کچھ خریداری ہوتی پرویز بھائی تو صرف چاٹ ہی کھلاتے تھے جبکہ اگر فیروز بھائی ساتھ ہوتے تو پھر میں گھر سے ناشتہ کئے بغیر ہی آتی۔ وہ بانو بازار سے فروٹ چاٹ کھلاتے مال روڈ کے بہترین قیمہ بھرے سموسے اور اچھرہ موڑ کی بہترین تلی ہوئی مچھلی اور بھاٹی گیٹ سے پان غرض وہ لاہور کی ہر مشہور چیز مجھے کھلانا اپنا فرض سمجھتے تھے اور میں ایاز کی نصیحت بالکل بھلا چکی تھی جاتے ہوئے وہ ویٹ مشین میرے کمرے کے ایک کونے میں رکھ گیا تھا اور کہا تھا۔

''اس کو یہاں سے اٹھانا مت روز ویٹ کیا کرنا تا کہ پتہ چلتا رہے''۔ مگر مجھے اس کی یہ باتیں یاد کہاں تھیں۔ وہ دھمکی دینے کے بجائے اگر پیار سے سمجھاتا

تو شاید مجھ پر کچھ اثر ہو ہی جاتا مگر اب نہ تو آج کل پڑھائی ہو رہی تھی اور نہ ہی وزن کم ہو رہا تھا۔ میں جب بھی اپنے کمرے میں جاتی چاہے دن میں دس مرتبہ ہر بار مشین پر کھڑی ہوتی اور یہ دیکھ کر جان جل جاتی کہ وزن کم ہونے کی بجائے اور بھی بڑھ رہا تھا اور یہ سب بار بار لاہور کے چکر لگانے کی وجہ سے ہو رہا تھا اور تنگ آ کر میں نے سوچا۔

اب اگر کوشش کرنے کے باوجود کم نہیں ہوتا تو میں کیا کروں۔ باقی رہی ایاز کی دوبارہ سوچنے کی بات تو اماں پانچ بھائیوں کی لاڈلی بہن ہے ایاز باپ کے سامنے انکار کرنے کی دوبارہ جرأت کر ہی نہیں سکتا اور کر بھی لے تو ماموں اس کی بات ہرگز نہیں مانیں گے۔ یہ سوچ کر میں مطمئن تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ صرف میرا ہی رہے گا۔

شادی کی تاریخ دو ماہ بعد کی رکھی گئی تھی گاؤں میں اتنی ہی لمبی لمبی رکھی جاتی تھی مگر یہ دو ماہ یوں گزرے کہ پتہ ہی نہ چلا اور جب ایک دن اماں نے ابا سے کہا۔

''شادی میں صرف پندرہ دن باقی ہیں سوچتی ہوں، اب بھائیوں کو بھی جا کر ایک بار خود کہہ آؤں باقی رقعے تو نائی جا کر دے آئے گا آپ کیا کہتے ہیں؟''۔

''کہنا کیا ہے جب دل چاہے چلی جانا''۔ ابا نے حقہ پیتے ہوئے کہا۔

''اماں میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی''۔ میں نے جلدی سے کہا ایاز مجھ سے ناراض تھا مگر میرے دل میں اب اس کی محبت تھی۔

''ارے تو چلی گئی تو گھر میں کون رہے گا بھرا پرا شادی والا گھر ہے اگر خدانخواستہ کوئی چور''۔

''کچھ نہیں ہوتا اماں'' چچی کو ایک دن اِدھر چھوڑ جاتے ہیں''۔ میں نے مشورہ دیا۔

''ناں عائشہ ان کے اپنے گھر بھی تو شادی ہے''۔

''وہاں تین بھابیاں بھی تو ہیں''۔ میں نے تنگ آ کر کہا۔

''اری سمجھا کر۔ میں صرف ایک دن کے لئے تو جا رہی ہوں تو کہاں خجل خوار ہوتی پھرے گی میرے ساتھ''۔ اماں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اماں کچھ بھی ہو میں تو ضرور جاؤں گی"۔ میں نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے چلی جانا"۔ ابا نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا پھر اما سے بولے۔

"لے جانا۔ کبھی گئی بھی تو نہیں میری دھی وہاں"۔

اماں بادل نخواستہ مان گئیں اور بہت صبح ہی صبح فیروز بھائی لاہور لار اڈے چھوڑ گئے۔ اگرچہ وہ تو کہتے تھے وہ گاؤں تک ساتھ جائیں گے مگر اماں انکار کردیا تھا کہ یہاں پہلے ہی بہت کام ہیں۔ فیروز اماں کی بات مان گئے ہم دو ٹکٹ دلا کر لاری میں بٹھایا اور خود واپس چلے گئے۔

☆☆☆

دوپہر ڈھلے ہم اماں کے گاؤں کے چھوٹے سے اسٹاپ پر کھڑے ت وہاں سے اماں نے تانگہ کروایا جو ان کے اپنے ہی گاؤں کا تھا پھر وہ تانگے وا سے گاؤں کا حال احوال پوچھنے لگیں اور تانگہ بان بھی کسی ٹیپ ریکارڈر کی طر شروع ہوگیا اور میں بیزاری سے آس پاس پھیلے نظاروں کو دیکھنے لگی کہ اس قدر سفر میں نے پہلی بار کیا تھا اور شدید تھکن ہورہی تھی۔

ہم تانگے میں بیٹھے گھر جارہے تھے کہ راستے میں ایاز زمینوں پر ٹریک چلاتا ہوا نظر آیا اس کے ساتھ ایک اور اسی کی عمر کا لڑکا تھا اُس نے بھی ہمیں دیک اور ٹریکٹر چھوڑ کر ہماری طرف آیا۔ میں نے جلدی سے تانگے والے کو رکنے کا اشا کیا۔ اتنے میں ایاز بھاگتا ہوا ہمارے قریب آیا اور آتے ہی اماں کو سلام کیا جواب میں اماں نے لمبی دعائیں دیں تو وہ میری طرف متوجہ ہوا میں نے بڑی چادر اوڑھ رکھی تھی اس لئے وہ میرے موٹاپے کا اندازہ نہ کرسکا۔ مسکرا کر دیکھا اور کہا۔

"تم کیسی ہو عائشہ؟" اس کے لہجے میں بے حد نرمی تھی۔

"اچھی ہوں"۔ اس کی توجہ پاکر کھلی پڑ رہی تھی۔ اتنے میں وہ دوسرا بھی قریب چلا آیا ایاز نے اس کے قریب آتے ہی کہا۔

"قدیر! یہ میری پھوپھی ہیں، ان کو تو تم جانتے ہو اور یہ عائشہ میری کزن کیا سمجھے؟"

"اچھا۔" اس نے پہلے اماں پھر مجھے سلام کیا اور مسکرانے لگا۔ وہ بہت نرم چہرہ تھا اس کے مسکرانے پر میں نے سوچا، ہوسکتا ہے ایاز نے اس کو میرے بارے میں بتادیا ہو...... ہاں یہی بات ہوسکتی ہے جبھی تو وہ مجھے دیکھ کر شرارت سے مسکرا رہا ہے۔

اچانک ایاز اسے کچھ کہتے ہوئے تانگے والے کے ساتھ آگے بیٹھ گیا وہ ہمارے ساتھ ہی اب گھر جارہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اماں سے باتیں بھی کرتا جارہا تھا۔ اس کے بعد اس نے مجھے ایک بار بھی مخاطب نہ کیا تھا مگر میں خوش تھی کہ اس نے گھورا بھی نہ تھا اور نہ ہی ڈانٹا تھا وہ اماں سے پرویز بھائی کی شادی کا ہی پوچھ رہا تھا اور اماں ہر بات کا تفصیلی اور لمبا جواب دے رہی تھیں اتنے میں گھر بھی آگیا اور ہم اندر چلے آئے۔

اماں کے گھر پہنچتے ہی گویا ہنگامہ سا مچ گیا کہ دوسرے دو ماموں بھی اپنے اپنے گھرانے کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ سب اماں سے زیادہ مجھے ان کے ساتھ دیکھ کر خوش ہوئے تھے جو پہلی بار ان کے ہاں آئی تھی، سب سے زیادہ خوش میری نندیں تھیں مجھے دیکھتے ہی مسرت اور ندرت اشارے کرکے مسکرانے لگیں مگر میں نے کچھ توجہ نہ دی کہ سب ہی موجود تھے پھر سب بڑے سے لان میں بیٹھ گئے، اماں ان کو شادی کی تیاریوں کے بارے میں بتارہی تھیں جبکہ ایاز ہمیں چھوڑ کر دوبارہ زمینوں پر چلا گیا تھا۔

رات کا کھانا سب نے مل کر کھایا تھا جبکہ ہمارے ہاں پہلے مردوں کو کھلایا جاتا تھا بعد میں عورتیں اور بچے کھاتے تھے مگر یہاں سب عورتوں، مردوں اور بچوں نے اکٹھے کھانا کھایا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی اماں پھر بھائیوں کے پاس بیٹھ گئیں اور سونے کا کہہ کر اپنی نند مسرت کے کمرے میں آگئی کہ کھانا کھاتے ہی مجھے نیند آنے لگی تھی۔ مسرت نے میرے لئے بستر لگادیا اور میں لیٹ گئی ویسے بھی سفر سے تھکی

ہوئی تھی کیونکہ یہ طویل سفر میں نے پہلی بار ایاز کے لئے کیا تھا حالانکہ وہ مجھ ناراض ہوکر آیا تھا بلکہ ڈانٹ کر اور دھمکی دے کر۔ مگر میں پھر بھی اسے ایک نظ دیکھنے کے لئے چلی آئی تھی۔ ابھی میں غنودگی میں ہی تھی جب ایاز کی کھنک دا آواز آئی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟ او وہ پھر وہی سونے کا کام، اٹھو۔" کہتے ہوئے ای نے میرے اوپر سے لحاف کھینچ لیا۔

"کیا کرتے ہو دیکھتے نہیں کتنی سردی ہے؟" میں نیند سے بند ہوتی ہو آنکھوں کو پورا کھولتے ہوئے بولی اور پھر اس کی طرف دیکھا۔

وہ چارپائی کے قریب کھڑا بڑی گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا بلکہ م امعائنہ کر رہا تھا۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر بولا۔

"ارے! اگر غلطی سے آہی گئی ہو تو اٹھو، باتیں کرو۔"

"کیا باتیں کروں؟" میں نے سستی سے کہا کہ مجھے معلوم تھا وہ کیس باتیں کرے گا۔

"پڑھائی کیسی جارہی ہے۔ ٹیسٹ کیسے ہوئے یہ تو بتا دو کم از کم؟" و مجھے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"جب سے شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے تب سے اماں نے اسکول چھٹیاں کروا رکھی ہیں" میں نے خود کو بچاتے ہوئے سارا الزام اماں پر رکھنے کی کوشش کی۔

"کیا؟ یعنی کہ ڈیڑھ ماہ سے تم اسکول ہی نہیں گئیں اور ......اور گھر م بھی نہیں پڑھا ہوگا، ہے نا؟"

"گھر کہاں ہوتی ہوں، سارا دن تو لاہور اور قصور کے بازاروں میں گز ہے۔ شادی کی خریداری میں، تم نے اتنی جلدی سے دن رکھوا دیئے تھے کام وام سارا مجھے اور اماں کو ہی کرنا تھا"۔ میں نے خود کو کامی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"ہوں، وزن کتنا ہے؟" گویا وہ میری بات مان گیا تھا اور اب دوسر طرف آگیا تھا۔

"میں نے کبھی کیا ہی نہیں؟" میں نے صاف جھوٹ بولا اگرچہ کرتی

میں دن میں دس بار تھی مگر کچھ فرق پڑا ہوتا تو سچ بولتی۔

"اٹھو، اب کرو" اس نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"اب؟" میں نے حیران ہوکر اس کو دیکھا۔ "اب کیسے کروں، مشین ساتھ تو نہیں لائی یہاں۔"

"مشین ہے یہاں اٹھو۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھایا اور مسرت کی الماری سے مشین نکال لایا اور مجبوراً مجھے مشین پر کھڑا ہونا پڑا۔ میرے کھڑے ہونے پر ایاز نے جھک کر نمبر دیکھے پھر سر تھامتے ہوئے بولا۔

"اف خدایا ستر کلو۔"

میں چپ چاپ مشین سے اتر کر اپنے بستر کی طرف بڑھی تو ایاز نے میرا ہاتھ پکڑ کر تلخ لہجے میں کہا۔

"پہلی بار ایسا دیکھا ہے کہ مشین کی موجودگی میں وزن کم ہونے کی بجائے بڑھا ہوا آخر تم کرتی کیا ہو؟" میں چپ رہی وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"بیکار، اب ناممکن ہے" اور باہر نکل گیا...... میں پھر بستر پر لیٹ گئی کچھ دیر اس کی باتوں پر غور کر کے مجھے رونا آیا پھر کھانے اور تھکن کی وجہ سے جلد ہی سوگئی۔

صبح میری آنکھ مسرت کے اٹھانے پر کھلی تھی۔ اماں ناشتے کے بعد ہی جانا چاہتی تھیں۔ لیکن ماموں نے کہا۔

"اب آہی گئی ہو تو ایک دن مزید رک جاؤ"۔ اور اماں مان گئیں۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی مسرت مجھے اپنی سہیلی کے گھر لے گئی وہاں سے واپس آئے تو سب کھانا کھا رہے تھے مگر ایاز ان سب میں نہیں تھا کل رات کے بعد وہ مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ صبح ناشتے پر بھی وہ موجود نہیں تھا۔ میں حیران تھی وہ آخر گیا کہاں؟ جیسے تیسے میں نے کھانا کھایا پھر مسرت سے پوچھا۔

"کیا بات ہے تمہارا بھائی نظر نہیں آرہا ؟"

"وہ رات پانی کی باری ہماری تھی نا ن اس لئے وہ رات بھر باہر آدمیوں

کے ساتھ کھیتوں پر رہے اور صبح آتے ہی سوگئے اور ابھی تک سو رہے ہیں مسرت نے بتایا۔

''اچھا چلو اب میں بھی کھیت وغیرہ دیکھنے چلونگی۔''

''کیوں، پہلے کبھی نہیں دیکھے؟'' مسرت نے ہنس کر پوچھا۔

''نہیں ۔ اور ہاں فارم دیکھنے بھی جاؤنگی۔'' میں نے کہا تو ہم سب کز جن میں میری نندیں مسرت اور ندرت اور دونوں دوسرے ماموں کی بیٹیا نیلی،فرزانہ اور رضوانہ شامل تھیں باہر نکل آئیں، جب ہم سب کزنز ڈیرے پہنچیں تو وہاں چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ قدیر بھی بیٹھا تھا ۔ ہمیں دیکھ کر فو کھڑا ہوگیا جبکہ دوسرے آدمی اس کچے کمرے میں چلے گئے جس کے باہر چار کاٹنے والا ٹوکا لگا ہوا تھا۔

اب ہمارے سامنے وہاں صرف قدیر کھڑا تھا یا پھر دو تین بڑے، بڑ سیاہ کتے جو ایک طرف بیٹھے تھے اور شاید ہمیں دیکھ کر ڈسٹرب ہوگئے تھے اور ا بھونکنے کی تیاری کرر ہے تھے۔

''ایاز نہیں آیا؟'' وہ مسرت سے پوچھ رہا تھا۔ تب میں نے پہلی بار غو سے اس کو دیکھا صاف رنگ ،تیکھے نقش، لمبا قد، مگر چہرے پر گہری سنجیدگی ا آنکھوں میں ہلکی سی اداسی تھی۔ میرا جی چاہا اسے دیکھتی ہی رہوں۔

''بھائی جان تو سورہے تھے اس لئے ہم اکیلی چلی آئیں'' مسرت کہہ رہ تھی جبکہ میں ٹک ٹک اس کو دیکھے جارہی تھی۔

''ابھی تک سورہا ہے؟'' قدیر حیران سا پوچھ رہا تھا۔

''اصل میں رات پانی کی باری ہماری تھی ساری رات وہ جاگتے رہے اور صبح گھر جاتے ہی سوگئے۔'' مسرت نے اب کے ذرا تفصیل سے بتایا۔

''ساری رات میں بھی اس کے ساتھ ہی رہا ہوں۔ خیر اب آپ بتائیں آپ کی کیا خدمت کی جائے ؟'' وہ خاص کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی کس کو غنی کہہ کر پکارا۔

''صرف سیر کروادیں'' ۔ میں نے شرما کر کہا۔

''سیر کیسی؟ مونجی کے بعد کھیت خالی ہیں اور گندم کی بوائی کی جارہی ہے۔ جن کی بوائی وقت پر ہوگئی تھی وہ تو آج کل پانی لگا رہے ہیں جیسے کہ ایاز وغیرہ اور بعض ایسے بھی ہیں جن کی مونجی دیر سے لگی دیر سے پکی وہ ابھی فارغ ہورہے ہیں'' ۔ قدیر میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''پھر تو ان کی گندم بھی دیر سے لگے گی۔'' میں نے اپنی طرف سے اپنی عقلمندی کا رعب جھاڑا۔

'' یہ تو ظاہری بات ہے۔ اب یہی دیکھیں ایاز نے پہلا پانی جو ٹھیک چالیس دن بعد لگایا جانا تھا لگا دیا ہے اصل میں وقت پر فصل کی بوائی ہو تو پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور پریشانی بھی نہیں ہوتی۔''

''پھر لوگ دیر کیوں کرتے ہیں؟'' میں نے کہا۔ باقی سب اِدھر اُدھر پھرنے میں مصروف ہوگئیں تھیں اور وہ تینوں کتے بھی نجانے کدھر چلے گئے تھے جبکہ قدیر پوری طرح میری طرف متوجہ تھا۔

''لوگ خود کہاں دیر کرتے ہیں، کبھی بیج وقت پر نہیں ملتا اور کبھی پانی، خاص کر پانی سے مسئلہ زیادہ بگڑ جاتا ہے۔ پانی لیٹ ملے گا تو بوائی بھی لیٹ ہوگی اور پیداوار بھی کم ہوگی اور پریشانی الگ۔'' وہ آہستہ آہستہ یوں بولا گویا میں اس کا انٹرویو کررہی ہوں۔

''آپ خود کیا کرتے ہیں؟'' میں نے پوچھ ہی لیا کہ وہ کل بھی ہمیں ملا تھا یہیں پر اور آج بھی۔

''میں ۔'' وہ مسکرادیا، اداس مسکراہٹ ۔ ''یہاں اپنے کھیتوں پر ہوتا ہوں۔''

''پڑھائی مکمل کرلی آپ نے ؟'' نجانے کیسے میرے منہ سے یہ جملہ نکل گیا حالانکہ میں اس بات کو کبھی پسند نہ کرتی تھی کہ کوئی مجھ سے پڑھائی کے بارے میں پوچھے۔

''میٹرک کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔''

''شوق نہیں تھا؟'' میں نے محض بات جاری رکھنے کی خاطر پوچھا۔

"شوق تو بہت تھا مگر ابا کہتے تھے اب مجھے زمینوں پر کام کرنا چاہیے۔"

"تو آپ کہہ دیتے آپ پڑھنا چاہتے ہیں۔"

"کہا تو تھا مگر اماں نے کہا اتنا ہی بہت ہے جو پڑھ لیا اور اصل وہ تو مجھے شروع سے ہی نہیں پڑھانا چاہتی تھیں مگر ابا سمجھتے تھے خط وغیرہ لکھنے، پڑھنے اور حساب کتاب کرنے کیلئے مجھے میٹرک ضرور کرنا چاہیے جبکہ میں ایاز کی طرح آرمی میں جانا چاہتا تھا۔ مگر اماں کو یہ بات پسند نہ تھی۔" اس کے لہجے میں دکھ تھا۔

"یہ اماں بھی بڑی عجیب ہوتیں ہیں جو کام اولاد چاہے اسے پسند ہی نہیں کرتیں۔ اب مجھے دیکھیں میں پڑھنا نہیں چاہتی مگر اماں کہتی ہیں مجھے میٹرک ضرور کرنا ہے۔ کیا ہم خود نہیں سمجھ سکتے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟" میں نے ذرا غصے سے کہا کہ پڑھائی کے نام پر مجھے ہمیشہ خود بخود غصہ آجاتا تھا۔

"اور آپ کو پڑھنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔ ہے ناں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"ہاں" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "کوئی ضروری تو نہیں کہ ہر بندہ پڑھے۔"

"بری بات ہے، پڑھائی تو بہت اچھی چیز ہے" وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"تو پھر آپ خود کیوں نہیں پڑھتے؟"

"بتایا تو ہے اماں پسند نہیں کرتیں۔ ویسے اس سال میں نے چھپ کر ایف اے کی پرائیویٹ تیاری کی اور امتحان دیا اب دیکھیں کیا رزلٹ نکلتا ہے۔"

"اللہ کرے آپ پاس ہوجائیں۔"

"وہ تو ہو ہی جاؤں گا" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

اتنے میں ایک آدمی جسے قدیر نے غنی کہا تھا بہت ساری چھلیاں (بھٹے) بھون کر لے آیا اور لڑکیاں جو ہماری باتوں سے بور ہوکر ادھر اُدھر پھر رہی تھیں سب ایک جگہ جمع ہوکر کھانے لگیں۔ اور میں کھانے کے ساتھ ساتھ اوپر دیکھنے لگی۔

کھلی جگہ پر آسمان کتنا پیارا لگتا ہے۔ نیچے زمین پر سرسبز شاداب کھیت

اور اوپر نیلے آسمان کی چھت، جو کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے یوں لگ رہا تھا جیسے زمین پر جھک آیا ہو۔ چاروں طرف جھکا آسمان بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ میں نے یہ منظر پہلی بار دیکھا تھا۔ گو کہ ہم بھی گاؤں میں رہتے تھے مگر اُدھر کھیت کم اور باغات زیادہ تھے اور یہاں تاحدِ نظر صرف زمین تھی اور اس پر جھکا صاف شفاف آسمان میں اس خوبصورت منظر میں گم تھی جو کہ مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ایاز کی آواز سن کر میں چونک کر مڑی تو وہ تروتازہ کھڑا ہم سب کو گھور رہا تھا۔

"بھائی جان! یہ عائشہ اپنا ڈیرہ دیکھنا چاہتی تھی۔" مسرت نے جلدی سے بتایا۔

"یہ دیکھ رہی ہے یا کھا رہی ہے" ایاز طنزیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا تو قدیر نے فوراً کہا۔

"یار کھانے کو یہاں رکھا ہی کیا ہے؟ وہ تو میں نے سوچا کچھ اور نہیں تو یہی سہی کہ ڈیرے پر آج کل گنے اور چھلیاں ہی تو دو چیزیں ہوتی ہیں ناں"۔

"ان کیلئے یہی ٹھیک ہے چلو اب سب گھر جاؤ۔" وہ حکم دینے والے لہجے میں بولا۔

"بھائی جان! یہ عائشہ فارم بھی دیکھنا چاہتی ہے۔" مسرت نے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں اب گھر جاؤ فارم دیکھنے سے کیا ہوگا؟"

"اور میرے فارم دیکھنے سے تمہارا کیا نقصان ہوجائے گا؟" مجھے غصہ آ گیا۔

"نقصان نہیں تو فائدہ ہی بتا دو ویسے بھی فارم یہاں سے بہت دور ہے اور گاڑی گھر ہے یہاں کیا گھوڑے پر بیٹھ کر چلو گی میرے ساتھ؟"۔

"یار! میری موٹر سائیکل ہے۔" قدیر نے جلدی سے کہا۔

"موٹر سائیکل پر یہ محترمہ بیٹھیں گی۔ وزن جانتے ہو ان کا؟" ایاز نے ہاتھ سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے قدیر سے کہا۔ اتنے سارے لوگوں کے سامنے اپنی توہین پر میری آنکھیں بھر گئیں ہیں جلدی سے واپس مڑی تو قدیر بھی

جلدی سے ایاز کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا جبکہ ہم سب گھر کی طرف دیں۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ پیچھے سے موٹر سائیکل کا ہارن سنائی دیا پھر ہمارے قریب رکتے ہوئے بولا۔

''بیٹھو۔''

میں جلدی سے آگے بڑھی تو وہ بول پڑا۔

''تم سے نہیں، میں تو نیلی سے کہہ رہا ہوں۔''

مارے غصے کے میں کھول اٹھی اور پھر جیسے ہی نیلی بیٹھنے لگی وہ ہنس بولا۔

''ارے تمہیں تو روز لے جایا کروں گا آج اس کو ہی لے جانے دو کیا کرے گی۔''

''اب میں نہیں جاؤنگی۔'' میں نے غصے سے انکار کردیا۔

''اب زیادہ نخرے نہ دکھاؤ بیٹھو۔'' وہ رعب سے بولا تو میں دبک کر بیٹھ گئی دس منٹ بعد ہم بھیڑوں کے فارم پر موجود تھے ایاز موٹر سائیکل رو ہوئے بولا۔

''اندر چلو گی یا پھر؟'' میں چپ چاپ کھڑی رہی تو ایاز نے کہا۔

''اندر جانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہر طرف بُو ہے اور پھر بھیڑیں دیکھی نہیں؟ ویسی ہی ہیں جیسی سب ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں تمہیں عمر کی نظر آئے گی۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی۔ ویسے تمہاری مرضی جو کہو ہم تو حکم کے غلام ہیں۔'' وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔

اور میں سمجھ گئی کہ وہ مجھے اندر لے جانے کے موڈ میں نہیں اس لیے کہا۔

''ٹھیک ہے گیٹ پر ہی سے واپس چلو۔'' اور وہ مزید کوئی بات کئے بغ مجھے گھر چھوڑ گیا اندر آئی تو اماں اپنی پرانی سہیلیوں کے ساتھ خوش گپیوں م مصروف تھی۔ مجھے دیکھتے ہی نیلی فرزانہ اور ندرت وغیرہ ہنسنے لگیں تو مسرت پوچھا۔

''دیکھ لیا فارم آپ نے؟''

''ہاں دیکھ لیا۔'' میں نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

''لگتا ہے دور سے دکھا کر چھوڑ گئے''۔ نیلی نے کتنی صحیح بات کی تھی ''اندر جا کر مجھے لینا بھی کیا تھا بہت بو تھی'' میں نے کہا تو ماموں بولے۔

''ارے میرے پاس ذرا دیر کو بھی میری بیٹی نہیں بیٹھی، کیا بات ہے؟''۔

''کچھ نہیں ماموں جان وقت ہی نہیں تھا بھائی جان کی شادی کے بعد آؤ نگی تو پھر خوب آپ کے پاس بیٹھوں گی۔'' میں نے کہا اور کمرے میں آ گئی اب مجھے تھکن ہورہی تھی کہ صبح مسرت کی سہیلی کے گھر بھی گئی تھی۔ اب مجھے جمائیاں آرہی تھیں اس لئے کمرے میں آتے ہی لیٹ گئی مگر وہ سب بھی میرے کمرے میں آگئیں اور مجبوراً سونے کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔

صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ہم جانے کیلئے تیار تھے سارے گھر والے ہمیں دروازے پر چھوڑنے آئے جہاں ایاز گاڑی لئے کھڑا تھا اماں بھابیوں سے باقاعدہ گلے ملتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''پورا ایک ہفتہ پہلے آنا ایسا نہ ہو عین وقت پر غیروں کی طرح چلی آؤ وہاں تمہارے کرنے والے بہت کام ہیں''۔

''کام کیلئے ایاز جو آپ کے ساتھ جارہا ہے''۔ ماموں خالد نے کہا تو میں نے چونک کر ایاز کو دیکھا۔ میں تو سمجھی تھی وہ ہمیں لائل پور (فیصل آباد) تک چھوڑنے جارہا ہے مگر وہ تو ہمارے ساتھ برج کلاں جارہا تھا۔ بے ساختہ میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایاز جو مجھے ہی دیکھ رہا تھا بولا۔

''اب بیٹھ بھی چکو''۔ اور میں پیچھے بیٹھی تو اماں بھی آگئیں اور اماں کے بیٹھتے ہی ایاز نے گاڑی آگے بڑھادی۔

پھر گاؤں بہت پیچھے رہ گیا ہم آگے بڑھتے گئے ایاز اور اماں کبھی کبھار کوئی بات کرلیتے ۔ میں تو خاموش تھی۔ سانگلہ پہنچ کر اس نے پہلی بار گاڑی روکی اور مجھ سے پوچھا۔

''ہاں بھئی کچھ کھاؤ گی؟''

میں سمجھی شاید وہ مجھ پر طنز کررہا ہے اس لئے صرف انکار کردیا۔ میرا انکار

سن کر وہ اماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ نے سنا پھوپھی، عائشہ کچھ نہیں کھائے گی۔ ویسے سانگلہ ہل سموسے بہت مشہور ہیں"۔ وہ جا کر لفافہ بھر کرلے آیا ایک درجن تو ضرور ہو لفافہ مجھے پکڑا کر وہ اپنی سیٹ پر چلا گیا پھر گاڑی آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

"ارے بھئی کھاؤ، سموسے تو گرم گرم ہی اچھے لگتے ہیں۔ ایک مجھے دو اور پھوپھی کو بھی دو"...... میں نے اس کی بات مان لی اور ہم سب کھانے مصروف ہوگئے۔ سموسے کھانے کے کچھ دیر بعد ہی مجھے نیند آنے لگی تو میں سیٹ کی پشت پر سر ٹکا دیا اور پھر میں واقعی سوگئی کہ جب نیند آتی تو میں سب بھول جاتی۔ محبت، ایاز اور باقی سب کو۔

آنکھ کھلی تو ایاز کے زور سے بولنے پر میں نے بمشکل پوری آنکھیں کھ کر دیکھا گاڑی رکی ہوئی تھی اور ایاز کہہ رہا تھا۔

"کھانے کا وقت ہوگیا ہے اب پہلے کھانا کھالو پھر سوجانا۔"

"کیا ہم لاہور پہنچ گئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی نہیں فی الحال تو گجرات پہنچے ہیں۔" پھر اس نے نان کباب کا لفا میری طرف بڑھایا تو میں نے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"جانتا ہوں بھوک نہیں ہے کیونکہ اگر تم صرف بھوک لگنے پر کھانا کھا کرتیں تو تمہارا وزن یہ نہ ہوتا جو اب ہے چلو اب اس کو کھالو کھا کر پھر سوجانا۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔ اور پھر جیسے ہی کھانے سے فارغ ہو کر آنکھیں بند کیں تو وہ دھاڑا۔

"خبردار جو اب میں نے تمہیں سوتے دیکھا" پھر اس نے گاڑی روک دی اور پلٹ کر بولا۔

"آگے آؤ۔" اور مجبوراً میں آگے والی سیٹ پر چلی آئی میرے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھائی تو اماں بولیں۔

"میں ذرا لیٹ جاؤں، بیٹھے بیٹھے کمر تھک گئی ہے۔" اور لیٹنے کے کچھ دیر

بعد ہی اماں کے خراٹے نشر ہونے لگے۔ ایاز نے مسکرا کر مجھے دیکھا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبایا۔

"کیا کرتے ہو؟" میں نے کراہ کر کہا اور ایاز نے ہاتھ چھوڑ دیا اماں کے خراٹے بدستور جاری تھے جن کو سن کر مجھے بھی نیند آنے لگی مگر میں جاگنے کی پوری کوشش کر رہی تھی ایک بار ذرا سی اونگھ آئی تو ایاز نے غرا کر کہا۔

"اگر تم نے سونے کی حماقت کی تو پھر دیکھنا۔ باتیں کرو میرے ساتھ کتنا لمبا سفر ہے مگر تمہاری موجودگی کے باوجود بور، اور تمہیں سونے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں، کسی کا کچھ خیال ہی نہیں۔"

"کیا بات کروں؟" میں نے روہانسی ہو کر کہا۔

"دسمبر ٹسٹ تو نکل گئے اب سالانہ امتحان کے بارے میں کیا سوچا ہے۔؟"

"بھائی جان کی شادی کے بعد سوچوں گی۔" میں نے بیزاری سے کہا مجھے معلوم تھا وہ ایسی ہی باتیں کرے گا اس لئے تو میں بات نہ کرنا چاہتی تھی۔

"بعد میں بھی سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ برا سا منہ بنا کر بولا تو میں چپ رہی کہ مزید کچھ کہہ کر ڈانٹ کھانا نہیں چاہتی تھی پھر باقی کا سارا راستہ وہ میرے جاگنے کے باوجود چپ چاپ نجانے کیا سوچتا رہا ایک بار بھی مجھے مخاطب نہ کیا تھا اس نے۔ گھر پہنچے تو بھائی جان ایاز کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"یار، شکر ہے تو آگیا میں تو اکیلا بہت پریشان تھا اتنے سارے کام دیکھ کر اگرچہ فیروز اُدھر کے کم اور ادھر کے کام زیادہ دیکھ رہا تھا۔"

"بس تمہاری پریشانی کا سوچ کر ہی آیا ہوں" ایاز نے کہا پھر ابا کو سلام کرتے ہوئے ان کے پاس ہی بیٹھ کر باتیں کرنے لگا جبکہ اماں بھائی جان سے پوچھ رہی تھیں۔

"چچی کو اِدھر بلا لیا تھا نا تم نے؟"

"اماں! چچی کی ضرورت ہی کیا تھی کھانا کشور بنا دیتی تھی اور صفائی نوری کر دیتی تھی ویسے بھی میں دو دن گھر پر ہی رہا ہوں سب ٹھیک رہا۔"

اماں کوئی جواب دیئے بغیر اندر چلی گئی جبکہ میں نے کشور سے کہا'' آج سے ڈھولک رکھیں گے سب گھروں میں جا کر کہہ آؤ۔'' اور وہ میری بات سنتے ہی چلی گئی تو میں بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

شادی سے ایک ہفتہ پہلے اماں کے سارے لوگ آ گئے تھے اور ان کے آتے ہی ہمارا گھر شادی کا گھر لگنے لگا تھا۔ پہلے دن تو سب نے آرام کیا دوسرے دن اماں تینوں ممانیوں کو ساتھ لے کر بری کے جوڑے ٹانکنے بیٹھ گئیں اس کام سے فارغ ہوئے تو ممانیاں دلہن دیکھنے چلی گئیں۔

ہمارے یہاں تیل مہندی کی رسم برات سے پانچ دن پہلے ادا کی جاتی تھی اور اس رات ولیمے کے نام پر سارے گاؤں کو کھانا کھلا دیا جاتا تھا تاہم ایک ولیمہ بعد میں بھی ہوتا تھا یعنی بارات کے دوسرے دن جس میں صرف رشتہ دار شامل ہوتے تھے سو ہم نے بھی ایسا ہی کیا تھا جبکہ لڑکے کی مہندی صرف ایک رات پہلے ہوتی تھی۔

عذرا کی مہندی والے دن میں خوب اہتمام سے تیار ہوئی تھی سرخ سوٹ کے ساتھ میں نے گہرا میک اپ کیا تھا ہمارے یہاں فیشن تھا کہ تیل مہندی پر لڑکیاں صرف سرخ کپڑے پہنتی تھیں باقی دنوں میں جو جی چاہے پہن لیں میں نے بھی جدید فیشن کیا تھا۔ کٹ ورک کی قمیض اور ساٹن کی شلوار کے ساتھ چمک دار جالی کا دوپٹہ بنوایا تھا جبکہ برات کے لئے سادہ سبز ساٹن کا شلوار سوٹ اور ولیمے کیلئے کریپ کا فیروزی سوٹ بنوایا تھا ان دونوں سوٹوں پر میں نے خود کشور اور نوری کے ساتھ مل کر گوٹا کناری لگایا تھا۔ تیار ہو کر میں نے بال کھلے چھوڑ دیئے اور باہر چلی آئی برآمدے میں بچھی چار پائیوں پر خاندان کی ساری عورتیں بیٹھی تھیں۔ میں ان کو سلام کرتے ہوئے صحن میں آئی کہ ایاز مجھے دیکھے میں کتنی اچھی لگ رہی ہوں لیکن وہاں میں نے جس ہستی کو دیکھا اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ میں جلدی سے اس کی طرف بڑھی تب ہی اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور وہ مسکرا دیا۔

''قدیر بھائی جان آپ اور یہاں؟'' میں نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

''بھئی میں نے سوچا بے شک بہن نے تو دعوت نہیں دی مگر مجھے

جانا چاہئے''۔ وہ میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے پیار سے بولا تو سامنے سے آتے ہوئے بھائی جان نے پہلے پیار سے میری تعریف کی کہ میں آج بہت اچھی لگ رہی ہوں پھر قدیر سے بولے۔

''اس کو جانتے ہو یار؟''

''بہت اچھی طرح، یہ میری چھوٹی بہن عائشہ ہے'' قدیر نے محبت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا تو میں شرما کر دوسری طرف مڑ گئی پھر اچانک چونک کر سامنے دیکھنے لگی اس طرف کوئی نہ تھا اور ایاز نیلی کے قریب کھڑا آہستہ آہستہ نجانے کیا کہہ رہا تھا کہ وہ شرماتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

مارے غصے اور دکھ کے میرا دل جل اٹھا اسی وقت ایاز مڑا مجھ پر نظر پڑتے ہی چونکا، ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی پھر آگے بڑھ گیا۔ میں نے نیلی کو دیکھا تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے ڈھٹائی سے مسکرا کر بولی۔

''ایاز کہہ رہا تھا آج میں بہت پیاری لگ رہی ہوں۔'' اور میرا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گئی۔ میرا جی چاہا کپڑے پھاڑ دوں، میک اپ خراب کر دوں اور اپنے کمرے میں بند ہو جاؤں کہ جس کے لئے میں بن سنور کر آئی تھی وہ میری بجائے کسی اور کو دیکھ رہا تھا مگر میں ایسا نہ کر سکی کہ آج تو میرے بھائی کی خوشی تھی میں اماں کے پاس چلی آئی تو اماں نے کہا۔

''لڑکیو! چلنے کی تیاری کرو اب اور کتنی دیر کرواؤ گی؟''

''اچھا ماں۔'' میں نے کہا پھر جانے کا ہنگامہ شروع ہو گیا سب کے جانے کے بعد میں باہر نکلی تو ایاز، قدیر اور بھائی جان کے پاس کھڑا ہنس، ہنس کر باتیں کر رہا تھا جب سے نیلی آئی تھی تب سے وہ مجھ سے لاپرواہ ہو گیا تھا جیسے میری کوئی حیثیت ہی نہ تھی اس کی نظر میں اور اس کو دکھانے کے لئے میں بھی بے پرواہ ہو کر اس کے قریب سے گزر گئی۔

تاہم حیرت کی بات یہ تھی کہ جب ہم مہندی لے کر چچا کے گھر پہنچے تو ایاز اور قدیر وہاں پہلے سے موجود تھے شاید وہ لوگ گاڑی میں آئے تھے جبکہ ہم لوگ پیدل آئے تھے۔

ساری عورتوں کے سات اماں بھی تالیوں کی گونج میں ناچ رہی تھیں گاؤں کا وہی مخصوص ناچ جو گاؤں کی ہر بوڑھی اور جوان لڑکی کرتی ہے۔

میں ان کو وہیں چھوڑکر اندر عذرا کے پاس چلی آئی وہ اکیلی تھی سب لڑکیاں تو باہر ناچ دیکھ رہی تھیں اور کمرے میں اکیلی عذرا کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دیکھ رہی تھی مجھے دیکھ کر تھوڑا شرمائی اور مسکرا کر بولی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو اگر لڑکیوں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو غضب ہوجائے گا''

اس کی بات سن کر مجھے ہنسی آ گئی۔ اصل میں گاؤں میں یہ رواج تھا کہ مہندی سے لے کر ڈولی جانے تک سسرال والوں کو لڑکی کا چہرہ نہیں دکھایا جاتا تھا اور اس رسم پر بڑی بوڑھیاں تو کیا لڑکی کی سہیلیاں بھی بہت سختی سے عمل کرتی تھیں مگر اس وقت تو عذرا اکیلی تھی۔ سہلیاں شاید یہ سوچ کر چھوڑ گئی تھیں کہ پتہ ہی میں اندر نہ آؤنگی کہ میں دولہا کی اکیلی بہن تھی پہلے ناچ وغیرہ کرونگی یا گاؤنگی کہ یہ خوشی کی رات تھی مگر ایاز کے رویے نے میرے دل کو مردہ کردیا تھا مجھے کچھ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔

''تم آج اس وقت کیا سوچ رہی ہو؟'' عذرا نے مجھے ٹھوکا دیا۔

''کچھ نہیں'' میں نے بیدلی سے مسکرا کر کہا۔

''میں جانتی ہوں تو اپنی شادی کا سوچ رہی ہے مجھے ذرا گھر آلینے دو پھر دیکھنا کیسے جھٹ پٹ تمہارا بندوبست کرتی ہوں۔'' عذرا نے شرارت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں میرا وجود کیا تم سے برداشت نہیں ہوگا؟'' میں نے کہا اور پھوٹ کر رونے لگی یہ رونا مجھے عذرا کی بات پر نہیں ایاز کے رویہ کا سوچ کر اور بات یاد کرکے آیا تھا اس نے لائل پور (فیصل آباد) میں مجھ سے کہا تھا'' بیکار، اب ناممکن ہے۔'' تب میں نے پرواہ نہ کی تھی کہ اماں کے بھائی اماں کی وجہ سے ایسی کوئی بات کرہی نہ سکتے تھے مگر اب مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرے گا۔ میں بدصورت تو نہ تھی خوب گورا رنگ تھا میرا اور نقش بھی پرکشش تھے،

بس وزن زیادہ تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں۔۔۔۔میرے اپنے خیال میں۔

''ارے، ارے رو کیوں رہی ہو میں نے تو تمہارے ہی خیال سے کہا تھا ورنہ تم جانتی ہو مجھے تم سے کتنا پیار ہے کہ تم میری نند ہی نہیں اچھی اور پیاری سہیلی بھی ہو۔ دیکھو اگر تمہیں برا لگا ہے تو مجھے معاف کردو۔'' عذرا نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے وہ بہت پریشان لگ رہی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں عذرا'' میں نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''پھر تم روئی کیوں ہو؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''وہ بس ایسے ہی'' میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔۔۔۔اسی وقت باہر شور ہوا۔'' لڑکے کی بہن کہاں ہے اسے لاؤ تب اچانک عذرا کی سہیلیاں چونکیں اور ان کو احساس ہوا کہ انہوں نے عذرا کو تنہا چھوڑ کر اچھا نہیں کیا وہ سب اندر کی طرف دوڑیں تو عذرا نے جلدی سے کہا۔

''اب باہر چلی جاؤ ورنہ تم جانتی ہو۔'' اور میں بھاگ کر باہر آئی اور تیزی سے دوسری طرف مڑ گئی ان کو دھوکا دینے کیلئے اور ایسے میں فیروز بھائی سے ٹکرا گئی مگر گری نہیں کہ ٹکر بہت معمولی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر ان کو دیکھا۔ وہ کھوئے، کھوئے سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

''وہ میں لڑکیوں سے بچنے کیلئے ادھر آئی تھی فیروز بھائی'' میں نے جلدی سے کہا تو وہ چونک پڑے پھر مسکرا کر بولے۔

''آج تو بہت زیادہ اچھی لگ رہی ہو عائشہ۔''

''اچھی اور میں۔'' مجھے ان کی بات پر رونا آ گیا پھر میں نے غصے سے کہا۔ ''میں تو بدصورت ہوں۔ موٹی، بھدی ذرا بھی اچھی نہیں لگتی۔ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔'' میں نے ایاز کی بے رحمی کا سارا غصہ ان پر اتارا۔

''نہیں، تم تو بہت پیاری لگتی ہو عائشہ۔ تم سے کس نے کہا کہ تم موٹی بھدی ہو؟ کیا تم چچی نواب جتنی موٹی ہو۔ موٹی تو چچی نواب ہیں''۔ وہ مجھے دلاسہ دیتے ہوئے بولے۔ چچی نواب گاؤں کی نائن تھیں اور سارا گاؤں انہیں چچی بولتا تھا۔ فیروز بھائی کی باتیں سن کر میرا دل چاہا کاش میری منگنی ایاز کی بجائے ان سے

ہوئی ہوتی جن کو نہ تو میرا نہ پڑھنا برا لگتا تھا اور نہ موٹاپا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا اب ایاز نہ صرف میرا منگیتر تھا بلکہ میں اس سے محبت بھی کرتی تھی۔

میں فیروز بھائی کو وہیں چھوڑ کر باہر عورتوں میں آ گئی کچھ دیر بعد ہی عذرا اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں باہر آئی اس نے گھونگھٹ میں چہرہ چھپا رکھا تھا جبکہ ہماری طرف سے مہندی کے ساتھ آنے والا دوپٹہ لڑکیوں نے لمبا کر کے اس کے سر پر پھیلا رکھا تھا مہندی کی رسم ادا ہوتے ہی وہ اس کو اسی طرح منہ دکھائے بغیر اندر لے گئیں۔

بارات والے دن میں نے لباس پہنا اچھی طرح میک اپ کیا اور ایاز کی پرواہ کئے بغیر بھائی کی خوشی میں ہنس ہنس کر سب سے ملتی رہی مگر جب نیلی اور ایاز کو ایک ساتھ دیکھتی تو دل جلنے لگتا مگر کچھ کہنے کی بجائے میں ضبط کرنے کی کوشش کرتی۔

بارات گئی اور پھر عذرا دلہن بن کر ہمارے گھر آ گئی۔ اماں ،ابا سب سے زیادہ خوش تھے۔ ایک ہی بیٹا تھا جس کی خوشی دیکھنے کی انہیں بہت تمنا تھی اور آج وہ تمنا پوری ہوگئی تھی میں خود بھی بہت خوش تھی۔ بھائی جان کے آنے تک میں عذرا کے پاس ہی رہی اور اس کو خوب خوب تنگ کیا پھر بھائی جان کے آنے پر میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔

ولیمے والے روز میں نے سب سے پہلے عذرا کو تیار کیا پھر خود بھی تیار ہوکر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی باہر میں اس لئے نہ گئی تھی کہ ایاز اور نیلی کو دیکھ کر پھر میرا دل خراب ہوتا۔ عورتیں اندر آ کر دلہن کو دیکھنے لگیں پھر باہر جانے کی بجائے وہیں بیٹھ گئیں لیکن جب کھانا لگنے کی اطلاع ملی تو سب باہر دوڑیں اور اماں نے چچی کے ساتھ اندر آتے ہوئے کہا۔

''تو یہیں بیٹھی ہے۔ جا دیکھ سب کو کھانا ٹھیک ٹھاک مل رہا ہے'' اور میں دوپٹہ سنبھالتی باہر آ گئی جہاں مردوں کے بعد اب ساری عورتیں کھانا کھا رہی تھیں۔ شامیانے کے داخلی دروازے پر فیروز اور قدیر کھڑے تھے جبکہ دوسرے لڑکے ڈونگے بھر کر عورتوں کے بیچ گھوم رہے تھے کہ اگر کسی کو سالن کی ضرورت ہو تو دے سکیں

مجھے دیکھ کر قدیر مسکرایا تو فیروز بھائی نے کہا۔

''کیا بات ہے عائشہ آج نظر ہی نہیں آتی ہو بہت مصروف تھیں کیا؟''

''اندر تھی دلہن کے پاس۔'' میں نے بھی مسکرا کر کہا۔

''مطلب آج تو بھائی کی خوب خدمت ہو رہی ہوگی۔'' قدیر نے مسکرا کر کہا۔

''جی وہ میری بہت پیاری بھابی ہے مگر جب آپ کی شادی ہوگی تب بھی میں اسی طرح خوشی مناؤں گی اور بھابی کی خدمت بھی کروں گی۔''

''میری شادی تو بھول جاؤ۔'' قدیر کی آنکھوں کی اداسی گہری ہوگئی۔

''کیوں بھول جاؤں بھلا؟'' میں نے جلدی سے کہا '' آپ کی شادی ہوگی اور فیروز بھائی کی بھی تب میں بہت اچھے اچھے کپڑے بنواؤں گی'' میں نے ایسے مسکرا کر کہا کہ اس وقت میرے ذہن سے ایاز نکل چکا تھا۔

''میری شادی کا خیال بھی دل سے نکال دو۔'' فیروز بھائی نے بھی قدیر کے لہجے میں کہا۔

''کیوں بھلا؟'' میں نے ان دونوں کو گھورتے ہوئے کہا تو قدیر ہنستے ہوئے بولا۔

''ارے بھئی ہمارے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہیں ہے تو پھر شادی کیسے ہوگی۔ کیوں فیروز'' اور فیروز بھائی نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

''کیسے نہیں ہے؟'' میں نے فیروز بھائی کا ہاتھ پکڑا تو ہاتھ کی بجائے سامنے نظر اٹھ گئی اور میرا دل جل اٹھا ایاز نیلی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ میری آنکھیں بھیگنے لگیں تو میں نے فیروز بھائی کے ہاتھ پر نظر جما کر کہا۔

''فیروز بھائی آپ کی شادی......اتنا کہہ کر میں نے پھر سامنے دیکھا وہ اب بھی نیلی کی طرف متوجہ تھا اسے تو لوگوں کی بھی پرواہ نہ تھی جہاں نیلی نظر آتی خود بھی وہیں چپک جاتا۔

''اب بتا بھی چکو۔'' فیروز بھائی نے کہا۔ میں نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا پھر ایاز کو۔ میری آنکھوں میں نمی دیکھ کر فیروز بھائی نے سامنے دیکھا اور قدیر بھی

ایاز کو دیکھنے لگا۔ جبکہ میں آنسو ضبط کرنے لگی ورنہ جی تو اب چیخ چیخ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔

''ایاز'' قدیر نے اسے آواز دی اور وہ نیلی کو چھوڑ کر ہماری طرف چلا آیا پھر بڑی بے نیازی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟'' میری طرف دیکھنا بھی اس نے گوارہ نہ کیا تھا۔ میں بھاگ کر اندر آگئی تاہم آتے آتے میں نے دیکھا فیروز بھائی کچھ کہہ رہے تھے۔

''آخر تم اپنی ان حرکتوں سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟''

''وہی جو وہ سمجھ رہی ہے''۔ ایاز نے ہنس کر کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' قدیر نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔ اس نے مجھے بہن کہا تھا اور اب ایاز سے میرا بھائی بن کر پوچھ رہا تھا۔

''یار بچے نہ بنو وہ میری پہلی اور آخری محبت اور منگیتر ہے مگر غیر ذمہ دار۔ پڑھائی کا شوق نہیں جبکہ کھانے کا شوق حد سے بڑھا ہوا ہے اور سونا اس کی ہابی ہے اس کے علاوہ اس کو کچھ نہیں آتا اور نہ ہی وہ میری کوئی بات سمجھنے کی کوشش کرتی ہے ہر بات میں لاپرواہی۔ حد ہوتی ہے ضبط کرنے کی بھی کوئی۔''

''پھر تم کیا چاہتے ہو؟'' فیروز نے ناگواری سے پوچھا۔

''میں کیا چاہتا ہوں؟ دیکھو یار میں نے اس کو سمجھا کر بھی دیکھا ہے اور ڈانٹ کر بھی مگر وزن کم ہونے کی بجائے بڑھا ہے اور اسکول جانا فی الحال ختم ہو چکا ہے آخری طریقہ یہی تھا اور اس میں مجھے کامیابی بھی ہوئی ہے تم نے دیکھا نہیں وہ مجھے نیلی کے ساتھ دیکھ کر کتنی افسردہ ہو جاتی ہے اب پڑھائی بھی ہوگی اور وزن بھی کم ہوگا وزن بے شک نہ بھی کم ہو میں برداشت کرلوں گا مگر پڑھائی بہت ضروری ہے۔

''پڑھائی اگر بہت ضروری ہے تمہارے لئے سیدھی طرح شادی کر کے خود تیاری کروا دو'' قدیر نے مشورہ دیا۔

''اچھا مشورہ ہے اس بات پر سوچا جا سکتا ہے'' ایاز نے مسکرا کر کہا تو فیروز وہاں سے ہٹ گیا جبکہ قدیر کہہ رہا تھا۔

''دیکھو وہ بہت پریشان ہے ایسا نہ ہو کچھ غلط سلط کر ڈالے اس کو منا لو اور صاف بتا دو عائشہ بہت حساس ہے''۔

''تمہاری طرح۔'' ایاز نے ہنس کر کہا۔

''ہاں میری طرح۔'' قدیر بھی ہنسنے لگا۔

شام کو دلہن کے رخصت ہوتے ہی تمام قریب والے مہمان چلے گئے اب گھر میں صاف ماموں اور ابا کے دور دراز کے ایک دو رشتہ دار تھے میں سب کو کشور کے حوالے کر کے کہ اور بستر نوری کے حوالے کر کے کہ وہ لگا دے گی میں اپنے کمرے میں آئی اور تھکن کی وجہ سے لباس تبدیل کئے بغیر ہی بستر پر ڈھیر ہوگئی۔

شادی کے ہنگاموں کی خوشی تو ہوتی ہے مگر تھکن بھی ہو جاتی ہے خاص کر اگر کوئی دل جلانے والا بھی موجود ہو تو یہ تھکن مزید بڑھ جاتی ہے ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ مسرت نے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

''اب کیا قیامت آگئی ہے؟'' میں نے غصے سے آنکھیں کھولتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ایاز بھائی چائے مانگ رہے ہیں۔'' مسرت نے بتایا۔

''تو پاگل کشور سے جا کر کہو مجھے جگانے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''ایاز بھائی کہتے ہیں اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر لاؤ۔''

''میں؟'' مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی۔

''جی، انہوں نے کہا ہے آج وہ آپ کے ہاتھ کی چائے پئیں گے۔'' مسرت نے شرارت سے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا تو میں غصے میں آگئی۔

''اچھا چائے میرے ہاتھ کی پیئے گا اور باتیں نیلی سے کرے گا، محبت نیلی سے کرے گا، شادی نیلی سے کرے گا وہ اسمارٹ ہے پڑھی لکھی ہے'' میں چانک ہی تلخ ہوگئی۔

''کیا کہہ رہی ہو؟'' مسرت نے حیران ہو کر مجھے دیکھا کہ وہ کچھ بھی نہیں

جانتی تھی۔

''چل بھاگ یہاں سے'' میں زور سے چلائی'' کہہ دو اس کو چائے نیلی کے ہاتھ کی پیئے کہ مجھے صرف کھانا آتا ہے پکانا کچھ بھی نہیں، پھوہڑ ہ میں۔'' کہہ کر میں پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی کہ اتنے دنوں سے ضبط کر رہی تھی

''عائشہ !ارے رو کیوں رہی ہو میری پیاری بھابی؟'' مسرت نے حیر سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ہوں میں تمہاری بھابی اور خبردار جو آئندہ تم نے مجھے بھابی اوراب تم بھی میرے کمرے سے باہر نکلو'۔ ایاز کی ساری بے رخی کا غصہ ا مسرت پر اتارا۔

''ارے کیا کہہ رہی ہو۔ مجھے تو یہاں ہی سونا ہے۔ آخر یہ ناراضگی۔ کس بات کی کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔''

''کوئی ضرورت نہیں پتہ چلانے کی اور اب تو یہاں میرے ساتھ نہ سوئے گی'' میں نے اس کو نکال کر دروازہ بند کر دیا اگرچہ بدتمیزی تھی مگر جب اس بھائی مجھ سے رشتہ ختم کرنا چاہتا تھا تو میں تو پھر ایسی ہوں کہ باقی سارے لوگو سے خود رشتے توڑ ڈالتی ہوں۔۔۔۔

اس کو نکال کر میں خود سونے کے لئے لیٹ گئی اب نیند بہت دور تھ نجانے کتنی دیر جاگتی رہی اور بالآخر سو گئی۔

صبح میں منہ اندھیرے اٹھی اور چادر لے کر باہر نکل آئی۔ آج میں ا میں سے کسی کو بھی ساتھ نہ لائی تھی اس زمانے میں گاؤں میں گھر کے اندر ٹائلٹ وغیرہ کا انتظام نہ ہوتا تھا سب کو باہر جانا پڑتا تھا۔

واپس آکر میں نے جلدی سے منہ ہاتھ دھویا اور پھر کشور کے پاس چل آئی وہ اور نوری مل کر ابھی سے ناشتے کی تیاریوں میں مصروف ہو چکی تھیں میں ن اپنے لئے اسے چائے بنانے کا کہا اور خود ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ نوری نے چائ بنا کر کپ میری طرف بڑھا دیا، تو میں چائے کا کپ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ باقی لوگ ابھی سو رہے تھے۔

اپنے کمرے میں آکر بستر پر بیٹھی تو منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی صحن میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب ایاز کھڑا تھا مجھے دیکھا تو قریب آیا اور چائے کا پیالہ میرے ہاتھ سے پکڑا تو مجھے غصہ آ گیا۔

میں کہنا چاہتی تھی کہ اگر چائے پینے کا بہت شوق ہے تو نیلی کے پاس جاؤ لیکن ابھی میں نے اس کو برا بھلا کہنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ سخت لہجے میں بولا۔

''صبح، صبح، اپنا منہ بند ہی رکھو تو اچھا ہے رات جو کچھ مسرت سے کہہ چکی ہو وہی بہت ہے، اب مزید فضول باتیں سننے کا مجھے شوق نہیں۔''

اور میں اس کے لہجے سے ڈر کر چپ ہو گئی وہ بڑے اطمینان سے کھڑا چائے پیتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ میرا جائزہ بھی لیتا رہا مگر میں نے خود کو سنبھالی کر آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو پی لیا کہ اگر اسے میری پرواہ نہ تھی تو میں کیوں پرواہ کرتی۔

چائے ختم کر کے وہ میرے قریب آیا ایک ہاتھ سے میری تھوڑی اوپر اٹھا کر چہرہ دیکھا پھر خالی پیالہ میری گود میں رکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''شکریہ محترمہ عائشہ صاحبہ'' اور کمرے سے باہر نکل گیا میرا جی چاہا پیالہ اٹھا کر اس کے سر پر دے ماروں۔ بے حس انسان پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے مگر میں گم صم بیٹھی رہ گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں سارا گھر جاگ اٹھا ہر طرف شور ہونے لگا بچوں کے رونے اور بڑوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں تو میں منہ سر لپیٹ کر بستر میں گھس گئی کہ اب وہ سب کہیں میرے کمرے میں نہ آجائیں اور وہی ہوا زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہ سب میرے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

''یہ تو ابھی تک سو رہی ہے۔'' میں نے رضوانہ کی آواز سنی۔

''لحاف کھینچ لو۔'' یہ مسرت کی آواز تھی۔

''ناراض نہ ہو جائے۔'' فرزانہ نے کہا تھا۔

''پرواہ مت کرو۔'' نیلی نے کہا اور آگے بڑھ کر خود ہی لحاف کھینچ لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' میں غصے سے دھاڑی۔

''اب سونے کے زمانے گزر گئے عائشہ جی۔'' نیلی نے شوخی سے دیکھتے ہوئے کہا اور میں دانت پیستے ہوئے اس کو گھورنے لگی۔ اس نے ٹھیک ک کہ اب سونے کے زمانے گزر گئے جب سے میں نے ایاز کو جھکاؤ اس کی ط دیکھا تھا مجھے نیند کم آنے لگی تھی۔

''مبارک ہو۔'' اچانک وہ سب کورس کے انداز میں بولیں۔

''صبح ہی صبح میرا دماغ خراب مت کرو اور دفع ہو جاؤ میرے کم سے۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

''ارے ہوش میں تو ہو ہم مہمان ہیں تمہارے۔'' نیلی نے آنکھیں نکال مجھے دیکھا۔

''مہمان تمہارے جیسے ہی تو ہوتے ہیں۔''

''ناراض ہو مجھ سے؟'' نیلی نے شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کیا ضرورت ہے لوگوں سے ناراض ہونے کی۔'' میں نے جل کہا۔

''بس یا کچھ اور۔'' نیلی نے بدستور اسی لہجے میں پوچھا تو میں چپ ر اور اس نے ہنس کر کہا۔ ''مجھ سے کیوں ناراض ہوتی ہو ناراض اپنے ایاز سے ہونا میری طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ میں نے تو اس کو کچھ بھی نہیں کہا۔ بس وہی دن را میری تعریف کرتا ہے اب اگر میں اسمارٹ اور پڑھی لکھی لڑکی ہوں تو اس میں میرا کیا قصور؟''

میں اس کو ڈانٹ کر کمرے سے نکل جانے کا کہنے ہی والی تھی کہ اچانک اماں میری پانچوں ممانیوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی سب سے پہلے اماں نے م منہ چوم کر مجھے پیار کیا پھر ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں میں حیرت سے اماں کو دیکھنے لگی کہ وہ روتی رہی مگر مزید کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ممانیوں نے باری، باری مجھے پیار کیا ان میں ایاز کی امی نمایاں تھیں پھر ایاز کی امی نے لڈ توڑ کر میرے منہ میں ڈالا اور ایک بار پھر منہ چوم لیا تو اماں نے کہا۔

''خدا مبارک کرے یہ خوشی تمہیں بھی اور ہمیں بھی۔''

میں حیران ہو کر یہ ماجرا دیکھ رہی تھی کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے جبکہ میری نٹ کھٹ سی تمام کزنز مسکرا رہی تھیں۔ جیسے ہی پھر اماں اپنی بھابیوں کے ساتھ باہر گئی میں نے مسرت سے پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے؟''۔

''آپ کو معلوم نہیں۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''مسرت جلدی سے بتاؤ ورنہ'' میں نے بیتابی سے پوچھا۔

''جنابہ! رات آپ کے دن مقرر ہو گئے ہیں۔شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔'' نیلی نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ کر بتایا۔

''کیا؟'' میں خوشی سے چلائی۔

''جی، یہ سچ ہے کل ایاز بھائی نے امی سے بات کی تھی کہ وہ بھی جلدی شادی کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ ان کی شادی کی تاریخ آج رات ہی طے کی جائے پھر پرویز بھائی اور آپ کے چچا کے سارے گھر والے بھی چلے آئے اور طے یہ پایا کہ آج سے ٹھیک پندرہ دن بعد آپ ہمارے گھر ہونگی۔'' مسرت کے چہرے پر وہی خوشی تھی جو پرویز بھائی کی شادی کا سن کر میرے چہرے پر پھیلی تھی کہ ایاز بھی اکیلا ہی تھا۔

خوشی تو میرے بھی اندر باہر پھیل گئی تھی مگر مجھے یاد آیا وہ تو نیلی کو پسند کرنے لگا تھا اور جب یہی بات میں نے نیلی سے کہی تو مسرت نے کہا۔

''وہ تو ایاز بھائی آپ کو''

آگے نیلی نے اسے بولنے ہی نہ دیا اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔'' یہ بات تم خود اپنے ہونے والے شوہر سے پوچھ لینا۔''

ہائے کتنا پیارا لگا تھا اس کا ''شوہر'' کہنا۔ میں شرما گئی اور سب ناشتے کیلئے باہر چلی گئیں تو میں ایاز کے بارے میں سوچنے لگی۔

اچانک دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر میں نے سر اٹھایا تو ایاز دروازے کی کنڈی لگا رہا تھا۔میرا دل دھک، دھک، کرنے لگا کنڈی لگا کر وہ کچھ دیر وہیں

کھڑا مجھے گھورتا رہا پھر میرے قریب آ کر بیٹھ گیا میں اس کے گھورنے پر گھبرا گئی ا سوچا شاید وہ مجھ سے انکار کرنے آیا ہے......مگر نہیں مسرت نے بتایا تھا کہ ایاز ـ خود امی سے بات کی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' ایاز نے میری طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

''وہ آپ تو نیلی سے۔'' میں نے کہنا چاہا مگر بات پوری نہ کرسکی۔

''ہاں میں نیلی سے آگے کہو۔'' ایاز نے دلچسپی سے مجھے دیکھتے ہو کہا۔

''کچھ نہیں'' میں گھبرا رہی تھی میری گھبراہٹ دیکھ کر وہ ہنسنے لگا ہنستے ہ بولا'' بے وقوف، تمہیں پسند کرنے کی غلطی تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے سرزد ہو تھی۔''

''پھر نیلی سے کیوں؟'' میں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور رونے لگی۔

''اس لئے نیلی سے زیادہ باتیں کرنے لگا تھا کہ تم کھانا بھول کر رو میں لگی رہو اس طرح وزن بھی کم ہوتا اور......''

''اسی لئے آپ ایسا کرتے تھے؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''محبت تو میں صرف تم سے کرتا ہوں مگر ڈیئر یہ جو تمہاری لاپرواہی ہے مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔آخر تمہیں ایک فوجی کی بیوی بننا ہے۔تم میں بھی تھو ساڈسپلن ہونا چاہئے ورنہ ہمارا گزارہ کیسے ہوگا یہ سوچ کر میں اکثر پریشا ہوتا ہوں۔''

''مجھے نہیں پتہ۔'' میں شرمانے لگی۔

''اچھا یہ بتاؤ وزن کتنا ہے؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''اٹھو اب کر لیتے ہیں۔'' ایاز نے ایک جھٹکے سے مجھے اٹھایا اور مجبوراً مجھے کونے میں رکھی مشین پر کھڑا ہونا پڑا۔ایاز نے جھک کر نمبر دیکھے تو ''اف'' کہتے ہوئے وہیں مشین کے پاس سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''کک۔۔۔کیا ہوا؟'' میں ہکلائی

''کمال ہو گیا اب ستر کی بجائے۔''

''ارے تو کیا کم ہو گیا؟'' میں نے خوشی سے چلا کر پوچھا کہ تین دن شادی میں مصروف رہنے کی وجہ سے ویٹ نہ کرسکی تھی۔

''کم'' وہ دانت پیستے ہوئے کھڑا ہو گیا'' ارے اب تو ستر کی بجائے بہتر ہو چکا ہے یہ تمہیں ہوتا کیا جارہا ہے؟''

میں مارے ڈر کے چپ رہی ایاز نے میرا سہا ہوا چہرہ دیکھا تو نرم لہجے میں بولا۔

''خود ہی سوچو عائشہ اتنی کم عمری اور ویٹ بہتر کلو باپ رے۔ اگر اسی رفتار سے ویٹ بڑھتا رہا تو پھر میں کیا کرونگا۔''

وہ خاصا پریشان نظر آنے لگا تھا۔'' دیکھو عائشہ اب بہتر پر کنٹرول کرلو تمہاری مہربانی ہوگی۔'' اور میں نے شرماتے ہوئے وعدہ کرلیا تو ایاز نے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ تھام لیا اور دیکھنے لگا ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی میں نے گھبرا کر ایاز کی طرف دیکھا مگر وہ بڑے سکون سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''باہر'' میں نے کہنا چاہا مگر ایاز نے یہ کہتے ہوئے مجھے چپ کروادیا۔

''اس آخری ملاقات میں تو تمہیں جی بھر کر دیکھ لوں پھر تو۔۔۔۔''

دستک پھر ہوئی اور ساتھ ہی نیلی کی آواز آئی۔

''جناب ملاقات کا وقت کب کا ختم ہو چکا ہے اور میں پہرہ دیتے دیتے تھک چکی ہوں اب بس کریں یہ باتیں، صرف پندرہ دن کی ہی تو بات ہے پھر جی بھر کر کیجئے گا باتیں'' اس کی بات سن کر ایاز مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا پھر دروازہ کھولا نیلی تیر کی طرح اندر آئی اور مجھے گھورنے لگی۔ میں اس کو دیکھتے ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ایک پرسکون ہنسی دنوں بعد میرے لبوں پر آئی تھی۔

''شرم تو نہیں آتی سامنے کھڑی ہو کر ہنس رہی ہو۔'' نیلی نے ڈانٹ کر کہا اور میں نے اپنا منہ بند کرلیا نیلی میرے قریب آئی اور کہا۔

''میرے بھائی کا پیار نہ دیکھ سکیں اور جلنے لگیں میں تو نہیں جلتی جب تم پرویز بھائی سے بات کرتی ہو۔''

"بے وقوف ہے۔" ایاز نے مسکرا کر کہا۔

"اب باہر آئیں جناب۔" نیلی نے کہا اور ئیں باہر چلی گئی۔ ایاز مِی قریب آیا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"او کے۔ چلتا ہوں اب ملاقات ٹھیک پندرہ دن بعد دلہن کے روپ تم سے ہوگی لیکن پلیز وزن کا خیال رکھنا، باقی پڑھائی کا انتظام میں خود کرا شادی کے بعد پتہ چلے گا جب سارا دن اپنے ان مہندی والے ہاتھوں میں کت پکڑے رہا کروگی پھر مزا آئے گا۔ اپنی ان لاپرواہیوں کا تمہیں۔"

"ایاز بھائی اب بس کریں۔" نیلی نے پھر دروازے سے جھانکتے ہو کہا" باہر سب تیار ہیں جانے کے لئے اور آپ ہیں کہ۔"

"ارے تو کیا تم لوگ جا رہے ہو؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جی ہمیں اپنے بھائی کی شادی کی تیاری بھی کرنی ہے" نیلی نے کہا۔

"لیکن تم لوگوں نے باغات تو دیکھے ہی نہیں۔" اب مجھے اپنی زیادہ یاد کر کے افسوس ہوا۔

"اب ان سب کو چھوڑو اور باہر آؤ سب کے سب ماموں تمہیں بلا ر ہیں" پھر ایاز تو کمرے میں ہی رہا جبکہ میں نیلی کے ساتھ باہر چلی آئی سب مجھے پیار کیا پرویز بھائی بھی ان کے جانے کی وجہ سے چچا کے گھر سے آئے ہو تھے اور ایک طرف کھڑے قدیر سے باتیں کر رہے تھے میں بھی ان کے پاس آ اور کہا۔

"قدیر بھائی آپ بھی جا رہے ہیں؟"۔

"ہاں بھئی لیکن بہت جلد پھر آئیں گے۔" اس نے مسکرا کہا تو میں وہا سے ہٹ گئی۔ پھر ایاز بھی باہر آ گیا وہ سب اپنی گاڑیوں میں بیٹھنے لگے۔ دو ماموں کرنل تھے وہ اپنی جیپوں میں آئے تھے، ایاز اپنی کار میں جبکہ کمشنر ماموں کے پا اپنی گاڑی تھی۔ ایک ماموں شادی پر آئے نہ تھے وہ فوج کی طرف سے ٹریننگ ملک سے باہر اپنی فیملی کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔

وہ سب ہنسی خوشی مسکراتے ہوئے چلے گئے گاڑی چلانے سے پہلے ا

نے آخری نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے ہاتھ ہلایا تو میں گھبرا کر اندر چلی آئی کہ وہاں سب ہی تو کھڑے تھے ابا، اماں، پرویز بھائی اور چچا وغیرہ البتہ فیروز بھائی مجھے نظر نہ آئے تھے پھر وہ سب چلے گئے اور میں مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی تھی۔

میرے چہرے پر اب ہر وقت قوس قزح چھائی رہتی تھی، پاؤں رکھتی کہیں اور پڑتا کہیں۔ اماں اور بھابی دن رات جہیز کی تیاری میں کبھی لاہور جا رہی تھیں کبھی قصور۔ میں اماں کی ایک ہی بیٹی تھی اور وہ دنیا بھر کی چیزیں جہیز میں مجھے دینا چاہتی تھیں کہ بیٹا تو بیاہ چکی تھیں۔

ویسے بستروں کی اماں کو فکر نہ تھی انہوں نے پچیس کھیس دریاں اور لحاف میرے لئے بہت پہلے پورے کر کے رکھ دیے تھے باقی کراکری اور کپڑا، زیور اب خریدے جا رہے تھے۔ عذرا دن رات مجھے چھیڑتی اور کہتی "چل کچھ اپنی پسند سے بھی خرید لے" مگر میں نے سب کچھ ان کی پسند پر چھوڑ دیا تھا۔ دراصل آج کل میں وزن کم کرنے کے چکر میں تھی مگر وہ کسی طرح بھی کم نہ ہو رہا تھا البتہ یہ ضرور ہوا تھا کہ اب بڑھ بھی نہ رہا تھا۔

وجہ ایک تو یہ تھی کہ اماں کو اب میں بھول گئی تھی کہ وہ میری شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں دوسرا میں گھر کا چھوٹا موٹا کام بھی کرنے لگی تھی خاص کر اپنے کپڑے میں خود دھونے لگی تھی اور سچی بات تو یہ تھی کہ کپڑے میں ویٹ کم کرنے کے لئے نہیں دھوتی تھی بلکہ ہاتھ صاف کرنے کے لئے دھوتی تھی۔

دراصل پرویز بھائی کی شادی پر جو مہندی لگائی تھی میں اپنی رسم مہندی پر پہلے اس کو صاف کرنا چاہتی تھی تاکہ میری مہندی بھی اچھی طرح صاف لگے۔ کشور اور نوری مجھے کپڑے دھوتے دیکھ کر خوب ہنستیں مگر مجھے پرواہ نہیں تھی بلکہ ان کی چھیڑ چھاڑ سے میں خوش ہوتی تھی۔

پھر وہ مبارک دن بھی آ گیا جس کی رات کو میری مہندی تھی میں اپنے کمرے سے کسی کام کے لئے نکلی تو فیروز بھائی پر نظر پڑ گئی وہ ہاتھ میں رجسٹر لئے ابا کے پاس کھڑے جلدی جلدی کچھ لکھ رہے تھے۔ ابا پرویز بھائی جان کی آواز پر باہر گئے تو فیروز بھائی نے نوری کو آواز دی اور ایسے میں اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی

تو میں نے جلدی سے سلام کیا کہ وہ بہت دنوں بعد نظر آئے تھے بلکہ پرویز بھائی کی شادی کے بعد آج میں نے ان کو پہلی بار دیکھا تھا۔

''کیسی ہو عائشہ؟'' انہوں نے پوچھا۔

''بہت اچھی۔'' میں نے مسکرا کر کہا انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر کہا۔

''بہت خوش نظر آرہی ہو۔'' اور میں جواب دینے کی بجائے اندر بھاگ آئی کہ میری شادی ہورہی تھی خوش تو مجھے ہونا ہی تھا۔

دوپہر تک ماموں لوگ بھی آگئے مہندی کی رسم میں شامل ہونے کے لئے ان سب کے ساتھ قدیر بھی تھا مگر میں اس سے نہ مل سکی کہ مہندی کی رات وہ آئے تھے اور اگلے روز علی الصبح روانہ ہوگئے تھے۔

میری سہیلی ثریا نے میرے ہاتھوں اور پاؤں پر بڑے خوبصورت ڈیزائن کی مہندی لگائی تھی۔ نوری نے دیکھا تو ہنس کر پوچھا۔

''آج کپڑے نہیں دھوئیں گی آپ؟'' اور میں ہنسنے لگی یہ سوچ کر کہ اب تو یہ مہندی ایاز کو دکھانا ہے کپڑے تو دور کی بات میرا تو اب منہ دھونے کا پروگرام بھی نہیں تھا کہ کہیں مہندی نہ اتر جائے۔

ایاز کی مہندی میں ابھی دو دن باقی تھے یہاں سے سب جانے کی تیاریاں کررہے تھے کہ اچانک دوپہر سے کچھ پہلے ابا اور فیاض بھائی بڑے گھبرائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور اماں کو دیکھتے ہی ابا نے کہا۔

''اٹھو جلدی سے اور چلنے کی تیاری کرو۔''

''کہاں؟'' اماں نے حیران ہوکر پوچھا تو ابا جواب دینے کی بجائے میری طرف آئے جبکہ فیاض بھائی کہہ رہے تھے۔

''تائی اماں، خالد ماموں کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی ہے ان لوگوں نے آدمی بھیجا ہے اس لئے آپ جلدی کریں۔''

''ارے میرا بھائی کیا ہوا اسے؟'' اماں جلدی سے اٹھیں اور آواز دے کر کہا'' ارے عذرا جلدی سے میری چادر لاؤ اور سنو گھر کا دروازہ اچھی طرح

بند کرکے سونا بلکہ ادھر سے فیروز کو بلا لینا پرویز تو ہمارے ساتھ جائے گا'' وہ ابا سے پوچھنے لگیں۔

''یہ سب بھی ہمارے ساتھ جائیں گے؟'' ابا نے جو میرے قریب کھڑے تھے آہستہ سے کہا۔

''ارے کیا دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا، عائشہ کو مہندی لگ چکی ہے۔ یوں گھر سے قدم نکالنا بدشگونی ہوگی یہ نہیں جائے گی۔'' اماں نے غصے سے جواب دیا۔

''دیکھو بھئی تمہارے ہی بھائی نے کہا ہے کہ عائشہ کو ضرور ساتھ لائیں۔'' ابا نے کہا اتنے میں عذرا گھبرائی ہوئی باہر آئی ایک چادر اماں کو دی اور دوسری مجھے پھر کشور سے کہا۔'' گھر کا خیال رکھنا ہم لوگ نجانے کب آئیں۔''

''جی اچھا'' کشور نے روتے ہوئے کہا۔ میں نے حیران ہوکر کشور کو دیکھا۔ پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ روکیوں رہی ہے۔ مگر عذرا میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔ باہر دو گاڑیاں موجود تھیں ایک میں چچا چچی اور فراز بیٹھے تھے شاید وہ بھی ہمارے ساتھ جارہے تھے اور دوسری میں صرف فیروز اور پرویز بھائی بیٹھے تھے۔ اماں، ابا فراز والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

میں اور عذرا فیروز والی گاڑی میں بیٹھے تھے، جب میں گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تو'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے فیروز بھائی نے پلٹ کر مجھے دیکھا اوران کا چہرہ دیکھ کر مجھے احساس ہوا جیسے وہ بہت زیادہ پریشان ہیں، وہ مجھے دیکھنے آئے تو میں یہ سوچ کر شرما گئی کہ وہ کیا سوچ رہے ہونگے کہ میں شادی سے پہلے ہی وہاں جارہی ہوں۔

آگے پیچھے دونوں گاڑیاں چل پڑیں اور میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ایاز کے بارے میں سوچنے لگی اور یہ سوچ کر مجھے ہنسی آگئی کہ ہمارے یہاں تو شادی سے پہلے دلہن کو ساس، نندیں نہیں دیکھتیں جبکہ مجھے تو ایاز بھی دیکھے گا اور وزن کا پوچھے گا۔ پھر میں جب بتاؤنگی کہ نہ ہی بڑھا ہے اور نہ ہی کم ہوا ہے تو تب وہ بہت خوش ہوگا۔ میں یہ بھول ہی گئی تھی کہ ہم وہاں ماموں کے لئے جارہے ہیں

مجھے تو صرف ایاز کا ہی خیال آرہا تھا کہ وہ ان سب کے ساتھ مجھے دیکھے گا تو کتنا خوش ہوگا اچانک گاڑی رکی تو میں چونک پڑی۔

"لائل پور آگیا" عذرا نے آہستہ سے کہا اور مجھے حیرت ہوئی کہ ایاز کے خیال میں گم مجھے سفر کٹنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ میں تو گاڑی میں اپنے ساتھ بیٹھے عذرا، فیروز اور پرویز بھائی کو بھی بھول چکی تھی۔

گاڑی رکتے ہی فیروز بھائی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے جبکہ پرویز بھائی اپنی سیٹ پر ہی بیٹھے رہ گئے کچھ دیر بعد ہی فیروز بھائی واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں نان کباب اور روسٹ تھا انہوں نے لفافہ مجھے پکڑایا اور جب میں اپنے مہندی بھرے ہاتھوں سے لفافہ پکڑ رہی تھی تب فیروز بھائی نے بہت غور سے مجھے میرے ہاتھوں کو دیکھا اور میں نے لفافہ عذرا کو پکڑا کر ہاتھ چادر میں چھپالئے اور مسکرادی۔ مگر فیروز بھائی یونہی پریشانی سے بولے۔

"یہ لو پانی کی بوتل بھی ۔۔۔گرم گرم کھالو ٹھنڈا ہوکر کباب اچھا نہیں لگتا۔"

میرا جی تو نہیں چاہ رہا تھا مگر میں نے ایک نان اور چھ کباب کھائے ایک پیس روسٹ کا بھی کھایا۔ عذرا نے کچھ بھی نہ کھایا تھا۔ میں کھانے سے فارغ ہوئی تو اس نے باقی لپیٹ کر پیچھے رکھ دیا۔

"تم نہیں کھاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مجھے بھوک نہیں۔ تم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا۔"

"وہ اصل میں وزن کم کر رہی ہوں ناں۔" میں نے کہا پھر ایاز کا سوچنے لگی اور دل دھڑکنے لگا کہ اب تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ گاڑی، گاؤں کے پاس پہنچی تو ہر طرف پولیس ہی پولیس تھی۔ میں نے حیران ہوکر پولیس اور دوسرے لوگوں کو دیکھا پھر کہا۔

"پرویز بھائی یہ پولیس کیوں جمع ہے یہاں؟"

"مجھے کیا پتہ عائشہ؟" پرویز بھائی کی آواز بھرائی تھی۔ میں نے حیرت سے ان کو دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی ایاز کے ڈیرے پر تو اور بھی زیادہ پولیس تھی اور ان میں کمشنر ماموں بھی تھے۔ وہ اس وقت فل وردی میں تھے اور بہت

غصے میں نظر آرہے تھے۔

"فیروز بھائی ذرا گاڑی روک کر معلوم تو کریں یہاں ہوا کیا ہے؟ ماموں بھی کھڑے ہیں۔"

فیروز نے کوئی جواب نہ دیا۔ رش کی وجہ سے وہ گاڑی بہت آہستہ آہستہ چلا رہے تھے۔ میں نے کھڑکی سے سر نکال کر باہر کھڑے لوگوں سے پوچھا۔

"کیا ہوا ہے یہاں؟" جواب آنے سے پہلے ہی عذرا نے مجھے کھینچ کر اپنے ساتھ لگالیا۔

"کیا بات ہے" میں نے حیران ہوکر اس کو دیکھا تب تک گاڑی گھر کے قریب پہنچ چکی تھی اور گھر سے آنے والی آوازوں نے مجھے ڈرا دیا۔

سب لوگ ہی لگتا تھا جیسے رو رہے ہوں۔

"کیا ماموں جان فوت ہوگئے؟" میں نے دکھ سے سوچا اور آنسو میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے اور میں نے روتے ہوئے کہا۔

"پرویز بھائی! لگتا ہے ماموں فوت ہوگئے۔"

پرویز بھائی نے کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلے تو میں بھی عذرا کے ساتھ باہر آگئی۔ فیروز بھائی نے گاڑی کو یونہی چھوڑا اور میرا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

"آؤ اندر چلیں۔" میں نے حیران ہوکر ان کو دیکھا ان کی آنکھیں بھی گیلی ہورہی تھیں۔ پھر ہم سب اندر چلے آئے۔

اور اندر۔۔۔۔۔۔ اندر تو کہرام مچا ہوا تھا۔ بڑے سارے صحن میں چارپائی پر میت پڑی تھی جس کا منہ سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ مامی، مسرت اور ندرت پاگلوں کی طرح رو رہی تھیں ان کے ساتھ باقی سب بھی رو رہے تھے اور ان میں میری اماں بھی تھیں وہ ہم سے پہلے ہی یہاں پہنچ چکی تھیں۔

میں حیران رہ گئی۔ عذرا کی ساری بھابیاں بھی موجود تھیں جبکہ وہ ہمارے ساتھ تو نہیں آئی تھیں مجھے دیکھتے ہی مامی اور مسرت اٹھیں پھر چیخ چیخ کر روتے ہوئے بین کرنے لگیں۔

"دیکھو تمہاری دلہن آئی ہے۔ اب تو اٹھ جاؤ ہمارے لئے نہیں تو اب ا
کیلئے ہی اٹھ جاؤ۔" میں نے حیران ہوکر انہیں دیکھا یہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔

مگر اگلے ہی لمحے جب انہوں نے روتے ہوئے میت کے منہ سے کف
ہٹایا تو میرے قدموں کے نیچے سے زمین کھسک گئی اور سر پر کھڑا آسمان ہلنے
میرا پورا وجود زلزلے کی زد میں آگیا تھا۔

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا کیا یہ سچ ہے اور سچ ہی تھا کف
کے ہٹتے ہی ایاز کا بے جان چہرہ میرے سامنے تھا اس کی آنکھیں بند تھیں یو
جیسے ابھی، سویا ہو چہرے پر وہی سکون تھا جو ہر وقت رہتا تھا۔ میں نے ممانی ا
مسرت کو دیکھا۔ کیا یہ حقیقت ہے پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور جھک کر ایاز ک
چہرے پر ہاتھ پھیرا مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ مرگیا ہے۔ مگر اس کے چہرے
اپنے مہندی بھرے ہاتھ پھیرتے ہی مجھے اس قیامت خیز حقیقت کا یقین کرنا پڑا ک
وہ مرچکا ہے اور جیسے ہی یہ یقین میرے دل و دماغ نے قبول کیا میں چیخ پڑی۔

اور ایک چیخ ہی کیا پھر تو میری چیخوں نے آسمان کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔
میں رو رہی تھی ایاز کو پکار رہی تھی میں اس کی ہر بات مان لینے کا عہد کر رہی تھی۔
مگر وہ یونہی پرسکون لیٹا رہا اپنی ہونے والی دلہن سے بے خبر آج اس نے مجھ
کچھ نہ پوچھا تھا اور میں نے چوڑیاں توڑ ڈالیں، بال نوچ لئے پھر میں یونہی اس ک
پکارتی گئی۔

اماں جلدی سے اٹھ کر میرے قریب آئیں مگر تب تک میں ہوش وحوا
سے بیگانہ ہوکر فیروز اور پرویز بھائی کی باہوں میں جھول چکی تھی۔

☆☆☆

ہوش آیا تو اس قیامت کو گزرے ہوئے، گلشن کو اجڑے ہوئے، ایک ما
ہوچکا تھا اور یہ ایک ماہ میں نے سخت بخار میں جلتے ہوئے گزارا تھا، نیم غنودگ
میں، یہ سانحہ ایسا تو نہ تھا کہ میں اثر نہ لیتی، پل بھر میں ساری خوشیاں خاک م
مل گئی تھیں دونوں خاندانوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی، ہر طرف غم کے بادل چھا
ہوئے تھے خدا کسی دشمن کے ساتھ بھی ایسا نہ کرے جیسا ہمارے ساتھ ہوا تھا۔

ایک ماہ تو میں نے غنودگی میں ہوش وحواس سے بے نیاز ہوکر گزارا تھا
تاہم ایک ماہ بعد جب مجھے پوری طرح ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ عذرا میرے
قریب ہی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ نوری دروازے میں زمین پر بیٹھی میری طرف
دیکھ رہی تھی مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ مارے خوشی کے کھڑے ہوکر اماں کو
پکارنے لگی جبکہ عذرا جلدی سے میری طرف جھک آئی۔

"عائشہ؟" اس نے مجھے بڑی محبت سے پکارا اور میں خالی نظروں سے
اسے دیکھنے لگی۔ اس وقت میرا ذہن بھی خالی ہی تھا اور مجھے کچھ بھی ٹھیک سے یاد
نہ تھا مگر جب اماں نے اندر داخل ہوتے ہی مجھے ہوش میں دیکھا تو دونوں ہاتھ اٹھا
کر بولیں۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔ تو نے میری بچی کو نئی زندگی دی ورنہ میں تو سمجھی تھی
ایاز کے ساتھ ہی شاید یہ بھی۔" اچانک وہ چپ ہوگئیں یوں جیسے منہ سے کوئی غلط
بات نکل گئی ہو۔ مگر ایاز تو ان کے منہ سے نکل چکا تھا اور میرا خالی ذہن ایاز کا نام
سنتے ہی پھر بھر گیا اور خالی نظریں بھی ایک دم پانی سے بھر گئیں اور میں ایک دم
تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

"اماں ایاز...... ایاز کہاں ہے؟" میں نے پاگلوں کی طرح پوچھا۔

"عائشہ! تم لیٹ جاؤ۔" عذرا نے مجھے پکڑتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو مجھے۔" میں نے چیخنے کی ناکام کوششیں کرتے ہوئے کہا اب سب
کچھ ہی تو مجھے یاد آرہا تھا گاؤں میں داخل ہونے کے بعد پولیس کا نظر آنا اور کفن
کے ہٹتے ہی ایاز کا بے جان چہرہ، اس کے چہرے پر وہی سکون تھا جو ہر لمحے رہتا
تھا لیکن اسکی وہ آنکھیں بند ہی رہی تھیں جن میں مجھے دیکھتے ہی چمک ابھرا آتی
تھی۔ اس دن وہ مجھے دیکھ کر بھی بے حس بنا پڑا رہا تھا تو کیا وہ واقعی مرچکا تھا؟"
اور اس سوال نے میرے دل میں ایک ایسی آگ لگادی جو کسی طرح بھی بجھنے میں
نہ آرہی تھی اور اس وقت تو اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔

"اماں ......اماں، ایاز کو کیا ہوا تھا مجھے بتاؤ اماں؟" میں نے روتے ہوئے
پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوا تھا، تم لیٹ جاؤ۔" اماں نے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں کہ وہ اماں کا بھتیجا ہی نہیں داماد بھی تھا۔

"اماں...... عذرا، خدا کے لئے مجھے ایاز کے بارے میں بتاؤ کیا ہوا اسے وہ تو بالکل ٹھیک تھا ایک دم مر کیسے گیا اچانک ایسا کیا ہوا تھا اماں کہ وہ مر گ اماں بتاؤ مجھے اماں" میں نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"نہ رو میری بچی قسمت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔" اماں نے گلے لگاتے ہوئے کہا اور پھر خود بھی مجھ سے لپٹ کر رونے لگیں تو روتی ہی گئیں۔

"اماں مجھے بتاؤ میرا ایاز مر کیسے گیا، وہ ایک دم کیسے مر گیا؟" میں اور زور زور سے رونے لگی دل اس غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ ایاز کی موت میرے لئے قیامت سے کم نہ تھی یہ صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔

"تائی اماں! اللہ کے واسطے الگ ہٹ جائیں۔ آپ یہ سب کر کے عائ کے ساتھ اچھا نہیں کر رہیں۔ آپ کو معلوم ہے انہوں نے کیا کہا تھا۔" عذرا اماں کو الگ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم ہٹ جاؤ یہاں سے۔" میں نے غصے سے عذرا کو دیکھا تب ہی اما مجھے چھوڑ کر الگ ہٹ گئیں۔

"اماں" میں بلک بلک کر رونے لگی اسی وقت فیروز بھائی، پرویز بھا جان کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

"عائشہ" بھائی جان تیزی سے میری طرف بڑھے۔

"بھائی جان یہ لوگ مجھے کچھ بتاتے کیوں نہیں؟ کیا ہوا تھا ایاز کو؟ کیوں مر گیا؟ میں اپنے بال نوچنے لگی اور گال پیٹنے لگی تو بھائی جان نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"چھوڑو مجھے...... چھوڑو مجھے، مجھے بھی اس کے پاس جانے دو وہ مجھے اکیلا کیوں چھوڑ گیا۔ اس نے میرا کیوں نہ سوچا۔ اب مجھے بھی مر جانے دو۔" میں چیخنے لگی تو بھائی جان۔ پلٹ کر فیروز کی طرف دیکھا اور فیروز بھائی وہاں سے چ

گئے تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہاتھ میں انجکشن لئے میرے سرہانے کھڑے تھے اور بغور مجھے دیکھ رہے تھے ان کا چہرہ بھی اس غم کی شدت سے تپ رہا تھا۔

"نہیں میں ٹیکا نہیں لگواؤں گی۔" میں چلائی مگر عذرا نے میری آستین ٹھادی جبکہ پرویز بھائی پہلے ہی میرے دونوں ہاتھ پکڑ چکے تھے۔ فیروز بھائی نے مجھے انجکشن دیا اور ان سب کو دیکھتے دیکھتے ایک بار پھر میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

دوبارہ ہوش آیا تو کمرے میں صرف فیروز بھائی تھے اور میری طرف ہی یکھ رہے تھے مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ اٹھے اور میرے قریب آگئے۔

"عائشہ" انہوں نے میرے سرہانے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور انجکشن یار کرنے لگے۔

"میں نے پوری آنکھیں کھول کر ان کو دیکھا اور کہا" فیروز بھائی، اگر ب آپ نے مجھے انجکشن دیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا اب میں ٹھیک ہوں۔"

"اچھا بھئی" فیروز بھائی نے انجکشن ہاتھ سے رکھ دیا اور مجھ دیکھنے لگے۔

"فیروز بھائی! آپ سب مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ آخر ایاز کو ہوا کیا تھا ر...... گاؤں میں اس دن پولیس کیوں تھی؟ ایاز مر کیسے گیا، وہ مرنے والا تو نہیں تھا ہ تو مجھ سے کہہ کر گیا تھا کہ ٹھیک پندرہ دن بعد تم سے دلہن کے روپ میں ملاقات وگی پھر وہ مجھ سے ملے بغیر کیسے چلا گیا؟" میری آنکھیں پھر برسنے لگیں۔

"عائشہ! تم بہت بہادر ہو، حوصلے سے کام لو۔" وہ میرے سوال کو نظر ندار کرتے ہوئے بولے۔

"ہاں حوصلے سے ہی کام لوں گی مگر مجھے پتہ تو چلے اس کو کیا ہوا تھا، وہ یوں مر گیا...... اور اگر وہ مر گیا ہے تو میں کیوں زندہ ہوں؟" میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"عائشہ! رونے سے ایاز واپس نہیں آئے گا، پلیز چپ ہو جاؤ۔" فیروز نے کہا۔

"وہ نہیں آسکتا تو مجھے مار دو، تم سب مجھے بھی مار دو۔" میں نے چیخ کر ہا تب تک میرے رونے کی آواز سن کر سارے گھر والے چلے آئے، ان میں ابا

بھی تھے، ابا نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگایا تو میں نے پوچھا۔

''ابا وہ مر کیسے گیا؟'' میں ساری شرم ورم بھول کر پوچھ رہی تھی ا
کیسی جب شرم کی وجہ نہ رہی تھی۔

''ویسے ہی جیسے سب مرتے ہیں، جب وقت پورا ہو جاتا ہے تو
بہانہ بن جاتا ہے اس کا بھی وقت پورا ہو گیا تھا سو وہ بھی چلا گیا، سب کو رو
کر۔ وہ اپنی عمر ہی اتنی لے کر آیا تھا، پھر زیادہ کیسے رہتا......اور اب......اب
بیٹی حوصلے سے کام لے گی بہادر بنے گی۔'' وہ آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

اور میں ابا کے سینے میں منہ چھپائے رونے لگی وہ مجھے ایاز کی مو
وجہ نہ بتا رہے تھے جس کی وجہ میں زیادہ بیتاب تھی بے قرار تھی'' جاؤ عائشہ کے
کچھ کھانے کو لاؤ''۔ ابا نے مجھ سے باتیں کرتے کرتے بھابی سے کہا اور
بعد ہی دلیہ لیے عذرا میرے قریب کھڑی تھی ابا نے کہا۔

''چلو بیٹا اس کو کھاؤ کہ مرنے والوں کیساتھ اگر مرا جاتا تو آج یہ د
نہ ہوتی اپنے پیاروں کی جدائی بھلا کون برداشت کرتا ہے لیکن وہ ذات جو د
ہے تو صبر بھی خود ہی عطا کرتی ہے۔ اس لئے تم بھی یہ دلیہ کھاؤ''

''نہیں'' میں نے ابا کے سینے میں منہ چھپالیا اور رونے لگی۔

''ابا سے پیار کرتی ہو تو کھاؤ'' ابا کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو آگ
میں نے سر اٹھا کر دیکھا سارے گھر والے مجھے ہی دیکھ رہے تھے
میں سب سے زیادہ پریشان فیروز بھائی تھے، میں نے ایک چمچ منہ میں ڈال
مگر وہ اندر جانے کی بجائے باہر آنے لگا بمشکل میں نے اس کو نگلا اور پھر آنکھ
ہاتھ رکھ کر لیٹ گئی وہ سب مجھے پکارتے رہے مگر میں نے آنکھیں نہ کھولیں۔

میں تو بند آنکھوں میں ایاز کے بے جان چہرے کو دیکھ رہی تھی، ب
میں کیسی قیامت گزر گئی تھی۔ وہ اپنی خوشیاں ادھوری چھوڑ کر، سب کو روتا
چلا گیا تھا مگر کیسے ہوا تھا یہ، آخر یہ مجھے بتاتے کیوں نہیں اس کے ساتھ ا
ہوا؟ ابا کہتے ہیں جانے والوں کو بہانہ چاہیئے اگر یہی بات ہے تو مجھے یہ
جائے کہ ایاز کس بہانے سے ملک عدم چلا گیا۔ اسے تو دو دن بعد مجھے لینے

پھر وہ دنیا ہی کیوں چھوڑ کر چلا گیا۔

''عائشہ!'' عذرا نے مجھے پکارا مگر میں یونہی پڑی رہی۔

''اب تو آنکھیں کھول دو سب چلے گئے ہیں'' عذرا نے کہا تو میں نے
آنکھیں کھول دیں اور پھر عذرا کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''عذرا! تم تو میری پیاری راز دار سہیلی ہو تم تو نہ چھپاؤ، کم از کم مجھے ایاز
کی موت کی وجہ تو معلوم ہونی چاہیئے؟''

''تمہاری صحت کی وجہ سے سب نہیں بتانا چاہتے۔ پہلے تم اچھی ہو جاؤ پھر
بتا بھی دیں گے ابھی تو تم خود موت کی وادی سے پلٹ کر آئی ہو''

''کاش میں نہ آئی ہوتی۔'' میں نے کہا تو عذرا نے میرے منہ پر ہاتھ
رکھ دیا تو میں نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''میں اچھی ہوں یقین کرو اب مجھے کچھ نہیں ہوگا اگر میں اس کے مرنے
کے باوجود بھی زندہ ہوں تو پھر موت کی وجہ جان کر کیسے مر سکتی ہوں۔'' میں نے
بھیگے لہجے میں کہا۔

''یہ بات ہے تو پہلے دلیہ کھالو'' عذرا نے پلیٹ ایک بار پھر میرے آگے
کر دی اور ایاز کی پُراسرار موت کی وجہ جاننے کے لئے میں نے وہ سارا دلیہ زہر
مار کر ہی لیا پھر کہا۔

''اب تو بتا دو عذرا میں وعدہ کرتی ہوں روؤں گی نہیں۔'' میری بات پر عذرا
کی اپنی آنکھوں میں آنسو آگئے اور پھر وہ میرے بستر پر آبیٹھی اور میرا سر اپنی گود
میں رکھتے ہوئے بولی۔

''قدیر کو جانتی ہو عائشہ؟''

''ہاں وہ ایاز کا دوست تھا اور میں نے اس کو بھائی بنایا تھا۔''

''یہ حادثہ اسی کی وجہ سے ہوا؟''

''قدیر کی وجہ سے؟'' میرے لہجے میں حیرت بھر گئی۔

''ہاں قدیر کی وجہ سے''

''لیکن وہ تو ایاز کا دوست تھا اور......اور بہت اچھا تھا وہ تو......''

"میں نے اس کو برا کب کہا ہے اچھا تو وہ اب بھی ہے" عذرا نے آہستہ سے کہا۔

"پھر...... پھر بتاؤ نا اصل بات؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

بتاتی ہوں، شروع سے بتاتی ہوں، شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ قدیر ایاز کے بچپن کا دوست ہے، قدیر کی پیدائش کے فوراً بعد اس کی ماں مرگئی تھی، قدیر کی پھوپھو نے دوسال تک اس کو سنبھالا، پھر اس کی شادی ہوگئی تو قدیر کے باپ نے بھی محض قدیر کی وجہ سے دوسری شادی کرلی اور قدیر کی سوتیلی ماں گھر آگئی وہ عورت ویسی ہی تھی جیسی کہ عام طور پر سوتیلی ماں ہوتی ہے، قدیر کا باپ تو سارا دن زمینوں پر ہوتا تھا اور سوتیلی ماں کا جی چاہتا تو قدیر کو کھانے کو دیتی جی چاہتا تو سارا دن بھوکا رکھتی مگر اس کو پوچھنے ولا کوئی نہ تھا اور خود قدیر ایسا حساس بچہ تھا کہ باپ سے تو کیا خود کسی اور سے بھی نہ کہا اور چپ چاپ سوتیلی ماں کے ظلم سہتا رہا"۔

"عذرا! میں نے ایاز کی موت کا سبب پوچھا ہے اور تم مجھے قدیر کی کہانی سنا رہی ہو" میں نے تلخی سے کہا۔

"اس کہانی کو سنے بغیر ایاز کی موت کی وجہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔عذرا نے کہا پھر بولی" قدیر کی سوتیلی ماں کو خدا نے شادی کے ایک سال بعد ہی بیٹا دے دیا اور دوسرے سال دوسرا بیٹا اس کے بعد دو بیٹیاں بھی ہوئیں مگر وہ زندہ نہ رہیں ہاں تو اپنے بیٹے پا کر اس کو قدیر اور بھی زہر لگنے لگا تھا تب قدیر پانچ سال کا ہو چکا تھا قدیر کے باپ نے قدیر کو اسکول میں داخل کروادیا۔

وہاں قدیر کی دوستی ایاز سے ہوئی جو وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہوتی گئی۔ پانچویں کے بعد قدیر بھی ایاز کے ساتھ کیڈٹ بننا چاہتا تھا مگر سوتیلی ماں راستے کا کانٹا بن گئی۔ اور یوں قدیر کیڈٹ نہ جاسکا۔ اس نے اسی اسکول سے میٹرک کیا پھر اس کی ماں کے کہنے پر اس کی پڑھائی ختم کروادی گئی اور وہ زمینداری دیکھنے لگا۔ اگرچہ اس کا دل مزید پڑھنے کو چاہتا تھا مگر سوتیلی ماں جس کے اپنے بیٹے پانچ پانچ کر کے تعلیم چھوڑ چکے تھے وہ قدیر کو پڑھتے ہوئے کیسے دیکھ سکتی تھی اس کے اپنے دونوں بیٹے آوارہ نکلے۔سارا دن اپنے جیسے دوستوں کے

ساتھ کبھی شہر مجرا سننے چلے جاتے کبھی شکار کھیلنے جبکہ ساری زمینوں کی دیکھ بھال قدیر کے ذمے تھی اور جب فصل پکنے پر آتی تو سوتیلی ماں اور بھائی بھی کھیتی کے چکر لگانے لگتے۔ فصل بکتے ہی سارا مال اپنی جیبوں میں ڈال کر وہ پھر زمینوں کا راستہ بھول جاتے، تمہارے نانا اور قدیر کے دادا اس علاقے کے دو بڑے زمیندار تھے اور دونوں کی آپس میں کبھی نہ بنی دونوں ایک دوسرے کے دشمن سمجھے جاتے تھے اور اس دشمنی کی وجہ اگر دیکھی جائے تو بہت معمولی تھی مگر تمہارے نانا نے اس کو بڑی بنالیا تھا" عذرا خاموش ہو کر نجانے کیا سوچنے لگی۔

"لیکن وہ وجہ کیا تھی؟" میں نے پوچھا۔

"وجہ یہ تھی کہ تمہارے نانا آرائیں تھے جب کہ قدیر لوگ کمہار تھے، یہ لوگ سانگلہ ہل میں پہلے رہتے تھے اور اپنے گدھوں پر لوگوں کا مال اٹھانے کی مزدوری کرتے تھے وہاں اچانک نجانے کیسے قدیر کے پر دادا کے ہاتھ بہت ساری دولت آگئی اور وہ اپنا آبائی کام بھول کر زمین خرید کر گاؤں کے امیر لوگوں میں شامل ہوگئے مگر دولت ہاتھ آنے کے باوجود گاؤں والوں کی نظر میں عزت دار نہ بن سکے اور جب قدیر کے پر دادا فوت ہوئے تو اس کے دادا نے ساری زمین فروخت کر کے لائل پور کے اس گاؤں میں بہت ساری زمین خرید لی جہاں تمہارے نانا رہتے تھے چوہدری غلام رسول ......سانگلہ ہل میں تو ان کی کوئی عزت نہ تھی مگر یہاں انہوں نے کسی کو اپنی ذات کے بارے میں نہیں بتایا تھا اور خود کو چوہدری کہلوانا شروع کر دیا تھا۔

ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ نجانے کیسے تمہارے نانا کو اس بات کا پتہ چل گیا کہ وہ اصل چوہدری نہیں ہیں بلکہ کمہار ہیں۔ تمہارے نانا جو پہلے ہی ان سے خار کھاتے تھے ان کی زمین اب تمہارے نانا سے بھی زیادہ تھی، یہ پتہ چلنے کے بعد کہ وہ نقلی چوہدری ہیں تمہارے نانا کو سخت غصہ آیا کہ ان کمین لوگوں نے اس بات کی جرات کیسے کی۔ انہوں نے سارے گاؤں کو ان کی اصل ذات کے بارے میں بتادیا مگر لوگوں نے زیادہ یقین نہ کیا کہ دولت سب کا منہ بند کردیتی ہے۔

پھر تمہارے نانا نے قدیر کے دادا کو بلوایا اور خود یہ بات کہی کہ وہ خو
چوہدری کہلوانا چھوڑ دے مگر وہ بجائے یہ بات ماننے کے دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا
آئندہ تم نے یہ بات کی تو اچھا نہ ہوگا۔ خدا نے سب انسانوں کو برابر بنایا ہے ا
لئے جو نام تم استعمال کرسکتے ہو وہ میں بھی کرسکتا ہوں۔"

اس کے بعد باقاعدہ دشمنی کا آغاز ہوگیا جو ایک نسل سے دوسری نسل تک پھیل گئی اب نہ قدیر کے دادا تھے اور نہ ہی تمہارے نانا زندہ تھے مگر تمہارے ماموں اور قدیر کے والد دین محمد کی بھی آپس میں کبھی نہ بنی ایک تو وہی پرانی ذات پات کی وجہ، دوسرے تمہارے ماموں پڑھے لکھے تھے وہ اپنی زمینوں پر نئے نئے تجربات کرتے اور پیداوار بڑھاتے جبکہ دین محمد ان پڑھ باپ کی ان پڑھ اولاد تھا اور پھر اس کی اولاد میں قدیر ذہین تھا وہ پڑھنا چاہتا تھا مگر سوتیلی ماں نے اجازت نہ دی جبکہ دوسرے دونوں بھائیوں نے خود پڑھائی چھوڑ دی تھی۔

اگرچہ دین محمد اور تمہارے ماموں کے تعلقات اچھے نہ تھے پھر بھی نجانے کیسے ایاز اور قدیر میں دوستی ہوگئی شاید ایک ہی اسکول میں ہونے کی وجہ سے۔ اگرچہ تمہارے ماموں نے ان دونوں کی دوستی کا علم ہونے پر ایاز کو قدیر سے دوستی ختم کرنے کا کہا مگر ایاز نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کردیا۔ یوں وقت کے ساتھ ساتھ یہ دوستی گہری ہوتی گئی۔ دین محمد کو بھی معلوم تھا کہ قدیر کی مہر خالد کے بیٹے سے دوستی ہے۔ یاد رہے کہ تمہارے ماموں نے محض قدیر کے باپ کی وجہ سے خود کو چوہدری کی بجائے مہر کہلوانا شروع کردیا تھا کہ قدیر کا باپ نقلی چوہدری تو بن گیا تھا لیکن نقلی مہر نہ بن سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ تمہارے ماموں نے چوہدری خالد کی بجائے مہر خالد کہلوانا شروع کردیا اگرچہ قدیر کے باپ کو اس کی ایاز کے ساتھ دوستی کا علم تھا مگر اس نے کبھی قدیر کو یہ دوستی ختم کرنے کا نہ کہا تھا۔

اس کی ایک وجہ تو تھی کہ ایاز اب چھٹیوں میں ہی گاؤں آتا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ قدیر کی سوتیلی ماں اور بھائی اس سے شدید نفرت کرتے تھے محض زمینوں میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے۔ ان کا بس چلتا تو قدیر کو جان سے ہی ماردیتے مگر باپ کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکتے تھے کہ باپ ان سے زیادہ

قدیر کو چاہتا تھا کیونکہ وہ ایک سعادت مند بیٹا تھا اور محنتی بھی۔ محض قدیر کی وجہ سے اس کے دونوں بھائی باپ سے بھی شدید نفرت کرنے لگے تھے اور سوچنے لگے تھے کہ نجانے کب یہ بڈھا مرے گا اور قدیر سے جان چھوٹے گی۔

ہاں تو دین محمد اور مہر خالد کی دشمنی کے باوجود قدیر اور ایاز کی دوستی نہ صرف قائم رہی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اور بھی شدت آتی گئی۔ گاؤں میں یوں تو چھوٹے سے چھوٹے مسئلے پر دنگا فساد ہوتے ہی رہتے ہیں لوگ معمولی باتوں پر نہ صرف ایک دوسرے کو عدالتوں میں گھسیٹ لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات جان تک لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مگر گاؤں اور خاص کر زمینداری میں پانی بہت اہمیت رکھتا ہے اور گاؤں میں اس مسئلے سے بڑھ کر کوئی مسئلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وقت پر پانی نہ ملے تو پیداوار ہی کم نہیں ہوتی، بلکہ فصل بھی دیر سے تیار ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ پہلے فارغ ہوجائے۔

جب سے ایاز فارغ ہوکر آیا تھا تب سے وہ بھی زمینوں پر رہنے لگا تھا تاکہ یہ جو چند ماہ اسے فرصت کے ملے ہیں ان میں وہ باپ کا ہاتھ بٹاسکے اس سلسلے میں قدیر بھی اس سے تعاون کرتا رہتا اور مشورے وغیرہ دیتا رہتا تھا، مطلب یہ ہے کہ ایاز وغیرہ کی پانی ملنے کی تاریخ دور ہوتی تو قدیر اپنی باری پر پانی اس کو دے دیا کرتا۔ اور اگر کبھی قدیر کو ضرورت پڑجاتی تو ایاز اس کو پانی دے دیا کرتا تھا۔ یہ ایک عام سی بات تھی بہت سے لوگ ایسا کرلیتے ہیں۔ یعنی ادھار پانی دے بھی دیا اور لے بھی لیا لیکن یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جن کی آپس میں دوستی ہو اگر کوئی دوسرا پانی مانگے تو پانی کم ہونے کا کہہ کر انکار کردیا جاتا مگر ایاز اور قدیر کی دوستی تو بہت ہی گہری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر ایاز کو پانی دے دیا کرتا تھا۔ اس بات کا علم دین محمد اور اس کے دوسرے بیٹوں کو ہوتا تو وہ قدیر کو خوب برا بھلا کہتے اور خفا ہوتے ان کی خفگی دیکھ کر قدیر کہتا۔

"اچھا اب جانے دیں آئندہ ایسا نہ ہوگا۔"

مگر ایسا اکثر ہوتا ایاز پانی مانگتا تو قدیر انکار کرہی نہ سکتا تھا تاہم اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اس کے باپ اور بھائیوں کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ اس نے

ایاز کو پانی دیا ہے۔مگر یہ بات چھپنے والی تو تھی ہی نہیں اس لئے ہر بارا
چل جاتا۔

یہ ایاز کی مہندی کے دن سے پہلے کا ذکر ہے پانی کی باری قدیر
تھی جبکہ ایاز کو اس کی زیادہ ضرورت تھی کہ گندم کو دوسرا پانی لگانے کا وقت
مگر باری ابھی چند روز بعد تھی۔ حسب معمول قدیر نے کہا کہ وہ پانی کاٹ
کے کھیتوں میں ڈال دے گا اور ایاز مطمئن ہوگیا۔

وعدے کے مطابق قدیر نے پانی کاٹ کر ایاز کے کھیتوں میں ڈ
اور پھر خود بھی آکر ایاز کے ڈیرے پر بیٹھ گیا۔ایاز نے ڈیرے پر موجود
لوگوں کو پانی کی دیکھ بھال پر لگا دیا کہ وہ دیکھتے رہیں اور ایک کھیت بھر ج
دوسرے میں ڈالتے جائیں اور خود بھی آکر قدیر کے پاس بیٹھ گیا اور دونوں
میں مصروف ہوگئے موضوع تمہاری پڑھائی تھی قدیر ایاز کو چھیڑ رہا تھا۔ پور
کی رات تھی ہر طرف فضا میں شفاف چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور کھلی جگہ ہو
وجہ سے ہر چیز صاف نظر آرہی تھی ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی موسم خوشگوار تھا ا
اچانک سامنے سے دو جیپیں طوفانی رفتار سے ایاز کے ڈیرے کی طرف بڑھی
تھیں۔ قدیر اور ایاز چونکہ اپنی ہی خوش کن باتوں میں مصروف تھے اس لئے
ہوسکی۔ جیپیں جب ان کے قریب زور دار آواز کے ساتھ رکیں تو وہ دونوں چ
مگر دیر ہوچکی تھی قدیر کے دونوں چھوٹے بھائی اپنے آوارہ مزاج دوستوں کے
ان کے سروں پر پہنچ چکے تھے۔

قدیر بھائیوں کو دیکھتے ہی کھڑا ہوگیا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ جو اس وقت ا
ہیں تو ان کے ارادے کچھ اچھے نہیں ہوسکتے کیونکہ ایک بار پہلے بھی وہ اس کو
دینے پر تنبیہ کرچکے تھے۔ بلکہ دھمکی دے چکے تھے کہ اب اگر اس نے یہ حرکت
تو انجام بہت برا ہوگا ویسے بھی ان دونوں کو اس بات کا دکھ تھا کہ جن لوگوں
ان کے باپ دادا کی دشمنی تھی ان ہی لوگوں سے قدیر دوستی پکی کررہا تھا۔

''آخر آج پکڑے ہی گئے قدیر لالہ'' قدیر کے چھوٹے بھائی اقبال
اسے نفرت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''پھر؟'' قدیر نے عام سے لہجے میں پوچھا جبکہ ایاز قریب ہی خاموش
کھڑا تھا۔

''پھر یہ کہ اب انجام کے لئے تیار ہوجاؤ'' اقبال سے چھوٹے نیاز نے
کہا جبکہ ان کے سارے دوست دائرے کی شکل میں کھڑے تھے ان سب کے
ہاتھوں میں کوئی نہ کوئی ہتھیار تھا جبکہ اقبال اور نیاز کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔
ایاز نے ان کے خطرناک تیور دیکھے تو کہا۔

''یار ابھی پانی کاٹے زیادہ دیر نہیں ہوئی میں بند کروادیتا ہوں'' یہ بات
ایاز نے اس لئے کہی تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے قدیر کے ساتھ کوئی
زیادتی ہو مگر ایاز کی بات ختم ہونے سے قبل ہی اقبال نے رائفل کا بٹ اس کے سر
پر مارنے کی کوشش کی۔

''اقبال'' ایاز غصے سے دہاڑ کر پیچھے ہٹا مگر بٹ اس کے سر کی بجائے
کاندھے پر لگ چکا تھا۔ قدیر جانتا تھا کہ آج ضرور کچھ ہوکر رہے گا یہی سوچ کر وہ
ڈیرے کے اس کچے کمرے کی طرف بھاگا جو چارا وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا
کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایاز بھی اپنی رائفل ساتھ لے کر آیا تھا جو وہاں رکھی تھی۔

''تم کہاں چلے قدیر لالہ؟'' نیا ز نے اس کو بڑھ کر بٹ مارنے شروع
کردیئے تب ایاز نے چیخ کر اپنے آدمیوں کو آواز دی مگر دیر ہوچکی تھی۔ وہ تعداد
میں پچیس سے بھی کچھ زیادہ ہی تھے اور پھر قدیر اور ایاز تو خالی ہاتھ تھے اس کے
باوجود دونوں مقابلہ کرنے لگے مگر کتنا مقابلہ کرسکتے تھے۔

اقبال اور نیاز انہیں رائفل کے بٹ مارتے رہے ایاز کے سارے آدمی
بھی آواز سن کر آگئے وہ تعداد میں چھ تھے ان میں سے کسی کی مدد کرنے سے پہلے
اچانک ہی ڈیرے کے کچے کمرے سے فائر ہوا گولی اقبال کے کاندھے میں لگی تو
نیاز نے ایاز کے سینے پر رائفل رکھ دی وہ لوگ تو صرف بٹ مار، مار کر ایاز کو ختم
کرنا چاہتے تھے مگر جب اندر سے مسلسل فائر ہونے لگے اور اقبال کے تین ساتھی
زخمی ہوکر گر پڑے تو ان دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ایاز پر فائرنگ شروع کردی
زخمی تو قدیر اور ایاز پہلے ہی ہوچکے تھے اس لئے جب بہت ساری گولیاں ایک

ساتھ اس کے جسم میں پیوست ہوئیں تو ایاز جو زخمی ہونے کے باوجود مقابلہ کر رہا تھا لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا تب اندر سے فائرنگ بھی بند ہوگئی اور اقبال نے چیخ کر کہا۔

''مزید کارتوس بھرنے کا موقع دیئے بغیر کتے کو پکڑ کر باہر لے آؤ'' اور یہی ہوا اس کے ساتھی ایاز کو اندر سے پکڑ کر لائے اور گولیوں سے بھون کر رکھ دیا اور اس دوران قدیر چیختا رہا مگر اس کو اقبال اور نیاز کے دوستوں نے مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ایاز کو گولیوں سے بھونتے ہی اقبال نے کہا۔

''کہو قدیر لالہ اب اور دو پانی اپنے دشمنوں کے بیٹے کو بولو دو گے۔''

مگر قدیر کچھ بول ہی نہ سکا وہ تو زمین پر خون میں لت پت پڑے ایاز کو دیکھ رہا تھا اور دماغ سائیں، سائیں کر رہا تھا۔

''اونہہ بے غیرت'' نیاز نے آگے بڑھ کر منہ پر تھوک دیا'' تو باز نہیں آیا تھا اپنی ان حرکتوں سے اب انجام دیکھ لیا اب مہر خالد کے ہاتھوں اپنے انجام کا انتظار کرو کہ تمہارا انجام بھی مہر خالد اپنے بیٹے ایاز جیسا ہی کرے گا۔''

پھر وہ سب جس طوفانی رفتار سے آئے تھے اسی طوفانی رفتار سے واپس چلے گئے قدیر نے زخمی ہونے کے باوجود جھک کر ایاز کو دیکھا وہ ابھی سانس لے رہا تھا مگر آنکھیں بند تھیں۔

''دیکھو ایاز زندہ ہے جلدی سے اس کے گھر اطلاع کرو تاکہ اس کو اسپتال لے کر جا سکیں جلدی کرو......خدا کے لئے جلدی کرو۔'' قدیر نے پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے بولا۔

سردار خود بھی بہت زخمی تھا مگر اپنے آدمیوں میں قدیر کے بعد صرف وہی ہوش میں تھا وہ لڑکھڑاتا ہوا گھر کی طرف بھاگا تو قدیر نے جھک کر پھر ایاز کی طرف دیکھا تو......تو دو دن بعد زندگی کا نیا سفر شروع کرنے والا ایاز آج اپنے آخری سفر کا آغاز کر چکا تھا، وہ دم توڑ چکا تھا قدیر اس کی موت کا یقین ہوتے ہی بچوں کی طرح رونے لگا کچھ دیر چاند کی اس پوری چاندنی میں ایاز کے بے جان چہرے کو دیکھتا رہا پھر اس کے بے جان چہرے پر ہاتھ پھیر کر جلدی سے کھڑا ہوگیا ابھی تک گاؤں سے کوئی نہ آیا تھا اور قدیر ان کے آنے سے پہلے یہاں سے چلے جانا چاہتا تھا

جاتے ہوئے نیاز کی دھمکی اسے یاد آ گئی تھی اور وہ سمجھ گیا تھا کہ نیاز اور اقبال نے اسے زندہ کیوں چھوڑا ہے اس نے آخری بار ایاز کے چہرے کو دیکھا پھر روتے ہوئے ایک طرف چل دیا چند لمحے پہلے وہ ایاز جو اس کے پاس بیٹھا مستقبل کی بات کر رہا تھا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا تھا۔

تمہارے خالد ماموں جب ڈیرے پر اپنے آدمی لے کر پہنچے تو وہاں ان کے پانچ زخمی بے ہوش آدمی اور دو لاشیں تھیں جن میں ایک بشیر کی اور دوسری ان کے گھر کے اکلوتے چراغ ایاز کی تھی وہ خون میں لت پت پڑا تھا ماموں نے جھک کر ایاز میں زندگی تلاش کرنے کی کوشش کی مگر دیر ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود انہیں یقین نہ آیا وہ ایاز کو لے کر لائل پور (فیصل آباد) کی طرف طوفانی رفتار سے روانہ ہوئے مگر وہاں جاتے ہی ڈاکٹروں نے بتایا'' ایاز کو مرے بہت دیر ہو چکی ہے۔''

کچھ دیر کو تو ماموں سب کچھ بھول گئے اور پھر ان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے انہوں نے بڑے ماموں کو فون کیا جو لائل پور میں پولیس کمشنر تھے پھر ایاز کے پاس آ کر بیٹھ گئے ان کا پورا وجود انتقام کی آگ میں جل رہا تھا مگر وہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے بھائی سے مشورہ کرنا چاہتے تھے۔''

عذرا چپ ہوگئی اور عائشہ روتی رہی یہ سوچ کر کہ کتنے تشدد کو سہنے کے بعد ایاز نے جان دی۔

''عذرا! ان ظالموں کا کیا بنا؟'' وہ اٹھ کر پوچھنے لگی۔

''وہی جو ایسے میں بنتا ہے وہ لوگ جیل میں ہیں۔''

''اور قدیر؟''

''وہ بھی کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا دیکھو اب رونا نہیں صبر کرو۔'' عذرا نے خود بھی اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے اس کو اپنے ساتھ گلے لگالیا۔

میں چپ تھی مگر آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

عذرا سو گئی تھی مگر میں جاگتی رہی ایاز کی بے رحم موت کا سن کر بھلا میں کیسے سو سکتی تھی کہ وہ اپنے ساتھ ہی میری نیندیں میرا وزن، میرا کھانا پینا لے گیا تھا، میری ساری خوشیاں لے گیا تھا ایسے میں مجھے بھلا نیند کیسے آ سکتی تھی۔

صبح ہونے تک مجھے پھر تیز بخار ہو چکا تھا کہ میں مکمل بے ہوش نہ تھی مگر پوری طرح ہوش میں بھی نہ تھی اسی نیم بے ہوشی میں بہت سارے دن گئے گھر والے ہر طرح سے میرا خیال رکھتے مگر میں کسی طرح بھی ٹھیک ہو نام نہ لے رہی تھی روزانہ شام کو چچا اور چچی بھی مجھے دیکھنے آتے۔

اس دن میری طبیعت ذرا بہتر تھی عذرا نے زبردستی غسل کروا کے لباس بدلوایا تھا پھر میرے بالوں میں کنگھی کر کے مجھے برآمدے میں جہاں دھوپ تھی لا کر بٹھا دیا مارچ کا مہینہ شروع ہو چکا تھا مگر سردی میں گاؤں کی کھلی اور پھر نہر قریب ہونے کی وجہ سے کوئی کمی نہ آئی تھی دن میں کبھی کبھی محسوس کہ موسم بدل رہا ہے مگر رات ویسی ہی جاڑوں کی رات جیسی سرد تھی۔

عذرا مجھے بٹھا کر اندر کام میں لگ گئی اماں۔ گاؤں میں کوئی فوت ہو گیا ان کے یہاں گئی ہوئی تھیں جبکہ ابا باغات پر، پرویز بھائی کا ہاؤس جاب شر ہو چکا تھا وہ بھی لاہور جا چکے تھے اور ساتھ میں فیروز بھائی بھی۔ وہ اور پرویز بھا ایک ہی پیشے سے وابستہ تھے، ان دونوں نے ایک ہی کالج میں تعلیم حاصل کی اور اب دونوں لاہور کے ہی کسی ہوسپٹل میں ہاؤس جاب کر رہے تھے وہ دونو باری باری گاؤں مجھے دیکھنے آتے تھے۔

نوری نے بتایا تھا کہ وہ لوگ مجھے ایاز کے ساتویں کے بعد بے ہو حالت میں برجکلاں واپس لائے تھے اور باری باری عذرا، پرویز اور فیروز بھا رات دن میرے کمرے میں ڈیوٹی دیتے تھے۔ بے ہوشی کی حالت میں انہوں مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اکیلے نہ چھوڑا تھا اور اماں نفل پڑھ پڑھ کر دن رات میر صحت یابی کی دعائیں مانگتی تھیں۔ محض میری وجہ سے وہ تینوں ایاز کے چہلم میں بھ شامل نہ ہوئے کہ بعد میں مجھے نہ کچھ ہو جائے حالانکہ اب تک میری حالت سنبھل گئی تھی نوری نے مجھے بتایا تھا۔

ایاز کی موت کی اطلاع صبح دس بجے باغ پر موجود ابا کو مل گئی تھی مگر سیدھے گھر نہ آئے تھے۔ وہ پریشان تھے کہ اس اطلاع کو کیسے اپنی بیوی اور بچ کو دیں جو تین دن بعد دلہن بننے والی تھی۔ انہوں نے آدمی بھیج کر چچا اور فیاض

وغیرہ کو بلایا جبکہ فیروز اور پرویز شہر (قصور) کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ چچا نے سن کر کہا۔

"میری تو اپنی سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیا بتاؤں" تب پرویز اور فیروز بھی شہر سے آ گئے۔ بہت سوچنے کے بعد سب نے مل کر یہ طے کیا کہ ماموں خالد کی بیماری کا بہانہ کر کے سب کو وہاں لے جائیں جبکہ فیاض باقی سب کو لے کر پہلے کار میں روانہ ہو جائیں تا کہ اماں کو کوئی شک نہ ہو۔ چچا نے کہا تھا کہ عائشہ کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں مگر اس موقع پر فیروز بھائی نے کہا تھا۔

"آخری بار اس کو ایاز کا منہ دیکھنے سے محروم نہ رکھا جائے۔" ایسا شاید انہوں نے اس لئے کہا تھا کہ وہ جانتے تھے مجھے ایاز سے بہت محبت ہے۔

نوری اور کشور کو پرویز بھائی نے الگ بلا کر سب کچھ بتا دیا تھا اور اب مجھے سمجھ آئی تھی کہ ہمارے جانے پر کشور رو کیوں رہی تھی؟

ہو سکتا ہے میں ایاز کی موت کو بھولنے کی کوشش کرتی مگر جب اس پر کیا جانے والا تشدد یاد آتا تو میری آنکھوں سے خود بخود پانی بہنے لگتا۔

اس وقت بھی یہی ہوا یہ سوچتے ہی کہ ایاز نے کتنی اذیت سے موت کو گلے لگایا میری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

"عائشہ۔" فیروز کی آواز سن کر میں چونک پڑی سر اٹھا کر دیکھا وہ میرے قریب نجانے کب سے کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں تو اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔ ایاز کی یاد مجھے ادھر ادھر کچھ دیکھنے یا سوچنے کا موقع ہی کب دیتی تھی اور میں س کے علاوہ کچھ دیکھنا اور سوچنا بھی نہ چاہتی تھی۔ وہ جو میری محبت تھا میرا بچپن کا نگیتر تھا، وہ جس کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب میں دن رات سوتے جاگتے یکھا کرتی تھی وہ اچانک بغیر کچھ بتائے مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اب میں نہ روتی و کیا کرتی۔

"عائشہ" فیروز بھائی میرے قریب بیٹھ گئے تو میں ان کو دیکھنے لگی۔

"دیکھو زیادہ سوچنا اچھا نہیں ہوتا" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

میں نے جواب میں کچھ نہ کہا سپاٹ نظروں سے ان کو دیکھتی گئی۔

"شہر چلوگی؟" فیروز نے پوچھا اور میں نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلی جاؤ عائشہ سیر کرنے سے تمہاری صحت اچھی ہوگی۔" عذرا نے کہ

"نہیں چاہیئے مجھے اچھی صحت، مجھے تو موت چاہیئے۔" میں نے ا
آواز میں کہا اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"عائشہ! خدا کے لئے چپ ہوجاؤ۔" فیروز بھائی نے میرے دونوں
چہرے سے ہٹا دیئے بلکہ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ میں نے بھیگی آنکھوں
ان کو دیکھا تو وہ بولے۔

"بہت محبت تھی تمہیں ایاز سے عائشہ؟"

"ہاں" میں اثبات میں سر ہلا کر روتی گئی۔ فیروز بھائی میری بات
کچھ دیر خاموش نظروں سے مجھے دیکھتے رہے پھر گہری سانس لیتے ہوئے بولے۔

"اگر تمہیں ایاز سے محبت ہے تو پھر رویا نہ کرو۔"

"کیوں؟" میں نے روتے، روتے معصومیت سے پوچھا۔

"اس لئے عائشہ کہ تمہارے رونے سے ایاز کی روح کو تکلیف
ہوگی، وہ بھی تو تم سے محبت کرتا تھا اور بڑا خوش قسمت تھا جسے تمہاری محبت ملی۔"

"میرے رونے سے ایاز کو تکلیف ہوتی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں۔" فیروز بھائی نے میرے دونوں ہا
چھوڑ دیئے۔ تب میں نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور عہد کیا کہ اب میں کبھی
روؤنگی مگر ایسا نہ ہوا وہ جب بھی مجھے یاد آتا میری آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر
لگتے، مجھے خود پر اختیار نہ رہتا۔

اسی طرح چھ ماہ گزر گئے میری طبیعت کچھ بہتر رہنے لگی تھی۔

اس دن میں اپنے کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ یہ بچوں
کہانیوں کی کتاب تھی اور ایسی بہت ساری کتابیں فیروز اور پرویز بھائی لاہور
آتے ہوئے میرے لئے لانے لگے تھے۔ میں کتاب پڑھ ہی رہی تھی کہ اچا
ماموں خالد کی آواز سنائی دی وہ سلام کے بعد اماں سے میری خیرت پوچھ ر
تھے۔

"اب تو پہلے سے بہتر ہے۔" اماں نے ان کی بیٹھنے کا کہتے ہوئے بتایا
پھر نوری سے کہا کہ وہ باغ سے جا کر میرے ابا کو بلا لائے۔

نوری اسی وقت چلی گئی اور اماں، ماموں سے مامی، مسرت اور ندرت
وغیرہ کا پوچھنے لگی۔

"مگر ان کی یہ زندگی موت سے بدتر ہے بھلا ماں جوان بیٹے اور بہن
جوان بھائی کی موت برداشت کرسکتی ہے جبکہ ہو بھی ایک ہی بیٹا بس یہ سمجھو موت
کے انتظار میں زندہ ہیں ہم سب۔"

"ہاں" اماں نے بھیگی آواز میں کہا" خدا کسی دشمن کیساتھ بھی ایسی نہ
کرے، جو ہمارے ساتھ ہوا ہے مگر وہ مالک ہے ہم کیا کرسکتے ہیں۔"

اتنے میں ابا، پرویز اور فیروز بھائی کے ساتھ چلے آئے بیٹھتے ہی انہوں
نے پہلے سب کی خیریت پوچھی پھر آنے کی وجہ تو ماموں نے کہا۔

"آج پیشی تھی جج کو حکم سنانا تھا۔"

"کیا بنا؟" پرویز بھائی نے بے چینی سے پوچھا۔

"تینوں کو پھانسی کی سزا ہوگئی ہے۔" ماموں نے سکون بھرے لہجے میں
کہا۔

چند ساعتوں کے لئے گہرا سکوت چھا گیا پھر پرویز بھائی نے کہا۔

"ماموں جان! یہ تو زیادتی ہے ظلم ہے۔"

" اور ہمارے ساتھ جو ہوا اس کو کیا کہتے ہو؟" انہوں نے زہر خند سے
پوچھا۔

" وہ بھی ظلم تھا اور ظالموں کو سزا ملنی چاہیے مگر۔ مگر ماموں جان قدیر تو
بے قصور ہے آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں وہ ایاز کا دوست تھا اور اس کا جرم
صرف یہی ہے۔"

"اس کا جرم یہ بھی ہے کہ وہ دین محمد کا بیٹا ہے۔ اس دین محمد کا جو ہمارا
دشمن ہے اس دین محمد کا جو اپنی اوقات بھول کر چوہدری بن گیا تھا۔ وہ دین محمد جس
کی وجہ سے میرے گھر کا اکلوتا چراغ گل ہوگیا، میرا وارث مر گیا میرا ایک ہی بیٹا

میرا نام لیوا مجھے بے نام کر گیا بلکہ کر دیا گیا۔ تو جب میں بے نام ہو چکا ہوں تو پھر دین محمد والا کیوں رہے، دین محمد کا کوئی وارث کیوں زندہ رہے۔ یہ اندھیرا میرے ہی گھر کیوں رہے۔ میں اس کو دین محمد کے گھر تک بھی لے جاؤں گا ہاں...... ہاں میری ہی بیوی کیوں بیٹے کو رات، رات بھر جاگ کر پکارے اور نہ پا کر قبرستان کے چکر لگائے۔ یہ سب اب دین محمد کے ساتھ بھی ہوگا، اس نے میرے ایک بیٹے کی جان لی ہے میں اس کے تینوں بیٹوں کی جان لوں گا۔ میں اس کو اپنی طرح بے نام کروں گا۔ میں اس کا نام لیوا بھی نہیں رہنے دوں گا۔ جو آگ میرے اندر اور میرے گھر میں لگی ہے میں اس کو دین محمد کے گھر اور اس کے اندر تک پہنچا کر دم لوں گا۔ میں اقبال، نیاز اور قدیر کی پھانسی تک چین سے نہیں بیٹھوں گا میں......'' ماموں کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے وہ چپ ہوئے تو کوئی کچھ نہ بولا۔

اور میں...... میں حیرت سے سوچ رہی تھی یہ سب کیا ہے؟ کچھ باتوں کی سمجھ آئی تھی، کچھ کی نہیں۔ میں صاف صاف کچھ نہ سمجھ سکی تھی مگر اتنا سمجھ گئی تھی کہ قدیر کو بھی ماموں جان، دین محمد کا بیٹا سمجھ کر سزا دلانا چاہتے ہیں مگر وہ تو ایاز کا دوست تھا۔

اور یہ عذرا تو کہتی تھی قدیر، ماموں کے ڈیرے پر پہنچنے سے پہلے ہی ایاز کو چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اس کا پتہ نہیں وہ کہاں گیا ہے۔ میں کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر بستر پر بیٹھ گئی اور قدیر کے بارے میں سوچنے لگی۔

اس کو اپنے بھائیوں کے ساتھ پھانسی کی سزا ہوئی تھی مگر کیوں؟ میں اور سوچنا چاہتی تھی مگر اسی وقت ماموں، اماں کے ساتھ اندر آئے۔ مجھے پیار کیا، تسلی دی کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر اٹھ گئے اور اسی وقت وہ چلے بھی گئے ان کے جاتے ہی میں نے عذرا کو آواز دی۔

''کیا بات ہے میری جان؟'' عذرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی مسکرا کر کہا۔

''مجھے قدیر کے بارے میں بتاؤ۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''کیا بتاؤں؟'' عذرا نے حیران ہو کر کہا اور میں نے اس کی اداکاری

پر چیخ کر کہا۔

''یہی کہ اس کو پھانسی پر کیوں لٹکایا جا رہا ہے؟''

''تم سے کس نے کہا؟''

''میں سب کچھ اپنے کانوں سے سن چکی ہوں، ایک ایک بات سنی ہے میں نے۔ ماموں خالد کی، اب مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ خدا کیلئے مجھے بتاؤ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ مجھے سب کچھ صاف بتادو۔ بھائی ہے وہ میرا، بھائی کہا تھا میں نے اسے اور پھر سچ مچ سمجھ بھی لیا تھا۔''

''صبر کرو عائشہ'' اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ عذرا کی آواز نم تھی۔

''صبر تو میں کر ہی رہی ہوں مگر اب تم مجھے سب کچھ صاف، صاف بتادو کہ یہ سب کیسے ہوا قدیر تو چلا گیا تھا وہاں سے پھر پکڑا کیسے گیا؟''۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ ماموں خالد کے آنے سے پہلے ہی قدیر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ کہ وہ دین محمد کا بیٹا تھا۔ بے شک ایاز سے اس کی دوستی تھی مگر بہر حال اب وہ ان قاتلوں کا بھائی تھا جنہوں نے ایاز کو بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اب سوچتی ہوں وہ واقعی بہت عقل مند تھا۔ اس نے اچھا کیا اگر اس وقت وہ ایاز کی لاش کے پاس بیٹھا ماموں کو مل جاتا تو ماموں اس کو بھی لاش میں بدل دیتے۔ خیر ماموں، ایاز کو شہر کے ہاسپٹل لے گئے مگر وہ مر چکا تھا۔ وہاں سے خالد ماموں نے تمہارے کمشنر ماموں رزاق کو فون کیا۔ ان پر بھی یہ خبر بجلی بن کر گری۔ کہ بھائی کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ بھی قتل کر دیا گیا۔ ان کے مشورے پر پہلے قتل کی رپٹ لکھوائی گئی اور فوراً ہی پرچہ کٹ گیا۔ جانتی ہو ایف آئی آر میں تمہارے ماموں نے کیا لکھوایا تھا۔ انہوں نے لکھوایا تھا۔

''دین محمد کے ساتھ ان کی دشمنی دو نسلوں سے چل رہی تھی، دین محمد ہمیشہ ان کے خاندان کے خون کا پیاسا رہا ہے...... مگر محض ہماری نرم مزاجی کی وجہ سے، احتیاط پسندی سے اس کو کبھی ایسا موقعہ نہ ملا کہ وہ اپنے دل کی پیاس بجھا لے ان دونوں خاندانوں میں اگرچہ سرد جنگ دو نسلوں سے جاری تھی مگر کبھی معمولی جھگڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہم پڑھے لکھے لوگ تھے اور لڑائی جھگڑے سے ہمیشہ دور بھاگتے

تھے جب کہ دین محمد کمہار نسل در نسل جاہل خانوادہ رہا ہے۔

جب دین محمد نے دیکھا کہ اس طرح کوئی بات نہیں بن سکتی تو انہو
اپنے بڑے بیٹے کو میرے بیٹے سے دوستی کرنے کا مشورہ دیا۔ آخر قدیر کی
سے یہ دوستی ہوگئی......اور دین محمد اور اس کے بیٹے ایاز کو قتل کرنے کے
بنانے لگے۔ وقوعہ کے روز قدیر نے جان بوجھ کر پانی میرے کھیتوں میں
تاکہ جھگڑے کی وجہ پیدا ہوسکے اور ادھر اپنے بھائیوں کے ساتھ مسلح ہوکر ڈیر
آ گیا۔ آتے ہی اس نے میرے بیٹے پر پانی کی چوری کا الزام لگایا اور اس
شروع کردیا۔ ڈیرے پر موجود ہمارے آدمی ایاز کو بچانے آگے بڑھے تو ا
اسی وقت گولیوں سے بھون دیا گیا جبکہ دوسرے زخمی کردیئے گئے۔ خوب تش
بعد جب ایاز زخمی ہوکر گر پڑا تو قدیر نے سب سے پہلے اس پر فائرنگ کی
سب بھائی اس پر فائرنگ کرتے فرار ہوگئے، اپنے آدمیوں کے ساتھ، میرا ایک
مجھے اطلاع کرنے گھر آیا اور جب میں ڈیرے پر پہنچا تو میرے گھر کا چراغ
بجھ چکا تھا۔"

"گواہوں میں ماموں نے اپنے پانچ زخمی ہونے والے آدمیوں
لکھوائے تھے۔ ان سب باتوں سے فارغ ہوکر وہ میت لے کر گاؤں واپس
اور پولیس کے چھاپے مارتے دین محمد کے گھر اور ڈیرے کی طرف روانہ کر
گئے کہ پولیس تو تمہارے ماموں کی ایک طرح سے گھر کی تھی۔"

"قدیر کا بتاؤ وہ تو وہاں سے چلا گیا تھا؟" میں نے بے چینی سے پو

"بتاتی ہوں، دین محمد کے گھر چھاپہ مارا گیا تو صرف دین محمد اور ا
بیوی ملے جبکہ ڈیرے پر چھاپہ مارنے سے اس کے دونوں سوتیلے بھائی
ہوئے ملے۔ پولیس نے انہیں پکڑا تو انہوں نے اس واقعے سے لاعلمی کا اظ
مگر پولیس ان تینوں باپ بیٹوں کو پکڑ کرلے گئی۔ تاہم قدیر کی تلاش میں
ساری رات اور دن چھاپے مارتی رہی مگر وہ نہ ملا۔"

"لیکن جب ایاز کی نماز جنازہ پڑھی جارہی تھی تو وہ نجانے کس ط
آکر اگلی لائن میں کھڑا ہوگیا۔ وہ خود بے حد زخمی تھا، کپڑے تک پھٹ چکے

اس کے بھائیوں نے اس پر بھی خوب تشدد کیا تھا چونکہ وہ نماز جنازہ شروع ہونے
کے بعد اس میں شامل ہوا تھا اس لئے کوئی اس کو کچھ نہ کہہ سکا۔ تاہم پولیس والے
اسے دیکھ چکے تھے۔ اور ایاز کے سارے خاندان والے بھی۔ مگر نماز شروع ہوچکی
تھی اس لئے وہ سب چپ رہنے پر مجبور تھے۔ پھر نماز جنازہ ختم ہوتے ہی قدیر
تیزی سے میت کے قریب گیا اور چہرے سے کفن ہٹادیا اور اپنے زخمی ہاتھوں میں
ایاز کا چہرہ تھام کر بولا۔

"دوست میرے عزیز از جان دوست۔ افسوس میں تمہاری مدد نہ کرسکا۔
افسوس میں تمہیں نہ بچاسکا۔ مجھے معاف کردینا۔ مجھے معاف کردینا دوست۔"

تب اچانک ماموں کے اشارے پر پولیس نے اسے پکڑلیا تو اس نے
مڑکر اپنے کھڑے پرویز اور فیروز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار! مجھ پر اتنی مہربانی کردو کہ ایاز کی قبر پر ایک مٹھی مٹی میں بھی ڈال
سکوں۔ اس کو اپنی آخری آرام گاہ میں اترتے ہوئے میں بھی دیکھ سکوں پھر جو
چاہے میرے ساتھ سلوک کرنا مگر ایاز کو اس کے دائمی گھر میں پہنچانے کے بعد۔"

ماموں، قدیر کی بات ماننا نہیں چاہتے تھے مگر پرویز اور فیروز کی وجہ سے
وہ مان گئے اور ایاز کے دفن ہوتے ہی وہ ایک مٹھی مٹی ڈال کر پولیس کے ساتھ
چلا گیا جاتے جاتے اس نے پرویز سے کہا۔

"میں فرار نہیں ہوا تھا۔ صرف چھپ گیا تھا یہیں قبرستان میں آکر کیونکہ
میں اچھی طرح جانتا تھا پولیس مجھے ضرور پکڑے گی، اور اس طرح میں اپنے دوست
کے آخری دیدار سے محروم رہ جاتا جبکہ میں نماز جنازہ میں شامل ہونا چاہتا تھا، اسے
اپنے سامنے رخصت کرنا چاہتا تھا کہ وہ میرا گہرا دوست تھا۔" اتنا کہہ کر وہ بچوں
کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور پولیس اس کو گھسیٹتی ہوئی لے گئی۔

"کیا ماموں کو نہیں معلوم تھا کہ وہ بے گناہ ہے؟" میں نے روتے ہوئے
پوچھا۔

"معلوم تھا، ان کے زخمی آدمیوں نے ان کو سب کچھ صاف صاف بتایا
تھا مگر ان کے دل میں ایک ہی بات تھی، اور ہے کہ اگر میرا وارث نہیں رہا تو دین

محمد کا بھی نہیں رہنا چاہئے اب اگر وہ قدیر کو چھوڑ دیتے ہیں تو پھر دین محمد کی نسل باقی رہتی ہے، دین محمد کا نام لیوا قدیر کی شکل میں بچ جاتا ہے جبکہ وہ خود تو بے ہو چکے ہیں کہ ان کا ایک ہی بیٹا تھا جس کی جان قدیر کے بھائیوں نے لی تھی۔‘‘

فیروز اور پرویز نے ان کو بہت سمجھایا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں کہ یہ ظلم ہے جبکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قدیر بے گناہ ہے وہ ایاز کا دوست تھا۔ یہ سوچ کر ہی وہ اس کو معاف کر دیں، اس کو چھوڑ دیں مگر ماموں کہتے ہیں اگر میرا بھی ایک اور بیٹا ہوتا تو بے شک میں قدیر کو چھوڑ دیتا مگر اب ناممکن ہے اب اس کو بھی پھانسی پر لٹکنا ہوگا۔ تب ہی میرا انتقام پورا ہوگا۔

’’قدیر نے ماموں کے ظلم پر کچھ نہیں کہا؟‘‘ میں نے حیرت سے پوچھا۔

’’نہیں، وہ چپ ہے۔ آخری باتیں وہی اس نے کی ہیں جو قبرستان سے پولیس اسٹیشن جاتے ہوئے پرویز اور فیروز سے کی تھیں اس کے بعد وہ ایسا چپ ہوا ہے کہ پھانسی کی سزا سن کر بھی چپ ہے۔ اس کے بھائیوں نے پکڑے جانے کے بعد یہ بیان دیا تھا کہ وہ دونوں بھائی بے قصور ہیں۔ انہوں نے کہا ان کا باپ ایک طویل عرصے سے مہر خالد کے خاندان کو تباہ کرنے کے منصوبے بناتا رہا ہے۔ اسی لئے اس نے قدیر کو ایاز سے دوستی کرنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ کہ ان کے باپ اور قدیر نے مل کر ایاز کو ختم کیا ہے۔ وہ دونوں بھائی تو اپنے ڈیرے پر بے خبر سوئے تھے اور حقیقتاً ان کا منصوبہ یہی تھا کہ قدیر کے ساتھ ساتھ باپ سے بھی جان چھوٹ جائے مگر تمہارے ماموں نے اس سارے کیس میں کہیں بھی دین محمد کا نام نہ آنے دیا اور سارا زور اس کے تینوں بیٹوں پر رکھا ہے کیونکہ وہ دین محمد کو زندہ چاہتے ہیں۔

ان کا بیان سن کر بھی قدیر چپ رہا اور جب پولیس نے قدیر کو بیان دینے کو کہا وہ تب بھی کچھ نہ بولا وہ پولیس، وکیلوں، عدالت کے ہر سوال جواب میں چپ رہا اور جب اپنے بھائیوں کے ساتھ اسے بھی پھانسی کی سزا ہوگئی وہ تب بھی چپ ہے نجانے کیوں؟ ابا بتاتے تھے کہ ایسے کیسوں میں عام طور پر ہوتا ہے کہ ایک مجرم کو اگر پھانسی ہوتی ہے تو دوسرے کو عمر قید اور تیسرے کو

کر دیا جاتا ہے یا پھر اسے بھی قید ہو جاتی ہے مگر تمہارے ماموں کی اپروچ تھی، آخر پولیس کمشنر کے بھائی تھے۔ پھر تین بھائی فوج میں تھے۔ تمہارے ماموں کی سروس بہت زیادہ تھی اسی لئے ایک تو اس مقدمے کا فیصلہ چھ ماہ بعد ہی ہو گیا ورنہ ایسے کیس تین چار سال تو ضرور چلتے ہیں اور پھر فیصلہ بھی وہی ہوا جیسا تمہارے ماموں چاہتے تھے۔‘‘ عذرا چپ ہوگئی کچھ دیر بعد روتے ہوئے بولی۔

’’تمہارے بھائی اور فیروز بھائی کئی دفعہ قدیر سے ملنے جیل گئے ہیں انہوں نے قدیر کو بہت سمجھایا ہے کہ وہ صرف ایک بار یہ کہہ دے کہ وہ بے گناہ ہے۔ یہ قتل اس نے نہیں کیا تو پھر وہ اپنے خون کے رشتے کو بھول کر خود وکیل کر کے اس کو بچانے کی کوشش کریں گے مگر وہ۔‘‘

’’کیا کہتا ہے وہ؟‘‘ میں نے جلدی سے پوچھا۔

’’کچھ بھی نہیں، میں نے تمہیں بتایا تو ہے وہ بولتا ہی نہیں، اس نے چپ کا روزہ رکھ لیا ہے شاید ہمیشہ کے لئے۔‘‘

’’ماموں کو آپ سب سمجھاتے کیوں؟ نہیں ان کو بتاتے کیوں نہیں کہ وہ ایاز کا دوست ہے اور ایاز کی روح اپنے دوست سے یہ سلوک دیکھ کر بے چین ہوتی ہوگی۔‘‘

’’ان کو سب نے سمجھایا ہے مگر وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ انتقام میں پاگل ہو رہے ہیں۔‘‘

’’ارے تو پھر مجھے بھی پھانسی لگا دو۔‘‘ میں حلق کے بل چیخی۔

’’عائشہ!‘‘ عذرا نے میرا سر پکڑ کر اپنے سینے سے لگانے کی کوشش کی۔

’’چھوڑو مجھے اگر دوستی کا انجام یہ ہے تو محبت کا انجام بھی یہی ہونا چاہیے۔ مجھے بھی پھانسی لگنا چاہیے۔‘‘ میں چیخ چیخ کر رونے لگی فیروز اور پرویز بھائی بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے ان کے پیچھے اماں بھی تھی۔

’’کیا ہوا؟‘‘ فیروز بھائی پوچھ رہے تھے۔

’’قدیر کے بارے میں اس کو پتہ چل گیا ہے‘‘ عذرا نے آہستہ سے کہا۔

’’مگر میں نے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا‘‘ پرویز بھائی نے تلخ لہجے میں

عذرا بھائی کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو بعد میں بتایا ہے، عائشہ نے تو ماموں خالد کی ساری باتیں سن لی تھیں۔'' عذرا نے خوفزدہ لہجے میں کہا پرویز بھائی نے مجھے چپ کروانے کی کوشش کی تو میں نے چیخ کر کہا۔

''دور رہیں آپ سب مجھ سے ارے ایاز کی تو آئی تھی اور وہ مر گیا اور قدیر کو آپ سب جان بوجھ کر پھانسی لگا رہے ہیں، ماموں کو شرم نہیں آئی یہ ظلم کرتے ہوئے۔ جب قاتل موجود ہیں تو پھر ایک بے گناہ کیوں سزا پا رہا ہے۔''

''عائشہ! ہم نے ماموں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں سمجھے۔ پرویز نے بھی بہت دماغ مارا ہے کہ وہ صرف ایک بار کہہ دے کہ وہ اس قتل میں شامل نہیں تھا تو پھر ہم اپنا وکیل کر کے اس کو بچانے کی کوشش کریں گے۔ ماموں لوگ چاہے ناراض ہی ہوں مگر...... مگر وہ تو کچھ بولتا ہی نہیں ایاز تو مر گیا مگر وہ قدیر اس کے مرنے کے بعد زندہ لاش بن کر رہ گیا ہے۔'' پرویز بھائی دکھی لہجے میں کہہ رہے تھے۔ میں نے روتے، روتے، ان کو دیکھا پھر پوچھا۔

''وہ ہے کس جیل میں؟''

''آج کل تو لاہور کی ایک جیل میں ہیں تینوں بھائی۔'' پرویز بھائی کے منہ سے یک دم نکل گیا۔

''آپ مجھے اس کے پاس لے چلیں۔'' میں نے یک دم فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''تمہارے جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا عائشہ ہم سب کوششیں کر چکے ہیں مگر وہ بولتا ہی نہیں تو پھر؟'' پرویز بھائی نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مگر اس کے باوجود میں جاؤں گی ضرور۔'' میرے لہجے میں عزم تھا۔

''اچھا ہم کوشش کریں گے'' فیروز بھائی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''یار اب تو ملاقات پر بھی پابندی ہوگی، پھانسی کی سزا جو سنا دی گئی ہے؟ اب تو صرف اس کے گھر والوں کو ہی آخری ملاقات کی اجازت ملے گی۔''

''اور مجھے اس آخری ملاقات سے پہلے ہی ملنا ہے قدیر سے اور اگر میں

قدیر سے نہ مل سکی تو یاد رکھیں میں نہر میں چھلانگ لگا کر جان دے دوں گی۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''عائشہ سمجھنے کی کوشش کرو جب وہ خود اپنے آپ کو بچانا نہیں چاہتا تو پھر ہم یا تم اس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔'' پرویز بھائی نے مجھے سمجھانا چاہا۔

''میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ صرف قدیر سے ملنا چاہتی ہوں۔'' میں نے ہمیشہ والے ضدی لہجے میں کہا۔

''مگر عائشہ یہ ناممکن ہے۔'' پرویز بھائی شاید اور بھی کچھ کہتے مگر فیروز بھائی نے ان کو روک دیا۔

''اچھا بھئی میں کوشش کرتا ہوں۔'' فیروز بھائی نے کہا اور پرویز بھائی کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گئے تو میں نے اماں اور عذرا کو دیکھتے ہوئے پھر کہا۔

''یاد رکھیں اگر میری ملاقات قدیر سے نہ ہو سکی تو پھر میں وہی کروں گی جو کہا ہے۔'' پھر میں بازو آنکھوں پر رکھ کر لیٹ گئی اور اماں اور عذرا کچھ دیر کھڑی مجھے پکارتی رہیں پھر دونوں باہر نکل گئیں...... باہر نکل کر اماں نوری کو پکارنے لگیں اور اس کے آنے پر بولیں۔

''دیکھ یہاں بیٹھ جا گھر میں چاہے قیامت ہی کیوں نہ آجائے مگر تم عائشہ کو اکیلی نہیں چھوڑو گی اگر عائشہ کو کچھ ہوا تو میں تمہیں زندہ دفن کر دوں گی۔'' نوری مارے ڈر کے مجھے دیکھتے ہوئے وہیں دروازے میں بیٹھ گئی۔

ایک ہفتہ یونہی گزر گیا فیروز بھائی آتے اور بتاتے ''بہت کوشش کر رہا ہوں مگر اجازت نہیں مل رہی ......'' وہ اگرچہ اپنی پوری کوشش کر رہے تھے مگر مجھے لگتا تھا جیسے وہ سب جان بوجھ کر میری ملاقات قدیر سے نہیں کروانا چاہتے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے سارے گھر والوں سے بات چیت بند کر رکھی تھی، شاید اپنی موت کے خوف سے مگر میں نے اپنی ضد نہ چھوڑی تھی اور سب خاندان والے جانتے تھے اچھی طرح کہ میں جو کہتی ہوں وہی کرتی بھی ہوں، اس لئے سب ہی پریشان تھے مگر مجھے پرواہ نہ تھی۔

آخر پندرہ روز بعد فیروز بھائی صبح ہی آئے اور مجھ سے کہا۔

''جلدی سے تیار ہوجاؤ ہم قدیر سے ملنے جا رہے ہیں۔''

''صحن میں اماں اور عذرا گم صم کھڑی تھیں۔ میں ان کے ساتھ با بغیر باہر نکل آئی، جہاں فیروز بھائی کی کار کھڑی تھی انہوں نے میرے لئے ڈور کھولا اور میرے بیٹھنے کے بعد بند کر کے خود بھی گھوم کر اسٹیئرنگ پر آ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے انہوں نے بہت غور سے مجھے دیکھا تو میں ا انداز کرتی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

گاڑی گھر کو پیچھے چھوڑتے ہوئے باغ والے کچے راستے پ گنڈا سنگھ کی طرف بڑھنے لگی۔ گنڈا سنگھ سے اس کا رخ قصور کی طرف ہو قصور پہنچ کر وہ لاہور والی مین روڈ پر آ گئے یہ فیروزپور روڈ بھارت کے شہ جاتی تھی اور بالکل سیدھی سڑک تھی۔

فیروز بھائی چپ تھے اور میرا خود بھی بات کرنے کا موڈ نہ تھا ذہن میں تو اس وقت صرف قدیر تھا جو بے حس لوگوں کی وجہ سے چپ چاپ کا پھندا گلے میں ڈال رہا تھا۔ ایسے میں مجھے گاڑی رکنے کا بھی احساس چونکی تو اس وقت جب فیروز بھائی نے میری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہ

''آؤ عائشہ جیل آ گئی ہے۔'' میں کوئی جواب دیئے بغیر ان کے سا دی وہ مجھے ساتھ لئے کھلے گیٹ میں داخل ہوگئے پتہ نہیں کہاں، کہاں مڑ لوہے کے ایک بند گیٹ کے سامنے جا کر رک گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں میں پکڑا ہوا ایک پیپر پولیس والے کے سامنے کیا تو انہوں نے سپرنٹنڈن ہماری رہنمائی کی، پھر ایک دوسرا پیپر نکال کر فیروز بھائی نے جیل سپرنٹنڈنٹ تو انہوں نے ایک پولیس والے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم سے کہا۔

''یہ آپ کو وہاں تک لے جائے گا۔'' پھر وہ پولیس والے سے ہوا۔

''نصیر ان کو پھانسی والی کوٹھری نمبر سات میں لے جاؤ'' اور ہم ساتھ چل دیئے بہت ساری چیکنگ کے بعد ہم اس لمبی راہداری میں کھڑ

جس کے آمنے سامنے یعنی دونوں طرف پھانسی والی کوٹھریاں تھیں۔ راہداری کے گیٹ کا تالا کھلتے ہی وہ سب چونک کر اپنے ان چھوٹے، چھوٹے کمروں سے باہر دیکھنے لگے۔

ہمیں دیکھ کر وہ حیران ہونے لگے شاید یہ ایک غیر معمولی بات تھی ہماری آمد میں۔ میں ایک ایک کوٹھری کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی اور آخر سات نمبر میں وہ مجھے نظر آ گیا۔ دیوار سے ٹیک لگائے وہ دونوں آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ پہلے سے بہت زیادہ کمزور۔ اس کی حالت دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور میں نے تڑپ کر پکارا۔

''قدیر بھائی جان۔''

وہ یوں اچھلا جیسے انجانے میں بجلی کے ننگے تاروں کو چھولیا ہو۔ ایک دم پوری آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کی اداس آنکھوں کی اداسی اور بھی گہری ہوچکی تھی اگرچہ اس نے خود کوئی جرم نہ کیا تھا مگر ماموں نے اس کی دوستی کو ہی جرم کی بنیاد بنا کر بدنام کر ڈالا تھا۔

''قدیر بھائی جان!'' میں نے روتے ہوئے پھر اسے پکارا وہ چونکا پھر یوں بن گیا جیسے اس نے مجھے کبھی دیکھا نہ ہو۔ اس کی آنکھوں میں اچانک ہی اجنبی پن اتر آیا تھا۔

''قدیر بھائی جان! بھائی جان یہ میں ہوں......'' میری آواز کانپنے لگی وہ یونہی بت بنا بیٹھا رہا جیسے کچھ بھی دکھائی اور سنائی نہ دے رہا ہو حالانکہ وہ بغیر پلکیں جھپکائے لگاتار مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے بے بسی سے فیروز بھائی کو دیکھا تو وہ بولے۔

''ہم نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا وہ کچھ نہیں بولتا۔''

''مگر آج ان کو بولنا پڑے گا۔'' میں نے پھر سے قدیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔''قدیر بھائی بولیے خدا کے واسطے بولیئے...... دیکھیے میں اس جگہ صرف آپ کی وجہ سے آئی ہوں خدا کے لئے بولیئے ورنہ میں اپنی جان دے دوں گی۔''

مگر وہ بولنے کی بجائے یوں مجھے دیکھتا رہا جیسے کوئی سکتے کی حالت میں

دیکھتا ہے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے ایک دوبار پکارا اور جواب نہ پا کر میں نے کوٹھری کی سلاخوں سے سر مارنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ میں ان کو پکار بھی رہی تھی کہ بولیے ورنہ میں سر ٹکرا ٹکرا کر مرجاؤں گی۔

''عائشہ یہ کیا کر رہی ہو؟'' فیروز بھائی نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی۔

''ہٹ جائیں آپ میرے سامنے سے۔'' میں دونوں ہاتھ اٹھا کر پوری قوت سے چیخی۔ ''آج میں یہیں جان دے دوں گی۔ کوئی بہن بھائی کو یوں بے گناہ مرتے نہیں دیکھ سکتی.....نہیں دیکھ سکتی۔'' میں نے روتے ہوئے کہا.....راہداری میں شور ہونے لگا سب لوگ اپنی اپنی کوٹھری کی سلاخیں پکڑ کر کھڑے ہو گئے تھے اور اس تماشے کے بارے میں جاننے کے خواہشمند تھے۔ ہمارے ساتھ آنے والے آفیسر نے کہا۔

''بی بی ! صبر سے کام لیں۔'' مگر میں کیسے صبر سے کام لیتی۔ میں نے ایک بار پھر سلاخوں سے سر ٹکرانا شروع کیا تو قدیر اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر تیزی سے سلاخوں کے قریب آیا اور سلاخوں سے ہاتھ باہر نکالتے ہوئے میرے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''عائشہ! میری بہن تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''کیوں نہیں آنا چاہیے تھا۔ جب آپ نے کسی کی بات نہ مانی تو مجھے آنا ہی تھا۔'' میں نے روتے ہوئے کہا قدیر کچھ دیر میرے چہرے کو دیکھتا رہا پھر فیروز بھائی سے کہا۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا فیروز۔''

''میں مجبور تھا'' فیروز بھائی نے مدھم لہجے میں کہا۔

''مجھے بہت صدمہ ہے عائشہ کہ میں تمہارے ایاز اور اپنے دوست کی جان نہ بچا سکا۔ وہ میرے سامنے مر گیا اور.....'' قدیر سے آگے کچھ بولا ہی نہ گیا اس کی آنکھوں سے پانی ساون کی تیز بارش کی طرح گرنے لگا تھا۔

''قدیر بھائی وہ تو خیر جو ہونا تھا ہو گیا مگر.....مگر اب'' میں نے بڑے حوصلے سے بات شروع کی۔ ''اب میں آپ کو ہرگز نہیں مرنے دوں گی، بس آپ

ایک بار یہ کہہ دیں کہ یہ فعل آپ نے نہیں کیا تو یقین کریں پرویز اور فیروز بھائی آپ کو بچا لیں گے صرف ایک بار آپ کہہ دیں۔''

''مگر کیوں کہہ دوں میں یہ؟''

''اس لئے کہ آپ بے گناہ ہیں۔''

''نہیں عائشہ میں بے گناہ نہیں ہوں۔ ارے میرا یہ گناہ کم تو نہیں کہ میں دین محمد کا بیٹا ہوں اور ایاز کے قاتلوں کا بھائی ہوں اس سارے فساد کی اصل جڑ تو میں ہی ہوں۔ نہ میں ایاز سے دوستی کرتا اور نہ وہ میرا پیارا دوست اپنی جان سے جاتا۔ یہ سب تو میری وجہ سے ہوا ہے پھر میں بے گناہ کیسے ہوں۔'' وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔

''بکواس بند کرو کتے، بے غیرت۔'' سامنے والی دو کوٹھڑیوں کے لڑکے چیخ چیخ کر بولنے لگے تو میں چونک کر ان کو دیکھنے لگی وہ کہہ رہے تھے۔

''اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ یہ انجام ہوگا تو تمہیں بھی اس کے ساتھ ہی قتل کر دیتے۔ بے غیرت! باپ دادا کے دشمنوں سے دوستی کرتا ہے۔'' پھر وہ دونوں مجھے اور فیروز بھائی کو گالیاں بکنے لگے تو قدیر نے کہا۔

''اب تم جاؤ عائشہ۔'' پھر وہ مجھے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔

''چلی جاؤں گی پہلے آپ یہ وعدہ کریں کہ آپ عدالت میں یہ بیان دیں گے کہ آپ بے گناہ ہیں۔ اس قتل میں آپ کا ہاتھ نہیں ہے۔''

''میں ایسا وعدہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کروں گا۔''

''کیوں نہیں کر سکتے؟'' میں نے غصہ سے کہا۔

''دیکھو عائشہ میرے پھانسی پانے سے تمہارے ماموں کے زخم بھر جائیں گے اور اگر میں بچ گیا تو پھر یہ زخم تمام عمر ہرے رہیں گے، وہ مجھے جب بھی دیکھیں گے ان کو خیال آئے گا کہ وہ تو بے نام ہو گئے ان کی نسل تو ختم ہو گئی مگر دین محمد کا نام لیوا زندہ ہے، دین محمد کی نسل ختم نہیں ہوئی، اس کا ایک وارث بچ گیا اور میں بچنا نہیں چاہتا کہ ایاز کے دوست کی حیثیت سے اس کے باپ کے دکھ کم کرنا میری ذمہ داری بھی تو بنتی ہے۔

"یہ غلط ہے۔" میں نے دہائی دی۔

"غلط اور صحیح میں کچھ نہیں جانتا میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا خالد دین محمد کا دکھ ایک سا ہو جائے، اس طرح تمہارے ماموں کو بھی صبر آجائے گا پھر ایاز کے بغیر جینا کچھ مشکل سا لگتا ہے۔" اس کے لہجے میں کرب ہی کرب تھا

"دیکھو بے غیرت دشمن کے لئے جان دے رہا ہے۔" قدیر کے دو بھائی بکواس کرنے لگے۔ اب وہ مہر خالد اور ان کے خاندان والوں کو بھی سنار تھے۔

"اس کو لے جاؤ فیروز۔" قدیر نے بھائیوں کی بکواس بند نہ ہوتے د کر کہا۔

"نہیں۔" میں زور سے چلائی " میں تب تک نہیں جاؤں گی جب تا آپ وعدہ نہیں کرتے اپنے بیان دینے کا۔"

قدیر نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر وہیں جا کر بیٹھ گیا جہاں پہلے بیٹھا ہوا تھا

☆☆☆

"آؤ عائشہ" فیروز بھائی نے میرا ہاتھ پکڑنا چاہا تو میں بگڑ گئی۔

"نہیں" میں نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا اور قدیر کو پکارنے لگی مگر وہ شا ایک بار پھر پتھر کا ہو چکا تھا۔ میں چیخ چیخ کر رونے لگی اپنے بال نوچنے لگی چا پھاڑ ڈالی فیروز بھائی نے مجھے سنبھالنے کی کوشش کی تو میں بچوں کی طرح چیخ چیخ قدیر کو پکارنے لگی اور پولیس آفیسر سے کہنے لگی۔

"اس کو چھوڑ دو...... خدا کے لئے اس کو چھوڑ دو یہ بے گناہ ہے یہ بھائی ہے......میرا بھائی، یہ تو میرے ایاز کا دوست تھا، یہ قاتل نہیں ہوسکتا۔ یقین کرو یہ قاتل نہیں ہے۔ میں جھوٹ نہیں کہتی یہ بے گناہ ہے جو دوست مرنے کے بعد بھی اس کے باپ کا دکھ کم کرنے کے لئے جان دے رہا ہے ا دوست کا بے حس باپ محض قدیر کے باپ دین محمد کی نسل ختم کرنے کے لئے کے دوست کو پھانسی لگوا رہا ہے۔ یہ ظلم ہے تم لوگ چھوڑ دو اس کو یا پھر اس ظالم بھی اس کے ساتھ ہی پھانسی لگا دو تا کہ پورا انصاف تو ہو۔" قدیر کے دکھ میں

سب رشتوں کا احترام بھول گئی تھی۔ میں تو بس اس کو بچانا چاہتی تھی کہ اس کی جان جاتے میں نہیں دیکھ سکتی تھی وہ بھی ایک بے گناہ کی جان۔

"فیروز بے وقوف مت بنو۔ سنبھالو اسے اور لے جاؤ یہاں سے۔" مجھے روتے تڑپتے دیکھ کر وہ ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھ آیا اور فیروز بھائی کو ڈانٹتے ہوئے بولا۔

"اس کو لے جاؤ میرے آخری لمحے بے سکون مت کرو۔ میں دوستی کا حق ادا کرتے ہوئے پرسکون موت مرنا چاہتا ہوں۔ جب ایاز کا باپ مہر خالد سب کچھ جانتے ہوئے بھی جان کا دشمن بن رہا ہے تو ایاز کی دوستی کے حوالے سے چپ رہنا میرے لئے ضروری ہے اور پھر مجھے ان سے کوئی شکوہ نہیں۔ میں اگر ایاز کی دوستی میں یہ ایثار کر رہا ہوں تو وہ چوہدری دین محمد کی دشمنی میں سب کچھ بھول گئے ہیں اور پھر دوستی اور دشمنی میں سب جائز ہوتا ہے مجھے ہر حال میں پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈالنا ہے اس کو لے جاؤ اس کا رونا مجھے دکھ دے رہا ہے مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا کہیں ایسا نہ ہو مجھے ابھی اپنی جان دینی پڑ جائے۔" وہ چپ ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

فیروز بھائی نے جھک کر میرے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا تو میں ان پر ہی پل پڑی۔

"چھوڑو مجھے میں یہاں سے ناکام نہیں جاؤں گی۔" میں کبھی فیروز بھائی کو نوچنے لگتی اور کبھی خود کو۔

"اسے لے جاؤ" قدیر نے کہا میں نے دیکھا اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر ساون برسنے لگا تھا۔" خدا کے لئے فیروز اسے لے جاؤ مجھے پھانسی سے پہلے پھانسی مت لگاؤ۔"

فیروز بھائی نے پوری قوت سے مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا مگر میں مچل مچل کر خود کو آزاد کروانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کرنے کے ساتھ ساتھ بولتی بھی جا رہی تھی۔ فیروز بھائی نے میری حالت دیکھ کر کہا۔

"پلیز قدیر مان جاؤ پہلے ہی بڑی مشکل سے عائشہ کی حالت سنبھلی ہے۔"

اسے پھر سے موت کے حوالے مت کرو، میرے دوست کچھ تو عائشہ کا بھی صرف ایاز کے باپ کے دکھ کا نہ سوچو اور پھر جب ان کو بیٹے کی دوستی کا خیال تو تم کیوں خواہ مخواہ خود کو موت کے حوالے کر رہے ہو۔ اب بھی وقت ہے ہم سنبھال لیں گے ایک تمہارے بیان دینے کی ضرورت ہے''۔

''اب تو کر چکا خدا حافظ'' قدیر نے کہا اور جا کر دونوں ہاتھ آنکھو رکھ کر زمین پر لیٹ گیا۔ فیروز بھائی بمشکل مجھے سنبھالتے ہوئے باہر کی ط بڑھنے لگے اور میں خود کو چھڑاتے ہوئے زور زور سے قدیر کو پکارنے لگی مگر و نہ بولا اور میں بے ہوش ہو کر فیروز بھائی کی بانہوں میں گر گئی۔

ہوش آیا تو میں اپنے کمرے میں تھی اور سب ہی میرے پاس بیٹھے ان میں اماں بھی تھی۔ میں مارے غصے کے اٹھ بیٹھی اماں اٹھ کر میرے قریب تو میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''اماں! کتنا ظالم ہے تمہارا بھائی ایک بے گناہ کی جان لے رہا۔ ارے ایاز کو تو اس کے بھائیوں نے قتل کیا ہے اب وہ سزا پا رہے ہیں اور ما نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ قدیر بے گناہ ہے سارا کیس اس پر ڈال دیا اپنے کی موت کا۔ افسوس کہ ایک بے گناہ کو پھانسی پر چڑھایا جا رہا ہے۔ میں پو ہوں کہ کیا یہ قتل نہیں جو ماموں کر رہے ہیں۔ ارے کوئی ہے جو ماموں کو قدیر قتل پر سزائے موت دے، پھانسی لگائے۔ کوئی ہے جو اس ظلم پر انصاف کرے، تو انصاف کرے''

''بس کر عائشہ وہ تیرا ماموں ہے'' اماں نے تڑپ کر کہا۔

میرا کوئی ماموں نہیں، اُف اس قدر جھوٹ۔ اس قدر ظلم، وہ بھی بندے کے ساتھ جو دوست کے بعد بھی دوست کے باپ کا سوچتے ہوئے مو گلے لگا رہا ہے۔ خدا کے لئے اماں ماموں کو سمجھائیں'' میں نے کہا اور رونے اپنی اور قدیر کی بے بسی پر۔

اماں نے اپنی پوری کوشش کی محض میری وجہ سے مگر ماموں کا دل پتھر کا ہو چکا تھا۔ فیروز بھائی نے بتایا تھا۔

''قدیر کے باپ نے سپریم کورٹ میں پھانسی کے خلاف اپیل دائر کی تھی مگر وہ خارج کر دی گئی۔ پھر انہوں نے صوبے کے وزیراعلیٰ سے رحم کی اپیل کی۔ وہ بھی رد کر دی گئی۔ آخر میں انہوں نے صدر سے رحم کی اپیل کی مگر وہ بھی مسترد ہو گئی۔ دین محمد نے پانی کی طرح پیسہ بہایا تھا مگر افسوس کچھ نہ بن سکا کہ اس کے پاس صرف روپیہ تھا جبکہ ایاز کے باپ کے پاس روپے کے ساتھ سفارش بھی تھے''

پرویز بھائی نے یہ بھی بتایا تھا کہ سپریم کورٹ سے اپیل خارج ہونے پر دین محمد نے بھری عدالت میں ماموں خالد کے قدموں میں گر کر کہا تھا۔

''مہر خالد میں تم سے ظالموں کے لئے رحم نہیں مانگتا مگر قدیر بے گناہ ہے۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو اور پھر وہ تمہارے بیٹے کا دوست بھی تھا۔ کچھ تو خیال کرو میری ساری زمین لے لو مگر قدیر کو معاف کر دو۔ یہ ظلم ہے جو تم کر رہے ہو مجھے چوہدری کہلوانے کی اتنی بڑی سزا نہ دو۔ میں خود کو چوہدری کہلوانا چھوڑ دوں گا بس ایک بار تم قدیر کو معاف کر دو۔ میں یہ علاقہ ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ میں پھر کبھی تمہیں اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔ صرف ایک بار ہاں صرف ایک بار تم قدیر کو معاف کر دو ایاز کا دوست ہونے کی اسے اتنی بڑی سزا نہ دو'' جواب میں ماموں نے کہا تھا۔

''دین محمد! میرا ایک ہی بیٹا تھا اگر وہ نہیں رہا تو تمہارے تینوں بھی نہیں رہیں گے۔ دو نسلوں کی یہ سرد جنگ اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی کیونکہ آنے والی نسلیں ہی ختم ہو گئی ہیں۔ میں قدیر کو معاف نہیں کروں گا۔ وہ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ پھانسی پائے گا'' پھر وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ چلے گئے۔

پھانسی کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا تھا اور آخری ملاقات میں فیروز اور پرویز بھائی بھی گئے تھے تب دین محمد نے ان کو دیکھ کر کہا تھا۔

''پرویز! دیکھو میرے شیر پتر (بیٹے) کو تھے۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی ہنس کر موت کو گلے لگا رہا ہے'' اتنا کہہ کر وہ رونے لگا جبکہ اس قدرت نے اسے زندہ چھوڑ دیا تھا۔ قدیر باپ کو تسلی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر باپ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے پھر ملاقات کا وقت ختم ہو گیا اور یہ لوگ

واپس آ گئے۔

اور پھر ان تینوں کو پھانسی ہوگئی پھانسی سے پہلے قدیر نے اپنی آخری خواہش جو ظاہر کی تھی وہ یہ تھی کہ "اسے مہر خالد کے آبائی قبرستان میں ایاز کے پہلو میں دفن کیا جائے۔" اس کے باپ نے یہ بات مان لی تھی اور ماموں خالد نے بھی اپنے قبرستان میں اس کو دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی کہ انہوں نے اپنا بدلہ لے لیا تھا جو سزا انہیں ملی تھی وہی وہ محمد دین کو دے چکے تھے ایک بیٹے کی موت کا بدلہ انہوں نے اس کے تین بیٹے مار کرلیا تھا۔ عدالت میں انہوں نے خود ہی دین محمد کے خلاف زیادہ بات نہ کی تھی۔

حالانکہ وہ چاہتے تو دین محمد کو بھی پھانسی کی سزا ہوسکتی تھی مگر وہ دین محمد کو اپنی طرح زندہ دیکھنا چاہتے تھے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، قدیر کو لحد میں اتارتے ہوئے وہ ایسا گرا کہ پھر باقی دو بیٹوں کی تدفین کے لئے نہ اٹھ سکا اور رشتہ داروں نے اس کو بھی باقی دو بیٹوں کے ساتھ دفن کردیا۔

دشمنی ختم ہوگئی اور دین محمد کی سزا بھی ختم ہوگئی تھی۔ نہیں ہوئی تھی تو میرے ماموں کی اور میری۔

رہ، رہ کر قدیر کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آتا اور مجھے اس کی بے بسی کا احساس ہوتا کہ میں زندہ ہونے کے باوجود اس کے لئے کچھ نہ کرسکی۔ میری طبیعت اب زیادہ خراب رہتی تھی۔ ایاز سے زیادہ مجھے قدیر کے مرنے کا دکھ تھا۔ ایاز کو تو قدیر کے بے وقوف اور ناسمجھ نوجوان بھائیوں نے مارا تھا مگر...... خود قدیر کو تو میرے پڑھے لکھے، عقلمند اور آدھی سے زیادہ عمر بسر کرنے والے میرے ماموں نے قتل کیا تھا وہ بے شک پھانسی لگا تھا مگر میرے نزدیک یہ قتل ہی تھا اور مجھے اپنے تمام ماموؤں سے نفرت ہوگئی تھی۔ وہ اگر چاہتے تو خالد ماموں کو سمجھا سکتے تھے۔ انہوں نے ایک بے گناہ کو پھانسی لگوادیا تھا۔

ایاز کی پہلی برسی کب کی ہوچکی تھی مگر میں اس میں بھی شامل نہ ہوئی تھی البتہ اماں، ابا اور باقی سب گھر والے اس میں شامل ہوئے تھے۔

یہ ایاز کی برسی سے دو ماہ بعد کی بات تھی۔ میں اپنے کمرے میں لیٹی تھی

کہ اب اس کے سوا مجھے کوئی کام ہی نہ رہ گیا تھا۔ نہ ٹھیک سے نیند آتی تھی اور نہ ہی اب میں اسکول جاتی تھی اسکول تو پرویز بھائی کی شادی پر ایسا چھوٹا تھا کہ پھر اس کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی اور کھانے کا شوق اپنی موت آپ مرگیا تھا اور جب کھانے کا شوق ہی نہ رہا تو پھر وزن کیوں وہی رہتا۔ ہر وقت کی بیماری نے مجھے بے حد کمزور کر ڈالا تھا بلکہ بے وزن کردیا تھا۔

اب تو میرا وزن پتہ نہیں کتنا ہوگا کہ ایاز کے مرنے کے بعد میں نے کبھی وزن کیا ہی نہ تھا اور پھر میرے جسم پر وزن کرنے کے لئے کچھ بچا بھی تو نہ تھا، ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئیں تھیں۔

میری یہ حال دیکھتے ہوئے اماں مجھے کھلانے پلانے کی بہت کوشش کرتیں مگر دل ہی نہیں چاہتا تھا اور تو اور قصور کے کباب اور مچھلی جو مجھے بہت زیادہ پسند تھے فیروز اور پرویز بلکہ جب بھی کوئی شہر جاتا میرے لئے لے کر آتا مگر میں نہ کھاتی میں جس کے لئے کبھی زندگی کا مفہوم ہی کھانا پینا تھا اب صرف زندہ رہنے کے لئے کھاتی تھی اور وہ بھی محض اماں، ابا کی وجہ سے جو میرے لئے پہلے ہی بہت پریشان تھے ورنہ پہلے تو میں صرف کھانے کیلئے زندہ تھی۔

اس دن بھی میں یونہی لیٹی چھت کو گھور رہی تھی جب اماں، چچی، چچا، عذرا اور پرویز بھائی سب میرے کمرے میں چلے آئے۔ یوں تو چچا، چچی ہر دوسرے دن مجھے دیکھنے آتے تھے مگر مجھے لگا جیسے آج کوئی خاص بات ہو۔ ان سب نے باری، باری مجھے پیار کیا اور چلے گئے اماں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور باہر نکل کر چچی نے کہا۔

"اس خوشی کے موقع پر اب رونا اچھی بات نہیں ہے مجیدہ۔"

میں حیرت سے سوچنے لگی خوشی، بھلا خوشی کا ہمارے یہاں کیا کام مگر رات کو عذرا میرے کمرے میں آئی تو مجھے پیار کرتے ہوئے بولی۔

"اب میرے پیاری سی سہیلی تیری زندگی کے سارے دکھ ختم ہوجائیں گے۔"

"دکھ اور ختم ہوجائیں گے...... اونہہ۔" میں نے دل میں سوچا۔ پھر کہا۔

"یہ سب آج پھر ایک ساتھ کیوں نظر آ رہے ہیں خیر تو ہے۔؟"

"تمہاری خوشیوں کا سوچ کر۔" عذرا نے مسکرا کر کہا۔

"میری خوشیاں تو تباہ ہوگئیں ایاز اور قدیر کے ساتھ، وہ بھی وہاں کی میں دفن ہوں گی۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خدا نہ کرے بھلا مرنے والوں کے ساتھ کوئی مر تھوڑی جاتا ہے۔ ا ایسا ہوتا، خیر دفعہ کرو اب ان باتوں کو۔ اب تو تم میری پیاری سی بھابھی بن رہ ہو۔"

"عذرا" میں اس کی بات کاٹ کر چیخ پڑی۔ "مت کرو میرے ساتھ ای باتیں مجھے نہیں کرنا اب کسی سے شادی۔"

"کیوں نہیں کرنی؟ تایا ابا اور تائی اماں نے آج میرے اماں ابا سے ہا کردی ہے۔ وہ فیروز بھائی کے لئے تجھے مانگنے آئے تھے اور تایا ابا نے ہاں کر بلکہ دن بھی رکھ دیئے ہیں ٹھیک ایک ماہ بعد تو دلہن......"

"نہیں بننا مجھے دلہن اماں کو منع کردینا۔" میں نے غصے سے اس کو گھور ہوئے کہا۔

مگر میری کسی نے ایک نہ سنی اور یہ شادی ہوگئی، بالکل اسی دھوم، دھا کے ساتھ جیسی کہ ایاز کے ساتھ ہونی تھی۔ گو کہ اماں کا دل اندر سے دکھی تھا مگر م تو بہر حال ان کی ایک ہی بیٹی تھی۔ انہوں نے شادی کی ایک رسم پوری کی تھی ک اب بدشگونی نہ ہوجائے۔ یہاں تک کہ ڈھولک بھی خوب بجی تھی ماموں لوگ ب دکھی دل کے ساتھ اماں کی خوشی میں شامل ہونے چلے آئے۔ اس موقع پر کسی۔ بھی ایاز کا ذکر نہیں کیا تھا اور میں ایاز کی یاد میں رونے کے باوجود فیروز کی بنا چچا کے گھر پہنچ گئی۔

تمام رسموں کی ادائیگی کے بعد فیروز کی بھابیاں مجھے فیروز کے کمر میں چھوڑ گئیں تھیں اور فیروز کے پلنگ پر بیٹھتے ہی مجھے ایاز یاد آنے لگا۔ اس را کے سپنے دیکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا جب وہ میرا گھونگھٹ اٹھائے گا تو م بجائے شرمانے کے فوراً اس کو کہوں گی۔ ایاز تم نے جو بات پہلی بار مذاق میں ک

تھی وہ حقیقت بن چکی ہے میرا وزن اب سچ مچ اسی کلو ہوچکا ہے۔ میری بات سنتے ہی وہ "اف خدایا" کہتے ہوئے یقیناً بستر پر گرجائے گا کیونکہ بھاری عروسی جوڑے میں اس کو میرے وزن کا اندازہ ہی نہ ہوسکے گا اور اس کے گرتے ہی میں ہنس کر کہوں گی۔

"جناب اب مجھے کتاب دیجئے اور خود باہر نکل جایئے کہ ٹھیک ڈیڑھ ماہ بعد میرے امتحان ہیں۔" تب وہ کیا کہتا مجھے معلوم تھا وہ میرے ہاتھ سے کتاب پکڑ کر کہتا۔

"ارے چھوڑو ان کتابوں کو بھلا یہ رات بھی زندگی میں روز روز آتی ہے۔"

اور آج جب یہ رات میری زندگی میں آئی تھی تو کردار بدل چکا تھا۔ میری آنکھوں میں نمی اترنے لگی تب ہی فیروز نے جونجانے کمرے میں کب آئے تھے میرے پاس بیٹھتے ہوئے میرا گھونگھٹ الٹ دیا اور محویت سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے ضبط کی بہت کوشش کی مگر آنسو بہہ نکلے۔

فیروز نے اپنے ہاتھوں میں میرا چہرہ تھام لیا اور آہستہ سے کہا۔

"کیا بات ہے عائشہ؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا تو انہوں نے پھر پوچھا۔

"کیا ایاز یاد آرہا ہے عائشہ؟"

اور بے ساختہ اور اثبات میں سرہلاتے ہوئے میں باقاعدہ ہچکیاں لے کر رونے لگی فیروز نے مجھے اپنے ساتھ پیار سے لگالیا اور میں روئے گئی۔ اس نے مجھے چپ کروانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی جب میں خوب جی بھر کر روچکی تو فیروز نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت محبت تھی تمہیں ایاز سے؟" اور میں نے روتے ہوئے ایک بار سرہلادیا۔

"بہت خوش قسمت تھا ایاز جس کو تمہاری محبت ملی۔" وہ بولا، کچھ توقف کیا پھر کہا۔ "وہ خود بھی تو تم سے محبت کرتا تھا"۔

میں چپ رہی تو فیروز نے پھر کہا۔
"مگر عائشہ ایک چیز قسمت بھی ہوتی ہے جس کی اپنی مرضی ہوتی ہے
پھر مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا......دیکھو میں تمہیں ایاز کو بھولنے کا
کہہ رہا اور نہ ہی کہوں گا کہ یہ فضول بات ہے لیکن خوش رہنے کی کوشش کر
میں تمہیں ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔" وہ چپ ہوا...
مجھے لٹاتے ہوئے لحاف کھول کر مجھ پر ڈال دیا اور کہا۔
"اب تم سو جاؤ رات بہت ہو چکی ہے۔"
اور میں نے آنکھیں بند کرلیں آنکھوں میں ایاز تھا اور اس کو دیکھتے ہ
میں سوگئی۔ یہ بھول کر کہ یہ میری سہاگ رات تھی اور فیروز میرے رویے
سوچیں گے میں سب کچھ بھول گئی، یاد رہا تو صرف ایاز۔
صبح میری آنکھ کھلی تو میں کمرے میں اکیلی تھی کچھ دیر میں سوچتی رہی
اپنی شادی کا خیال آتے ہی اٹھ بیٹھی اور حیرت سے سوچا اور پھر رات کی ایک
بات مجھے یاد آنے لگی۔
فیروز ...... ارے اب تو وہ شوہر ہیں انہوں نے گھونگھٹ اٹھایا تو مجھے
شدت سے یاد آیا تھا اور میں ضبط نہ کرسکی تھی اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگ
تب انہوں نے ایاز سے محبت کا پوچھا تھا اور میں نے کتنی سادگی سے سرہلا دیا
سوچتے ہوں گے۔
اب جو بھی سوچیں اچھی طرح تو جانتے تھے کہ میں ایاز سے محبت
ہوں اب اگر ان کو برا لگتا ہے تو لگے آخر سب سمجھ کر ہی مجھ سے شادی
ہوگی، میں نے منہ بناتے ہوئے سوچا۔
مگر فیروز کو شاید برا نہیں لگا تھا کیونکہ جب میں بیٹھی اس کی ناراضگی
سوچ رہی تھی تب فیروز ٹاول سے بال خشک کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے
مجھے بیٹھا دیکھ کر ہلکے سے مسکرائے اور کہا۔
"کب اٹھی ہو؟ میں نے تو بھابیوں کو منع کردیا تھا کہ کمرے میں
جائیں تم ابھی سو رہی ہو۔"

"ابھی ، ابھی اٹھی ہوں۔" میں نے نظریں نیچے کیئے جواب دیا۔
فیروز میرے قریب آئے، ہاتھ پکڑ کر نبض دیکھی پھر مجھے دیکھتے ہوئے
لے۔
"بھابیوں کو اب بلالوں یا ، وہ اصل میں عذرا بھی آئی بیٹھی ہے۔"
"او ہ ہاں یہ لو۔" انہوں نے ڈریسنگ ٹیبل سے دوپٹہ اتار کر میرے اوپر
ں دیا اور ایک گہری نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے بولے۔
"رات تم سوگئیں تو میں نے سوچا تمہارے یہ گہنے تمہیں زخمی نہ کردیں
لئے احتیاط سے اتار دیئے۔"
"آپ نے خود ہی سو جانے کا کہا تھا اگر ساتھ گہنوں کا بھی کہہ دیتے تو
اتار دیتی۔" میں نے اپنی صفائی میں کہا حالانکہ یہ کام تو مجھے خود ہی اپنے آرام
خیال سے کرلینا چاہئے تھا۔ مگر ایاز کی یاد آتے ہی میں سب کچھ بھول گئی تھی۔
"ہر بات کے جواب میں رویا نہیں کرتے۔" زبیدہ بھابی نے مجھے پیار
تے ہوئے کہا پھر شرارت سے ہنستے ہوئے بولیں۔
"ذرا دیکھو تمہارا دولہا تمہارے رونے سے کتنا پریشان ہو رہا ہے؟" تب
نے بے ساختہ فیروز کی طرف دیکھا وہ مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ میں نے نظریں
کائیں تو چھوٹی بھابی نے پوچھا۔
"ارے رات کپڑے نہیں بدلے، کیوں؟" انہوں نے میری آنکھوں میں
جھتے ہوئے پوچھا ادھر میری طرف سے جواب نہ پا کر فیروز کو دیکھا۔
"طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس کی بھابی جی اس لئے بغیر لباس بدلے ہی
گئی۔" فیروز نے مجھے دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا اور پھر باہر نکل گئے تو زبیدہ
بی نے پوچھا۔
"کیوں عائشہ کیا ہوا تھا رات تمہیں؟"
"کچھ نہیں بھابی بس اچانک ہی ان کو دیکھ کر مجھے ایاز یاد آ گیا اور آنسو
ل پڑے تھے۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو زبیدہ بھابی نے پوچھا۔
"کیا تم نے فیروز کو بھی بتا دیا تھا کہ تمہیں ایاز یاد آرہا ہے؟"

"انہوں نے تو خود پوچھا تھا کہ کیا ایاز یاد آرہا ہے؟ اور میں نے بتادیا
"یہ تم نے کیا کیا عائشہ! تم ایک شادی شدہ لڑکی ہو اب تمہیں ایسا نہ
کرنا چاہئے تھا؟"

"کیوں بھابی؟ وہ پہلے سے ہی جانتے ہیں کہ ایاز میرا منگیتر تھا۔"

"چپ ہو جا عائشہ، جو چیز قسمت چھین لے اس کا ذکر نہیں کرتے۔ ا
تمہاری شادی ہوگئی ہے اب تم ایاز کو بالکل بھول جاؤ، شادی کے بعد کوئی مرد
بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی اس کے بجائے کسی دوسرے شخص کو یاد کر
خواہ وہ محبوب ہو، منگیتر ہو یا سابقہ شوہر۔"

"مگر وہ ناراض تو نہیں ہوئے تھے بھابی، انہوں نے تو خود کہا تھا کہ ا
بھی تم سے بہت محبت کرتا تھا۔"

"یہ بات اس نے آج کہی ہے کل جب تم صرف بیوی بن جاؤ گی تو
صرف شوہر بن کر نہ صرف تم پر حکم چلائے گا بلکہ اس گزرے وقت کے طعنے
دے گا۔ تم نادان ہو عائشہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں اپنی بیوی کے منہ سے
صرف اپنا نام سننا چاہتے ہیں اور اس کے دل میں صرف اپنی محبت دیکھنا چاہتے
، جب تقدیر نے ایاز کا ساتھ نہیں دیا تو اب تم بھی اس کو بھول کر اپنی شادی
زندگی پر توجہ دو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گی۔ اب کبھی فیروز کے سامنے ایاز کو مت
کرنا اور فیروز کی ہر بات کا جواب محبت سے دینا۔ سمجھ رہی ہو نا میری سا
بات؟"

"جی بھابی، اب میں ان کے سامنے کبھی ایاز کا ذکر......" بات ادھو
چھوڑ کر رو دی۔

"چل پھر اٹھ جلدی سے منہ ہاتھ دھولو تا کہ تمہیں پھر سے تیار کیا جائے
اور میں اٹھ گئی۔

گاؤں میں رسم ولیمہ چونکہ مہندی والی رات ہی ادا کر دی جاتی تھی ا
لئے بارات کے دوسرے روز جو ولیمہ ہوتا تھا اس میں صرف خاص، خاص ر
دار ہی شامل ہوتے تھے اور پھر لڑکی دولہا کے ساتھ ماں، باپ کے گھر آجاتی جہ

وہ پورا ہفتہ رہتی پھر سسرال والے آتے اور دونوں کو لے جاتے تو عملی زندگی شروع
ہوجاتی پھر لڑکی کی مرضی وہ جب بھی میکے آئے۔

زبیدہ بھابی نے ولیمے کے لئے بھاری کام والا سوٹ بنایا تھا۔ میں نے
سوٹ پہن لیا تو نصرت بھابی نے ایک بار پھر سارے زیورات مجھے پہنا دیئے۔
عذرا نے میک اپ کر کے دوپٹہ میرے سر پر ڈال دیا تو میں نے آنکھوں میں
والے آنسو ضبط کرتے ہوئے بے بسی سے عذرا کو دیکھا تو وہ مجھے پیار کرتے ہوئے
بولی۔

"بھول جاؤ بیتے کل کو عائشہ، تائی اماں تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں
ان کے لئے ہی خود کو سنبھالو۔" اور میں نے وقتی طور پر خود کو سنبھال لیا اماں، ابا اور
پرویز بھائی جب مجھ سے ملنے آئے تو میں نے خود کو مطمئن ظاہر کیا اور مجھے مطمئن
دیکھ کر وہ تینوں خود بھی پرسکون ہوگئے تھے۔

سارا دن دیکھنے دکھانے میں گزر گیا، رات مجھے رسم کے مطابق اماں کے
گھر جانا تھا۔

میں اب کمرے میں اکیلی تھی اور عذرا سامنے بیٹھی میرا سوٹ کیس
تیار کر رہی تھی اس کو اپنے اور فیروز کے بہت زیادہ سوٹ رکھتے دیکھ کر میں نے
پوچھا۔

"تمہارے پہننے کے لئے۔" عذرا نے سوٹ کیس بند کرتے ہوئے مجھے
محبت سے دیکھ کر کہا۔

"میں کہاں پہن سکوں گی ان سوٹوں کو" میں کہنا چاہتی تھی کہ فیروز سب
کیساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور عذرا سے کہا۔

"احتیاط سے سب چیزیں رکھنی تھیں کوئی رہ نہ جائے۔"

"اپنی طرف سے تو پوری احتیاط سے رکھی ہیں۔" عذرا نے کہا اور میرے
قریب آتے ہوئے بولی۔ "اب اٹھو عائشہ۔" میں خاموشی سے اٹھ گئی عذرا نے مجھے
بڑی چادر دی جب میں چادر اوڑھ چکی تو وہ سب مجھ سے ملنے لگے۔ خیر یہ معمولی
بات تھی میکے سے آتے ماں، باپ بھائی ملا کرتے تھے اور یہاں سے جاتے وہ

لوگ مل رہے تھے مگران سب کے ملنے کے بعد اماں ابا بھی مجھے گلے ملے تو
نے حیرت سے عذرا کو دیکھا مگر سب کی موجودگی میں کچھ پوچھ نہ سکی، چپ چا
ان کے ساتھ باہر آئی تو پرویز بھائی گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑے تھے جیسے
میں بیٹھی اماں نے روتے ہوئے ایک بار پھر مجھے پیار کیا اور باہر کھڑے فیروز
کہا۔

''بیٹا اسکا اچھی طرح خیال رکھنا'' اور رو پڑیں۔

''آپ فکر نہ کریں تائی اماں، جب یہ واپس آئیں گی تو پھر سے
والی عائشہ بن چکی ہوں گی۔'' کہتے ہوئے فیروز خود بھی میرے ساتھ بیٹھ گئے
اگلی سیٹوں پر پرویز بھائی اور فراز بیٹھے اور بیٹھتے ہی گاڑی چلادی۔

میں نے حیرت سے سوچا کیا یہ لوگ مجھے اسپتال لے کر جارہے ہیں؟
پوچھا کچھ نہیں فیروز بیٹھے تو میرے ساتھ ہوئے تھے مگر باتیں فراز اور پرویز بھا
جان سے کررہے تھے وہ پوچھ رہے تھے۔

''گاڑی چلنے کے صحیح ٹائم کا پتا ہے نا؟''

''وہی جوان لوگوں نے بتایا تھا رات دس بجے چلے گی۔'' پرویز بھائی
جواب دیا تب مجھے معلوم ہوا وہ مجھے لے کر کہیں دور جارہے ہیں مگر کہاں، نہ
نے پوچھا نہ انہوں نے بتایا ٹھیک ساڑھے نو بجے ہم لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچ
تھے۔ فیروز نے کہا۔

''اب تم لوگ واپس جاؤ اب ہم چلے جائیں گے۔'' مگر پرویز بھائی جا
نے کہا وہ گاڑی چلنے تک یہیں رکیں گے اس پر فیروز نے کہا'' تم لوگوں کو
ہی دور جانا ہے۔'' پرویز بھائی نے کہا۔

''میرا ارادہ آج رات لاہور میں رکنے کا ہے۔'' اور سوٹ کیس اٹھا کر
دیئے اور ان کے ساتھ ہی فیروز، فراز اور میں بھی چل دیئے۔

''فیروز ٹکٹ نکال کر ذرا ڈبہ نمبر تو دیکھنا مجھے بھول گیا ہے۔'' پرویز بھا
نے چلتے ہوئے کہا تو فیروز نے ٹکٹ نکال کر ان کو نمبر بتایا۔ مطلوبہ ڈبہ ہمار
سامنے ہی تھا فیروز نے میرا ہاتھ پکڑ کر گاڑی پر چڑھنے میں مدد دی ہم دونوں سیٹو

پر بیٹھ گئے۔ سامان رکھنے کے بعد پرویز بھائی اور فراز ہمارے قریب کھڑے باتیں
کرنے لگے پھر جب ٹرین چلنے لگی تو وہ مجھے پیار کرتے ہوئے نیچے اتر گئے، جاتے
ہوئے پرویز بھائی نے ایک بار پھر فیروز کو میرا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔

سارا سفر خاموشی سے طے ہوا تھا بس دو ایک بار فیروز نے مجھے سوجانے
کو کہا تھا۔

میں نے آنکھیں تو بند کرلی تھیں مگر سوئی نہ تھی گاڑی چلتی رہی وقت گزرتا
رہا کسی اسٹیشن پر گاڑی کچھ دیر کو رکتی پھر چل پڑتی۔ بیٹھے بیٹھے میری ٹانگیں تھک گئی
تھیں فیروز سمجھ رہے تھے میں سوچکی ہوں جبکہ میں تو اس لمبے سفر سے تنگ آچکی
تھی۔ جب ضبط نہ ہوسکا تو میں نے آنکھیں کھول کر فیروز کو دیکھا وہ نجانے کب
سے میرے ہی چہرے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر
بولے۔

''سوئیں نہیں عائشہ؟''

میں نے نفی میں سر ہلا دیا منہ سے کچھ نہ کہا اور بیزاری سے کھڑکی سے
باہر دیکھنے لگی فیروز نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا میں نے پلٹ کر ان کو دیکھا۔

''کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے ناں'' وہ مجھے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''یہ سفر کب ختم ہوگا؟'' میں نے تھکن سے چور لہجے میں پوچھا۔

''بس اگلا اسٹیشن ہماری منزل ہے۔'' فیروز نے کہا تو میں نے سیٹ سے
ٹیک لگائی اور نجانے کیسے میری آنکھ لگ گئی کچھ دیر بعد جب پنڈی کا اسٹیشن آیا تو
فیروز نے آہستگی سے میرا شانہ ہلایا، میں نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھولیں تو فیروز
سوٹ کیس قلی کو دے رہے تھے اس کام سے فارغ ہوکر انہوں نے مجھے دیکھا اور
میں کھڑی ہوگئی۔ فیروز نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم گاڑی سے اتر گئے۔

اسٹیشن سے فیروز مجھے لے کر ہوٹل آئے اور پھر ہوٹل کے کمرے میں
آتے ہی بولے۔

''تم تھک گئی ہو عائشہ، سوجاؤ صبح ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے تب تک تم
آرام کرلو۔''

"ہم یہاں کیا لینے آئے ہیں؟" آخر میں نے پوچھ ہی لیا میرا سوال
کر فیروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"شہروں میں ایک لفظ ہوتا ہے ہنی مون لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں یہا
تمہاری صحت کے لئے آیا ہوں۔ یہاں پر ہمارا قیام عارضی ہے چونکہ تم لمبے سفر
تھک گئی ہو اس لئے میں نے یہاں رکنے کا فیصلہ کیا ورنہ جانا تو ہمیں مری ہے
پھر وہاں سے...... خیر اس وقت تو تم آرام کرو۔" اور میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی

آنکھ کھلی تو فیروز دریچے کے قریب کرسی ڈالے کچھ پڑھ رہے تھے
جاگتا دیکھ کر میرے قریب آئے اور پوچھا۔

اب کیسی ہو عائشہ؟"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تو پھر اٹھو نہا کر لباس بدل لو تب تک میں کھانے کا کہتا ہوں، نا
تو گول ہو گیا تمہارے سونے میں۔"

میرا جی چاہا پوچھوں، آپ نہیں سوئے، مگر پھر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھ
سوٹ کیس کے قریب آئی تو فیروز نے کہا۔

"میں نے تمہارے کپڑے نکال دیئے ہیں۔ وہ رہے سامنے۔" اور
کپڑے اٹھا کر غسل خانے میں چلی آئی۔

میں جب نہا کر کپڑے بدل کر باہر آئی تو کھانا آچکا تھا فیروز نے کہا۔

"آؤ کھانا کھائیں۔" اور میں بھوک نہ ہونے کے باوجود بیٹھ گئی۔

کھانے کے بعد فیروز مجھے گھمانے لے گئے اور پتہ نہیں کیا کیا دکھا
میں نے دلچسپی سے کچھ دیکھا ہی نہ تھا۔ واپس آتے ہی میں کھانا کھائے بغیر سو گ
اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد ہم مری کے لئے روانہ ہو گئے فیروز نے مری
ہوٹل کے بجائے ایک چھوٹا سا کاٹیج کرائے پر لیا تھا، سامان کاٹیج میں چھوڑ کر
مجھے ساتھ لے کر سیر کیلئے نکل گئے اور رات گئے جب ہم واپس آئے تو میں ہی نہ
فیروز بھی تھک چکے تھے کیونکہ کمرے میں آتے ہی وہ بغیر لباس بدلے بستر پر لیٹ

گئے تھے میں خود بھی لباس بدل کر بیڈ پر آگئی پہلے سوچا پوچھوں کیا بات ہے؟ مگر
پھر چپ چاپ لیٹ گئی کہ سارا دن فیروز ہی باتیں کرتے رہے تھے۔ میں تو جواب
میں صرف ہوں، ہاں کرتی یا پھر چپکے چپکے ایاز کو یاد کرتی تھی، مگر اس وقت مجھے
زبیدہ بھابھی کی نصیحت یاد آرہی تھی انہوں نے کہا تھا۔

"کوئی مرد اپنی بیوی کے منہ سے اس کے محبوب، سابقہ شوہر یا منگیتر کا
ذکر سننا پسند نہیں کرتا آج اگر فیروز ہمدردی میں یہ بات سن کر چپ رہا ہے تو آنے
والے کل کو خفا بھی ہو سکتا ہے ایاز کو یاد کرنے کی بجائے زندگی سے سمجھوتا کرنا سیکھو
اور فیروز کو اس کا حق دو ورنہ کچھ ظلم تقدیر نے تمہارے ساتھ کیا ہے اور کچھ تم خود
اپنے ساتھ کر لو گی کہ ایاز تو ایسی جگہ گیا ہے جہاں سے واپسی ناممکن ہے اور جب
اس کو آنا ہی نہیں تو پھر کیوں نہ زندگی سے سمجھوتا کیا جائے۔"

آہ ایاز! میں نے آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو صاف کئے، کچھ دیر
سوچتی رہی اور پھر فیروز کی طرف کروٹ بدل لی اور پوچھا۔

"کیا طبیعت ٹھیک نہیں آپ کی؟"

"ہاں...... سر میں درد ہے۔" فیروز نے منہ دوسری طرف کئے ہی جواب
دیا تھا۔

"سر دبا دوں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ خاص ضرورت نہیں۔ تم سو جاؤ۔"

میں نے کچھ سوچا پھر تھوڑا قریب ہو کر سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ ناراض ہیں؟" میری آواز بھرا گئی تو فیروز ٹیبل لیمپ آن کرتے
ہوئے اٹھ بیٹھے، کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے پھر کھینچ کر اپنے قریب کر لیا اور پوچھا۔

"میری کس بات سے محسوس کیا ہے عائشہ تم نے کہ میں ناراض ہوں۔ میں اور تم
سے ناراض ہو جاؤں، کبھی نہیں بھلا اپنی زندگی سے، اپنے آپ سے بھی کوئی ناراض
ہوا ہے میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ فیروز کی ہمدردی پا کر میں ایک بار پھر
رونے لگی تو فیروز پریشان ہو گیا" عائشہ اپنی طرف سے میں نے تمہیں ہر ممکن
طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود اگر انجانے میں مجھ سے

کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف کردینا اب بتاؤ تم روئی کیوں ہو؟ کیا ایاز کی یاد سے؟''

''نہیں'' میں نے نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا''زبیدہ بھابی کہتی تھیں میں ایاز کی وجہ سے آپ کے سامنے روئی ہوں اب آپ مجھ سے نفرت کریں گے کہ سب مرد ایک جیسے۔''

''عائشہ'' فیروز نے جھک کر مجھے سینے سے لگالیا۔

''تم نہیں جانتیں میرے بارے میں عائشہ میں تو وہ بدنصیب شخص ہوں جسے ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے تم اچھی لگا کرتی تھیں۔ اس وقت جب مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اچھی لگنے کا مطلب کیا ہے؟ لیکن جب ہوش سنبھالنے کے بعد معلوم ہوا کہ تمہاری منگنی ایاز سے ہوچکی ہے تب میں نے ہمیشہ خاموش رہنے کا فیصلہ کیا، امی بتاتی تھیں انہوں نے تمہیں میرے لئے مانگا تھا مگر تائی اماں راضی نہ ہوئیں۔''

میں حیرت سے سن رہی تھی اور فیروز کہہ رہے تھے۔

''یہ معلوم ہونے کے بعد کہ تم ایاز کی ہو میں نے تو کبھی نظر بھر کر تمہیں دیکھا بھی نہ تھا، دل میں خدا سے تمہاری خوشی کے لئے دعا کرتا تھا مگر تقدیر میں جو لکھا ہو وہ ٹل نہیں سکتا، تم تو معجزہ بن کر میری زندگی میں آئی ہو۔ تمہیں پانے کے باوجود مجھے اپنی خوش قسمتی کا یقین نہیں آیا پھر میں تم سے نفرت کیسے کرسکتا ہوں۔''

''میں ایاز کی یاد پر کبھی پابندی نہیں لگاؤں گا، کبھی تمہیں منع نہیں کروں گا ایاز کو یاد کرنے سے۔ تم جب چاہو اس کو یاد کرسکتی ہو، مجھے کوئی اعتراض نہیں میری محبت کی طاقت اور شدت تمہیں خود ہی ایاز کو بھول جانے پر مجبور کردے گی۔'' کہتے ہوئے فیروز نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

پھر تو زندگی کا رخ ہی بدل گیا، میں جو یہ سمجھتی تھی کہ کبھی ایاز کو بھلا نہ سکوں گی، ان چند ہی ماہ میں فیروز کی محبت پاکر بھول گئی تھی، شاید فیروز کی محبت میں بہت زیادہ طاقت تھی، فیروز نے جب سے مجھے اپنی محبت کے بارے میں بتایا تھا میرے دل میں اس کے لئے خود بخود محبت پیدا ہوگئی تھی میں تو ایاز کو اس لئے پسند

کرتی تھی اور محبت کرتی تھی کہ وہ میرا منگیتر تھا، جبکہ فیروز یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مجھے نہیں پاسکیں گے مجھ سے یہ شدید محبت کرتے تھے اور ان کے شادی سے انکار کی وجہ بھی یہی تھی یعنی میری محبت۔

فیروز نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آخری ملاقات میں قدیر نے کہا تھا۔

''فیروز میں ایاز کو نہ بچا سکا کہ یہی قسمت تھی مگر اب تم سے میری یہ درخواست ہے کہ تم عائشہ سے شادی کرنا'' اور فیروز نے اس آخری ملاقات میں قدیر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھ سے ہی شادی کریں گے اور یہ سب باتیں پرویز بھائی کے سامنے ہی ہوئی تھیں مگر فیروز صرف اس لئے چپ رہے کہ وہ میرے اچھے ہونے کا انتظار کرنا چاہتے تھے مگر جب میں کسی طرح بھی ٹھیک ہونے میں نہ آئی تو انہوں نے فوراً ہی شادی کا فیصلہ کرلیا۔

اور حیرت کی بات تھی ایاز کی بجائے مجھے قدیر زیادہ یاد آتا تھا وہ عظیم انسان اور اداس آنکھوں والا بھائی جو بے گناہ ہوتے ہوئے بھی ماموں خالد کی بے حسی کی بھینٹ چڑھ گیا تھا، بغیر کوئی شکوہ کئے اور مرتے ہوئے بھی اس کو میرا خیال تھا اور محض قدیر کی وجہ سے مجھے اپنی ذات سے نفرت ہوگئی تھی حالانکہ اگر ایک طرف ماموں خالد اس کو پھانسی لگارہے تھے تو دوسری طرف بھائی جان اور فیروز خونی رشتے فراموش کرکے اسے بچانا چاہتے تھے دونوں آرائیں تھے ایک اگر مارنا چاہتا تھا تو دوسرے بچانا چاہتے تھے لیکن وہ کسی کا بھی احسان لئے بغیر اپنی جان دے گیا تھا اور میرا یہ دکھ ایاز کے دکھ سے زیادہ بھاری تھا۔

ہمیں مری میں رہتے ہوئے پانچواں ماہ شروع ہوچکا تھا، میرا جسم پھر سے بھرنے لگا تھا، میرے گالوں کے گلاب پھر سے کھلنے لگے تھے، زندگی مجھے پھر سے پیاری لگنے لگی تھی، فیروز میرا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے سارا دن ہم گھومتے اور شام ہونے پر گھر چلے آتے، فیروز اماں اور رچی وغیرہ کو باقاعدگی سے خط لکھتے تھے میری صحت کے بارے میں اور ان کے خط بھی آتے رہتے تھے جن میں میرے لئے ان کو اور بھی نصیحتیں کی جاتی تھیں جن کو پڑھ کر فیروز مسکراتے اور کہتے۔

''ارے مجھ سے زیادہ کس کو میری بیوی کا خیال ہوسکتا ہے کیوں عائشہ؟''

اور میں بھی مسکرا دیتی۔

ہمارا پروگرام ابھی ستمبر تک وہاں رہنے کا تھا جبکہ فروری میں ہم یہ
آئے تھے، جب برف پہاڑوں پر موجود تھی۔ اس دن ہمیں گھومتے گھومتے دیر ہ
تھی گھر آئے تو دروازہ کھلا تھا۔ فیروز نے حیران ہو کر پہلے دروازے کو پھر
دیکھا اور قبل اس کے کہ وہ اندر داخل ہوتے میں نے بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

’’کہیں چور نہ ہوں۔‘‘

میری بات سن کر فیروز ہنس پڑے اور کہا۔

’’اگر چور آئے بھی ہوئے تو ہمارے انتظار میں ابھی تک اندر بیٹھے ہ
گے۔‘‘

پھر وہ اندر داخل ہوئے تو کمرے کے دروازے پر عذرا کھڑی تھی۔
بھاگ کر اس سے لپٹ گئی جبکہ پرویز بھائی مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے فیروز
مل رہے تھے، عذرا کے بعد میں بھائی جان سے گلے ملی تو آنسو نکل پڑے۔

’’روتے نہیں عائشہ۔‘‘ پرویز بھائی نے مجھے پیار کرتے ہوئے کہا۔

’’اماں ابا ٹھیک ہیں اور چچا، چچی سب لوگ کیسے ہیں۔‘‘ میں نے جلـ
جلدی پوچھا۔

’’سب ٹھیک ہیں بس اگر کبھی پریشان ہوتے بھی تھے تو صرف تمہاری
سے۔‘‘ عذرا نے مجھے پیار کرتے ہوئے کہا۔

’’آپ لوگ اندر کیسے آئے؟‘‘ فیروز پوچھ رہے تھے۔

’’تالا توڑ کر۔‘‘ پرویز بھائی نے ہنستے ہوئے کہا پھر مجھے دیکھتے ہو
بولے۔

’’ہم عائشہ کی وجہ سے پریشان تھے پتہ نہیں اب کیسی ہے، مگر اس وق
عائشہ کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا، شکریہ فیروز۔‘‘ پرویز بھائی نے بھرائی ہوئی آواز
کہا۔

’’کیسی بات کرتے ہو۔‘‘ فیروز نے کہا پھر مجھ سے پوچھا۔

’’ہاں بھئی کھانا بنانے کا موڈ ہے یا۔‘‘

’’عائشہ کو کھانا بنانا آتا ہے؟‘‘ عذرا حیرت سے پوچھنے لگی۔

’’ہاں ان کو ہوٹل کے کھانے پسند نہیں آتے، اس لئے خود بنانا سیکھ لیا
اور بہت اچھا بناتی ہے۔‘‘ وہ میری تعریف کر رہے تھے جبکہ کھانے بنانے میں وہ
مجھ سے زیادہ میری مدد کرتے تھے کہ زندگی نے انہیں تھوڑا تھوڑا باورچی بنا دیا
تھا۔

’’خیر آج اس کی ضرورت نہیں عذرا کھانا بنا چکی ہے‘‘ پرویز بھائی نے کہا
تو عذرا بولی۔

’’آؤ کھانا گرم کریں۔‘‘ میں عذرا کے ساتھ باورچی خانے میں آئی تو
عذرا نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’میرا بھائی کیسا ہے عائشہ تمہارا خیال رکھتا ہے ناں؟‘‘

’’مجھ سے زیادہ میرا خیال رکھتے ہیں اتنا زیادہ کہ ایاز بھول گئی ہوں۔‘‘
میں نے مسکرا کر فخر سے کہا۔

’’خدا اب تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔‘‘ وہ کہہ رہی تھی اور میں ہنس دی کہ
میں خوش ہی تھی بہت خوش کہ میرا افسردہ ہونا فیروز کو پریشان کر دیتا تھا ان پانچ ماہ
میں، میں تھی تنہائی تھی اور فیروز کی بے تحاشہ تھکا دینے والی محبتیں۔

پرویز بھائی اور عذرا صرف ایک ہفتے بعد ہی واپس چلے گئے تھے کہ وہ
جنرل ہاسپٹل میں جاب کر رہے تھے اور لاہور کے سروسز ہاسپٹل میں فیروز کو بھی
جاب مل گئی تھی، ٹھیک پندرہ دن بعد فیروز کو جوائن کرنا تھا، پرویز بھائی کہہ کر گئے
تھے۔

’’اب وقت پر لوٹ آنا۔‘‘

میں تو ان کے ساتھ ہی جانا چاہتی تھی مگر فیروز نے کہا۔’’ ڈیوٹی جوائن
کرنے سے ایک دن پہلے وہ آجائیں گے۔‘‘ اور یوں میں چپ ہو گئی۔

اگست میں ہم واپس لوٹ آئے کہ فیروز کو ڈیوٹی جوائن کرنا تھی۔ چچی، چچا
اور سب گھر والے ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، میں تو چچی کے دل کی خواش تھی
انہوں نے مجھے بہت پیار کیا اور جب ہم سب سے مل چکے تو فیروز نے کہا۔

"چلو اب تمہیں اماں کے پاس لے چلوں۔" اور میں جلدی سے
لے کر کھڑی ہوگئی، چچی بھی ہمارے ساتھ آئی تھیں، اماں جو مجھ سے مل کر بے ا
روئی
نجانے کیوں خود میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تو ابا مجھے گلے لگاتے ہ
بولے۔

"خوشی کے موقع پر رویا نہیں کرتے۔" اور وہ مجھے اپنے پاس لے کر
گئے باتیں ہونے لگیں رات کا کھانا ہم نے اماں کے گھر ہی کھایا اور جب
نے جانے کا اشارہ کیا تو میں نے ان کے قریب آ کر کہا۔

"میں اب چند روز اماں کی طرف رہنا چاہتی ہوں۔"

"جب تک جی چاہے رہنا مگر اس وقت میرے ساتھ چلو صبح لاہور جا
ہوئے میں خود تمہیں چھوڑ جاؤں گا، مگر اس وقت۔" فیروز عذرا کو اپنی طرف ا
دیکھ کر چپ ہوگئے۔

"بھائی جان! اب عائشہ چند دن ادھر رہے گی، تائی اماں اس کی وجہ
بہت اداس ہیں۔" عذرا مجھے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"صبح لاہور جاتے ہوئے چھوڑ جاؤں گا۔" فیروز نے کہا تو میں چادر
کر چچی اور فیروز کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"گھر آئی تو بھابیاں مجھے گھیر کر بیٹھ گئیں وہ سب مجھے چھیڑ رہی تھیں۔

"ہاں بھئی ہمارا دیور، ابو کب بن رہا ہے۔" اور مجھے شرم آ رہی تھی ز
بھابی نے بہت ساری باتیں پوچھنے کے ساتھ ساتھ بہت سی باتیں سمجھائی بھی
جو کہ عملی زندگی کے لئے بہت اہم تھیں ہم نجانے اور کتنی دیر بیٹھتے مگر فیروز
آواز دی۔

"بھابھیو! مہربانی کر کے اس کو چھوڑ دو بے چاری تھک گئی ہوگی۔"

"وہ یا تم۔" فراز کی بیوی نے ہنس کر پوچھا۔

"میں تو ان کا انتظار ساری عمر بھی کرنا پڑے تو نہ تھکوں۔" فیروز نے
کر کہا۔

"اچھا بھئی جاؤ بہت بے تاب ہو رہے ہیں تمہارے وہ" چھوٹی بھابی نے
کہا تو میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی فیروز بستر پر بیٹھے تھے مجھے دیکھتے ہی اٹھ
گئے۔

"مل گئی اجازت؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ چپ نہیں رہ سکتے تھے۔" میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے
مصنوعی انداز سے کہا۔

"صبح مجھے آپ سے جدا ہونا ہے اس لئے آپ کو یہ سارا وقت مجھے دینا
چاہیے۔" فیروز نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"سارا وقت آپ ہی کو تو دیا ہے ان کے پاس تو آج ہی بیٹھی تھی وہ بھی
آپ نے بیٹھنے نہ دیا اب وہ مجھے تنگ کریں گی۔"

"اچھا اب میرے جانے کے بعد ان کی شکایت دور کر دینا۔" فیروز نے
مجھے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"کل تو میں اماں کی طرف چلی جاؤں گی، آپ اب کب آئیں گے؟"
میں نے پوچھا تو فیروز بولے۔

"جب بھی چھٹی ملا کرے گی۔ ویسے میں کوشش کروں گا جلد از جلد گھر
مل جائے کہ تم سے دوری برداشت نہیں ہوگی مجھ سے۔"

"پرویز بھائی کو تو ابھی تک ملا نہیں آپ کو کیسے مل جائے گا۔"

"ارے پرویز نے کوشش ہی نہیں کی ہوگی میری تو پہلی کوشش ہی یہی
ہوگی۔" کہتے ہوئے فیروز نے مجھے بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

اگلی صبح وہ ناشتہ کئے بغیر ہی مجھے پیار کرتے ہوئے چلے گئے کیونکہ چچی
نے کہا تھا۔" اماں کے گھر چھوڑنے وہ مجھے خود لے جائیں گی کہ اتنی صبح ہی جانا
اچھا نہیں ہے۔"

اماں کے گھر آتے ہی وہ پہلے والی خوشگوار زندگی لوٹ آئی، سارا دن میں
اور عذرا باتیں کرتیں۔ اماں بھی ہمارے ساتھ باتوں میں شامل ہوجاتیں یا پھر ایک
دو سہیلیاں جو غیر شادی شدہ تھیں ، اان کے ساتھ نہر پر چلی جاتی، خوب باتیں

ہوتیں، قہقہے لگتے کہ یہی زندگی ہے، وقت ہر زخم کا مرہم خود ہے ورنہ زندگی عذ
بن جاتی کسی کی جدائی کا خدا اگر زخم دیتا ہے تو اس کو بھرتا بھی خود ہے میرا بھی
والا زخم بھر چکا تھا، اب یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی مجھے بہت اچھی لگتی تھیں اور
خوش دیکھ کر اماں بھی خوش ہوگئی تھیں اور ابا بھی۔ عذرا مجھے پہلے سے بھی زیادہ
کرنے لگی تھی۔

وہ جمعرات کا دن تھا میں عذرا کے پاس بیٹھی تھی اور وہ پوچھ رہی تھی۔

"عائشہ! مجھے مامی کب بنا رہی ہو، پھپھو اس لئے نہیں کہا کہ وہ میں پہلے ہی بن چکی ہوں، اب تو پرویز کی بیوی ہونے کے ناطے مجھے مامی کہلا کا زیادہ شوق ہے۔" اس کی بات سن کر میں چپ رہی تو عذرا نے کہا۔

"بولتیں کیوں نہیں کب سنا رہی ہو یہ خوشخبری؟"

"جب اللہ کو منظور ہوگا۔ تم اپنی سناؤ اتنے سالوں سے کیا کر رہی ہو، پھپھو کہنے والا کب آئے گا؟" میں نے خود کو بچا کر اس پر جوابی وار کیا۔

"ٹھیک آٹھ ماہ بعد۔" عذرا نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"کیا واقعی؟" میں مارے خوشی کے اچھل پڑی پھر اماں کو مبارکباد اٹھی تو خود ہی چکر کھا کر بیٹھ گئی، اور عذرا گھبرا کر مجھ پر ایک ساتھ جھکیں۔

"کیا ہوا عائشہ......ارے کیا ہوا؟"

"پتہ نہیں اماں۔ میں نے ابکائیاں لیتے ہوئے کہا اور غسل خانے بھاگ گئی قے کرنے کے باوجود متلیاں آرہی تھیں، رنگ ایک دم زرد ہوگیا تھا مجھے تھام کر باہر لائی تو اماں نے مجھے سینے لگاتے ہوئے کہا۔

"خدا نے بڑی رحمت کی، کہاں تو میں عائشہ کی زندگی سے مایوس جبکہ اب میں عائشہ کے بچے بھی کھلاؤں گی، میرے مولا نے بڑا کرم کیا ہے جو میں نانی اور دادی دونوں رشتوں کو پا رہی ہوں۔" میں حیران سی اماں کی بات رہی تھی جبکہ عذرا میرے سامنے کھڑی مجھے شرارت سے دیکھ رہی تھی۔

"یوں کیا دیکھ رہی ہو؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے عذرا سے پوچھا۔

"نانی کا مطلب اگر تم نہیں سمجھتی ہو تو یہ بتادوں میں مامی بنے

ہوں"

"ہائے نہیں۔" میں نے اماں کے سینے میں منہ چھپالیا مگر وہ باز نہ آئی۔

"مبارک ہو عائشہ یہ خوشی۔" وہ کہہ رہی تھی اور ماں کشور اور نوری کو آوازیں دے رہی تھی۔

"جاؤ صدقے کے لئے اناج لاؤ اور عائشہ کا ہاتھ لگوا کر بانٹ دو۔ کشور ور نوری، عذرا کی اماں کو بھی گڑ دے آؤ اور بلا کر بھی لاؤ۔"

"جی" کہتے ہوئے نوری باہر نکل گئی میں ابھی اناج کو ہاتھ لگا رہی تھی کہ رویز اور فیروز اندر داخل ہوئے۔ حیرت سے مجھے دیکھا اور پرویز بھائی نے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے اماں؟"

اماں کے ہونٹ مارے خوشی کے کپکپا رہے تھے مگر میری وجہ سے چپ تھیں، عذرا پرویز بھائی کو اشارے سے اندر لے گئی جبکہ فیروز نے اماں سے کہا۔

"تائی اماں! آپ اجازت دیں تو عائشہ کو لے جاؤں؟"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔" اماں نے مجھے الگ کرتے ہوئے میرا منہ چوم یا اور میں عذرا کے باہر آتے ہی چادر لے کر فیروز کے ساتھ باہر نکل آئی اور راستے میں چچی ملیں اور پوچھا۔

"کیا بات ہے مجیدہ نے گڑ بھیجا ہے اور مجھے بلایا بھی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" کہہ کر میں آگے بڑھ آئی کہ ان کو بتاتے ہوئے مجھے شرم آتی تھی اور پھر ساتھ فیروز بھی تو تھے، چچی تو میرا جواب سن کر آگے چلی گئیں جبکہ فیروز بغور مجھے دیکھنے لگے تھے مگر چپ رہے۔

گھر پہنچی تو فیروز مجھے لئے سیدھے کمرے میں چلے آئے پھر پوچھا۔

"کیا بات تھی عائشہ، تائی اماں نے گڑ کیوں بھیجا اور اماں کو بلایا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" مجھے شرم آرہی تھی، فیروز بغور میرے چہرے کو دیکھ رہے تھے دونوں ہاتھوں میں میرا چہرا تھام کر پوچھا۔

"میری قسم بتاؤ نا، کیا بات تھی؟" انہوں نے یوں پوچھا جیسے کچھ کچھ سمجھتے ہوں، میں نے ان کے بازو سے لگتے ہوئے کہا۔

”چچی آئیں گی تو ان سے پوچھ لی جیئے گا“ میں نے شرماتے ہوئے
”چچی سے کیوں تم سے نہ پوچھوں۔“ انہوں نے میرا چہرہ اوپر کیا
بتاؤ کیا بات ہے؟“
”وہ اماں کہتی ہیں وہ نانی بننے والی......“ مارے شرم کے میں بات
نہ کرسکی اور فیروز مارے خوشی کے ہنس دیئے پھر بولے۔
”بے وقوف اتنی دور گئی ہو سیدھی طرح یہ نہیں کہہ سکتی تھیں کہ میں
بن رہا ہوں اور تم ماں۔“
”ہش۔“ میں نے ان کے سینے میں منہ چھپالیا تو فیروز نے میرا چہرہ
کرتے ہوئے کہا۔
”کل تو چھٹی ہے پرسوں تم میرے ساتھ چلنا لاہور ڈاکٹر کو دکھانے۔“
”میں نہیں جاؤں گی۔“ میں نے صاف انکار کردیا۔
”مگر کیوں نہیں جاؤ گی۔“ وہ مجھ پر جھکے پوچھ رہے تھے۔
”بس نہیں جاؤں گی، مجھے شرم آتی ہے“ میں نے کہا تب ہی شاید باہر
آگئی تھیں کیونکہ ایک دم شور سا مچ گیا تھا پھر چچی میرے کمرے میں داخل ہوئیں
مجھے گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔
”خدا یہ خوشی مجھے دکھا رہا ہے اس کی بڑی مہربانی ہے۔“ پھر انہوں
فیروز سے کہا۔ ”جب یہ پیدا ہوئی تھی تب ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ اس کو
دلہن بناؤں گی، مگر مجیدہ نے یہ بات پسند نہ کی تھی مگر دیکھ لو ہوتا وہی ہے جو
میں لکھا ہو، بالآخر یہ میری بہو بن گئی اور اب پوتے کی ماں بن رہی ہے“۔
ماں کی بات پر فیروز گھبرا کر مجھے دیکھنے آئے کہ بھلا مجھ پر ان کی بات
کیا اثر ہوا ہے مگر میرا چہرہ اس خوشی کے موقع پر دردناک ماضی میں جھانکنا
چاہتا تھا، میرے لب مسکرا رہے تھے یہ دیکھ کر فیروز مسکرادیئے پھر بھابیاں بھی
چلی آئیں اور فیروز سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع ہوگیا جبکہ میں خود ایک طرف
بیٹھی ان کی نوک جھونک سن کر مسکراتی رہی۔
فیروز نے بہت کوشش کی تھی کہ مجھے ساتھ لاہور لے جائیں ڈاکٹر

یک اپ کیلئے مگر میں نہ مانی اور چچی نے بھی کہہ دیا۔
”ارے کبھی ہم نے ڈاکٹر کو دکھایا تھا جو تو اس کو دکھانا چاہتا ہے۔“ فیروز
نے پھر بھی اصرار کیا تو چچی نے کہا۔
”دیکھو وہ خود بھی جانا نہیں چاہتی، تم اپنا وقت برباد نہ کرو۔“ اور فیروز یہ
سن کر چپ چاپ چلے گئے اور مجھے احتیاط کرنے کی تاکید کر گئے۔
ان کے جانے کے بعد میں تھی اور میری ناز برداریاں چچی تو کیا سب
بھابیاں بھی میرا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں مجھے یقین نہیں آتا تھا اپنی خوش قسمتی پر۔
پیار تو ہمیشہ ہی سب نے مجھے بہت زیادہ کیا تھا مگر اب کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔
میرے ذرا سے نہ کھانے پر بھی سب یوں پریشان ہوجاتے۔ پتہ نہیں کیا ہوگیا ہوا
اماں اور عذرا بھی روز میری خیریت معلوم کرنے آتی تھیں حالانکہ عذرا خود بھی ماں
بننے والی تھی اور میری اماں اس کا خیال ویسے ہی رکھ رہی تھی جیسے چچی میرا رکھتی تھی
کہ وہ تو ویسے بھی ان کے اکلوتے بیٹے کی بیوی تھی سارا پیار اسی کے واسطے تھا۔
دونوں گھروں میں خدا نے خوشیاں ہی خوشیاں بکھیر دی تھیں۔ سب خوش تھے۔ اماں
بھی ایاز کو بھول چکی تھیں انہوں نے میرے سامنے اب کبھی ایاز کا ذکر نہ کیا تھا۔
ایک ہفتہ یوں گزرا کہ مجھے پتہ بھی نہ چل سکا، معلوم ہوا تو اس وقت
میں اپنے کمرے میں لیٹی بچوں کا ایک رسالہ دیکھ رہی تھی کہ فیروز کمرے میں
داخل ہوئے ہاتھ میں پکڑا بیگ ایک طرف رکھتے ہوئے وہ سیدھے میری طرف
آئے اور مجھے بانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے پوچھا۔
”کیسی ہو عائشہ؟“
”ٹھیک ہوں۔“ میں نے شرماتے ہوئے کہا۔
”اور وہ کیسا ہے؟“ انہوں نے شوخی سے پوچھا۔
میں شرما گئی جواب دینا تو دور کی بات ان کی طرف دیکھ بھی نہ سکی تب
ہی زبیدہ بھابی اندر چلی آئیں اور فیروز کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
”تمہارے بھائی نے بلایا ہے کہتا تھا آتے ہی بھیج دیں۔“
”کام کیا ہے؟“ فیروز کا شاید جانے کا موڈ نہیں تھا۔

"یہ تو ان کو ہی پتہ ہوگا۔" بھابی نے کہا تو فیروز فوراً چلے گئے، پھر وا وقت آئے، مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں ان کے آنے سے پہلے ہی بغیر کھانا کھا سوگئی تھی کہ آج کل پھر مجھے نیند کچھ زیادہ ہی آنے لگی تھی، اب پھر میری یہ عا بن گئی تھی کہ سارا وقت کھاتے رہنا یا پھر سوتے رہنا اور چچی کہہ رہی تھیں۔

"یہ سب بچے کی وجہ سے ہے۔" میں چاہے سارا دن سوتی رہتی مگر میں سے کبھی کسی نے مجھے جگایا نہ تھا یہی وجہ ہے میں فیروز کے آنے سے پہلے سوگئی تھی اور میرے آرام کے خیال سے انہوں نے بھی مجھے نہ اٹھایا تھا۔

صبح آنکھ کھلی تو فیروز بھی سو رہے تھے میں اٹھ کر باہر آئی تو نصرت مجھے بتایا۔

"مبارک ہو فیروز کو گھر مل گیا ہے۔"

"کیا اتنی جلدی مل گیا؟" میں نے کھلے بالوں کو لپیٹتے ہوئے اس دیکھا۔

"کیوں کیا فیروز نے تمہیں نہیں بتایا؟" نصرت بھی پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں وہ فیاض بھائی کے پاس گئے تھے پھر پتہ نہیں کب وا آئے۔ میں تو سو رہی تھی۔" میں نے انہیں بتایا۔

"اچھا تو یہ بات ہے جبھی تمہیں پتہ نہیں چلا کہ امی فیروز کو اجازت نہ دے رہی تمہیں ساتھ لے جانے کی۔" اس نے سرگوشی میں بتایا۔

"کیوں بھلا؟" میں نے حیرانی سے پوچھا وہ جواب میں پتہ نہیں کیا چاہتی تھیں کہ فراز بھائی نے آواز دی اور وہ ان کی طرف چلی گئی جبکہ میں چچی پاس بیٹھ گئی۔ وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں پڑھنے کے بعد بولیں۔

"کچھ تم ہی اس کو سمجھاؤ میری تو وہ کوئی بات نہیں مانتا۔"

"کیا سمجھاؤں؟" میں انجان بنتے ہوئے بولی حالانکہ نصرت بھابی بتا چکی تھی ساری بات۔

"وہ تمہیں اپنے ساتھ شہر لے جانا چاہتا ہے۔" چچی نے ابھی اتنا ہی تھا کہ زبیدہ بھابی کا چھوٹا بیٹا بھاگتا ہوا آیا اور میرا آنچل پکڑ کر بولا۔

"چچی جی...... چچی جی، چچا بلا رہے ہیں۔" اور میں چچی کی بات کا کوئی جواب دئے بغیر ہی اٹھ کر کمرے میں آئی تو فیروز اٹھ چکے تھے مجھے دیکھتے ہی بولے۔

"شام سے پہلے تم میرے ساتھ لاہور چل رہی ہو، گھر مل گیا ہے اب کسی بھابی کو ساتھ لگا کر ضروری پیکنگ کرلو پھر ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔"

"مگر چچی جان تو کہہ رہی ہیں مجھے......"

"ان کی بات چھوڑو جانے کی تیاری کرو بلکہ میں خود بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔" فیروز نے کہا اتنے میں چچی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا تھا۔ یہ تمہارے ساتھ لاہور نہیں جائے گی۔"

"امی آپ خواہ مخواہ فکر کرتی ہیں وہاں میں تو ہوں عائشہ کے پاس اور پھر خدانخواستہ اگر عائشہ کی طبیعت خراب ہوجائے تو قصور لے جانے تک تو یہ ویسے ہی ختم ہوجائے گی اور گھر پر میں ڈلوری کے حق میں نہیں ہوں۔ اس طرح جان بھی جاسکتی ہے یا......"

"ارے باقی عورتوں کے بھی تو یہاں ہی بچے ہوتے ہیں، میں نے تمہیں بھی گھر پر ہی جنم دیا تھا۔" چچی نے کہا تو مجھے ہنسی آگئی مگر فیروز بولے۔

"وہ اور زمانے تھے امی آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں عائشہ کے لئے میں تو ہوں اس کے پاس آپ سے زیادہ خیال رکھوں گا۔"

"ارے تم مرد ہو تمہیں کیا معلوم عورت کو کیسے سنبھالتے ہیں خاص کر اس حالت میں۔" چچی نے غصے سے کہا۔

اب کے فیروز مسکرانے لگے پھر کہا۔" امی جان میں ڈاکٹر بھی تو ہوں آپ سے زیادہ اچھی طرح دیکھ بھال کروں گا۔ عائشہ کو آپ خوشی خوشی اجازت دیں۔"

پھر چچی کے علاوہ بھی سب نے سمجھایا مگر فیروز نہ مانے اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ فی الحال میں نوری کو ساتھ لے جاؤں اور میں نے نوری کو ساتھ لے لیا

مگر چچی کی فکر دور نہ ہوئی انہوں نے فیروز کو میرے لئے سو نصیحتیں کیں، اماں
بھی بہت کچھ کہا اور ہم لاہور آ گئے۔

دو کمروں کا چھوٹا سا مگر صاف ستھرا گھر تھا۔ میں تو آتے ہی ایک ط
چارپائی ڈال کر لیٹ گئی جبکہ رات ہونے تک نوری اور فیروز نے مل کر بڑ
قرینے سے سارا سامان لگا دیا تھا جبکہ میں شور سے بے پرواہ بڑے آرام سے
رہی تھی کام سے فارغ ہو کر فیروز نے ہی مجھے جگایا تھا۔

''کیا ہے؟'' میری طبیعت پر سونے کے باوجود سستی چھا رہی تھی۔

''اب اٹھ جاؤ رات ہو رہی ہے، سونا ہی ہے تو اندر چل کر سو جاؤ۔''

''سامان لگ گیا؟'' میں نے آنکھیں کھول کر حیرت سے پوچھا۔

''جی جناب۔'' فیروز نے کہا اور مجھے اٹھا کر اندر آتے ہوئے بولے۔

''اب تم کمرے کو دیکھو اور نوری سے باتیں کرو میں تب تک کھانا لے
آتا ہوں، بے چاری کام کر کر کے تھک چکی ہے، اب کہاں کھانا بناتی پھرے گی
اور چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے کمرے پر ایک نظر ڈالی۔ ایک دیوار
ساتھ پلنگ تھا، دوسری کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل اور دو کرسیاں، یہ تھا کل سامان
میں زیادہ دیر کھڑی نہ رہ سکی اور پلنگ پر بیٹھ گئی تو نوری مسکراتی ہوئی آئی۔

''سب ٹھیک ہے ناں؟'' وہ پوچھ رہی تھی اور میں نے منہ سے کچھ ک
کی بجائے سر ہلا دیا اور پھر لیٹ گئی۔ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی، فیروز کھا
لے کر آئے تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا کہ دل نہیں چاہ رہا تھا مگر فیروز
زبردستی اصرار کر کے مجھے کھانا کھلایا اور پھر اس کا نتیجہ ساری رات بھگتنا رہا۔ سار
رات مجھے قے ہوتی رہی اور درد بھی اور فیروز پریشان سا مجھے سنبھالتا رہا اور نو
کہتی رہی۔

''اسی لئے چچی جان آنے نہیں دیتی تھیں۔'' فیروز چپ چاپ میری باتیں
سنتے پھر کہتے۔

''عائشہ تم نہیں جانتیں تمہارے بغیر یہ دو ہفتے میں نے کیسے گزارے ہیں

نہیں برداشت ہوتی اب مجھ سے تمہاری جدائی پھر کیسے امی کی بات مان لیتا۔''

صبح کے قریب جا کر کہیں میری آنکھ لگی اور جب آنکھ کھلی تو فیروز ہاسپٹل
جا چکے تھے، نوری میرے ہی کمرے میں موجود ایک کرسی پر بیٹھی تھی مجھے اٹھتے دیکھ
کر میرے قریب آئی اور کہا۔

''اب جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جائیں بھائی صاحب آپ کو لینے آنے ہی
والے ہیں۔''

''کیوں بھلا؟'' میں نے پوچھا مگر نوری جواب دینے کی بجائے میرے
کپڑے نکالنے لگی اور میں بھی اٹھ گئی، ابھی میں پوری طرح تیار بھی نہ ہوئی تھی کہ
فیروز آ گئے۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری رات تو بہت پریشان کیا؟'' وہ میرا ہاتھ
پکڑتے ہوئے بولے۔

''اسی لئے تو چچی کہتی تھیں مجھے گاؤں چھوڑ دیں اب اپنی ضد کا نتیجہ دیکھ
لیا۔''

''تم یا تمہاری چچی ڈاکٹر نہیں ہو، چلو میرے ساتھ ہاسپٹل۔'' اور میرے
لاکھ انکار کرنے کے باوجود وہ مجھے ہاسپٹل لے گئے ڈاکٹر نے کوئی انوکھی بات نہ
بتائی تھی وہی باتیں تھیں جو چچی اور بھابیاں مجھ سے کہتی تھیں، ہاں انہوں نے کچھ
ٹانک وغیرہ لکھ دیے تھے اور فیروز سے الگ بلا کر بھی کچھ باتیں کہی تھیں۔

گھر واپس آنے کے بعد فیروز پھر ڈیوٹی پر نہ گئے تھے میری وجہ سے،
حالانکہ میں نے ان کو واپس جانے کا کہا تھا مگر وہ بولے۔

''چھوڑو ڈیئر ساری زندگی ڈیوٹی ہی دینی ہے، آج کل تمہاری ڈیوٹی
دے لوں تو کیا حرج ہے۔''

وہ جو کہتے ہیں کہ ''میرا گھر میری جنت'' تو میرا گھر ایسا ہی تھا، میں تھی
فیروز کی محبت اور نوری کی خدمت تھی، ایک جمعہ ہم خود گاؤں ملنے چلے جاتے اور
ایک جمعہ گاؤں والے مجھ سے ملنے آ جاتے، پرویز بھائی اب اکیلے ہی ہاسپٹل میں
رہتے تھے خیال تھا عذرا کو ڈلیوری سے فارغ ہونے کے بعد لاہور لائیں گے۔ میں

نے اور فیروز نے بہت کہا تھا کہ جب تک عذرا نہیں آجاتی آپ ہمارے
ہیں۔ دن رات یوں گزر رہے تھے جیسے اڑ رہے ہوں عذرا اماں کے گھر سے
کے مطابق ڈلیوری سے تین مہینے پہلے ہی چچی کے گھر چلی گئی تھی اور اب آج
میں وہ خوشخبری سنانے والی تھی۔ رسم کے مطابق اماں بھی مجھے اپنے گھر لے
جانا چاہتی تھیں مگر فیروز نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں ہاسپٹل میں کارڈ بنوا چکا ہوں' اب کیس ہاسپٹل میں ہوگا۔'' ان
انکار کے باوجود اماں نے اپنا مطالبہ ترک نہیں کیا تھا وہ چچی سے خفا ہونے لگی
کہ خود تو رسم کے مطابق بیٹی کو لے گئی ہے مگر میری بیٹی نہیں بھیجی۔ چچی، اما
باتوں سے تنگ آکر لاہور آئی تھیں۔ فیروز کو بہت سمجھایا تھا کہ وہ مان جائے
مجھے بھیج دے مگر فیروز نہ مانے تو چچی نے کہا۔

''تم نے انوکھی شادی کی ہے۔ مجھے بے عزت کرواتے ہو، اب خو
سے بات کروا یا عائشہ سے کہو وہ خود اپنی اماں کو سمجھائے، بہت خفا ہیں وہ۔'' او
چچی خود بھی فیروز سے خفا ہو کر چلی گئیں، چچی کے جانے کے بعد میں نے کہا۔

''آخر آپ مان کیوں نہیں جاتے کیوں ضد لگا رکھی ہے؟'' فیروز نے
دیکھا دیر تک دیکھتے رہے پھر کہا۔

''میرا دل نہیں مانتا تو کیسے بھیج دوں، اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی
گاؤں میں کسی اچھی ڈاکٹر کا ملنا ناممکن ہے اور قصور لے جاتے ہوئے...... پلیز
تم تو ان سب جیسی باتیں نہ کرو۔'' اور میں چپ ہوگئی مگر جب اماں، ابا کے
مجھے لینے آئیں تو میں نے فیروز سے کہا۔

''اب میں نہیں رکوں گی اگر اب آپ نے انکار کیا تو اماں سخت خفا
گی۔''

''عائشہ! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں تمہیں خود سے دور کرنا میری بردا
سے باہر ہے۔''

''صرف ڈھائی ماہ کی بات ہے''میں نے کہا۔

''صرف ڈھائی مہینے کی بات کرتی ہو، میں تمہاری ڈھائی دن کی جدائی بھی

برداشت نہیں کرسکتا۔'' مجھے فیروز کی ان باتوں سے خوف آنے لگا تو میں نے کہا۔

''لوگ کہتے ہیں زیادہ پیارا اچھا نہیں ہوتا آپ مجھ سے اتنی محبت نہ
کریں۔''

''کیوں عائشہ کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟'' انہوں نے اپنے ہاتھ
سے میرا چہرہ اوپر کرتے ہوئے پوچھا تو میں نے ان کے سینے میں منہ چھپاتے
ہوئے کہا۔

''مجھے بھی آپ سے بہت زیادہ محبت ہے۔''میں نے پہلی بار اپنے منہ
سے اعتراف کیا۔

فیروز نے میری بات سن کر میرے گرد بازو لپیٹتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں
جیسے اسی بات نے ان کو بہت سکون دیا ہو، کچھ دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولتے
ہوئے پوچھا۔

''عائشہ! اب ایک بات اور بتاؤ کیا تم اماں کیساتھ گاؤں جانا چاہتی ہو۔''

''نہیں۔'' میں نے شرماتے ہوئے کہا۔

''لیکن اماں مانیں تو...... اگر میں ان کے ساتھ نہ گئی تو وہ سخت خفا ہوں
گی اور میں ان کی خفگی نہیں دیکھ سکتی آخر وہ میری ماں ہیں۔''

''کتنی دیر، ارے جب نیا مہمان آئے گا تو وہ خود ہی مان جائیں گی۔
بس میں تو تمہاری وجہ سے زیادہ کھل کر نہیں کہہ رہا تھا لیکن اب آؤ......اب ایک بار
پھر ان کو سمجھائیں۔'' فیروز نے کہا۔

ہم دونوں باہر آئے تو اماں، ابا کے ساتھ صحن میں بیٹھی تھی پاس نوری بھی
تھی اماں نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔

''عائشہ اب چلنے کی تیاری کرو، گاؤں جاتے جاتے پھر بھی شام ہوجائے
گی۔'' میں نے فیروز کو دیکھا اور وہ بولے۔

''تائی اماں! میں یہاں عائشہ کا کارڈ بنوا چکا ہوں، اب اس کا
جانا......'' مگر اماں نے فیروز کی بات کاٹ دی۔

''میرے ساتھ بہانے بازی نہ کرو، سیدھی طرح بتاؤ بھیج رہے ہو یا

نہیں۔'' اماں نے غصے سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ ہی تایا ابا اماں جان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔'' فیروز نے پریشانی سے کہا۔

''وہ کیوں سمجھائیں میں کوئی غلط کررہی ہوں۔ تم بتاؤ مجھے۔'' اماں سخت غصے میں تھیں اور میں چپ تھی۔

''تائی اماں! عائشہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی مجبوری ہے۔'' فیروز نے بالآخر کہہ دیا اور اس کی بات سن کر اماں کھڑی ہوگئیں۔

''ٹھیک ہے اب میں بھی یہاں ایک پل نہیں رکوں گی۔'' اماں نے ابا کو اشارہ کیا وہ بھی کھڑے ہوگئے تو میں نے کہا۔

''اماں اب آئی ہو تو رہو میرے پاس۔''

''نہیں جب تمہیں گاؤں جانا منظور نہیں تو مجھے بھی یہاں نہیں رہنا۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھیں تو فیروز نے کہا۔

''ابھی میں آپ کو جانے نہیں دوں گا، کل جمعہ ہے میں آپ کو خو[د] چھوڑنے جاؤں گا۔''

''مہربانی۔'' اماں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''عذرا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہمیں آج ہی گاؤں جانا ہے مگر پہلے ہاسپٹل جائیں گے پرویز کو ملنے بلکہ اس [کو] ساتھ لے کر گاؤں جائیں گے۔''

''اوہ۔'' فیروز نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی پھر کہا۔ ''پرویز [نے] ہاسپٹل کے بعد اپنے ایک پروفیسر کے ساتھ کلینک جانا شروع کردیا ہے اور وہ پان[چ] بجے نکل جاتا ہے اب چار بج رہے ہیں چلیں میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔''

''ہم خود ہی چلے جائیں گے۔'' اماں نے غصے سے کہا تو بہت عرصے بعد میں نے پرانا گر آزماتے ہوئے رونا شروع کردیا، اماں جو دروازے سے باہر نکل رہی تھیں، پلٹ پڑیں اور مجھے گلے لگالیا، فیروز یہ دیکھ کر مسکرادیئے اور اماں نے مجھے منہ چوم کر پیار کرتے ہوئے فیروز سے کہا۔

''اب تو میں تمہاری بات مان ہی رہی ہوں مگر بچے کی پیدائش کے بعد

میں اس کو لے جاؤں گی اور پورے تین مہینے اپنے پاس رکھوں گی۔''

''تین کی بجائے چھ مہینے رکھ لیجئے گا، میری طرف سے پوری اجازت ہوگی۔'' فیروز نے مجھے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے کہا تو ان کی شرارت سمجھ کر میں بھی مسکرادی، پھر ہم دونوں اماں کو چھوڑنے پرویز بھائی کی طرف آئے، فیروز اپنے دوست کی گاڑی مانگ لائے تھے، اماں اور میں پیچھے بیٹھ گئے جبکہ ابا آگے فیروز کے ساتھ بیٹھ گئے ہنستے مسکراتے ہم دروازے میں کھڑی نوری کو دروازہ بند کرنے کا کہتے ہوئے پرویز بھائی کی طرف روانہ ہوئے اماں بتارہی تھیں۔

''عذرا کی بس آج کل کی بات ہے وہ فارغ ہوجائے گی اور جب وہ پندرھویں نہائے گی تو میں یہاں تمہارے پاس آجاؤں گی۔'' میں بڑے انہماک سے ان کی باتیں سن رہی تھی کہ بس اچانک ہی ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا میرے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی پھریوں لگا جیسے بہت سارے انگارے کسی نے میرے بدن میں اتاردیئے ہوں میں نے فیروز کی طرف دیکھا وہ مڑ کر مجھے دیکھنے آئے تھے، بس یہی آخری منظر تھا جو میں نے دیکھا پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا......

☆☆☆

ہوش آیا تو میں ہاسپٹل کے بیڈ پر تھی اور میرے اردگرد پرویز، فراز اور ریاض بھائی کھڑے تھے مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر پرویز بھائی جلدی سے میرے اوپر جھک آئے اور بولے۔

''شکر ہے تمہیں ہوش آیا ورنہ تم نے تو ہمیں ڈرا کر ہی رکھ دیا تھا۔''

میں کچھ بھی نہ کہہ سکی بس خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی اور اپنے اسپتال آنے کی وجہ سوچتی رہی اور پھر جیسے ہی صورت حال سمجھنے کے قابل ہوئی تب مجھے یاد آیا ہم پرویز بھائی کی طرف جارہے تھے کہ اچانک دھماکہ ہوا تھا اور فیروز مجھے دیکھنے آئے تھے پھر...... پھر کیا ہوا۔

''بھائی جان! اماں ابا؟'' میں نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''وہ دونوں گاؤں چلے گئے ہیں۔'' پرویز بھائی نے مجھے دوبارہ لٹاتے ہوئے کہا۔

"اور......اور فیروز؟" میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

"وہ زخمی ہے اور جنرل ہاسپٹل میں ہے۔" فراز بھائی نے بتایا۔

"کیا وہ زخمی ہیں؟" میں نے پھر اٹھنے کی کوشش کی تو اچانک مجھے اپ
جسمانی حالت کا احساس ہوا میں نے گھبرا کر خود کو دیکھا پھر سامنے کھڑے
فراز، ریاض اور پرویز بھائی کو...... اس وقت اپنے گھر کی کوئی عورت وہاں نہیں تھ
جس سے میں پوچھتی کہ میرا بچہ کہاں ہے؟ مجھے میرے بچے کا بتاؤ اس کا کیا ہوا
اس کی پیدائش میں تو ابھی ایک ماہ باقی تھا۔

پرویز بھائی شاید میری کیفیت سمجھ گئے تھے۔ ڈاکٹر جو تھے اس۔
اچانک ہی کمرے سے نکل گئے اور تھوڑی دیر بعد جب واپس آئے تو ان
ہاتھوں میں ایک ننھا سا وجود تھا اور ساتھ لیڈی ڈاکٹر اور نرس بھی تھیں۔ بھائی
بچہ مجھے دیتے ہوئے کہا۔

"عائشہ تمہارا ننھا مہمان دیکھو تو کتنا پیارا ہے۔" اور میں شرما گئی۔

بھائی جان بچہ میری گود میں ڈال کر باہر نکل گئے اور ان کے ساتھ
فراز اور ریاض بھائی بھی، میں نے غور سے اپنے بیٹے کو دیکھا بالکل فیروز کی
تھی میں نے جھک کر اسے چوم لیا اور اسی وقت نرس نے بچہ مجھ سے لے ل
ڈاکٹر نے کہا۔

"بڑے آپریشن کے ذریعے تمہارے بچے کی جان بچائی گئی ہے ا
تمہیں نہیں ملے گا۔ تمہیں ابھی مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"تمہارے ٹانکے لگے ہوئے ہیں۔ ان کے ٹھیک ہونے میں اب
پندرہ روز مزید لگیں گے۔" ڈاکٹر نے مجھے چیک کرتے ہوئے کہا

"لیکن ڈاکٹر میرا بچہ بے شک مجھے نہ دیں مگر اس کمرے میں تو ر
میں نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہا۔

"ہاں، ہاں یہیں تمہارے پاس کھاٹ میں رہے گا۔" ڈاکٹر نے
نرس نے بچہ میرے بیڈ کے قریب رکھے جھولے میں ڈال دیا پھر وہ دونوں

تو میں بچے کو دیکھتے ہوئے فیروز کے بارے میں سوچنے لگی۔

"کیا ان کو ان لوگوں نے بچے کا بتا دیا ہوگا اور وہ کتنا خوش ہوئے ہوں
گے بیٹے کی خبر پا کر۔ لیکن وہ تو زخمی ہیں اور میں نے بھائی جان سے یہ تو پوچھا ہی
نہیں کہ کیا وہ بہت زیادہ زخمی ہوں گے ورنہ مجھے اس حالت میں کبھی اکیلے نہ
چھوڑتے اور اماں کو دیکھو وہ بھی مجھے اس حالت میں اکیلی چھوڑ کر گاؤں چلی گئیں۔

"کیا سوچ رہی ہو عائشہ؟" پرویز بھائی پھر چلے آئے۔

"بھائی جان، کیا وہ بہت زیادہ زخمی ہیں؟" میں نے پوچھ ہی لیا کہ دل
کچھ، کچھ بے چین ہونے لگا تھا۔

"بہت زیادہ تو نہیں مگر دماغ میں چوٹ لگی ہے اسی لئے احتیاط کے طور
پر ڈاکٹروں نے ابھی اس کو بے ہوش کر رکھا ہے۔" پرویز بھائی نے منے کو دیکھتے
ہوئے بتایا۔

"بھائی جان! ہوا کیا تھا؟ مطلب یہ حادثہ کیسے ہوا یہ تو بتایئے ہم تو ٹھیک
ٹھاک آپ کی طرف آ رہے تھے بس اچانک ہی دھماکہ ہوا اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ
رہا۔"

"تخریب کاری، بم بلاسٹ ہوا تھا۔ تم لوگوں کے ساتھ جو گاڑی جا رہی تھی
اس میں، اس گاڑی میں سوار تو تمام افراد ہی ہلاک ہو گئے اور آس پاس جانے
والی گاڑیوں کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ کافی لوگ زخمی ہوئے اور کچھ مر بھی گئے۔"

"بھائی جان اماں، ابا تو ٹھیک رہے نا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں وہ ٹھیک ہیں" پرویز بھائی نے آہستہ سے کہا۔

"اماں کو میرا پتہ نہیں تھا کہ میں یہاں ہوں؟" میں نے پھر پوچھا۔

"اماں ابھی کل ہی تمہیں دیکھ کر گئی ہیں۔ تمہاری بھابی جان کی طبیعت
کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔ اماں، ابا اس کی وجہ سے گاؤں میں ہیں......"

"اور آپ کیوں نہیں گئے آپ کو بھی جانا چاہیئے تھا؟" میں نے عذرا کی
حالت کا سوچتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی گڑیا بہن کی وجہ سے یہاں ہوں" پرویز بھائی مسکرائے۔

"اب تو میں ٹھیک ہوں اب آپ بھی چلے جائیں۔" میں نے مشورہ دیا
"جو حکم۔" بھائی جان نے کہا پھر مسکرا کر منے کو پیار کرتے ہوئے چ
گئے تاہم جاتے ہوئے کہہ گئے۔

"فراز یہاں تمہارے پاس رہے گا اور ریاض جنرل ہاسپٹل میں فی
کے پاس۔"

"بھائی جان کے جانے کے بعد میں بچے کو دیکھنے لگی۔ فیروز نے کہا کہ عائشہ ہم اپنے بیٹے کا نام ایاز رکھیں گے۔" یہ شاید میری ایاز سے سابقہ محبت وجہ سے کہہ رہے تھے۔ مگر میں نے ان کی بات سن کر کہا تھا۔

"ہم اپنے بیٹے کا نام ایاز نہیں قدیر رکھیں گے۔"

فیروز چونک کر مجھے دیکھنے لگے تو میں نے کہا تھا۔

"یہ تو حیرت کی بات لیکن یہ سچ ہے کہ میں ایاز کو بھول چکی ہوں قدیر کو نہیں بھول سکی وہ بیگناہ میرا بھائی جو ماموں کی سفا کی کی وجہ سے پھانسی چ گیا میں اس کو نہیں بھول سکتی۔" میری آنکھیں پرنم ہوگئیں تو فیروز نے مجھے خود لگا لیا کہ قدیر کی موت کا سوگ میں نے بہن بن کر ہی منایا تھا اور اب بھی وہ جب یاد آتا تھا تو میری آنکھیں نم ہوجاتی تھیں۔

"ٹھیک ہے بھئی ہم اپنے بیٹے کا نام قدیر ہی رکھیں گے لیکن عائشہ اگر ہوئی تو پھر؟" وہ شرارت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے، جانتے تھے میں بیٹا چا ہوں لیکن جب بھی بات کرتے مجھے تنگ کرنے کے لئے بیٹی کا کہتے۔

"مجھے نہیں پتہ۔" میں نے کہا تھا لیکن اب میں واقعی ایک بیٹے کی بن چکی تھی، صحت مند خوبصورت بیٹے کی، میں نے سرشاری سے سوچا اور آنکھ بند کرلیں کہ اب فیروز ملیں گے تو بتاؤں گی بلکہ پوچھوں گی۔ "وہ آپ کی بیٹی ک رہ گئی؟" اور وہ یقیناً شرارت سے پھر یہی کہیں گے "بھئی میری بیٹی بھی اب کے بعد آہی جائے گی۔"

مجھے ہوش میں آئے پورا ہفتہ ہو چکا تھا اور پرویز بھائی کو بھی گاؤں پورا ہفتہ ہی گزر گیا تھا نہ وہ خود آئے تھے اور نہ ان کی اور عذرا کے بارے میں

خبر آئی تھی۔ شاید عذرا کی حالت زیادہ ہی خراب تھی جو اماں، ابا اور چچی، چچا میں سے کوئی بھی مجھے دیکھنے نہ آیا تھا فراز بھائی البتہ میرے پاس ہی تھے۔ وہ دن میں دو تین چکر فیروز کی طرف لگا آتے اور مجھے بتاتے۔

"اب فیروز کی حالت بہتر ہے پہلے سے اور وہ تمہارا اور بچے کا بہت پوچھتے ہیں بلکہ دیکھنا چاہتے ہیں مگر ڈاکٹروں کی طرف سے ابھی چونکہ انہیں اجازت نہیں ملی اس لئے مجبور ہیں۔"

"آپ خود بچہ لے جا کر ان کو دکھالائیں۔" آخر ایک دن میں نے کہہ ہی دیا۔

"ارے عائشہ چندا، میں کہاں سنبھال سکوں گا تمہارے اس روئی کے گالے کو۔" فراز بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس دن فراز بھائی میرے پاس ہی تھے جب ڈاکٹر نے کہا۔

"اب یہ بالکل خطرے سے باہر ہیں اور گھر جاسکتی ہیں۔" یہ سن کر میں خوش ہوگئی جبکہ فراز بھائی کچھ پریشان نظر آنے لگے تھے۔ میں تو یہ سوچ کر خوش تھی کہ اب خود اپنے بیٹے کو لے کر فیروز کے پاس جاؤں گی اور پھر وہاں سے سیدھی گاؤں جاؤں گی جہاں پرویز کو بھی گئے پندرہ دن ہو چکے تھے اور جب ہی سے مجھے کوئی دیکھنے بھی گاؤں سے نہ آیا تھا "اللہ کرے عذرا خیریت سے ہو۔" میں دعا مانگ رہی تھی فراز بھائی گاڑی چلا رہے تھے اور میں اپنے بچے کو گود میں لئے پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اچانک گاڑی ایک گھر کے سامنے رکی تو میں نے کہا۔

"فراز بھائی! یہ آپ کہاں لے آئے! میں پہلے ہاسپٹل جاؤں گی فیروز کو دیکھے بہت دن ہوگئے ہیں وہ کیا سوچتے ہوں گے کہ میں اچھی ہونے کے باوجود ان کو دیکھنے نہ آئی اور پھر وہ منے کو بھی تو دیکھیں گے۔"

"یہ پرویز نے گھر لے لیا ہے، ہاسپٹل یہاں سے تھوڑا ہی دور ہے، یہ غازی روڈ ہے نا۔" فراز بھائی بے ربط جملے کہتے ہوئے گاڑی سے نکل کر سامان نکالنے لگے جبکہ میں اپنے بیٹے کو اٹھا کر گھر میں داخل ہوگئی۔ سامنے ہی پرویز بھائی کمرے سے نکل رہے تھے مجھے دیکھ کر جلدی سے میرے قریب آئے اور مجھے گلے

لگاتے ہوئے منے کو مجھ سے لے لیا۔

''بھائی جان! عذرا بھابی کیسی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''خود ہی دیکھ لو۔'' کہتے ہوئے بھائی جان مجھے اندر کمرے میں لے آئے اور وہاں عذرا بھی تھی مجھے دیکھ کر بے ساختہ گلے سے لگ کر رونے لگی۔ میں حیران ہو کر اسے دیکھا تو بھائی جان نے کہا۔

''عذرا یہ کیا حماقت ہے؟ وہ بیماری سے اٹھ کر آئی ہے'' عذرا بھائی جان کی بات سن کر آنسو پونچھتی ہوئی الگ ہٹ گئی تب تک فراز بھائی بھی اندر آئے تھے۔ میں نے ایک نظر کمرے پر ڈالی پھر بھائی جان سے پوچھا۔

''بھائی جان! آپ لوگوں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ خدا نے میرے بھائی کو کیا دیا ہے؟'' بھائی جان نے میری بات سن کر منے کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''خدا نے تمہارے بھائی کو مردہ بیٹا دیا تھا۔''

''کیا؟'' میں نے عذرا کو دیکھا وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر روتے ہوئے باہر چلی گئی۔ میں مارے دکھ کے کچھ دیر اپنے منے کو دیکھتی رہی پھر اسے بھائی جان سے لے کر باہر آئی اور عذرا کی گود میں ڈال کر کہا۔

''عذرا روتی کیوں ہو؟ یہ بھی تو تمہارا ہی بیٹا ہے''

''ہاں یہ بھی تو میرا ہی بیٹا ہے۔'' عذرا منے کو چومنے لگی تو میں نے کہا۔

''بھائی جان! اب میں ان کو دیکھنے چلوں گی۔''

''آج نہیں کل، ٹھیک ہے'' کہہ کر پرویز بھائی چلے گئے جبکہ میں عذرا کے پاس بیٹھی اس کے زرد چہرے کو دیکھتی رہی وہ بہت کمزور ہو گئی تھی میں عذرا سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر وہ بھائی جان کے جاتے ہی منا میری گود میں ڈال کر مجھے آرام کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور اس کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے بھی کچھ بھی نہ پوچھا۔

اگلے روز میں نے تیار ہو کر بھائی سے کہا ''چلیے آج فیروز کے پاس۔''

''عائشہ! ایک بہت ضروری کام ہے اگر شام کو جلدی آ گیا تو چلیں گے'' کہتے ہوئے پرویز بھائی گھر سے باہر نکل گئے میں نے عذرا کو دیکھا اور پوچھا۔

''یہ بھائی جان کہاں مصروف رہتے ہیں؟''

''خود ہی پوچھ لیا ہوتا۔'' عذرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''خیر خود بھی پوچھ لوں گی ویسے ابا وہاں گاؤں میں کیا کر رہے ہیں۔ پہلے تو تمہاری وجہ سے نہیں آتے تھے اب تو تم بھی یہاں ہو۔'' مجھے اپنے نظر انداز کیے جانے پر غصہ آنے لگا تو ہر ایک کی بھرپور توجہ اپنے لئے چاہتی تھی اور اماں تو پھر میری ماں تھیں ان کا نہ آنا مجھے زیادہ دکھ دے رہا تھا۔

''وہ اصل میں اماں کی طبیعت بھی ذرا ٹھیک نہیں رہتی۔'' عذرا نے بتایا۔

''اچھا لیکن چچی بھی نہیں آئیں کیا ان کو نہیں بتایا آپ سب نے اس حادثے کے بارے میں۔''

''نہیں ان کو کچھ بھی نہیں بتانے دیا پرویز نے۔'' عذرا نجانے کیوں رونے لگی پھر اٹھ کر اندر چلی گئی اور دروازہ بند کر لیا اور میں فیروز کا سوچنے لگی مجھے بھائی جان پر غصہ آ رہا تھا کیا ان کا کام فیروز سے زیادہ ضروری تھا۔

پورا ایک ہفتہ بھائی جان نے ٹال مٹول کی نذر کیا اور اس دن میں پھٹ پڑی۔

''بھائی جان! آخر آپ مجھے ان کے پاس لے کیوں نہیں جاتے؟ روز آپ نئے نئے بہانے کرتے ہیں آج میں ہر حال میں جاؤں گی اگر آپ نہ لے کر گئے تو میں خود چلی جاؤں گی میں خود تلاش کر لوں گی ان کو۔''

''عائشہ! فیروز کی حالت زیادہ اچھی نہیں میں چاہتا ہوں وہ ذرا......''

پرویز بھائی نجانے اور کیا چاہتے تھے کہ عذرا اندر سے بھاگتی ہوئی آئی اور چلا کر کہا۔

''کب تک بہانے بازی کریں گے کب تک جھوٹ بولیں گے سیدھی طرح بتا کیوں نہیں دیتے اس کو کہ ابا اور اماں......اور، اور فیروز بھائی اب اس دنیا میں نہیں رہے مر چکے ہیں وہ تینوں ہاں مر چکے ہیں وہ تینوں۔'' عذرا پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔

''عذرا کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے تڑپ کر کہا۔ یوں لگا جیسے کسی نے سر پر ایٹم بم مار دیا ہو۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اس ایکسیڈنٹ میں میرا بھائی اور تمہارے اماں، ابا ہلاک ہوگئے تھے جبکہ۔"

"عذرا" پرویز بھائی نے ایک زور کا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔

"میں نے تمہیں چپ رہنے کے لئے کہا تھا۔ میری بات کا کچھ اثر نہیں تم پر، یاد رکھو اگر پھر کبھی کوئی بکواس کی تو تمہیں آزاد کر کے تمہارے ماں، باپ کے گھر بھیج دوں گا کیونکہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں گا وہ بیوی بن جائے گی مگر اماں، ابا کے بعد اب بہن میری یہی ہے اور بہن مجھے نہیں ملے گی۔" وہ سرد لہجے میں کہہ رہے تھے۔

پرویز بھائی کے الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ جو کسی نے میرے کانوں میں انڈیل دیا تھا۔ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پرویز بھائی کو دیکھا۔

"کیا یہ سچ ہے؟" میں نے پھر پوچھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کیونکہ خود مجھے بھی اب یقین آگیا تھا کہ یہ سچ ہے اگر یہ سچ نہ ہوتا تو اس وقت جب میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی فیروز ایسی حالت میں بھی مجھ سے دور نہ جاتے کبھی مجھے اکیلا نہ چھوڑتے، میری اماں، ابا ہائے وہ دنیا کی سب سے پیاری ہستیاں وہ بھی چلی گئیں اور میں......میں ان کو آخری بار دیکھ بھی نہ سکی۔ میری آنکھوں سے پانی بارش کی شکل میں گرنے لگا مگر منہ سے میں نے کچھ نہ کہا۔

کوئی بین، کوئی، کوئی شور کچھ نہ کیا میں بس چپ چاپ روتی رہی کیونکہ دکھ سہتے، سہتے میں سمجھ گئی تھی کہ بس وہی لمحہ قیامت کا ہوتا ہے جب وہ آتی ہے پھر آہستہ آہستہ بندہ خود کو سنبھال ہی لیتا ہے پرویز بھائی جنہوں نے مجھے گلے سے لگا رکھا تھا خود بھی رونے لگے تھے اور روتے روتے میں نے ایک بار پھر بے یقینی سے پوچھا۔

"بھائی جان کیا واقعی وہ سب میری اماں، ابا اور وہ ...... وہ سب مر گئے...... وہ سب مجھے اکیلا چھوڑ کر مر گئے اب میں اکیلی ......جی کر کیا کروں گی؟"

"عائشہ! ماں باپ میرے مرے ہیں تمہارے نہیں تمہارا باپ تو میں

ہوں، تمہاری ماں تو میں ہوں میرے ہوتے ہوئے تم اکیلی نہیں ہوسکتیں تمہارے لئے تو میں سب کو چھوڑ سکتا ہوں۔" وہ میرا سر سینے سے لگائے کہہ رہے تھے۔

"بھائی جان!......وہ ......وہ بھی تو چلے گئے۔ وہ تو کہتے تھے عائشہ تمہاری ایک پل کی جدائی بھی مجھے گوارہ نہیں اور اب" میں چپ ہو کر منے کو دیکھنے لگی جو رونے لگا تھا بھائی جان نے اس کو اٹھا کر میری گود میں ڈالا اور کہا۔

"فیروز گیا کب ہے عائشہ وہ تو منے کی شکل میں تمہارے پاس ہے۔"

"ہاں وہ نہیں تو کیا ان کی نشانی تو ہے۔" میں نے منے کو بھینچ لیا کہ فیروز کے بعد فیروز کی نشانی ہی میرے لئے سب کچھ تھی اور یہ کچھ کم تو نہ تھا۔

اگلی صبح میں عذرا اور بھائی جان کے ساتھ گاؤں جا رہی تھی وہی راستے تھے جن پر چل کر میں فیروز کے ساتھ لاہور آئی تھی اور اب وہ اکیلا مجھ سے پہلے چلا گیا تھا اور میں اب جا رہی تھی۔

بھائی جان مجھے سب سے پہلے قبرستان ہی لے گئے تھے۔ تین تازہ قبریں میرے پیاروں کی وہاں موجود تھیں، میں نے جھک کر ایک ایک قبر کو چوما، فاتحہ پڑھی اور بیٹھی روتی رہی اور سوچتی رہی آخر یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے میری ہی خوشی ہر دفعہ کیوں برباد ہوتی ہے، ابھی تو میں جی بھر کر مسکرائی بھی نہ تھی کہ تقدیر نے پھر میرے لبوں پر ہمیشہ کے لئے تالے لگا دیئے تھے۔ تقدیر کو میرے معصوم بچے پر بھی رحم نہ آیا اور اس کو باپ کے سائے سے محروم کر دیا، تاہم اب مجھے صبر سے کام لینا ہے۔ یہ دکھ تو شاید زندگی بھر کا ساتھ ہے اس میں دوسروں کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ اور پھر چچا اگر مجھے دیکھنے نہیں آئے تو ضرور مجھ سے خفا ہوں گے کہ آخر ان کا جوان بیٹا مر گیا تھا اب تو وہ مجھے منحوس سمجھتے ہوں گے جس کی وجہ سے پہلے ایاز اپنی جان سے گیا اور اب فیروز...... یہ فیروز کا دکھ تو بہت بھاری لگتا ہے کیسے اٹھا پاؤں گی میں۔ میں ان ہی سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔

بھائی جان نے مجھے اٹھایا اور چچا کے گھر لے گئے ہم گھر میں داخل ہوئے تو چچی برآمدے میں بچھی چادر پر چند دوسری عورتوں کے ساتھ پڑھ رہی تھیں مجھے دیکھ کر بھی وہ بیٹھی پڑھتی رہیں۔ میں ان سے مل کر اپنا دکھ ہلکا کرنے کو آگے بڑھی

تو چچی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''وہیں رہو منحوس اپنے ماموں کے گھر کو اجاڑ دیا اور اب میرے کو کھا گئیں ڈائن۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے میں تمہاری یہ شکل دیکھنا چاہتی...... ہائے میرا جوان بیٹا ایک منٹ نہ لگا اس کو مرتے ہوئے......ہائے کیسے زندہ ہوں میرا جگر پھٹ گیا میرا دل ویران کر گیا۔'' چچی رو رو کر بین لگیں اور میں گم صم سی۔ کھڑی ان کو دیکھتی رہی کہ ان کا جگر ہی پھٹا تھا؟ جگر نہیں پھٹا تھا؟ میرا گھر نہیں برباد ہوا تھا؟ آباد ہوتے ہوتے میں ایک بار پھر اجڑی تھی؟ ان سب کو اپنے دکھوں کا خیال تھا حالانکہ یہ دکھ تو میرا بھی تھا۔

''آؤ عائشہ۔'' پرویز بھائی چچی کی بات سن کر بولے تب ہی دوسرے لوگ بھی آ گئے۔ چچا نے مجھے گلے سے لگا کر پیار کیا اور تسلی دی۔

''یہی زندگی ہے مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ہمت سے ک اگر تم نے ہمت ہار دی تو فیروز کی اس نشانی کو بھلا کون سنبھالے گا۔'' اور میں پیار پا کر روئے گئی فیاض، ریاض اور فراز بھائی نے بھی حوصلہ دیا بھابیوں پیار کیا مگر چچی اور فیروز کی دوسری دو بہنوں نے مجھ سے نہ تو بات کی اور ملیں۔انہوں نے تو فیروز کی نشانی کو بھی دیکھنا گوارہ نہ کیا تھا بھلا میری وجہ معصوم سے دشمنی کیسی۔

ایک ہفتہ فیروز اور اماں، ابا کا چہلم تھا چہلم میں شامل ہونے میں بھائی جان اور عذرا کے ساتھ لاہور آئی میں تو اماں، ابا والے گھر میں عدت پوری کرنا چاہتی تھی مگر بھائی جان مجھے اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے ا اپنے ساتھ لے آئے حالانکہ وہاں نوری اور کشور بھی تھیں میری خدمت او بھال کے لئے مگر مجھے بھائی جان کی بات ماننا پڑی۔

لاہور آ کر زندگی سست رفتاری سے گزرنے لگی تھی عدت کی وجہ کہیں آ جا بھی نہیں سکتی تھی۔ سارا وقت گھر میں روتے ہوئے یا پھر منے کو س ہوئے گزرتا۔ گاؤں سے آنے کے بعد میں نے منے کی پیدائشی پرچی بنوا لئے بھائی جان سے کہا تو انہوں نے مجھ سے نام پوچھا اور میں نے کہا۔

''بھائی جان فیروز اور میں نے سوچا تھا کہ ہم اپنے بیٹے کا نام قدیر رکھیں گے اب وہ تو نہیں رہے مگر نام قدیر ہی۔''

''نہیں میں اس کا نام قدیر نہیں رکھنے دوں گی۔'' پاس بیٹھی عذرا نے غصے سے کہا۔

''عذرا تم تو چپ ہی رہو۔'' بھائی جان نے ڈانٹ کر کہا۔

''کیوں چپ رہوں؟ یہ میرے بھائی کی اولاد ہے میرا بھی حق ہے اس بچے پر، قدیر تو وہ منحوس انسان ہے جس کی وجہ سے ایاز کی جان گئی اور اب میرے بھائی کی بھی میں اس کا نام......''

''بکواس بند کرو عذرا اگر اس گھر میں رہنا چاہتی ہو۔'' بھائی جان نے سخت لہجے میں کہا تو عذرا روتے ہوئے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

''بھائی جان! آپ عذرا سے پوچھ لیں وہ جو نام رکھنا چاہتی ہے وہی......''

''کوئی ضرورت نہیں عذرا سے پوچھنے کی نام قدیر ہی رہے گا۔'' بھائی جان یہ کہہ کر باہر نکل گئے اور میں گود میں لیٹے قدیر کو دیکھنے لگی۔

عدت کے بعد زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی آئی تھی وہ یہ کہ بھائی جان شام کو مجھے گھمانے لے جاتے تھے کہتے ہیں کہ وقت ہر زخم کا مرہم ہے مگر نہیں میرے ساتھ ہرگز ایسا نہ تھا۔ گو کہ میری آنکھیں اب خشک ہی رہتی تھیں مگر صرف عذرا اور بھائی جان کے سامنے ورنہ رات کی تنہائی میں تو میں جی بھر کر رویا کرتی تھی عذرا کا رویہ میرے ساتھ ٹھیک ہی تھا تاہم کبھی کبھار وہ تلخ ہو جاتی تھی مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ زیادہ تر وہ ٹھیک ہی رہتی تھی اور قدیر کے زیادہ تر کام وہی کیا کرتی تھی، مجھ سے زیادہ قدیر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔

جبکہ میں تو اپنے آنے والے وقت کے بارے میں سوچا کرتی تھی، کیسے کٹے گی یہ لمبی زندگی، مستقبل کیا ہوگا میرا؟ کبھی کبھی جی چاہتا قدیر کو عذرا کے حوالے کر کے خودکشی کر لوں مگر عذرا پھر امید سے تھی، اپنا بچہ ہونے کے بعد کون کسی کے بچے کو پیار دیتا ہے خواہ بھائی کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

''عذرا نے ایک بار پھر مردہ بیٹے کو جنم دیا تھا اور بھائی جان نے یہ بتایا

تھا کہ عذرا کی حالت بھی کافی خراب ہے۔'' میں ہاسپٹل جانا چاہتی تھی مگر بھائی جان نے روک دیا اور کہا۔

''کوئی ضرورت نہیں تین دن بعد وہ گھر آجائے گی تو پھر دیکھ لینا۔''

جب عذرا گھر آئی اس کا تو رویہ کافی بدلا ہوا تھا مجھ سے سیدھے منہ بات ہی نہ کی گاؤں سے سب لوگ آئے تھے مگر مجھ سے چچی اور عذرا کی دونوں بڑی بہنوں نے بات نہ کی تھی سارا دن رہ کر وہ سب چلے گئے تھے اور اب گھر میں عذرا ہوتی تھی میں اپنے بیٹے کے ساتھ جواب پاؤں، پاؤں چلنے لگا تھا اور ایک، آدھ بات بھی کرنے لگا تھا اس کو دیکھ کر میں اپنا ہر دکھ بھول جاتی تھی بلکہ بھول چکی تھی۔

اچانک ایک دن قدیر بیمار پڑگیا اس کو سردی لگ گئی تھی ویسے تو میں راتوں کو جاگ جاگ کر اس کا خیال رکھتی تھی مگر پھر بھی کچھ لاپرواہی ہوگئی اور قدیر بیمار ہوگیا میں بہت پریشان تھی اور مجھ سے زیادہ عذرا اور بھائی جان پریشان تھے مجھے تسلی دیتے ہوئے، وہ خود ہی قدیر کو ہاسپٹل لے گئے ان کے جانے کے بعد ہماری ساتھ والی پڑوسن آگئیں عذرا اداس سی اپنے کمرے میں بند تھی جبکہ میں باہر صحن میں بیٹھی تھی کیونکہ عذرا اب مجھ سے کم ہی بات کرتی تھی گو کہ اس نے مجھ سے کوئی غلط بات نہ کی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نجانے کیا ہوتا تھا کہ میں خود بات کرنے کی جرأت نہ کرپاتی تاہم قدیر کو وہ مجھ سے بھی زیادہ پیار کرتی تھی شاید اس لئے کہ وہ اس کے بھائی کی اولاد تھا۔

پڑوسن مجھ سے ایک دو باتیں کرنے کے بعد اندر عذرا کے پاس چلی گئی جبکہ میں قدیر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ بھائی جان صبح کے گئے ہوئے تھے اور ابھی تک نہ آئے تھے پتہ نہیں قدیر کیسا تھا اچانک میں اندر آئی تو پڑوسن کی آواز سن کر چونک پڑی۔

''تم اس کو بتا کیوں نہیں دیتیں؟'' وہ اونچی آواز میں کہہ رہی تھی ''کب تک یونہی دکھ سہتی رہو گی صاف، صاف بتادو۔''

''اگر میں نے اس کو کچھ بھی بتایا تو پھر میرا اپنا گھر برباد ہوجائے گا میرا اس گھر میں رہنا ناممکن ہوجائے گا۔ میں کیا کروں، ایسا کیا کروں کہ میری خوشی

بھی مجھے مل جائے اور میرا گھر بھی برباد نہ ہو۔'' عذرا کہہ رہی تھی۔

''ہائے پرویز نے کس بے رحمی سے کہہ دیا تھا خدا نے مجھے مردہ بیٹا دیا ہے اور آخر خدا نے مجھے زندہ بیٹے کے بعد مردہ بیٹا بھی دے دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں اس کا کیا کروں، منے کی طبیعت آج بہت خراب ہے اگر وہ اس منحوس کے پاس رہا تو شاید وہ بھی۔'' عذرا بات ادھوری چھوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے تمہیں لحاظ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پرویز کا ڈر ہے تو عائشہ سے میں بات کرلیتی ہوں اس کو بتادیتی ہوں کہ تم جیسی منحوس اس قابل نہیں تھی کہ خدا تمہیں بیٹے جیسی نعمت سے نوازتا۔ جب شوہر تمہارے مقدر میں نہیں تو پھر بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ مہربانی کرو اور جس کا بیٹا ہے اس کے حوالے کردو۔'' پڑوسن زہریلے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

میں نے حیران ہوکر سوچا یہ عذرا کیا کہہ رہی ہے کہ خدا نے مجھے زندہ بیٹے کے بعد مردہ بیٹا بھی دے دیا۔ اگر خدا نے پہلے اس کو زندہ بیٹا دیا تھا تو پھر وہ ہے کہاں؟ پھر مجھے پڑوسن کی بات یاد آئی کہ اگر شوہر تمہارے مقدر میں نہیں تو بیٹا کیسے ہوسکتا تھا۔

دفعتاً میرے ذہن میں چھناکا ہوا کہیں قدیر ہی تو عذرا کا پہلا بیٹا نہیں، ہوسکتا ہے میرا بیٹا حادثے کی نذر ہوگیا ہو ویسے بھی اس کی پیدائش میں ابھی پورا ایک ماہ باقی تھا۔ اور یہ قدیر جب پہلی بار میرے سامنے لایا گیا تھا تو آٹھ ماہ کا تو نہیں لگتا تھا تو کیا میرا بچہ......؟

''نہیں میرا بچہ نہیں مرسکتا فیروز کی نشانی نہیں مرسکتی۔'' میں اٹھ کر تیزی سے عذرا کے کمرے میں آئی تو وہ رو رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

''عذرا! کیا یہ سچ ہے کہ قدیر تمہارا بیٹا ہے؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

عذرا نے پہلے حیران ہوکر مجھے دیکھا پھر سر جھکالیا بولی کچھ نہیں۔

''عذرا مجھے بتاؤ سچ کیا ہے؟'' میں نے چیخ کر پوچھا کہ میرے اندر ایک

آگ سی جل اٹھی تھی۔

''سچ ۔'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا ۔''سچ یہ ہے کہ تم ا منحوس عورت ہو پہلے تمہاری وجہ سے ایاز کی جان گئی پھر ابا، اماں اور میرے بـ بھائی کی جان بھی تم نے لے لی۔''

''میں نے تم سے بچے کا پوچھا ہے عذرا میرا بچہ۔'' میں نے پھر چیخ کہا۔

''تمہارا بچہ نہیں میرے بھائی کا بچہ کہو وہ بھی تمہاری نحوست کی نذر ہ اور اب تم منے کی جان بھی لے کر رہو گی تم......تم ڈائن ہو انسانوں کو کھانے وا نے سب کو کھالیا۔'' عذرا بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی ساری کہانی اس نے رو گھورتے بیان کردی اس نے بتایا۔

ایاز کے مرنے کے بعد جب میری حالت نہیں سنبھلتی تھی تو ابا نے بـ کے لئے میرے رشتے کی بات خود چچا سے کی تھی یہ بات انہوں نے گھر کی بجا باغ میں چچا سے کی تھی اور چچا نے بھائی کی محبت میں فوراً ہاں کردی کہ یہ حالت ان سے بھی نہ دیکھی جاتی تھی اور وہ خود بھی بھائی کو مشورہ دینے والے کہ عائشہ کی بیماری کا صحیح علاج یہی ہے کہ اس کی شادی کردی جائے لیکن بھا کی طرف سے چپ تھے لیکن اب جب بھائی نے خود بات کی تو انہوں نے ف ہاں کردی۔'' لیکن جب اس بات کا ذکر انہوں نے چچی سے کیا تو چچی نے کہا۔

'' وہ منحوس لڑکی ہے جو شادی سے پہلے ہی دولہا کو کھا گئی میں اپنے کی شادی اس چڑیل سے ہرگز نہ کروں گی۔''

''لیکن پہلے تو وہ تمہیں بہت پسند تھی تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری خواہش پوری ہو رہی ہے عائشہ کو فیروز کی دلہن بنانے کی۔'' چچا نے نرمی سمجھانے کی کوشش کی۔

''پہلے کی بات اور تھی اب کی اور ہے اب میں اس رشتے پر خوش نہ ہوں۔ آپ جا کر صاف انکار کردیں اور کہہ دیں کہ یہ بات اب ناممکن ہے۔'' چ نے گویا فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''میں لالہ سے ہاں کرچکا ہوں اب انکار نہیں کرسکتا'' چچا نے آرام سے سمجھایا۔

''تو میں خود جا کر مجیدہ سے انکار کردوں گی اور پھر مجیدہ کا ایک ہی تو بھائی نہیں۔ دوسرے بھائیوں کی بھی تو اولاد ہے ان کو دے عائشہ کا رشتہ کہ بیٹی وہ اپنے میکے میں دینا چاہتی تھی۔ مرا تو صرف ایاز ہے باقی سب تو زندہ ہیں''

''فضول باتیں نہ کرو عائشہ کا رشتہ تو اب فیروز سے ہوچکا۔ اگر تم نے بھابی سے کچھ بکواس کی تو یہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔'' چچا نے غصہ بھرے لہجے میں کہا۔

''اچھا ہو یا برا یہ رشتہ نہیں ہوگا چاہے تم مجھے گھر سے نکال دو۔'' چچی نے بھی غصے سے چیخ کر کہا۔

''کیا ہوا، ماں کس بات پر گھر چھوڑ رہی ہو؟'' فیروز اچانک ہی آیا تھا۔

''تمہارے باپ کی وجہ سے۔ کہتا ہے اس منحوس سے اب تمہاری شادی کرے گا۔ میرے ہوتے ہوئے یہ نہیں ہوگا۔'' اماں آپے سے باہر ہوتے ہوئے بولیں تھیں۔

''آپ کا مطلب ہے عائشہ سے؟'' فیروز بھائی نے جلدی سے پوچھا۔

''ہاں ، ہاں وہی منحوس جو شادی سے پہلے ہی ہونے والے شوہر کو کھا گئی۔'' چچی بولتی رہیں جبکہ فیروز چپ چاپ کھڑے کچھ سوچ رہے تھے کہ آخر خدانے ان کی سن ہی لی وہ فی الحال خود شادی کی بات کرنا نہیں چاہتے تھے مگر اب جب اماں سے پتہ چلا تو ایک خوشی تھی جو ان کے پورے وجود میں پھیل گئی تھی۔

''ارے بیٹا تو خود انکار کردے پھر پتہ چلے گا تیرے باپ کو، میری تو یہ سنتے ہی نہیں، پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں نا مجھے۔'' وہ غصے سے کہہ رہی تھیں۔

''امی !ابا نے جو بھی کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ میں عائشہ سے شادی ضرور کروں گا۔ جو کچھ بھی ہوا اس میں اس بیچاری کا کیا قصور اور پھر ذرا سوچیں اگر ہم اپنے ہوکر اس کے بارے میں ایسا سوچیں گے تو باہر والے کیا، کیا نہ کہیں گے۔'' وہ ماں کو سمجھاتے ہوئے بولے۔

"خوش رہو بیٹا۔" چچا نے اٹھ کر بیٹے کو پیار کیا اور چچی پر ایک نظر ڈال کر باہر نکل گئے۔ جبکہ فیروز ماں کے قریب بیٹھ گئے پھر پوچھا۔

"امی آپ کو تو بہت محبت تھی عائشہ سے اب اچانک کیا ہوا؟"

"پہلے کی بات اور تھی اب......"

"اب بھی وہی بات ہے امی آپ شادی سے انکار نہ کریں۔ مجھے عائشہ سے محبت ہے اور اس کی وجہ سے میں اب تک شادی نہیں کرتا تھا۔ یہ بات صرف آج آپ کو بتا رہا ہوں۔ وہ بھی اس لئے کہ اگر آپ نے انکار کیا تو پھر ساری زندگی میری شادی کو ترسیں گی بہتر یہی ہے آپ ابا کے ساتھ رشتے کے لئے چلی جائیں یا پھر ہمیشہ کے لئے میری شادی کو بھول جائیں" آخر میں انہوں نے دھمکی والے لہجے میں کہا اور چچی مان گئیں۔

یوں میری شادی فیروز سے ہوگئی اور اس دن جب ہم ابا اور اماں کو پرویز بھائی کی طرف چھوڑنے جارہے تھے ہمارے ساتھ گزرنے والی گاڑی میں بم بلاسٹ ہوا تھا جس کے نتیجے میں اماں، ابا نے تو موقع پر ہی دم توڑ دیا تھا میں بے ہوش ہوگئی تھی جبکہ شدید زخمی ہونے کے باوجود فیروز ہوش میں تھے میری وجہ سے لیکن مجھے سروسز ہاسپٹل لے کر گئے تو فیروز کی دماغی چوٹوں کی وجہ سے اس کو جنرل ہاسپٹل بھیج دیا گیا اسی وقت فون پر پرویز نے گنڈا سنگھ تھانے اپنے ایک انسپکٹر دوست کو گھر اطلاع کرنے کے لئے کہا تھا اور دو گھنٹے بعد ہی وہ سب آچکے تھے تب فیروز بھی جانے کی تیاری کر چکے تھے جیسے ہی چچی اس پر جھکیں فیروز نے کہا۔

"امی! میرے حصے کی زمین عائشہ کو دیجئے گا اور امی عائشہ کو کچھ مت کہیئے گا میرے بچے کا خیال۔" وہ بات ادھوری مگر مفہوم پورا سمجھا کر چلے گئے۔ جاتے ہوئے بھی ان کو یہ خیال تھا کہ ان کی موت کے بعد چچی مجھ سے نفرت نہ کرنے لگیں۔ فیروز کی موت کے بعد وہ سب روتے ہوئے میری طرف آئے تھے کہ میں ابھی زندہ تھی لیکن میری اپنی حالت بھی بہت خراب تھی مجھے ایمرجنسی میں رکھا گیا تھا جب سب لوگ میری طرف آئے تو ڈاکٹر نے سب کے سامنے کہا تھا۔

"دونوں میں سے صرف ایک کی جان بچ سکتی ہے اب اس کا فیصلہ آپ کو

کرنا ہے کہ آپ زچہ چاہیئے یا بچہ؟"

کس کے بولنے سے پہلے ہی چچی نے کہا تھا۔

"ڈاکٹر! اس میں فیصلہ کرنے والی کیا بات ہے میرا بیٹا اس بچے کا باپ مرچکا ہے۔ مجھے اس کی نشانی، اس کا وارث یعنی اس کا بچہ چاہیئے مجھے اپنے بیٹے کا نام لیوا چاہیے۔"

"چچی جان سوچ سمجھ کر بات کریں۔" بھائی جان جو اماں، ابا کی موت سے نڈھال ہورہے تھے تلخ لہجے میں بولے تھے۔

"میری ایک ہی بہن ہے ڈاکٹر آپ میری بہن کو بچایئے۔"

"نہیں، میرے بیٹے کی نشانی کو بچانے کی کوشش کریں۔" چچی نے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں ڈاکٹر پلیز میری بہن۔ ماں، باپ کے بعد وہی ان کی نشانی اور میرا سہارا ہے۔"

بھائی جان اور چچی کی جب نہیں، نہیں حد سے بڑھی تو ڈاکٹر نے کہا۔

"ہم اپنی پوری کوشش کریں گے تاہم آپ کو یہ بتادوں اگر دونوں کی جان بچانے کی کوشش کی ہوسکتا ہے پھر عائشہ کبھی ماں نہ بن سکے۔" ڈاکٹر کی بات سن کر چچی نے نفرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"ارے دو کو تو کھا گئی اب کس کو کھائے گی آپ جلدی کریں ایسا نہ ہو دیر کرنے کی صورت میں میرا پوتا۔" انہوں نے یوں کہا جیسے پہلے ہی خبر پا چکی ہوں کہ بیٹا ہی ہوگا۔

تین گھنٹے کے آپریشن کے بعد ڈاکٹر ہم دونوں یعنی مجھے اور میرے بچے کو بچانے میں کامیاب ہوگئے تھے ڈاکٹر نے یہ خبر چچی کو سنائی اور ساتھ یہ بھی بتادیا کہ عائشہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔

چچی خوش تھیں فیروز کی نشانی بچ جانے پر۔ بچہ چونکہ قبل از وقت ہوا تھا اس لئے اس کو ہیٹر میں رکھا گیا تھا میری طرف سے مطمئن ہوکر وہ سب میتیں لے کر تدفین کے لئے گاؤں چلے گئے تھے۔

تیسرے دن رسم قل سے فارغ ہوکر وہ سب لاہور آئے تو ڈاکٹر نے فیروز کی نشانی کی حالت خراب ہے۔ چچی لگی رونے اور دعا کرنے مگر نہ ان کی قبول ہوئی اور نہ ہی ڈاکٹروں کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور بچہ بھی باپ اور نانی کے پاس چلا گیا۔

چچی اور سارے لوگ اس ننھے منے سے وجود کو لے کر گاؤں واپس چلے گئے جبکہ میری خراب حالت کے پیش نظر پرویز بھائی جان ان کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ چچی نے جاتے جاتے کہا تھا۔" اب ہم لوگوں میں اس منحوس کو دیکھنے کوئی نہیں آئے گا، یہ جیئے یا مرے اب ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ہم اس کی منحوس صورت کبھی دیکھیں گے۔"

ان کے جانے کے بعد بھائی جان نے میرے بے ہوش وجود پر ایک نظر ڈالی اور سوچا ایاز کے مرنے پر میری کتنی بری حالت ہوئی تھی اب جب اماں اور سب سے بڑی بات فیروز اور بچے کے مرجانے کا معلوم ہوگا تو عائشہ پر گزرے گی۔ وہ تو مرجائے گی اور وہ بھائی تھے میرے موت نہ چاہتے تھے اس اس مسئلے کا حل سوچنے لگے۔

ادھر جس دن یہ حادثہ ہوا اسی رات عذرا نے ایک صحتمند بیٹے کو جنم دیا تب بھائی جان نے سوچا وہ اپنے بیٹے کو فیروز کا بیٹا کہہ کر میرے حوالے کر دیں گے اور کوشش کریں گے جتنا عرصہ ان سب لوگوں کی موت کی خبر چھپا سکتے ہیں چھپائیں گے اور یہ فیصلہ کرتے ہی وہ گاؤں چلے گئے تھے، فیاض اور ریاض اور فراز بھائی جان ان کے ساتھ تھے لیکن جب عذرا سے انہوں نے بات کی تو عذرا نے رو رو کر سب گھر والوں کو جمع کر لیا۔ چچی نے جب یہ سنا تو چیخ کر کہا۔

"ارے سب کو ہی تو کھا گئی وہ تمہاری چڑیل بہن اب میری بچی کے بیٹے کو تو بخش دو، میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دوں گی، تم میری بچی سے اس کا بیٹا نہیں چھین سکتے۔"

"آپ مجھے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتیں۔" بھائی جان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ میرا بیٹا ہے میں جس کو جی چاہے دوں آپ لوگ کون ہوتے ہیں بیچ میں بولنے والے؟ میں ابھی اس کو لے کر جا رہا ہوں، دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے۔" بھائی جان نے بھی سخت لہجے میں کہا۔

"تم شوق سے لے کر جاؤ مگر میں خود اس کو بتا دوں گی کہ یہ اس کا بیٹا نہیں ہے اس کے مقدر میں خدا نے بچے جیسی نعمت نہیں لکھی ہے۔" مگر بھائی جان ان کی بات کاٹ دی۔

"اگر آپ نے ایسا کیا تو عذرا کو ہمیشہ اپنے پاس رکھیئے گا، میں اس کو طلاق......"

"پرویز! کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو؟" فیاض بھائی غصے میں آگئے۔

"لالہ مسئلہ اس وقت میری بہن کی زندگی کا ہے، اگر کسی نے میری بہن کا خیال نہ کیا تو میں بھی کسی کا لحاظ نہیں کروں گا۔"

"یوں میرے ہوش میں آنے سے پہلے ہی بھائی جان اپنے بیٹے کو مرے لئے عذرا سے چھین کر لے آئے تھے اور جب مجھے پندرہ دن بعد ہوش آیا تو انہوں نے بچہ میری گود میں ڈال دیا۔

اور وہ شاید ابھی ان سب کی موت کا مجھے نہ بتاتے مگر وہ بات بھی عذرا نے کھولی تھی اور آج بچے کی بات بھی اس نے بتا دی تھی میرے پورے وجود میں درد پھیل گیا جی چاہا چیخ چیخ کر روؤں اور تقدیر سے اس ستم پر احتجاج کروں مگر میں نے اپنے آنسو پی لئے، صرف عذرا کے لئے۔ اگر میں روتی تو بھائی اسے گھر سے نکال دیتے اور میں خود جو بے گھر ہو چکی تھی مگر اپنے بھائی کا گھر برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ چپ چاپ عذرا کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

"میں اپنے کمرے میں گم صم اس نئی حقیقت پر گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی سوچ رہی تھی جب بھائی جان میرے کمرے میں داخل ہوئے اور قدیر کو میری گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"لو سنبھالو اپنے صاحب بہادر کو خواہ مخواہ سب کو تنگ کرتا ہے۔"

"بچہ جو ہوا" میں نے آہستہ سے کہا اور بھائی جان باہر چلے گئے، میں

کچھ دیر قدیر کو دیکھتی رہی، اب مجھے یاد آیا عذرا کیوں اپنی پسند سے نام رکھنا
تھی، میں اٹھی اور جب باہر آئی تو عذرا کہہ رہی تھی۔

''پرویز! مجھے میرا بچہ دے دیں اگر وہ عائشہ کے پاس رہا تو مر جا
خدا کے لئے مجھ پر ترس کھائیے۔''

''پاگلوں جیسی باتیں مت کرو، تمہارے پاس، تمہارے سامنے ہی ا
ہے۔''

''ہاں رہتا ہے مگر عائشہ کا بیٹا بن کر، دیکھو جب تک وہ عائشہ کے
ہے تب تک مجھے یہی خوف لگا رہے گا اب کچھ نہ ہو جائے، تب......''

''فضول باتیں مت کرو، ایسا کچھ نہیں ہوگا خدا تمہیں اور دے دے
یہ سوچو عائشہ کا تو اب وہی ایک سہارا ہے، اس کی وجہ وہ فیروز کا دکھ بھی بھو
ہے، تم ہمت سے کام لو۔'' وہ آہستہ آہستہ عذرا کو پیار سے سمجھا رہے تھے۔

تب ہی میں اندر داخل ہوئی، بھائی جان کے دیکھنے سے پہلے میں
منے کو عذرا کی گود میں ڈال دیا، بھائی جان چونک کر مجھے دیکھنے لگے تو میں
بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تمہارا بیٹا تمہیں مبارک ہو عذرا، اگر مجھے پہلے ہی معلوم ہو جاتا تو
تمہیں اتنے دن اذیت میں نہ گزارنے دیتی۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو عائشہ؟'' بھائی جان مارے حیرانی کے صرف کہہ
سکے۔

''بھائی جان ادھار میں روپیہ، پیسہ زمین کچھ اور چیزیں دی جا سکتیں
لیکن اولاد بھی کبھی کوئی کسی کو ادھار دیتا یا لیتا ہے۔'' ضبط کے باوجود میرے
ٹپک پڑے کہ آج ایک بار پھر فیروز شدت سے یاد آیا تھا۔

''عذرا تو آخر تم نے۔'' بھائی جان غصے سے اس کی طرف مڑے۔

''بھائی جان! آپ کو میری قسم جو عذرا کو کچھ کہا، اچھا ہوا یہ آخری د
ابھی مل گیا، چند سال بعد اگر ملتا تو شاید زیادہ محسوس ہوتا۔''

''یہ اب بھی تمہارا ہی بیٹا ہے عائشہ اٹھا لو اس کو۔'' بھائی جان نے

گھورتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''اٹھا تو لوں گی، مگر یہ بیٹا صرف عذرا کا ہے۔'' کہہ کر میں اپنے کمرے میں آ گئی ان کے کمرے سے کافی دیر تک بولنے کی آوازیں آتی رہیں، پھر خاموشی چھا گئی اور درد میں ڈوبی ایک طویل سانس لے کر میں بھی سونے کے لئے لیٹ گئی مگر نیند نہیں آئی، آتی بھی کیسے جو کہانی عذرا نے سنائی تھی وہ ایسی تو نہیں تھی کہ میں بھول کر آرام کرتی، ساری رات سوچتی رہی اپنے مستقبل کے بارے میں وہ کیا ہوگا؟۔

میں یہ پہاڑ سی لمبی زندگی کیسے گزاروں گی، کون سہارا بنے گا میرا؟ آنسو تکیہ بھگوتے رہے تو سوچتی تھی قدیر بڑا ہوگا تو یہ کروں گی، وہ کروں گی، اس کو پڑھاؤں گی، لکھاؤں گی، لیکن اب ایک دم ہی سارے پروگرام ختم ہو گئے تھے، سب کچھ ختم ہو گیا تھا زندگی کا مقصد اور مفہوم ہی ختم ہو گیا تھا، تاہم حقیقت یہ ہے کہ ہم زندگی کو نہیں گزارتے زندگی ہمیں گزارتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان وہیں رک جایا کرتا جہاں اس کو زندگی کا پہلا دکھ یا صدمہ ملتا۔

چند روز اسی سوچ و بچار میں گزرے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے عذرا کی نفرت تو اب کھل کر سامنے آ گئی تھی وہ مجھے نام لینے کی بجائے منحوس کہہ کر بلاتی، منے کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتی تھی، کہتی۔ ''سب کو تو کھا چکی ہو اب میری گود اجاڑنے کا ارادہ ہے۔''

ان باتوں کی وجہ سے میں نے منے کو اٹھانا چھوڑ دیا تھا تاہم گھر کی صفائی وغیرہ میں کیا کرتی تھی، مہینے میں عذرا ایک چکر گاؤں کا ضرور لگاتی تھی اور جب سے قدیر کو میں نے اس کے حوالے کیا تھا تب سے چچی بھی آنے لگے تھے۔ چچا تو مجھے پیار کر لیتے تھے، جبکہ چچی تو میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتی تھیں، بلکہ اکثر کوئی نہ کوئی دل جلانے والی بات کر جاتی تھیں، جس کا میں نے کبھی برا نہ مانا تھا، میں جو چھوٹی سی بات بھی ناگوار گزرنے پر گھر سر پر اٹھا لیا کرتی تھی اب بہت کچھ سن کر بھی چپ رہتی۔

فراز بھائی کے بچے کا عقیقہ تھا، چچی خود بلانے آئی تھیں اور عذرا کو یہ کہہ

کر ساتھ لے گئیں کہ ڈھولک بجنی ہے ذرا پہلے جائے گی تو رونق دیکھ لے
بھائی جان نے اجازت دے دی، بھائی اب بھی مجھ سے بہت محبت کرتے
رعذرا کے رویے سے وہ بے خبر ہی تھے اور میں ان کو خبر کرکے ان کے گھر کا
برباد کرنا نہیں چاہتی تھی، اس لئے بات اپنی ذات پر سہتی تھی عذرا کے جا
بعد بھائی جان کے کمرے میں آئی اور کہا۔

''بھائی جان اب میں پڑھنا چاہتی ہوں۔''

بھائی جان نے حیران ہوکر مجھے دیکھا، حیرت کی بات ہی تو تھی کہ
کبھی پڑھنے کے نام سے رونا دھونا شروع کر دیتی تھی اب خود پڑھنے کا کہہ رہی
اسی لئے میں نے کہا۔

''بھائی جان زندگی شاید بہت لمبی ہے کب تک گھر پر بیٹھی رہوں گی
لئے چاہتی ہوں میٹرک کے بعد پی ٹی سی کرکے کسی اسکول میں لگ جاؤں۔''

''نوکری کی تو خیر بعد میں دیکھی جائے گی تاہم بیکار وقت ضائع
سے بہتر ہے کہ تم پڑھ لو۔'' بھائی جان نے کہا۔

اور اگلے ہی روز بھائی جان نے نہ صرف مجھے کورس کی کتابیں لادیں
امتحان کی تیاری کے لئے ایک اکیڈمی میں ایڈمیشن بھی کروادیا اور یوں میری
پڑھائی جس سے مجھے شدید نفرت تھی شروع ہوگئی اور اب میری بھی پوری
پڑھائی پر ہی تھی۔

عذرا عقیقے سے پہلے ہی رونق دیکھنے چلی گئی تھی اور یہ رونق دیکھنا ا
اس کو بہت مہنگا پڑا، منا سردی لگنے سے بیمار ہوگیا اور عقیقے سے ایک دن پہلے
بھائی جان عقیقے میں شرکت کے لئے گاؤں گئے اسی رات منے نے دم توڑدیا
تو بھائی جان کے ساتھ نہ گئی تھی کہ چچی لوگ اب مجھ سے نفرت کرتے تھے
منا مرگیا تو چچی نے کہا۔

''اسی لئے کہتی تھی بچے کو اس چڑیل کے حوالے مت کرو، آخر اس
منحوس وجود کا اثر تو ہونا ہی تھا اب دیکھ لیا اپنی ضد کا انجام۔''

''فضول باتیں مت کریں چچی جان، عائشہ کے پاس تو ایک سال

زیادہ رہا اور نہ مرا، جبکہ اس نے چند ہی دنوں میں میرے بیٹے کو مار دیا قدیر کی جان
عذرا کی لاپرواہی کی وجہ سے گئی ہے۔ بچے کو ادھر ادھر چھوڑ کر گپیں لگاتی تھی یہ تو
ہونا ہی تھا، اب اپنا جرم دوسرے کے سر رکھنے کی کوشش مت کریں۔'' جواب میں
کوئی کچھ نہ بولا۔

اس رات ہی منے کو دفن کردیا گیا اور دوسرے دن قل کے بعد بھائی
عذرا کو وہیں چھوڑ کر آنے لگے تو عذرا روتی ہوئی خود ہی ان کے ساتھ چلی آئی تاہم
اس کو ساتھ لانے سے پہلے بھائی جان نے ان سب سے سخت لہجے میں کہا تھا۔

''آئندہ میں آپ کے منہ سے اپنی بہن کے بارے میں کوئی بات نہ
سنوں اور اس کو بھی سمجھادیں ورنہ ایک دن واپس آجائے گی۔''

کوئی ان کی بات پر نہ بولا اور بھائی جان عذرا کو لے کر لاہور آگئے۔

چار بجے کے قریب بھائی جان گھر آئے تھے میں نے دروازہ
کھولا اور ان کو اکیلے دیکھ کر پوچھا۔

''بھائی جان منا کہاں ہے؟''

''تم سے چھین لیا تھا نا عذرا نے، خدا نے عذرا سے چھین لیا۔'' بھائی
جان نے بھیگتے لہجے میں کہا۔

''نہیں۔'' میں چیخ مار کر بھائی جان سے لپٹ گئی اور وہ آنسو جو منے کو
عذرا کے حوالے کرنے پر میں نے اپنے اندر روک لئے تھے سب بہہ نکلے عذرا منہ
بنا کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور بھائی جان مجھے تسلی دے کر چپ کرواتے رہے مگر
خود ان کی آنکھیں بھی نم ہورہی تھیں۔

بس یہی آخری آنسو تھے جو میں نے منے کی موت پر بہائے، اس کے
بعد میں نے نہ رونے کی قسم کھالی اور ضبط کرنا سیکھ لیا اور خود کو کتابوں میں گم کرلیا
کہ زندگی صرف رونے سے نہیں گزرتی اس کے لئے اور بھی بہت کچھ کرنا پڑتا
ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے جہد مسلسل کی ضرورت ہوتی ہے، جو کہ میں شروع
کرچکی تھی کہ عزت کی زندگی گزارنے کے لئے یہ بہت ضروری تھا۔

اب میں تھی میرا کمرہ اور پڑھائی، اب عذرا مجھ سے گھر کا کام کروانا بھی

پسند نہ کرتی تھی، سارا کام وہ خود کرتی تھی ، کھانا بھی خود ہی پکاتی اور ساتھ باتیں بھی خوب کرتی تھی، میں جب کھانے کے لئے کچن میں جاتی تو وہ اگر باہر ہوتی تو بھاگ کر کچن میں آجاتی اور منہ بگاڑ کر کہتی۔

''کھانے کو ہاتھ مت لگانا، سالن کے لئے پلیٹ پکڑو۔'' اس نے میرے برتن ہی الگ کر دیئے تھے جیسے میں چھوت کی مریضہ ہوں اور میں پلیٹ پکڑ کر اس کے سامنے کرتی اور وہ ایک چھوٹی سی بوٹی اور تھوڑا سا سالن میری پلیٹ میں ڈال کر دو روٹیاں مجھے پکڑا دیتی اور میں یہ سب کچھ بغیر ماتھے پر شکن ڈالے لے کر اپنے کمرے میں آجاتی تھی۔

میں، جو اپنے ماں باپ کی بہت پیاری تھی۔

میں ، جو کسی کی بات ماننا تو دور کی بات ، گوارہ بھی نہ کرتی تھی۔

میں، جو بہت زبان دراز تھی ، ہاتھ چھٹ تھی ، ضدی تھی، اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے میں خود کو ہمیشہ نقلی بیماریوں میں مبتلا رکھتی تھی ، اماں ، ابا کو وقت بے وقت اپنی ضدوں سے پریشان کردیتی تھی اپنے اکیلی ہونے کا فائدہ اٹھاتی تھی کبھی سردرد کا بہانہ کرکے دوپٹہ سر پر باندھ لیا اور کبھی کھٹے آلوچے کھا کر گلا خراب کرکے میں ان سب کو اپنے آگے لگائے رکھتی تھی ، ہر کسی سے اکڑ کر ملنا اور بولنا۔ انسان تو انسان جانور بھی میرے غصے سے نہ بچتے تھے۔

آج ، عذرا نے میری وہ ساری اکڑ، سارا تنتنا اور غصہ مار دیا تھا ، یا وقت بدلنے کے ساتھ وہ سب کچھ وہ ناز ونخرے خود ہی ختم ہوگئے تھے کہ یہ ناز نخرے تو اپنے اٹھاتے ہیں اور میرے پیارے ایک ایک کرکے سب مجھ سے جدا ہوگئے تھے اور بھائی جان کو میں خود ہی کم بلاتی تھی کہ کہیں وہ بھی میری نحوست کا شکار نہ ہوجائیں ، اب میں خود بھی اپنے آپ کو منحوس عورت ہی سمجھتی تھی اگر میں منحوس نہ ہوتی تو کیا یہ سب میرے ہی ساتھ ہوتا۔

عذرا جو کبھی میری بہت اچھی سہیلی تھی اب سب سے بڑی دشمن بن چکی تھی۔ ہمارے گھر ساتھ والی وہ پڑوسن جب بھی آتی عذرا اس کے ساتھ مجھے سنانے کو خوب باتیں کرتی اور حد تو یہ تھی کہ عذرا سے زیادہ وہ پڑوسن مجھے گھورنے لگی تھی

جیسے میری وجہ سے اس کا بھی کوئی مرگیا ہو، ایسے میں جب عذرا جیل کے قیدیوں کے سے انداز میں سالن روٹی دیتی تو وہ پڑوسن کہتی۔

''بڑا حوصلہ ہے تمہارا جو اس چڑیل کو خود پکا کر کھلاتی ہو۔'' اور عذرا تنک کر کہتی۔

''یہی بے غیرت ہے جو میرے ہاتھ کی پکی کھاتی ہے۔ ارے اگر کوئی مجھے اس طرح کھانے کو دے تو میں اس کے منہ پر ماردوں، خود چاہے بھوکی مر جاؤں مگر ایسی بے عزتی کی روٹی نہ کھاؤں۔'' وہ ہنسنے لگتی۔

اور میں حیرت سے سوچتی کیا یہ میں ہی ہوں؟ اور ایک پھیکی سی ہنسی میرے لبوں پر دم توڑ دیتی اور پھر میں سب کچھ بھول کر پڑھائی میں لگ جاتی اور سوچتی ،میٹرک کے بعد پی ٹی سی کرلوں اس کے بعد کسی اسکول میں لگ گئی تو کھانا باہر سے کھالیا کروں گی، بس یہی آخری صورت مجھے عذرا سے نجات کی نظر آتی تھی ورنہ تو وہ مجھے چھوڑنے والی ہرگز نہیں تھی۔

بالآخر دو سال کا یہ اذیت ناک عرصہ گزر گیا اور میں ایک اسکول میں بھائی جان کے دوست کی معرفت ٹیچر لگ گئی اور عذرا کی باتوں سے بھی کچھ حد تک نجات مل گئی، ناشتے میں ایک سیب اور پیکٹ کا دودھ پی کر میں اسکول چلی جاتی، فروٹ میں اکثر لاکر اپنے کمرے میں رکھ لیا کرتی تھی اور دوپہر کا کھانا اسکول سے واپسی پر بازار سے لے کر آتی اور وہی کھانا اگر بچ جاتا تو رات کو بھی کھالیتی ورنہ اب کھانے کا شوق ہی کہاں رہا تھا ،اب تو صرف زندہ رہنے کے لئے کھاتی تھی،میں بہت زیادہ کھا کھا کر اپنی عمر سے بڑی لگا کرتی تھی اب اتنا کم کھاتی تھی کہ اپنی عمر سے بہت چھوٹی لگا کرتی تھی اپنی اسمارٹ نس کی وجہ سے میں بیس برس کی ہی لگا کرتی تھی۔

وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا ، مجھے یہی کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں اسکول سے واپسی پر میں اکیڈمی پڑھنے کے لئے چلی جاتی تھی میٹرک کے بعد اب میں ایف اے کی تیاری کر رہی تھی اور جب ایف اے کرلیا تو بی۔اے کی تیاری شروع کردی کہ زندگی میں کرنے کو اور کچھ رہا ہی نہ تھا سو پڑھتی ہی چلی

گئی تھی۔

جبکہ عذرا اپنے گھر کو سنبھال رہی تھی خدا نے دو بیٹیوں کے بعد ابھی ت
اس کو اور کچھ نہ دیا تھا وہ سونی گود کے ساتھ گھر میں جلے پاؤں کی بلی کی طر
پھرتی اور جب کبھی اپنی حالت پر غصہ آتا تو میں چاہے باہر نہ بھی جاتی وہ خود
ے کمرے میں آ کر مجھے خوب برا بھلا کہہ کر دل کا غبار نکالتی اور پھر چلی جاتی
اب مجھے اس کی باتوں کا افسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ سچی تھی میری وجہ سے اس ک
بھائی کی جان گئی تھی، پھر بیٹا بھی نہ رہا تھا اور اس کے بعد خدا نے ابھی تک رحم
نہ کی تھی ایسے میں اس کا غصہ حق پر تھا۔

مگر جب میں ایم اے کا امتحان دے رہی تھی تب عذرا نے تیسرے ب
کو جنم دیا، ڈلیوری ہاسپٹل میں ہوئی تھی بھائی جان نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا مگر م
نے امتحان کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔

یہ الگ بات کہ گھر آنے پر بھی میں نے بچے کو صرف دور سے دیکھا
ہاتھ تک نہ لگایا تھا، عذرا بہت خوش تھی، اور بھائی جان بھی شاید میں بھی کہ عذرا
مصروف رہنے کے لئے ننھی سی جان مل گئی تھی، اب مجھ پر برسنے کا موقع اسے
ہی ملتا تھا اکثر ایسا ہی ہوتا کہ وہ مجھ پر برسنے کے لئے کمرے میں آتی تو حس
رونے لگتا اور اس کو سنبھالنے کے لئے، مجھ پر غصہ اتارے بغیر جلدی سے باہر چل
جاتی۔

اردو میں ایم اے کرنے کے بعد بھائی جان نے اپنے اثر و رسوخ سے کا
لے کر مجھے ایک مقامی کالج میں لیکچرار لگوا دیا تھا ان دنوں میں نے لیکچرار ک
حیثیت سے کالج جوائن کیا تھا تو بھائی جان کی جنرل ہاسپٹل سے سروسز ہاسپٹل بھیج
دیا گیا، ہاسپٹل بدلا تو بھائی نے گھر بدلنے کا بھی فیصلہ کر لیا اور اتفاق سے ان ک
ہاسپٹل کی طرف سے رہائش بھی مل گئی اور ہم سب نئے گھر میں شفٹ ہو گئے۔

میں مکمل طور پر درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئی تاہم پڑھنے ک
سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اردو میں پی ایچ ڈی کرنے کا فیصلہ کر لیا اور تیاری شرو
کر دی۔

جب سے عذرا کے ہاں بیٹا ہوا تھا وہ مجھ پر تو کم ہی برستی تھی مگر اندر ہی
ندر وہ مجھے گھر سے نکالنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ اس بات کا پتہ مجھے اس وقت
ہلا جب نئے گھر میں آئے ہوئے ابھی ایک ماہ ہی ہوا تھا۔ اوپر والے پورشن میں
ب پٹھان میاں بیوی اپنی ایک برس کی بچی کے ساتھ رہتے تھے پڑوسن ہونے کے
تے وہ کبھی کبھار آ جاتی تھی مگر میرا اس کا سامنا کم ہی ہوا تھا، کیونکہ میں صبح کالج
تی اور دوپہر کو واپس آتی تھی۔ اس دن میں کالج سے واپس آئی تو وہ عذرا کیساتھ
ٹھی باتیں کر رہی تھی، مجھے دیکھ کر عذرا سے پوچھنے لگی۔

"آپ کی نند کون سی کلاس میں پڑھتی ہے؟"

"پڑھتی نہیں پڑھاتی ہے۔" عذرا نے زہر خند سے کہا۔

"کیا مطلب؟" پڑوسن نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کالج میں لیکچرار ہے۔" عذرا نے لہجہ نفرت سے بھرا ہوا تھا جیسے میرے
ے میں بتانا سخت ناگوار گزر رہا ہو۔

"اتنی چھوٹی سی عمر میں؟" پڑوسن نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اتنی چھوٹی نہیں ہے، اُنتیس برس کی ہے۔" عذرا نے پھر اسی لہجے میں
ا۔

"کیا؟ انتیس برس؟ لگتی تو نہیں۔" پڑوسن کہہ رہی تھی اور میں اپنے
رے میں بیٹھی سن رہی تھی۔

"ہاں لگتی تو نہیں اس لئے کہ خدا نے بہت حسن دے رکھا ہے اور اس
ن کے علاوہ اور ہے ہی کیا اس منحوس عورت کے پاس۔" وہ بڑبڑائی۔

"شادی نہیں کی؟" پڑوسن نجانے کیوں میری ذات میں دلچسپی لے رہی
ھا۔

"دو کر چکی ہے اب تیسری کی تیاری ہے۔" عذرا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تیسری؟" پڑوسن کے منہ سے ابھی یہی نکلا تھا کہ پرویز بھائی آ گئے اور
چلی گئی اور میں حیرت سے سوچنے لگی یہ تیسری شادی کا کیا چکر ہے؟ آخر عذرا
، یہ بات کیا سوچ کر کہی، جبکہ ایسی کوئی بات سے ہی نہیں، پھر میں الجھ الجھ

سوچتی رہی مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔
لیکن پھر یہ چکر اسی رات میری سمجھ میں آ گیا جب عذرا نے کمرے میں آ کر کہا۔

”تمہارے بھائی کے کولیگ ڈاکٹر نے جن کی بیوی چھ ماہ پہلے بچے کی پیدائش پر مر گئی تھی تمہارے لئے رشتہ بھیجا ہے، مجھے اور تمہارے بھا کو یہ رشتہ پسند ہے کیونکہ تم خود تو کبھی ماں نہیں بن سکو گی، اس لئے اب کم والے کو ہی قبول کرنا ہوگا، بولو تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نہیں تمہارے بھا رہے ہیں، میرے بس میں ہوتا تو فوراً ہاں کر کے دو بول پڑھوا کر تمہیں گھر باہر کرتی مگر انہوں نے مجھے مجبور کیا ہے تمہاری رائے لینے کے لئے، ا ہاں کر دیں؟“

”ان سے کہہ دو میں دوسری شادی نہیں کروں گی۔ مجھے میرے چھوڑ دیں تو مہربانی ہوگی۔“ میں نے بھی تلخ لہجے میں کہا۔

”دوسری شادی۔“ عذرا نے طنزیہ ہنسی کیساتھ کہا۔ ”بی بی تیسری ش بے شک۔ تم ایاز کی دلہن نہ بنیں مگر مہندی تو لگ ہی چکی تھی، جبکہ سیا ہیں منگنی ہونے سے آدھا نکاح ہو جاتا ہے، تمہاری تو مہندی تک کی رسم ہ اب تو تیسری شادی کو اگرچہ مجھے ان کے دوست پر ترس آتا ہے بیچارہ تمہ کے بعد اپنے بچے بھی روتے چھوڑ جائے گا، مگر میں تمہیں اس گھر سے نکا ہوں، اس لئے ان کے دوست کا نہیں اپنا سوچوں گی، اب کہو کرو گی شادی۔“ وہ جلانے والے انداز میں بولی۔

”جو بھی کہہ لو مگر اب میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔ میری طر صاف انکار ہے۔“ میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”اونہہ انکار...... میں تمہارا انکار نہیں مانتی، تمہیں ہاں کرنا ہوگی، ا تمہیں اور اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی یہ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔“

”کوئی مجھے ہاں کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرے زبردستی کر سکتا ہے، میں خود جا کر انکار کر دیتی ہوں۔“ میں نے کہا پھر باہر آ

بھائی جان چپ چاپ کھڑے شاید ہماری باتیں سن رہے تھے میں نے ان کو دیکھا اور کہا۔

”میں اب ساری زندگی شادی نہیں کروں گی، وہی بہت ہے جو میرے ساتھ گزر چکی ہے، اگر آپ مجھے پناہ نہیں دے سکتے تو صاف صاف کہئے میں اپنا بندوبست خود کر لوں گی، مگر شادی کا نام بھول کر بھی میرے سامنے نہ لیجئے گا۔“ میں غصے میں بھری اپنے کمرے میں آ گئی اور بھائی جان اسی وقت گھر سے باہر چلے گئے اور عذرا غصے سے بھری میرے کمرے میں آئی اور دروازے میں کھڑی ہو کر ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔

”اونہہ میں اب کبھی شادی نہیں کروں گی، کیا تم بھول گئیں کہ اس خانہ بدوش عورت نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا تمہارے ہاتھ میں شادی کی تین لکیریں ہیں، کیوں خواہ مخواہ شادی سے انکار کرتی ہو تیسری شادی تو تمہاری لازماً ہونی ہے اب تو وقت ہے اور ہم بھی کہہ رہے ہیں مگر کل جب وقت نہیں رہے گا تب بھی تم شادی ضرور کرو گی، بڑھاپے میں شادی کر کے ہمیں بدنام جو کرو گی تو بہتر ہے ابھی شادی کر کے بھائی کی عزت رکھ لو۔ وہ تمہاری وجہ سے بہت پریشان رہتے ہیں اب بولو ہاں کہہ دیں؟“ آخر اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”نہیں۔“ میں نے سختی سے کہا اور عذرا مجھے برا بھلا کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی مگر اب وہ بلند آواز سے بول رہی تھی۔

”منحوس عورت، میں تمہارے وجود سے اپنے گھر کو پاک کرنا چاہتی ہوں، اپنے بچے کو تمہارے سائے سے بچانا چاہتی ہوں، کیونکہ مجھے یقین ہے اگر تو یہاں رہی تو ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا، ایک ایک کر کے سب چلے جائیں گے، تو پھر یہ بہتر نہیں کہ تو ہی چلی جا۔“

”کیا ہوا عذرا کیوں خفا ہو رہی ہو!“ اوپر والی پڑوسن پھر چلی آئی۔

”وہی جو منحوس میرے گھر میں رہتی ہے۔“ عذرا اب نئی پڑوسن کو میری کہانی سنا رہی تھی اور میں اس خانہ بدوش عورت کے بارے میں سوچ رہی تھی اس نے ہر بات سچ کہی تھی، اس نے کہا تھا۔

''شادی کی جگہ پر تین لکیریں ہیں، شاید ایک آدھ منگنی ٹوٹ جائے اور

اس نے دو بیٹوں کا بتایا تھا جن میں سے ایک کی موت کی خبر بھی دی تھی اور وہ واقعی مرگیا تھا مگر دوسرا بیٹا،اب ناممکن تھا کیونکہ بقول ڈاکٹر میں اب کبھی ماں نہیں بن سکتی لیکن ڈاکٹر کے کہنے سے کیا ہوتا ہے ڈاکٹر خدا تو نہیں۔

''ہوسکتا ہے کوئی معجزہ۔''

ارے یہ میں کیا سوچ رہی ہوں، جب مجھے شادی ہی نہیں کرنا تو پھر،مگر عذرا کے بارے میں جب وہ خانہ بدوش عورت ساتھ گھر آئی تھی تو اس نے کہا تھا۔

''بی بی یہ جولڑکی ابھی تمہاری محبت میں بڑھ چڑھ کر بول رہی ہے تمہاری دشمن بن جائے گی اور تم سے شدید نفرت کرے گی۔''

اور اس کی یہ بات بھی سچ ہوچکی تھی مگراس کی دو باتیں ابھی نامکمل تھیں، تیسری شادی جوکہ میں اب کبھی کرہی نہ سکتی تھی،ایاز سے منگنی ٹوٹی نہ تھی اس کے مرنے پر خود بخود ختم ہوگئی تھی اور فیروز شادی کے بعد مرگئے تھے ،اب جواس نے دوسرے بچے کا کہا تھا وہ تو ناممکن تھا کہ میں اب ایک بانجھ عورت تھی۔ شادی کر بھی لیتی تو ماں نہ بن سکتی تھی اور سچی بات تو یہ تھی کہ اب پڑھائی کے علاوہ کسی بات میں دلچسپی نہ تھی ، میں اب پڑھنا پڑھانا چاہتی تھی ، یہی وجہ تھی کہ میں نے بھائی سے شادی کاانکار خود کیا تھا۔ کہ عذرا کہیں اپنی طرف سے ہی ہاں نہ کردے مگر یہ دوسرے بیٹے والی بات کبھی کبھی مجھے پریشان کرتی تھی کیاواقعی میرا کوئی دوسرا بیٹا ہوگا؟

چند روز بعد عذرا اور بھائی گاؤں چلے گئے ،وہ جمعہ کو گئے تھے اور چند دن وہاں رہنے کا پروگرام تھا ان کے جانے کے بعد میں کمرہ چھوڑ کر باہر چھوٹے سے لان میں کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ وہ جب بھی گاؤں جاتے تھے میں ایسے ہی بیٹھا کرتی تھی کہ تب ہی میری آزادی ہوتی تھی ، عذرا اتنی کمینی تھی کہ جاتے ہوئے کچن کو تالا لگا کر جاتی تھی تاکہ میں اس کے بعد کچن میں نہ جاسکوں کہ وہ میرا کسی چیز کو ہاتھ لگا ناپسند نہ کرتی تھی اور میں خود بھی نہیں جاتی تھی، بھلا جاتی بھی کیوں؟ کھانا باہر سے لے آتی تھی اور چائے اپنے کمرے کے ہیٹر پر بنالیا کرتی تھی ، یوں

ہر وقت بھی پاس ہوجاتا تھا۔

میں ان سب کے جانے کے بعد پرسکون سی لان میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔

ی تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی میں نے اٹھ کر وازہ کھولا تو اوپر والی پڑوسن تھی، اس کے ساتھ اس کی بچی تھی۔

''بھائی لوگ تو گاؤں گئے ہوئے ہیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''وہ لوگ گاؤں گئے ہیں آپ تو گھر میں ہیں۔ اندر آنے کا نہیں کہیں ؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی...... اور میں نے ان کو اندر آنے کا راستہ تے ہوئے کہا۔

''جی ضرور آئیے۔'' اصل میں میرے ذہن میں آج بھی وہ غازی روڈ لی پڑوسن تھی جو عذرا سے بھی زیادہ مجھے گھورا کرتی تھی نجانے کیوں؟ بھلا اس کو یہ ب کرکے کیا ملتا ہوگا؟ عذرا سے تو چلو میرا کچھ رشتہ تھا مگر وہ عورت خواہ مخواہ عذرا نظر میں اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے ،خیر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں۔

''پڑھ رہی تھیں آپ؟'' اس نے کرسی پر پڑی کتاب دیکھ کر پوچھا۔

''جی ہاں پڑھ ہی رہی تھی ، آپ پلیز بیٹھیں اور بتائیں کیسے آنا ہوا؟'' نے اس کی معصوم اور پیاری سی بچی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سچ پوچھیں تو آپ سے ملنے اور باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا تھا مگر پ سے کم ہی ملاقات ہوتی ہے، آپ تو سارا وقت اپنے کمرے میں ہی بند رہتی یا پھر کالج۔ کبھی ہمارے ہاں بھی آئیے۔'' وہ خلوص بھرے لہجے میں کہہ رہی ی۔

''جی بس وقت ہی نہیں ملتا۔'' میں نے مارے مروت کے کہا۔

''وقت تو بہت ہوتا ہے آپ کے پاس، آپ خود ہی آنا نہیں چاہتیں۔ ید اپنی بھابی کی وجہ سے۔ بہت ڈرتی ہیں آپ ان سے ؟'' وہ نجانے کیا پوچھنا ہی تھی۔

''ڈرنے والی چیز سے ڈرنا ہی چاہئے۔'' میں نے مسکرا کر بات ٹال دی۔

''آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟'' وہ اچانک ہی کہنے لگی۔میں نے حیران

ہو کر اسکو دیکھا اور مدھم لہجے میں کہا۔

''مجھ سے دوستی کر کے آپ کو کیا ملے گا بھابی سے کیجئے گا دوستی اچھی کمپنی ملے گی، میری دوستی عموماً لوگوں کو نقصان ہی دیا کرتی ہے۔''

''میں آپ کی سب کہانی جانتی ہوں، آپ کی بھابی کا رویہ بھی سمجھ اور آپ کے صبر وتحمل اور ضبط پر حیران بھی ہوتی ہوں، وہ اتنا کچھ بولتی رہتی ہیں کے منہ سے کبھی اف تک نہیں نکلا، آخر آپ اپنے بھائی سے بات کیوں نہیں ان کو بتائیں بھابھی کے رویئے کے بارے میں۔'' وہ مجھے مشورہ دے رہی تھی۔

''ایک وہی تو اب اس دنیا میں میرا محبت کا رشتہ ہے میں اس کو کھ چاہتی، آپ چھوڑیں ان باتوں کو بتائیں کیا پیجئے گا۔''

''جو بھی آپ پلادیں ویسے کچن کو تو آپ کی بھابھی تالا لگا کر گئی،

''جی وہ کچن کو تو بھابی تالا دراصل۔'' میں نے بات ادھوری چھوڑ کر دیکھا کہ وہ کیا سوچتی ہوگی؟ نجانے کیا بات ہے جو اس کی بھابی تالا؟ مگر ویسی نہیں تھی جیسی کہ غازی روڈ والی پڑوسن تھی۔

''جانتی ہوں اس بات کو بھی، آپ اوپر آئیں نا میں آپ کو چائے بھی پلاؤں گی اور بہت سی باتیں بھی کریں گے۔'' وہ بہت محبت سے تھی، میں نے ایک بار رسمی انکار کیا اور پھر اوپر اس کے ساتھ آگئی، اوپر اس بھی تھا۔ وہ بھی بہت محبت اور خلوص سے ملا میں اس کے ساتھ دوسرے کمر آگئی اور ہم دونوں باتیں کرنے لگے......اس نے مجھے اچھی سی چائے بھی ہم نے بہت سی باتیں بھی کیں انہوں نے مجھے رات کے کھانے پر روکنا میں انکار کر کے چلی آئی۔

صبح ابھی میں کالج کے لئے تیار ہو رہی تھی جب بیل ہوئی دروازہ کھولا تو اوپر والی پڑوسن ناشتے کی ٹرے لیے ہوئے کھڑی تھی۔

''یہ کیا؟'' میں نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

''آپ کا ناشتہ، جب تک آپ کی بھابی نہیں آجاتی آپ کو ناشتہ کروں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مگر بھابی مجھے کب ناشتہ دیتی ہیں پلیز آپ تکلیف نہ کریں، اس طرح میری عادت خراب ہوجائے گی۔'' میں نے اندر کے درد کو دبا کر بظاہر مسکرا کر کہا۔

''نہیں خراب ہوتی عادت۔ میں آپ کی بھابی کے آنے پر بھی آپ کو ناشتہ دیا کروں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے ہی کہہ رہی تھی۔

''ارے اگر آپ نے بھابی کے سامنے یہ سب کیا تو وہ آپ کا گھر آنا بند کردیں گی، ویسے سچی بات ہے میں صبح ناشتہ میں صرف چائے پیتی ہوں، پلیز آپ یہ سب واپس لے جائیں۔'' میں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

''آج تو رکھ لیں کل سے نہیں لاؤں گی۔'' کہہ کر وہ ٹرے مجھے دے کر واپس چلی گئی اور میں اس کی اس ہمدردی پر غور کرتے ہوئے اندر چلی آئی۔

''دوپہر میں کالج سے واپس آئی تو ابھی لباس بدل ہی رہی تھی کہ وہ پھر دوپہر کا کھانا لے کر چلی آئی تو میں نے ناراضگی سے کہا۔

''یہ آپ اچھا نہیں کر رہیں۔''

''ٹھیک ہے میں اچھا نہیں کر رہی آپ کے ساتھ، اچھا کرتا ہی کون ہے۔'' کہہ کر وہ چلی گئی، اب یہ بھی اتفاق تھا کہ صبح ناشتے کی چیزیں بچی ہونے کی وجہ سے کھانا لے کر نہیں آئی تھی......اور اب میں اوپر سے آیا ہوا کھانا کھا رہی تھی، بہت عرصہ بعد گھر کا بنا ہوا کھانا کھایا تو اچھا لگا حالانکہ ان کے کھانے میں مرچ برائے نام تھی یہ تو مجھے بعد میں پتہ چلا کہ وہ سالن میں صرف نمک ڈالتے ہیں اور مرچ کے ذائقے کے لئے ثابت سبز مرچ دو چار ڈال لیتے ہیں۔''

میں کھانے سے فارغ ہوئی تو وہ بچی کو لے کر پھر آگئی میں نے اس کو بیٹھنے کا کہتے ہوئے پوچھا۔

''ناشتہ بھی آپ کے گھر سے کرلیا، کھانا بھی کھالیا، مگر آپ کا نام ابھی تک نہیں پوچھا اور نہ ہی آپ نے بتایا، اب یہ رسم بھی ادا کردیجئے، تاکہ مخاطب کرنے میں دقت نہ ہو۔''

''میرا نام رابعہ ہے اور میری بیٹی کا نام زرتاشہ، جبکہ آپ کا نام مجھے بھی معلوم نہیں، آپ کا نام کیا ہے؟'' وہ اپنا نام بتانے کے بعد پوچھ رہی تھی۔

''میرا نام منحوس ہے، بھابی نے بتایا ہوگا۔'' میں نے دکھی لہجے میں کہا
''ایسی بات نہیں کرتے آپ اپنا صحیح نام بتائیں۔'' وہ محبت سے
دیکھتے ہوئے بولی۔

''عائشہ۔'' میں نے مسکرا کر بتایا پھر پوچھا ''کیا میں زرتاشہ کو اٹھا
ہوں۔'' میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر یہ پوچھ ہی لیا۔

''کیوں نہیں؟ مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' رابعہ نے کہا تو میں نے اس پیاری
سی پیاری بچی کو اٹھا کر چوم لیا، نجانے کیوں میرے اندر ممتا جاگ رہی تھی حالا
میں نے تو اپنے تین دن زندہ رہنے والے بیٹے کو بھی ایک نظر نہ دیکھا تھا، اگر
زندہ ہوتا تو یہ باتیں یہ رویئے، یہ میرے پیار کے رشتے جواب دکھ بن گئے۔
شاید ان کا دکھ اتنا محسوس نہ ہوتا، مگر خدا کو شاید یہ بھی منظور نہیں تھا ورنہ اگر وہ
زندہ ہوتا تو شاید زندگی اتنی مشکل نہ ہوتی جتنی کہ اب تھی ہر لمحہ اذیت سے بھرا۔

''آپ کیا سوچنے لگیں؟'' رابعہ نے پوچھا تو میں چونک پڑی پھر اس
ساتھ باتیں کرنے لگی۔

عذرا پورا ایک ہفتہ گاؤں میں رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی پرویز
بھی، یہی وجہ تھی کہ اس ایک ہفتے میں میری رابعہ سے خوب اچھی خاصی دوستی
اور بچی تو مجھ سے اس قدر پیار کرنے لگی تھی کہ رابعہ اوپر بھی ہوتی تو وہ اکیلی
میرے پاس چلی آتی اور میں بھی اس کو بہت پیار کرنے لگی تھی، اکثر آتے ہوئے
اس کے لئے کچھ نہ کچھ لے آتی تھی کہ بچے تو ہوتے ہی محبت اور کھانے پینے کے

☆☆☆

عذرا جب گاؤں سے واپس آئی تو یہ ماجرا دیکھ کر بہت حیران ہوئی
آخر زرتاشہ کی میرے ساتھ محبت دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا تو رابعہ سے کہہ دیا

''یہ بہت منحوس ہے تم اپنی بچی اس کے پاس نہ بھیجا کرو ورنہ پچھتا
جو بھی اسے پیار کرتا ہے یا اس کے قریب آتا ہے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھ
تمہاری ایک ہی بچی ہے، کیوں اس کی جان کی دشمن بن رہی ہو؟''

''میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔'' رابعہ نے خشک لہجے میں کہا

کا منہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا تھا۔ جواب میں عذرا نے پھر کچھ نہ کہا تھا کہ رابعہ کے
شوہر پرویز بھائی کے ساتھ ہی ہوسپٹل میں کام کرتے تھے دونوں ڈاکٹر تھے اور اب
دوست اور پڑوسی بھی۔ ایسے میں اگر عذرا کچھ کہتی تو پرویز بھائی خفا ہوتے اس لئے
عذرا چپ رہی اور زرتاشہ کی وجہ سے میرا وقت بھی کچھ اچھا ہی گزرنے لگا تھا اب
میں کالج سے آنے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہونے کی بجائے اکثر رابعہ کے
پاس چلی جایا کرتی تھی اور جب میں واپس آتی تو اکثر زرتاشہ بھی ضد کرکے میرے
ساتھ ہی آجاتی تھی۔

عذرا کے گاؤں سے واپس آنے کے چند روز بعد زبیدہ بھابی آئیں تھیں
اور مجھے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''عائشہ! مجھے تمہارے چچا نے بھیجا ہے وہ کہتے ہیں تم اس رشتے سے
انکار مت کرو اتنی لمبی زندگی اکیلی کیسے گزارو گی؟ عذرا کا رویہ تو تم دیکھ ہی رہی ہو کہ
کیا ہے اور پھر عورت کب تک اکیلی رہ سکتی ہے زمانہ بہت برا ہے تم ہاں کردو۔''

انہوں نے خود بھی مجھے بہت سمجھایا مگر میں نے صاف انکار کردیا کہ اب
میں خود ہی کچھ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ میں دوسری شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔
زبیدہ بھابی میرے دکھوں پر خود بھی دکھی ہوتے ہوئے واپس گاؤں لوٹ گئیں۔

تاہم کبھی کبھی میں تنہائی میں سوچتی کیا واقعی ابھی کوئی ایسا تیسرا شخص ہے
جو میری زندگی میں آئے گا؟ کون ہوگا وہ اور کیسا ہوگا' جو مجھ جیسی ایسی منحوس عورت
کو اپنائے گا اور پھر اپنی جان سے گزر جائے گا اور میری زندگی مزید عذاب کر جائے گا۔

نہیں۔ میں سختی سے اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیتی۔ اب کوئی
تیسرا شخص میری زندگی میں نہیں آئے گا اب میں تقدیر کے چکر میں نہیں آؤں گی
اب میں اپنا ہر فیصلہ خود کروں گی۔ میں نے سوچ لیا اور میری ضد سے مجبور ہوکر
بھائی جان نے اس رشتے سے انکار کردیا۔

ان دنوں کالج میں دسمبر کی چھٹیاں تھیں اور رابعہ کے بھائی کی شادی بھی
تھی جس میں شرکت کے لئے وہ اپنے گاؤں چارسدہ جارہی تھی اس نے مجھے بھی
اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی مگر میں نے انکار کردیا یہ سوچ کر کہ بھائی جان ناراض

نہ ہوں۔میرے انکار پر جب رابعہ نے عذرا سے بات کی تو وہ نخوت سے بولی۔

''میں تو خود چاہتی ہوں چار دن تمہارے ساتھ جانے سے مجھے اس کی منحوس صورت دیکھنے سے نجات مل جائے جس کو میں دیکھنے پر مجبور ہوں محض اس کے بھائی کی وجہ سے'' وہ میری موجودگی کی پرواہ کئے بغیر کہہ رہی تھی۔

''میری طرف سے پوری اجازت ہے آپ لے جائیں اس کو'' مگر میں نے پھر بھی انکار کردیا۔اسی رات جب پرویز بھائی آئے تو عذرا نے بتایا۔

''رابعہ عائشہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے بھائی کی شادی پر مگر یہ جانے سے انکار کررہی ہے۔''

''پھر تم کیا چاہتی ہو؟'' بھائی جان نے منے حسن کو پیار کرتے ہوئے پوچھا

''میرا خیال ہے وہ آپ کی وجہ سے نہیں جارہی۔آپ خود اس کو جانے کہہ دیں تو ہوسکتا ہے وہ چلی جائے۔'' عذرا ہر صورت مجھے بھیجنا چاہتی تھی۔

''کیا بے وقوفی کی باتیں کرتی ہو۔میرے ایسا کہنے سے وہ کیا سو گی؟'' پرویز بھائی نے سخت لہجے میں کہا تو میں خوش ہوگئی،سب بدل گئے تھے لیکن بھائی نہیں بدلا تھا اب بھی مجھ سے محبت کرتے تھے اور عذرا بھی مجھے ان کی عا موجودگی میں ہی برا بھلا کہتی تھی۔پرویز بھائی کے سامنے وہ چپ ہی رہا کرتی اور پرویز بھائی کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ میں کھانا باہر سے لاکر کھاتی ہوں اگر ان کو پتہ چلتا تو وہ عذرا کو گھر سے نکال دیتے۔یہی وجہ ہے میں نے خود بھی ان کو کچھ بتایا تھا اور ان کو پتا اس لئے نہ چلتا تھا کہ میں ان کے اٹھنے سے پہلے ہی تیار ہ کالج چلی جاتی تھی۔دوپہر میں واپس آتی تو بھائی کھانا کھا کر پھر جاچکے ہوتے رات وہ کلینک سے اتنے لیٹ آتے تھے کہ ان کو پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ گھر میں ہورہا ہے۔میں پھر ان دونوں کی باتیں سننے لگی۔

''آپ ایک بار کہہ کر تو دیکھیں۔'' عذرا کہہ رہی تھی۔

''نہیں بھئی میں عائشہ سے یہ بات نہیں کہہ سکتا۔'' پرویز بھائی نے صا جواب دیا۔

''آپ کیوں کہیں گے؟ آپ کو اپنے گھر سے محبت ہو تو آپ کچھ کہیں آپ تو چاہتے ہیں اس کا منحوس وجود ہروقت اس گھر میں نحوست پھیلاتا رہے لیکن اب عائشہ سے یہ بات آپ کو کہنا ہی ہوگی......ویسے بھی رابعہ اتنی محبت سے کہہ رہی ہے تو چلی جائے چار دن گھوم پھر آئے گی تو کونسی قیامت آجائے گی۔'' عذرا کہتی رہی مگر اب بھائی جان چپ تھے جواب میں انہوں نے اب ایک لفظ بھی نہ کہا تھا اور میں حیران سی ان کے رویے کے بارے میں سوچنے لگی۔

صبح میں ابھی نماز اور تلاوت سے فارغ ہوکر لیٹی ہی تھی کہ بھائی جان میرے کمرے میں آئے اور مجھ سے کہا۔

''عائشہ! اگر رابعہ اتنی محبت سے کہہ رہی ہے تو چلی جاؤ اور پھر بہت عرصہ گزر گیا تمہیں گھر میں بند ہوئے۔اب اگر موقع مل رہا ہے اور کالج بند ہونے کی وجہ سے وقت بھی تمہارے پاس ہے تو گھوم پھر آؤ۔کیا خیال ہے تمہارا؟''

''جی بہتر بھائی جان'' میں نے بغور ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ جلدی سے نظر چرا کر باہر نکل گئے اور میں نے دکھ سے سوچا۔

گویا اب میرے بھائی کے بدلنے کا وقت بھی آپہنچا۔ وہ جو عذرا کے منہ سے میرے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارہ نہ کرتے تھے گزری رات عذرا نے ان کے سامنے مجھے بہت کچھ کہا تھا اور بھائی جان چپ چاپ سنتے رہے تھے آخر ایک دن تو ہونا ہی تھا۔

تقدیر کے اس نئے مذاق پر میں روئی نہیں مسکرائی تھی اور، رابعہ کے ساتھ پشاور جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

لاہور سے پشاور تک کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد جب ہم پشاور کے ریلوے اسٹیشن پر اترے تو زرتاشہ کا چچا گاڑی لئے ہمارا منتظر تھا ہمیں دیکھتے ہی وہ شکوہ کرنے والے لہجے میں بولا۔

''آج پھر آپ کی گاڑی بہت لیٹ آئی ہے میں چار گھنٹے سے یہاں موجود ہوں پلیز آپ لوگ کنجوسی چھوڑ کر ہوائی جہاز کی سیر کرلیں تو کوئی حرج نہیں ہوگا'' وہ بھائی سے گلے ملتے ہوئے کہہ رہا تھا۔پھر بھابی کو سلام کیا اور زرتاشہ کو

اٹھا کر پیار کرتے ہوئے وہ چلنے لگا تو رابعہ کے شوہر نے کہا۔

”زرتاشہ کو چھوڑ کر سامان اٹھا کر چلو، جلدی کرو کام چوری کی عا جاتی نہیں تمہاری حالانکہ اتنے بڑے ہوگئے ہو۔“

”سوری“ وہ زرتاشہ کو رابعہ کے حوالے کرکے سامان اٹھانے کے لئے تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنا بیگ اٹھالیا۔

سامان اٹھاتے، اٹھاتے اس نے سر اٹھا کر مجھے حیرت سے دیکھا پھر کر بھابھی سے کہا۔

”یہ آپ کے ساتھ ہیں مگر آپ نے تعارف نہیں کروایا۔“

”یہ زرتاشہ کی آنٹی ہیں عائشہ“ رابعہ نے مسکرا کر مجھے دیکھا پھر کہا۔ عائشہ یہ میرا دیور ہے بہت شریر قسم کا۔“

”اوہ“ میں نے صرف یہی کہنے پر اکتفا کیا جبکہ رابعہ کے دیور نے باقا مجھے سلام کیا پھر ہاتھ بڑھاتے ہوئے شوخی سے بولا۔

”لائیے بیگ دیجئے، یقین کیجئے میں چور نہیں ہوں۔“

اس کی بات پر رابعہ ہنس پڑی تو میں نے بھی مسکرا کر بیگ اس حوالے کردیا اور پھر اسٹیشن سے باہر آئے جہاں اس کی جیپ کھڑی تھی۔ رابعہ شوہر آگے بھائی کے ساتھ بیٹھ گئے اور میں نے پیچھے رابعہ کے ساتھ بیٹھتے ہو پوچھا۔

”ابھی اور کتنا سفر باقی ہے رابعہ؟“

”لگتا ہے آپ بہت تھک گئی ہیں۔“ رابعہ کے شوہر نے پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”اصل میں مین نے پہلی بار اتنا لمبا سفر کیا ہے شاید اس لئے“ میں اپنی تھکن کا اعتراف کیا تو ذاکر بھائی بولے۔

”بس تھوڑا انتظار کریں۔“ پھر وہ شاید میرا دھیان بٹانے کو کہنے تھے۔ ”آپ اس علاقے کی طرف شاید پہلی بار آئی ہیں؟“

”جی بالکل پہلی بار“ میں مسکرائی۔

”جبھی تھک گئی ہیں خیر باقی زیادہ سفر نہیں ہے۔“ پھر وہ بتانے لگے۔

”چارسدہ پشاور سے تقریباً بیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اتنا ہی فاصلہ ردان سے ہے اور یہی فاصلہ نوشہرہ سے بھی ہے۔ آپ اگر سننے کے موڈ میں ہوں ؤ میں آپ کو یہاں کے بارے میں بتاؤں۔“ انہوں نے گویا اجازت طلب کی۔

”ضرور بتائیے۔“ میں نے مارے مروت کے کہا اور ذاکر بھائی بتانے لگے۔

”چارسدہ پشاور ڈویژن میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ ہے، یہاں کی شہور پیداوار گندم، مکئی، گنا اور چقندر ہے، ان کے علاوہ یہاں تمباکو بھی کافی قدار میں ہوتا ہے گنے اور چقندر سے چینی بھی بنائی جاتی ہے گنے سے گڑ بھی بنایا جاتا ہے جو پاکستان بھر میں نمبر ایک گڑ ہے۔ یہاں پر گڑ کی منڈیاں ہیں جہاں ے پورے پاکستان میں فروخت کیلئے گڑ بھیجا جاتا ہے۔ یعنی پاکستان کے تقریباً نام شہروں میں یہ گڑ پہنچ جاتا ہے۔ گو کہ پنجاب بھی اس میدان میں اپنی ایک الگ ی اہمت رکھتا ہے مگر یہاں کا گڑ واقعی بہت اچھا ہوتا ہے...... آپ بور تو نہیں ہو رہیں میری باتوں سے“ وہ اچانک رک کر پوچھنے لگے تو رابعہ کے دیور نے کہا۔

”اگر آپ کے گڑ...... گڑ سے ہو بھی رہی ہوں تو بتائیں گی تھوڑی، آخر مہمان بے زبان ہوتا ہے۔“

اس کی بات سن کر میں نے مسکرا کر کہا۔

”ایسی کوئی بات نہیں مجھے تو اچھا لگ رہا ہے۔ یہاں کے بارے میں جاننا۔ اس طرح بندے کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور میں تو ویسے بھی استاد ہوں......“

”جی ہاں...... جی ہاں......“ رابعہ کے دیور نے مسکراتے ہوئے کہا مگر میں نے اس کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں تو آپ اپنی بات جاری رکھیں۔“ اور ذاکر بھائی پھر شروع ہوگئے۔

”چارسدہ پشاور کی تحصیل ہے، یہاں کے لوگ زیادہ تر کاشتکاری کرتے ہیں یہاں کی زمین بھی کافی زرخیز ہے...... ویسے یہاں باغات بھی خاصی تعداد میں

ہیں جس میں آلو بخارا، ناشپاتی ، جاپانی پھل اور خوبانی خاص طور پر قابل ذکر اس کے علاوہ ہر قسم کی سبزیاں بھی اگائی جاتی ہیں اور ہاں سگریٹ والی تمبا یہاں بہت بڑے بڑے ڈپو ہیں۔" وہ چپ ہوگئے کچھ وقت یونہی گزرا تو میں شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مزید کچھ اور چارسدہ کے بارے میں یا پھر یہی تھا جو آپ بتادیا؟" میری بات سن کر رابعہ کے دیور نے مسکرا کر بیک مرر میں مجھے دیکھ کہا۔

"بھائی اب چارسدہ کی ہسٹری بھی بتا ہی دیجئے۔" ذاکر بھائی نے گھ اس کو تنبیہی نظروں سے دیکھا پھر کہنے لگے۔

"چارسدہ میں بدھ مت مذہب کے کافی کھنڈرات موجود ہیں او کھنڈرات کا ایک بازو تخت بھائی تک پھیلا ہوا ہے جو کہ اس زمانے میں بدھ کا مرکز ہوتا تھا ان علاقوں میں محکمہ آثار قدیمہ نے کافی کھدائی کی ہے اور کافی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت ساری دوسری چیزیں بھی ملی جن میں برتن مورتیاں اور اس زمانے کی نہریں وغیرہ شامل ہیں۔"

"کھنڈرات تو اب بھی موجود ہوں گے؟" میں نے دلچسپی ظاہر کر ہوئے پوچھا حالانکہ یہ ایک احمقانہ بات تھی ظاہر ہے جب کھدائی ہوئی کھنڈرات بھی ہوں گے۔

"ظاہر ہے اب صرف کھنڈرات ہی تو ہیں۔ وقت گزر جاتا ہے اور یا چھوڑ جاتا ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تعلیمی لحاظ سے چارسدہ پشاور سے دوسر نمبر پر ہے۔یہاں پر لڑکوں کے لئے ایک ڈگری کالج اور لڑکیوں کے لئے اسکول ہے۔" وہ چپ ہوئے تو رابعہ کے دیور نے پلٹ کر مجھے دیکھتے ہو شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ واقعی بور نہیں ہو رہیں تو میں آپ کو کچھ اور بتاؤں؟"

"ضرور۔" میں مسکرائی۔

"چارسدہ کو پہلے ہشت نگر بھی کہتے تھے بلکہ پرانے لوگ اب بھی

ہش فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آٹھ اور نگر کے معانی گاؤں کے ہیں ہیں۔ آٹھ گاؤں پر مشتمل ہے۔جن میں چارسدہ پڑانگ ، رجڑ، تمان زئی، ترنگزئی، عمر زئی، شیر پاؤ اور اٹھ تنگی شامل ہیں یہاں کا قبرستان کئی ایکڑ رقبے پر واقع ہے یہاں ایک شوگر مل بھی ہے اور ایک کاغذ بنانے کا کارخانہ بھی۔ یہاں کے لوگ قومیت کے لحاظ سے محمد زئی ہیں اور افغان ہیں۔ یہاں پر صرف سنی عقیدے کے لوگ بستے ہیں اور کسی دوسرے مذہب کے لوگ یہاں پر نہیں رہتے یہاں کے رہنے والے عقیدے کے پکے مسلمان ہیں ویسے تو ہر مسلمان ہی عقیدے کا پکا ہوتا ہے اور ہاں چارسدہ میں موٹا چاول بھی خاصی مقدار میں ہوتا ہے۔ اس کے لئے رجڑ گاؤں میں چاول صاف کرنے والی مشین بھی لگی ہوئی ہے ویسے یہاں کے چپل اور کھدر بھی بہت مشہور ہے آپ نے کبھی پہنا ہے......؟"

"جی بدقسمتی سے اتفاق نہیں ہوسکا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور چارسدہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہ سیاسی لحاظ سے بھی کافی مشہور ہے۔ انگریزوں کے زمانے سے ہی یہ سیاست کا مرکز رہا ہے۔ سیاست میں یہاں کے حاجی ترنگزئی صاحب کافی شہرت رکھتے ہیں اور انگریزی حکومت کے خلاف انہوں نے بہت لڑائیاں لڑی ہیں یہ علاقہ ہمیشہ انگریزی حکومت کے خلاف رہا ہے۔اور یہاں کے مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف قربانیاں دی ہیں اور انگریزوں کی بے رحمی کا شکار بھی ہوئے ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان قربانیوں کو ضائع نہیں کیا بلکہ ان قربانیوں کے صلے میں ہمیں ایک آزاد وطن عطا کیا ہے۔" وہ چپ ہوا پھر کہا۔

"اور یہاں کا پردہ بھی بہت مشہور ہے دروازوں پر ڈالنے والا نہیں، عورتوں کا پردہ کرنا، یہاں کی عورتیں پردے کی بہت سخت پابند ہیں، مثال میری بھابی کی صورت میں دیکھ لیں آپ گاڑی میں بیٹھی ہیں مگر پھر بھی چہرہ چادر میں چھپا رکھا ہے۔"

اس کی بات سن کر میں نے جلدی سے اپنے ننگے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ رابعہ کے دیور نے یہ منظر شیشے سے دیکھا پھر آہستہ سے کہا۔

"گو کہ آپ یہاں کی رہنے والی نہیں ہیں مگر میرے خیال میں ہر
عورت کو کرنا چاہیے کہ اس کا حکم مذہب نے بھی دیا ہے، اور اس میں پھر کچھ برائی
نہیں بلکہ یہ تو بہت ساری برائیوں سے انسان کو بچائے رکھتا ہے۔"

"ارے چپ کرناں۔" رابعہ اور ذاکر بھائی نے ایک ساتھ کہا۔

"سوری بھائی۔" وہ ان کے غصے سے بھرا چہرہ دیکھ کر بولا پھر کہنے لگا۔

"ہاں تو ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔ اچھا سنیئے یہاں پر دنیا کی
چیز ملتی ہے لوگ محنتی اور جفاکش ہیں، سارا دن کھیتوں اور دکانوں پر کام کرتے
اور رات کو ڈیرے پر محفلیں لگتی ہیں جہاں مختلف موضاعات پر باتیں ہوتی ہیں، کو
تماشے بھی کبھی کبھار ہو جاتے ہیں اور اکثر خوشحال خان خٹک کی شاعری سنی اور س
جاتی ہے......"

اس کی بات سن کر مجھے یاد آیا کہ ایسی محفلیں ہمارے گاؤں میں بھی
تھیں جن میں زیادہ تر ہیر وارث شاہ پڑھی جاتی تھی یا پھر بابا بلھے شاہ اور با
کلام گایا جاتا تھا۔ مجھے باہو کا کلام بہت اچھا لگتا تھا اور میں خود بھی وہاں بیٹھ کر
کرتی تھی۔ یہ تب کی بات ہے جب میں بہت چھوٹی تھی۔ گھر سے باہر اکیلے آ
جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی اور اکثر ابا بھی مجھے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

"ویسے یہاں کے بہت زیادہ مرد باہر کے مختلف ملکوں میں کام کر
ہیں۔" رابعہ کا دیور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "اور اہم بات یہ کہ
ں پر پانی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ادھر کافی دریا بہتے ہیں جن میں سے زیا
سوات سے نکلتے ہیں اور ایک دریا کابل سے بھی نکلتا ہوا ادھر آتا ہے جس پر حکو
نے وارسا ڈیم بنایا ہوا ہے اور اب یہاں کی خاص بات ...... کیونکہ اس خاص با
کے بغیر ان علاقوں کی کہانی مکمل ہی نہیں ہوتی۔" وہ ایک منٹ رکا، پھر بولا۔

"اور وہ ہے یہ کہ یہاں پر ہر قسم کا اسلحہ ملتا بھی ہے اور استعمال بھی
ہے، مطلب لوگ اپنی حفاظت کے لئے کافی تعداد میں اسلحہ اپنے پاس رکھتے
اور وقت بے وقت بے دریغ استعمال بھی کرتے ہیں گو کہ تعلیم کی وجہ سے
دشمنیاں خاصی حد تک کم ہو گئی ہیں کہ تعلیم نے لوگوں کو شعور دیا ہے، سمجھداری دی

پھر بھی اکا دکا واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ویسے ایک بات ہے اب گولیاں کسی
خاص بات پر ہی چلتی ہیں۔ چھوٹی موٹی دشمنیاں لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں ورنہ
پہلے تو آپ اگر راستے میں چلتے کسی کو یونہی نظر بھر کر دیکھ لیتے تھے تو وہ خفا ہو کر دو
منٹ بعد آپ کو ختم کرنے آ پہنچتا تھا۔ مگر اب ایسا نہیں ہوتا۔ ویسے یہاں کے لوگ
کافی خوشحال ہیں مگر مکان زیادہ تر مٹی کے ہی بناتے ہیں اور یہاں آپ کو زیادہ تر
مٹی کے مکان ہی نظر آئیں گے۔ لیجئے مکانات کا سلسلہ شروع ہو گیا اب دیکھتی
جائیں۔" کہہ کر وہ چپ ہو گیا گویا چارسدہ کی کہانی ختم ہو گئی تھی۔

"آپ کا مطلب ہے چارسدہ آ گیا" میں نے خوشی بھرے لہجے میں کہا
کیونکہ ان کی باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا اور یہ بات چیت
شاید انہوں نے شروع بھی اسی لئے کی تھی۔

"جی شیشے سے باہر دیکھئے، ہم چارسدہ میں داخل ہو رہے ہیں ارے ہاں
میں نے آپ کو یہاں کے موسموں کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں، یہاں گرمیوں
میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت سردی ہوتی ہے۔" کہتے ہوئے اس نے پلٹ کر
ایک نظر مجھے دیکھا مگر میں تو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ویسے بھی یہی موسم
پنجاب میں بھی ہوتے تھے۔ میرا جی چاہا کہہ دوں مگر میں چپ رہی۔

کچے مکان میں نے کوئی پہلی بار نہ دیکھے تھے ہمارے اپنے گاؤں میں بھی
زیادہ تر کچے مکان تھے اور گاؤں سارے شاید ایک جیسے ہی ہوتے ہیں جیسے سب
شہر ایک سے ہوتے ہیں۔ اچانک جیپ ایک کچے مکان کے سامنے روکتے ہوئے
رابعہ کے دیور نے کہا۔

"لیجئے ہمارا غریب خانہ آ گیا۔" تو رابعہ نے کہا۔

"زرتاشہ میری گود میں سو گئی ہے پہلے اسے لو۔" اور وہ جلدی سے باہر
نکل کر آیا اور زرتاشہ کو گود میں لے لیا۔ میں رابعہ کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اتر آئی اس
وقت جب وہ زرتاشہ کو اٹھائے گھر میں داخل ہو رہا تھا، ساتھ والے گھر سے دو تین
لڑکے نکل آئے تو اس نے انہیں آواز دیتے ہوئے کہا۔

"جیپ میں سے سامان نکال کر اندر پہنچا دو۔" اور وہ گھر میں داخل ہو گیا۔

اس کے پیچھے میں اور رابعہ بھی گھر میں داخل ہوگئیں۔

رابعہ نے بتایا تھا وہ پانچ بہنیں اور چھ بھائی ہیں۔ اس کے باپ نے شادیاں کی تھیں اور یہ اولاد دونوں بیویوں سے تھی، رابعہ کا باپ تو اب فوت ہو تھا مگر مائیں دونوں زندہ تھیں اور سب بچوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی تھ رابعہ سے چھوٹی دو بہنوں کی شادی ابھی ہونے والی تھی جبکہ دو بھائیوں کی ہوچکی اور تیسرے کی اب ہورہی تھی جبکہ باقی تین میں سے دو ابھی پڑھ رہے تھے ایک زمینوں پر تین دوسرے بڑے بھائیوں کے ساتھ ہوتا تھا۔

رابعہ کا دیور ہمیں سیدھا رابعہ کے گھر لایا تھا۔ ہم گھر میں داخل ہو رابعہ کی دونوں مائیں دونوں بہنیں اور بھابیاں ہمارے استقبال کے لئے مو تھیں۔ انہوں نے رابعہ کے ساتھ ساتھ مجھے بھی گلے لگا کر خوب پیار کیا اور بتایا

"رابعہ آپ کا بہت ذکر کرتی ہے جس کو سن کر ہم سب بھی آپ سے چاہتے تھے۔ اچھا ہوا کہ آپ کو رابعہ اب کی بار ساتھ لے آئی۔" اور میں مسکرادی ذاکر بھائی سامان کے ساتھ اندر آئے اور کہا" بھئی ہماری خاص مہمان کو کوئی خا کمرہ دیدیجئے۔ یہ بہت تھک گئی ہیں۔تھوڑا آرام کرلیں۔"

"بغیر کچھ کھائے پیئے آرام کریں گی آپ؟" رابعہ نے مجھے دیکھتے ہو پوچھا۔

"کھانا راستے میں کھایا تو تھا اب صرف چائے یا کافی مل جائے تو" میں نے صحن میں بچھی ہوئی چار پائیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے کہا اور رابعہ بھابیاں چائے بنانے چلی گئیں جبکہ خود رابعہ اماں سے باتیں کرنے لگی تھی اور ذا بھائی باہر مردانے میں چلے گئے تھے۔

جہاں انہوں نے میرا سامان رکھا تھا، یہ پکا کمرہ تھا اور کمرے میں صر تین چار چارپائیاں ہی بچھی ہوئی تھیں، میں بستر پر لیٹ گئی اور پھر پتہ بھی نہ کب آنکھ لگ گئی۔

مگر میں زیادہ دیر اطمینان سے سونہ سکی کیونکہ باہر سے مسلسل بولنے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں جن کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہورہا تھا۔

میں لیٹتے ہی سوگئی تھی مگر ان آوازوں نے مجھے کچی نیند سے جگادیا تھا جس کی وجہ سے بھی ایک دم سر بھاری ہورہا تھا۔ شاید کچھ طویل سفر کی تھکن کا بھی اثر تھا حالانکہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میرے سرہانے کوئی ڈھول بھی بجاتا تھا تو میری آنکھ نہ کھلتی تھی، جبکہ اب میرے اوپر سے کسی کا سایہ بھی گزرتا تھا تو آنکھ کھل جاتی تھی اور اب تو خوب زور وشور سے باتیں ہورہی تھیں ساری بات چیت چونکہ پشتو میں ہورہی تھی اس لئے میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی مگر ہنسنے سے لگتا تھا سب بہت خوش ہیں اور ظاہر ہے شادی والے گھر خوشی ہی ہوتی ہے۔ سارے لوگوں کا مقدر میرے جیسا تو نہیں ہوتا اور خدا نہ کرے جو کسی کا مقدر میرے جیسا ہو۔

میں جاگنے کے باوجود باہر نہ گئی کہ سر میں درد ہونے لگا تھا اور جب یہ سر درد حد سے بڑھا تو میں اٹھ بیٹھی یہ سوچ کر باہر چل کر ایک دو کپ چائے کے پیتی ہوں، ہوسکتا ہے پھر کچھ سکون ملے بلکہ ساتھ ڈسپرین کی ایک دو گولیاں مل جائیں تو اور بھی اچھا ہے۔

میں اٹھ کر باہر آئی تو سارا صحن عورتوں اور بچوں سے بھرا ہوا تھا حالانکہ مہندی کی رسم تو کل تھی۔ سب ہی باتوں میں مصروف تھیں۔ میں وہیں کمرے کے دروازے میں کھڑی ہوکر گھر کو دیکھنے لگی بڑے صحن میں دیواروں کے ساتھ کیاریاں بنا کر پھولوں والے پودے لگائے گئے تھے جبکہ دو تین بڑے درخت بھی صحن کے وسط میں لگے ہوئے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ کھلا باورچی خانہ تھا جہاں ایک عورت جس کی عمر چالیس سال کے قریب ہوگی آٹے کی دو بھری ہوئی پراتیں سامنے رکھے تنور میں روٹیاں لگارہی تھی اور کچھ ہی فاصلے پر مٹی کے بڑے چولہے پر سالن پک رہا تھا۔ اچانک اُن سب نے میری موجودگی محسوس کر لی، مڑ کر دیکھا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ سب یوں چپ ہوکر مجھے دیکھنے لگیں جیسے سوتے میں کوئی بھوت دیکھ لیا ہو، جبکہ خود میں اُن سب سے بے پرواہ تنور والی کو دیکھ رہی تھی جو خود ہی پیڑے بنا کر روٹیاں لگارہی تھی حالانکہ آنگن میں اور بھی بہت سی عورتیں تھیں لیکن وہ شاید نوکر تھی۔

ہمارے گاؤں میں جب کبھی ایسا ہوتا تھا یعنی مہمانوں کی آمد پر اگر زیادہ

روٹیاں لگانی پڑتی تھیں تو دو تین عورتیں مل کر جلدی سے کام نمٹا لیتی تھیں۔ ا
پیڑے بناتی تو دوسری روٹیاں لگاتی جاتی اور تیسری دسترخوان پکڑ کر تنور کے پا
کھڑی ہو جاتی اور جلدی پکی ہوئی روٹیاں اتارتی جاتی مگر یہ بیچاری اکیلی ہی تھی۔

اچانک وہ روٹیاں لگاتی عورت بھی پلٹ کر دیکھنے آئی یہ حرکت شاید ا
نے اچانک چھا جانے والی خاموشی کی وجہ سے کی تھی اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ
مسکرا دی جیسے مجھ سے گہری شناسائی ہو جبکہ میں آہستہ آہستہ چلتی ہوئی رابعہ
پاس آگئی اس عورت کی مسکراہٹ کا جواب دیئے بغیر کہ درد کی وجہ سے میرا
آف ہو رہا تھا۔

''آپ سوئیں نہیں؟'' رابعہ نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا اور اپنے پاس
کو جگہ دی جبکہ باقی سب عورتیں اور لڑکیاں اب بھی مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی
''مہندی تو شاید کل ہے مگر مہمان آج ہی آگئے؟'' میں نے بیٹھتے ہو
پوچھا۔

''یہ مہمان نہیں اپنے ہی گاؤں کی عورتیں ہیں مجھ سے ملنے آئی ہیں
پھر ڈھولک بھی تو بجے گی۔'' رابعہ نے مجھے بتایا پھر پشتو میں اُن سے کچھ کہنے لگی
وہ سب باری باری مجھ سے ہاتھ ملانے لگیں جن کو تھوڑی بہت اردو آتی تھی وہ ا
آدھ بات بھی کر لیتی تھیں۔ تاہم ایک بات جو مشترک تھی وہ یہ کہ سب مجھے
عزت اور احترام سے دیکھ رہی تھیں اور چھوٹی بڑی سب مجھے باجی کہہ کر مخا
کر رہی تھیں۔ میں ان سب کی محبت کا جواب محبت سے دے رہی تھی۔

ملنے ملانے کا یہ سلسلہ ختم ہوا تو میں نے رابعہ سے چائے کا کہا اور ا
کو کہنے کی بجائے فوراً خود اٹھ کر چلی گئی تو میں اس کی امی سے باتوں میں مص
ہو گئی۔ اس کی امی کو تھوڑی بہت اردو آتی تھی جبکہ دوسری ماں کو پشتو کے سوا
زبان نہیں آتی تھی۔ اتنے میں رابعہ چائے لے کر آگئی میں نے دو کپ تیز
کے پیئے مگر سر کا درد نہ گیا۔

ساری رات سر درد ہونے کے باوجود میں ان کے رت جگے میں
رہی کہ اپنا درد صرف اپنی ذات تک محدود رکھنے کا طریقہ میں جان چکی تھی۔

بھی محض اپنی ذات کے سکھ کے لئے ہمیں دوسرے لوگوں کی خوشیاں برباد کرنے کا
کوئی حق نہیں۔ گھر کے اندر لڑکیاں اور گھر سے باہر لڑکے اپنے روایتی انداز میں
ناچتے گاتے رہے اور اس ہنگامے میں اچانک ہی گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں
تو میں ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ایک دم مجھے ایاز یاد آ گیا تھا۔ کیا یہاں بھی وہی
ہنگامہ؟ میں نے خوفزدہ ہوتے ہوئے سوچا۔

نہیں نہیں خدا نہ کرے، میرا رنگ ایک دم زرد ہو گیا اور میں نے پاس
کھڑی رابعہ سے پوچھا۔

''کیا ہوا رابعہ؟ یہ فائرنگ کی آواز کیسی؟''

''ارے ڈریئے مت'' رابعہ نے میرے خوفزدہ چہرے کو ایک نظر دیکھتے
ہوئے ہنس کر کہا۔ ''یہ لڑکے خوشی میں فائرنگ کر رہے ہیں۔''

''اوہ میں سمجھی خدانخواستہ۔'' میں نے سکون کی ایک لمبی سانس لی کہ اس
ایک ہی لمحے میں میرے دل پر قیامت گزر گئی تھی۔ تب رابعہ نے مجھے بتایا یہاں
شادی پر فائرنگ بھی ایک رسم ہے اور میں صرف ''ہوں کہہ'' کر رہ گئی پھر رابعہ سے
اجازت لے کر اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلی آئی حالانکہ اب تو صبح قریب
ہی تھی تاہم میں نہیں باقی سب بھی اِدھر اُدھر سونے کے لئے جگہ دیکھ رہے تھے۔
میں ابھی آکر لیٹی ہی تھی کہ رابعہ آگئی اور بولی۔

''باہر کہیں جگہ نہیں، آپ کہیں تو میں بھی تھوڑی دیر کے لئے آپ کے
ساتھ میرا مطلب ہے آپ کے کمرے میں لیٹ جاؤں؟'' وہ اپنے ہی گھر میں
آرام کرنے کے لئے مجھ سے اجازت طلب کر رہی تھی......

''اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے'' میں نے کہا اور رابعہ بھی میرے ساتھ
والی چارپائی پر لیٹ گئی۔

دوبارہ آنکھ اس وقت کھلی جب رابعہ اٹھی تھی مگر اس کے اٹھنے کے باوجود
میں لیٹی رہی۔ پھر جب کافی دیر بعد اٹھ کر باہر آئی تو گھر میں افراتفری کا سماں تھا۔
مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ صحن میں چارپائیاں بچھا دی گئی تھیں جہاں آنے
والی عورتیں بیٹھی تھیں یا بیٹھ رہی تھیں۔ رابعہ کی بھابیاں اور بہنیں بھی تیار ہو چکی تھیں

اور مہمانوں کا استقبال کر رہی تھیں۔ ایک ایک عورت سے وہ گلے بھی مل رہی تھیں جبکہ رابعہ ابھی ویسے ہی گھوم رہی تھی، مجھے دیکھا تو جلدی سے کہا۔

''ارے آپ تو ہماری خاص مہمان ہیں۔ آپ تو تیار ہو جائیں آپ سے تو سب ہی ملنا چاہیں گے اور آپ ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئیں۔''

''آپ خود بھی تو تیار نہیں ہوئیں اور تاشہ کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ اپنی خالاؤں کے پاس ہے۔ جب یہاں آتی ہوں تو وہی تاشہ کو سنبھالتی ہیں میں تو آرام سے بیٹھی رہتی ہوں۔ یہی چار دن تو ہوتے ہیں میرے آرام کرنے کے۔''

''افوہ یہ رقیہ ابھی تک نہیں آئی۔'' وہ باتیں کرتے کرتے بڑبڑائی۔

''رقیہ کون ہے؟'' میں نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''ہے ایک...... ارے لو وہ آ گئی۔'' رابعہ نے کہا تو میں نے دیکھا وہی عورت تھی جو اس رات تنور پر اکیلی روٹیاں لگا رہی تھی۔

''یہ ملازمہ ہے آپ کی؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں تو'' رابعہ نے جلدی سے کہا'' آپ سے کس نے کہا کہ یہ نوکر ہے؟''

'' اس دن رات کو یہ اکیلی تنور پر روٹیاں لگا رہی تھی اور میرا خیال ہے بہت سارے دوسرے کام بھی انہوں نے کیئے تھے، برتن بھی صاف کئے تھے اور آپ کی بھابی کے ساتھ مل کر صفائی بھی کی تھی اس لئے۔'' میری بات سن کر رابعہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''عائشہ یہ میری پھپھو کی بیٹی ہیں۔ شوہر کی وفات کے بعد بھائی کے گھر رہتی ہیں ہمارے ساتھ ہی تو ان کا گھر ہے۔ باقی اگر آپ کام کی بات کرتی ہیں تو چونکہ فارغ ہی ہوتی ہیں اس لئے۔ ویسے بھی ہمارے یہاں اس قسم کی تقریب میں ساری اپنی عورتیں ہی کام کرتی ہیں اور رقیہ تو کام کرنے کی کچھ زیادہ ہی شوقین ہے یہ تو خیر ہمارا گھر ہے یہ جہاں بھی جاتی ہے کام خود تلاش کر لیتی ہے یا پھر کام اس کو تلاش کر لیتا ہے۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''کوئی بچہ نہیں ہے؟'' میں نے اپنے دکھ کے حوالے سے پوچھا کہ بیوہ تو میں بھی تھی اور بیوہ کی اہمیت کیا ہوتی ہے اس بات سے میں اچھی طرح آگاہ تھی۔

''ایک بیٹا ہے لیکن وہ تو ماشااللہ بڑا ہے۔'' تب تک رقیہ ہمارے قریب پہنچ چکی تھی مجھے دیکھتے ہی اس نے سلام کیا اور صاف اردو میں کہا۔

''کل آپ سے نہ مل سکی اصل میں بھابی واپس آگئیں تھیں اور وہ مینا کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اس لئے آپ سے نہ مل سکی۔ ٹھیک تو ہیں آپ؟''

''جی بالکل ٹھیک ہوں۔'' میں نے اپنائیت سے کہا تو رابعہ بولی۔

''چلیئے اب تو مل لیا ناں تم نے۔'' مگر وہ رابعہ کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھ سے مخاطب تھی۔

''آپ سے ملنے کا مجھے بہت شوق تھا......رابعہ کی زبانی آپ کے بارے میں سن رکھا تھا تو ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔'' وہ کہہ رہی تھی اور میں سوچ رہی تھی، مجھ سے ملنے کا شوق بھلا کیسا؟ شاید درد مشترک تھا ہمارا۔ وہ بھی بیوہ تھی اور میں بھی بیوہ تھی فرق تھا تو صرف یہ کہ میرا بیٹا مر گیا تھا جبکہ اس کا بیٹا زندہ تھا اور وہ بہت خوش قسمت تھی کہ جو بیٹے جیسی نعمت اس کے پاس تھی، زندگی میں اس طرح کے سہارے بہت بڑا آسرا ہوتے ہیں۔

رابعہ مجھے تیار ہونے کا کہہ کر اٹھ گئی۔ مجھے تیاری کیا کرنا تھی چند سادہ سوٹ ساتھ لائی تھی ان میں سے ایک پہن لیا پھر بال بنا کر باہر نکلی تو رقیہ برآمدے میں ایک چھوٹی سے بچی کو لئے کھڑی تھی جس کی عمر بمشکل ایک سال ہوگی مجھے دیکھتے ہی مسکرائی اور کہا۔

''آپ نے تو بہت سادہ کپڑے پہنے ہیں۔ شادی پر ایسے کپڑے تو نہیں پہنتے۔ زندگی زندہ لوگوں کی طرح گزارنی چاہیے۔''

''اور آپ نے تو یہ بھی نہیں پہنے۔ میرا مطلب ہے سادہ۔'' میں نے بھی مسکرا کر کہا۔

''میں، وہ اصل میں بھابی تیار ہو رہی تھیں اسلئے اس کو لے کر ادھر آ گئی ابھی وہ یہاں آئیں گی تو میں بچی اُن کو دے کر خود تیار ہونے چلی جاؤں گی۔''

"لیجئے وہ دیکھیں میرے بھائی۔" اور اس کی بات پوری ہونے سے پہ ہی میں نے دیکھا وہ تیس، تینتیس برس کا نوجوان تھا اور اس کے ساتھ پینتالیس ایک موٹی عورت تھی۔

"یہ ساتھ آپ کی امی ہیں؟" میں نے اس کے بھائی کو دیکھتے ہو پوچھا۔

"ارے نہیں۔" وہ ہنس کر بولی۔ "میری امی تو فوت ہو چکی ہیں، بہت پہ ہی، یہ تو میری بھابی ہیں۔"

"بھابی؟" میں نے حیرانی سے دہرایا۔ "تمہارا مطلب ہے تمہارے ا بھائی کی بیوی ہے یہ۔"

"میرا ایک ہی بھائی ہے باجی۔" پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا بھابی کچھ بڑی ہے نا؟"

"کچھ زیادہ ہی بڑی ہیں۔" میرے لہجے میں طنز شامل ہو گیا حالانکہ غلط بات تھی، اور رقیہ مجھے بتانے لگی۔

" اصل میں یہ میرے ابا کے دوست کی بیٹی ہے، پہلے پڑھائی میں رہی کہ پڑھنے کا بہت شوق تھا، تب ماں، باپ نے بھی کچھ نہ کہا اور جب عمر ہوگئی تو رشتے نہ ملے، ابا کے دوست نے ابا سے بات کی اور ابا نے فوراً ہاں کر ، ہمارے یہاں دوست کی بات نہیں ٹالتے اور اصل بات تو یہ ہے کہ مرد عورت، عمر نہیں دیکھی جاتی مرد پچاس سال کا ہو کر بھی پندرہ سال کی لڑکی سے شا کر سکتا ہے تو کبھی لڑکی بڑی ہو تو پھر کیا ہوا۔"

" اور تمہارے بھائی مان گئے؟" میں نے حیرت سے اس دبلے نوجوان کو دیکھتے ہوئے کہا جو رابعہ کی امی سے بات کر کے باہر جا رہا تھا جبکہ رق بھابی رابعہ کا حال احوال پوچھ رہی تھی اور رقیہ بتا رہی تھی۔

"جب رشتے کی بات ہوئی تب بھائی ملک سے باہر تھے۔ شادی سے دن پہلے وہ آئے تھے اس لئے ان کو کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ انہوں نے پہلی بار بھا شادی کی رات دیکھتے ہی اٹھ کر باہر آگئے اور مہمانوں کی پرواہ کئے بغیر ابا

ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ظلم کیا ہے آپ نے میرے ساتھ۔ کچھ تو خیال کیا ہوتا اس کی اور میری عمر کا فرق تو دیکھا ہوتا۔"

"تب ابا نے پیار سے سمجھایا۔" "بیٹے عمر سے کیا ہوتا ہے۔ وہ میرے دوست کی بیٹی ہے جب اس نے بات کی تو میں انکار نہ کر سکا۔ اب تم بھی میری عزت رکھو گے۔"

"مگر بھائی اسی وقت گھر چھوڑ کر چلے گئے انہوں نے نہ ابا کی عزت کی پروا کی اور نہ ہی مہمانوں کی۔"

"پھر؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پھر بعد میں ابا نے بھائی کے دوستوں سے بات کی اور بڑی کوششوں سے بھائی کو منا کر گھر لے آئے اور بات ختم ہو گئی"۔

"اور تمہارے بھائی نے تمہاری بھابی کو قبول کر لیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ تو جی کرنا ہی تھا، مجبوری تھی، نکاح جو کر چکے تھے پھر اگر بھائی قبول نہ کرتے تو وہ لوگ جرگہ بلا لیتے اور پھر اب بھابی کو خدا نے اپنی خاص رحمت سے نوازا ہے، دو بیٹے دیے اور ایک بیٹی، بس جی پھر بچوں کی وجہ سے قبول تو کرنا ہی تھا لیکن دل سے شاید انہوں نے آج تک قبول نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے سامنے کھڑی اس کی بھابی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک تو وہ ویسے ہی اپنے شوہر سے پندرہ سال بڑی تھی، دوسرے موٹی بھی بہت زیادہ تھی، جس کی وجہ سے اور بھی زیادہ عمر کی معلوم ہوتی تھی، کبھی وہ خوبصورت بھی رہی ہو گی مگر اب تو اس کے چہرے اور جسم پر گوشت ہی گوشت تھا، اس کی آمد پر میرے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور اکثر کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

"مطلب یہ کہ شادی کے بعد بھائی جان نے کام چھوڑ رکھا ہے سارا دن جیپ لے کر فارغ گھومتے ہیں مگر مجال ہے جو کبھی زمینوں پر ہی چلے جائیں۔" رقیہ

بتا رہی تھی۔

''تو پھر خرچا وغیرہ کیسے چلتا ہے، آپ لوگوں کا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''خرچا تو خیر ہماری زمینیں اور باغات ہیں، ان کی آمدنی ہی بہت ہے بھائی تو زمینوں پر بھی جانا پسند نہیں کرتے۔''

''آپ کی بھابھی کو خرچ پھر آپ کے ابو دیتے ہوں گے۔؟''

''نہیں بھابھی خود نوکری کرتی ہیں۔''

میں مزید پوچھنا چاہتی تھی کہ کیسی نوکری مگر اسی وقت رقیہ کی بھابھی را کے ساتھ ہمارے قریب پہنچ گئی۔ رابعہ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے مو اور خلوص بھرے لہجے میں کہا۔

''ڈیئر بھابھی! یہ میری بہت پیاری دوست عائشہ ہیں، اور عائشہ یہ میر پھپھو کی بہو آپ کی زبان میں۔'' پھر وہ ہنستے ہوئے دوسری طرف چلی گئی۔ رقیہ بھابھی نے مسکرا کر مجھے دیکھا پھر رقیہ کی گود میں پڑی بچی کو دیکھتے ہوئے تحکم انداز میں کہا۔

''بچی نجانے کب کی سوئی ہوئی ہے اور تم اس کو یونہی گود میں لئے بیٹھی ہو۔ جاؤ گھر جا کر لٹا آؤ۔'' اور رقیہ میری طرف دیکھتے ہوئے خاموشی سے اٹھ تب وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے شہد آگیں لہجے میں بولی۔

''رابعہ بتا رہی تھی آپ پڑھاتی ہیں۔؟''

''جی۔'' میں نے صرف یہی کہا۔

''اسکول یا کالج میں؟''

''کالج میں۔''

''کون سے کالج میں؟''

''آج کل لاہور کالج میں پڑھاتی ہوں۔'' میں نے بتایا پھر پوچھا۔ ''رابعہ بتا رہی تھی آپ بھی جاب کرتی ہیں؟''

''ہاں میں بھی پڑھاتی ہوں۔'' وہ ایک تھکی ہوئی سانس لے کر بولی۔

''یہیں چارسدہ میں؟'' اب پوچھنے کی باری میری تھی۔

''نہیں پشاور کالج میں پڑھاتی ہوں۔'' پشاور کی رہنے والی ہوں نا۔ بس شادی یہاں ہوگئی میری۔ وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی۔

''اتنی دور آپ روز جاتی ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں پشاور کالج میں پڑھاتی ہوں۔'' وہ شاید اور بھی کچھ کہتی مگر چند مہمان عورتیں ہماری طرف آ کر بیٹھ گئیں تو وہ چپ ہوگئی اور میں نے بھی پھر کچھ نہ پوچھا۔

رقیہ مہندی کا ہنگامہ شروع ہونے تک پھر مجھے نظر آئی تھی لیکن جب نظر آئی تو پھر اکیلی نہ تھی اب اس کی گود میں دو تین سال کا لڑکا تھا اور اب وہ میری طرف نہیں آئی تھی، بلکہ کچھ دوسری عورتوں کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی، تاہم اس کی نظر جب بھی مجھ پر پڑتی وہ مسکرا دیتی اور پھر باتوں میں مصروف ہو جاتی وہ کیا باتیں کر رہی تھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ اب پشتو میں باتیں کر رہی تھیں، بلکہ وہاں سب ہی پشتو بول رہے تھے بچے، عورتیں اور لڑکیاں وہ سب اپنے روایتی لباس لمبا گھیر دار فراک اور تنگ پائنچے کی شلواریں پہنے بہت اچھی لگ رہی تھیں، بہت کم نے شلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔ رقیہ نے بھی فراک ہی پہن رکھا تھا، سب ہی تفکرات سے بے نیاز خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

رابعہ مجھے سادہ سے لباس میں دیکھ کر بہت خفا ہوئی تھی اور اس کی بھابیاں اور دونوں مائیں بھی، مگر میں نے بتایا کہ میرے پاس ایسے ہی سوٹ ہیں تو رابعہ کی بڑی ماں نے جو اردو جانتی تھی کہا۔ ''تم رابعہ کا کوئی سوٹ پہن لو۔'' مگر میں نے انکار کر دیا کہ شوخ لباس اب مجھے خود بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔

جلد ہی سب لوگ لڑکی کے گھر جانے کے لئے اٹھ گئے رابعہ نے مجھے بھی آواز دے کر بلایا جب میں اور رابعہ باہر آئے تو سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے جبکہ رابعہ کا دیور ایک گاڑی سے ٹیک لگائے ذاکر بھائی سے باتوں میں مصروف تھا وہ کل کے بعد مجھے آج نظر آیا تھا، باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ شاید وہ ہماری طرف دھیان بھی رکھے ہوئے تھا کیونکہ مجھے دیکھتے ہی وہ مسکرا دیا۔ پھر وہیں

کھڑے کھڑے رابعہ سے پشتو میں کچھ کہا اور جواباً رابعہ نے اردو میں کہا۔

"یہاں لے آؤ" اور وہ جلدی سے دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ پھر اس کو اسٹارٹ کر کے ہماری طرف آیا تو رابعہ نے مجھ سے کہا۔

"آیئے، ہم دونوں آگے بیٹھیں گی۔" اور پہلے خود بیٹھ گئی پھر جب دوسری عورتیں پیچھے بیٹھ گئیں تو رابعہ کے دیور نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"کیسی ہیں آپ۔ کیسا لگا یہاں کا ماحول اور لوگ۔ آپ انجوائے کر رہی ہیں یا بور ہو رہی ہیں؟"

"اچھے ہیں، بہت اچھے۔" میں نے گوکہ عام سے انداز میں کہا لیکن لوگ واقعی اچھے تھے، سب اتنی محبت، خلوص اور احترام سے ملتے جیسے میں کوئی اہم ہستی ہوں، ان لوگوں کا محبت بھرا احترام والا یہ انداز مجھے بہت اچھا لگا تھا۔

"سچ کہہ رہی ہیں یا؟" وہ شرارت سے مسکرایا رابعہ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ بہت شرارتی ہے۔

"جھوٹ اپنی زندگی سے بہت عرصہ گزرا میں نے نکال دیا ہے۔" جواب دے کر میں باہر دیکھنے لگی۔ رابعہ کے بھائی کے سسرال والے ترنگزئی میں رہتے تھے وہاں تو ایک ہنگامہ سا مچا ہوا تھا، جو ایسے موقعوں پر ہوتا ہے میں الگ سی ایک طرف بیٹھ گئی کہ یہ شور مجھے ناگوار گزر رہا تھا۔ سارے لوگ پشتو میں ہی چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے، میرے پلے کچھ نہ پڑ رہا تھا اس لئے مجھے یہ شور کچھ زیادہ ہی بیزار کر رہا تھا، میں ایک طرف بیٹھی آرام سے دیکھتی رہی، رابعہ اس کی بہنیں اور رقیہ نجانے کہاں چلی گئی تھیں۔

ہر علاقے کے شادی بیاہ کے کچھ اپنے رسم و رواج ہوتے ہیں یہاں بھی ویسا ہی تھا جب لڑکی کے ہاتھ پر مہندی رکھی گئی تو اس نے جلدی سے وہ مہندی رابعہ اور اس کی بہنوں اور ماؤں کے کپڑوں پر مل دی تھی۔ میں نے حیران ہو کر یہ منظر دیکھا اور مسکرا دی۔

بارات پر اس سے بھی زیادہ دلچسپ منظر دیکھنے میں آئے جب دولہا کو

چارپائی پر بٹھا کر لڑکے چارپائی اٹھا کر ناچنے لگے، یہ منظر دیکھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی اور یہ بے ساختہ ہنسی مجھے ایک طویل عرصہ بعد آئی تھی پھر تو شادی کے ان ہنگاموں میں مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا کہ کچھ ایسی ہی دلچسپ رسمیں تھیں ان کی، مجھے ہنستا مسکراتا دیکھ کر رابعہ خوش تھی اور کہتی۔

"اسی لئے آپ کو ساتھ لائی تھی کہ ماحول بدلنے سے موڈ بھی بدلتا ہے۔"

"ہاں موڈ بدلتا ہے لیکن دل کا موسم نہیں۔" میں نے صرف دل میں سوچا تھا منہ سے کچھ نہ کہا تھا تاہم یہ دو دن واقعی میں نے بہت خوشی، خوشی گزارے تھے۔

ولیمے سے اگلے دن جب رابعہ کی بہنیں اور بھابیاں اور محلے کی چند اور لڑکیاں گھر کی صفائی وغیرہ میں مصروف تھیں تب میں نے رابعہ کی امی سے کہا۔

"آنٹی مجھے بھی کوئی کام بتا دیجیے وہ سب مصروف ہیں اور میں بیکار بیٹھی ہوں۔ بڑا عجیب سا لگتا ہے مجھے یوں بیٹھنا۔"

"نہ بیٹی نہ، آپ تو مہمان ہو آپ سے کام کیسے لے سکتے ہیں، آپ بیٹھو آرام کرو۔" ان کی بات سن کر میں اپنے کمرے میں آگئی۔ جب صفائی وغیرہ ہوگئی تو میں پھر باہر آگئی سامنے ہی برآمدے میں رقیہ بچی کو گود میں لئے بیٹھی تھی مجھے دیکھ کر مسکرائی تو میں نے کہا۔

"آپ تو نظر ہی نہیں آئیں رقیہ آپا حالانکہ آج آپ کے کرنے کے لئے یہاں بہت زیادہ کام تھا۔"

"کام سے میں کب ڈرتی ہوں۔ آج اگر آ نہیں سکی تو صرف بچوں کی وجہ سے۔ بھاوج آج دونوں دوسرے بچے بھی گھر پر ہی چھوڑ گئی تھیں اس لئے میں ان کا ہاتھ بٹانے نہ آسکی۔" رقیہ نے بچی کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں، کیا پہلے بچوں کو ساتھ لے کر کالج جاتی تھیں۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں جی، وہاں پشاور میں ان کے باپ کا گھر ہے ایک دو ملازمائیں بھی ہیں وہی بچے سنبھالتی تھیں لیکن رات بھائی سے کسی بات پر ناراض ہو کر بچوں کو

بھی چھوڑ گئیں اس لئے میں ادھر نہ آسکی۔"

"اچھا تو لڑکر گئی ہے واپس نہیں آئے گی اب وہ۔"

"آئے گی تو ضرور کہ یہ جھگڑے تو اب روز ہوتے ہیں۔"

"کیوں اب جب تین بچے بھی ہو چکے ہیں تو جھگڑا کیا؟"

"ویسے تو ہمارے یہاں مرد دوسری شادی بغیر اجازت کے ہی کر
ہیں مگر بھابھی کیونکہ پڑھی لکھی ہیں اس لئے اجازت کی ضرورت پڑ گئی جو بھا
دیتی نہیں ہیں، وہ کہتی ہیں کہ اگر دوسری شادی کرنا تھی تو مجھے پہلے روز ہی آزا
دیتے اب یہ ناممکن ہے، جبکہ بھائی کہتے ہیں، ابھی تو شرافت سے اجازت ما
رہا ہوں، اگر تم نے ضد نہ چھوڑی تو میں ایک کی بجائے دو شادیاں اور کروں گا۔"

"اسی لئے تو کہتے ہیں اولاد سے پوچھ کر شادی کرنی چاہیے۔" میں
فوراً کہا۔

"وہ ٹھیک ہے پر بھائی کچھ غلط تو نہیں کہتے۔ چار شادیوں کی اجازت
ان کو مذہب بھی دیتا ہے اور پھر بھابی اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کا ہونے
شوہر ان سے پندرہ سال چھوٹا ہے تب وہ خود انکار کر دیتیں۔ پڑھی لکھی تھیں
ہماری طرح جاہل تو نہیں تھیں۔"

"آپ نے پڑھا نہیں حالانکہ آپ کی اردو بہت اچھی ہے۔"

"بس تھوڑا بہت پڑھا ہے باقی اردو تو بھابھی کی وجہ سے اچھی ہو گ
بھابی اردو کی مس ہے نا پشاور کالج میں اردو پڑھاتی ہیں۔ اور گھر میں بھی زیادہ
اردو ہی بولتی ہیں۔"

"لیکن آپ نے پڑھا کیوں نہیں؟"

"پڑھتی کیسے۔ آٹھ سال کی تھی جب ماں مرگئی۔ ایک ہی بھائی تھا
سے بہت سال چھوٹا تھا اس کو سنبھالتی رہی پھر ذرا بڑی ہوئی تو اپنی شادی ہو گئی
پڑھتی کیسے؟"

"اب یہی دیکھئے میرے شوہر کی پہلے ہی سے ایک بیوی موجود تھی مگر
بھی میرے باپ نے رشتہ دے دیا کہ مرد تو مرد ہے جب مذہب ان کو اجازت

دیتا ہے تو ہم عورتیں روکنے والی کون ہوتی ہیں۔"

"یہ تو زیادتی ہے کہ آپ خود ہی چار کی بات کریں۔ آپ نے خود ہی
سمجھ لیا ہے کہ مرد چار شادیاں کرسکتا ہے تو پھر مرد کو کیا ضرورت پڑی ہے
جب یہ
آپ کے بارے میں سوچنے کی۔"

"ہے تو سہی پر باجی یہاں سمجھتا کون ہے اور پھر کوئی دوسری شادی کو برا
بھی تو نہیں سمجھتا میرے شوہر بہت دولت مند تھے پہلی بیوی ذرا بیمار ہوئی تو جھٹ
میرے لئے رشتہ بھیج دیا اور میرے باپ نے فوراً منظور کرلیا حالانکہ وہ عمر میں مجھ
سے تیس سال بڑا تھا۔ ایک بیوی بھی پہلے سے تھی۔ دراصل یہاں دوسری تیسری
شادی عام سی بات ہے۔"

"تمہارے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا کیونکہ تم دوسری بیوی تھیں نا"؟
میں نے پوچھا کہ عموماً مرد دوسری بیوی کے زیادہ نخرے اٹھاتے ہیں۔

"کیا پہلی، کیا دوسری ان کا سلوک تو سب کے ساتھ ایک سا ہی ہوتا ہے
میرے ساتھ جو سلوک تھا وہی دوسری کے ساتھ تھا بس وہ ذرا بیمار تھی۔"

"بچے بھی تھے اس کے یا؟" مجھے اس کی کہانی سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی
اس لئے میں نے پوچھا۔

"ہاں جی بس ایک بیٹا تھا، میری شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی وہ مرگیا
تھا، تب مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔"

"دکھ، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ تمہارا راستہ صاف ہوا اب تم اکیلی
مالک تھیں۔" میں نے کہا تو رقیہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"نہ جی مجھے تو دکھ ہوا تھا کہ اس بڑے سارے گھر میں ایک وہی تو تھی
میری دکھ درد کی ساتھی کیونکہ مجھے تو خدا نے ابھی تک اولاد بھی نہ دی تھی جبکہ اس کا
بیٹا پشاور میں پڑھتا تھا، پھر شادی کے کوئی آٹھ دس سال بعد خدا نے مجھے بھی بیٹا دے
دیا لیکن ابھی وہ بارہ سال کا تھا۔ کہ اس کا باپ مرگیا اور اس کے پہلے بیٹے نے جواب
بڑا ہو چکا تھا فوراً واپس آکر ساری جائیداد پر قبضہ کرلیا اور ہمیں گھر سے نکال دیا۔"

"تمہیں کچھ نہیں ملا، دیا بھی کچھ نہیں اس کے بیٹے نے؟" میں نے پوچھا

اور رقیہ بولی۔

''نہیں جی کہتا ہے ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ حالانکہ ہمارے یہاں کہ شادی کے وقت لڑکے کو اپنے حصے کی زمین جائداد اپنی بیوی کے نام کر ہے۔ میرے شوہر نے بھی آدھی جائداد نکاح نامے میں میرے نام کی تھی پر کوئی بات مانتا ہی نہیں۔'' رقیہ نے دکھی لہجے میں کہا۔

''تم عدالت میں جا کر اپنا حصہ وصول کرسکتی ہو، یہ تو کوئی بھی خام نہیں۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''ہمارے یہاں کی عورتیں عدالتوں میں نہیں جاتیں۔ جرگہ بلا کرلئے جاتے ہیں، عدالتوں میں تو آپ شہروں کے لوگ جاتے ہو۔'' رقیہ اپنی مجبوری بتائی۔

''تو تم بھی جرگہ بلالو آخر جائیداد پر تمہارا بھی حق ہے۔''

''میں نہیں بلاسکتی، نہ کوئی میرا وارث نہ والی ایسا کرے تو کون باپ چند ماہ پہلے مرگیا ہے اور بھائی کہتا ہے مجھے تمہاری وجہ سے دشمنیاں نہیں اصل میں پہلے تو چھوٹی باتوں پر لوگ ایک دوسرے کو جان سے ماردیا کر اب تعلیم کی وجہ سے سمجھدار ہوگئے ہیں اسلئے ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر ا نہیں ہوتی اور پھر کسی کے لئے کون دشمنی لیتا ہے، خیر میں یہ سب کچھ بھو مگر'' وہ چپ ہوکر آنسو صاف کرنے لگی تو میں نے پوچھا۔

''مگر کیا؟''

''باجی دکھ والوں کے دکھ کبھی ختم نہیں ہوتے ایک بار دکھ مل جا یہ دکھ ساری زندگی بندے کو گھیرے رکھتے ہیں باہر نہیں نکلنے دیتے۔'' وہ کہہ اور میں سوچ رہی تھی۔

کتنا سچ بول رہی تھی وہ، یہ دکھ آنے کا راستہ تو دیکھ لیتے ہیں مگر بھول جاتے ہیں، میں خود بھی تو پہلے بہت خوش تھی دکھ سے ناآشنا لیکن موت کے حوالے سے جو پہلا دکھ مجھے ملا تو وہ گیا نہیں بلکہ وقفے وقفے دکھ ملتے رہے، کبھی ختم نہ ہونے کے لئے۔ اور اب تو موت کے بغیر ا

سارے دکھوں سے نجات ناممکن تھی۔ میں سوچ رہی تھی اور رقیہ اپنی سنا رہی تھی۔

''اب مجھے ہی دیکھیں بہت چھوٹی تھی جب ماں مرگئی پھر شادی ہوئی تو وہاں جہاں مرد پہلے ہی ایک بیوی کے نازنخرے اٹھا چکا تھا، میں تو محض خانہ پری اورضرورت کے تحت لائی گئی تھی اور پہلے تو خدا نے اولاد ہی نہ دی اور جب اولاد دی تو شوہر چھین لیا، شوہر کے بعد سوتیلے بیٹے نے ہر چیز پر قبضہ کرلیا اور مجھے بھائی کے گھر نوکر بنادیا، بھابی کے تینوں بچوں کو میں سنبھالتی ہوں، سارے گھر کی دیکھ بھال کرتی ہوں مگر پھر بھی وہ بھائی کی بے رخی کا سارا غصہ مجھ پر نکالتی ہے۔ وہ بہت پڑھی لکھی ہیں مگر جب بولنے پرآتی ہیں تو صرف عورت بن جاتی ہیں اور بڑی ہونے کے باوجود میری یہ جرأت نہیں ہوتی کہ جواب ہی دے سکوں، دوں بھی کیسے، کس کے بل پر اور مان پر، خیر ان سب دکھوں کو میں پھر بھی بھول جاتی اگر......اگر یہ امید ہوتی کہ آج نہیں تو آنے والے کل میرے حالات سنور جائیں گے......لیکن مجھے تو کچھ بھی امید نہیں، شاید قسمت میں سکھ ہے ہی نہیں۔'' وہ دکھی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ایسا نہیں کہتے آپا، آپ کا تو بیٹا بھی ہے۔ ایک دن آپ سب بھی خوشیاں دیکھیں گے۔''

''کیسے دیکھوں گی خوشیاں، ارے باجی بیٹا ہے میرا، ہاں ایک ہی بیٹا ہے، اس نے بھی میری جان عذاب میں ڈال رکھی ہے، اس کی وجہ سے تو میں اور بھی دکھی ہوں اگر وہ اچھا ہوتا تو رونا کس بات کا تھا؟''

''کیوں کیا کرتا ہے وہ؟''

''کچھ نہیں کرتا پہلے پڑھتا تھا اب تو پڑھائی بھی چھوڑدی ہے اس نے سارا دن پتہ نہیں کہاں رہتا ہے۔ آوارہ پھرتا ہے اپنے جیسے دوستوں کے ساتھ۔ مجھے امید نہیں کبھی میں بھی خوشی دیکھوں گی، یہ لڑکا نہ ہوتا تو شاید میں اپنے حالات پرصبر کرلیتی لیکن اب تو اور بھی مشکل ہے۔''

''کونسی کلاس میں تھا تمہارا بیٹا؟'' میں نے پوچھا۔

''آٹھویں میں تھا جب اچانک اسکول چھوڑ کر آوارہ پھرنے لگا بہت

سمجھایا میں نے مگر وہ کچھ سمجھتا ہی نہیں، اپنی من مانی کرتا ہے، اب دیکھیں نا، بڑ سوکن بیمار رہتی تھی، کبھی بیٹے پر پوری توجہ نہ دی مگر پھر بھی اس کا بیٹا پڑھ لکھ گیا میں تو خود بھی بہت توجہ دیتی ہوں خود پڑھی لکھی نہیں ہوں مگر بھابھی سے کہتی تھی اس کو گھر پر بھی ذرا پڑھادیا کرے مگر اس لڑکے کو نجانے کیا ہوگیا ہے؟“ وہ رونے لگی

”رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے، صحت برباد ہوتی ہے آپا۔“ میں محبت سے اس دکھی عورت کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”میں کہاں روتی ہوں، فرصت ہی کہاں ملتی ہے مجھے رونے کی اور پھر کسی سے کچھ کہتی بھی کب ہوں، یہ تو آج بس آپ کو پتہ نہیں کیوں بتادیا شاید لئے کہ آپ بھی میری جیسی قسمت لے کر پیدا ہوئی ہیں، رابعہ نے آپ کے بار میں جب سے بتایا تھا تب سے مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔“ وہ بڑی م سے کہہ رہی تھی۔

” اگر یہ بات تھی تو آپ لاہور آجائیں۔“ اب کے میں نے مسکر محبت سے کہا۔

”میں کہاں جاسکتی ہوں باجی، یہ تین بچے ان کو میں ہی تو سنبھ ہوں۔“ پھر بچی کے رونے پر وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

”اس کو بھوک لگ رہی ہے، ابھی دودھ پلا کر لاتی ہوں۔“ اور وہ گئی۔ میں وہیں بیٹھی تھی کہ رابعہ نے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔

”بہت دکھی ہے بے چاری، پر کوئی اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا چلو غیر ہیں مگر اس کا بیٹا بہت ذہین تھا اچھا بھلا پڑھتا تھا پتہ نہیں اچانک کیا پڑھائی چھوڑ چھاڑ کر آوارہ پھرنے لگا ہے۔“

”ہاں یہاں ہر ایک کوئی نہ کوئی دکھ اٹھائے پھر رہا ہے۔“ میں نے ا دکھوں کا سوچ کر کہا۔

”رابعہ“ اچانک ذاکر بھائی ادھر چلے آئے۔ ”فارغ ہویا؟“

”بالکل فارغ ہوں۔“ رابعہ نے کہا۔

”میرا خیال تھا آج عائشہ کو کھنڈرات وغیرہ کی سیر کروائی جائے۔“

”اگر یہ جانا پسند کریں تو“ اچانک پیچھے سے رابعہ کے دیور نے آتے ہوئے کہا پھر مجھے سلام کیا اور حال پوچھا۔

”ٹھیک ہوں، آپ کا جہاں جی چاہے لیجائیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”یعنی کہیں بھی لے جائیں۔“ وہ مسکرایا تو ذاکر بھائی نے گھور کر اسے دیکھا اور وہ سنجیدہ ہوگیا۔

”وہ اصل میں اس دن آپ نے کھنڈرات کا قصہ ذرا دلچسپی سے سنا تھا اس لئے سوچا سیر کا پروگرام وہاں سے ہی شروع کیا جائے، کیا خیال ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا جبکہ رابعہ ذاکر بھائی کو ایک طرف لے جاکر نجانے کیا بات کررہی تھی شاید رقیہ اور شاداب کی۔

”بھابی کل نہیں آئیں۔ لگتا ہے کوئی لمبا پروگرام بن گیا ہے، کیونکہ دونوں بچوں کو ان کا نوکر آکر لے گیا تھا۔“

”اور بچی کو کیوں نہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”بچی چھوٹی ہے میرے بغیر رہتی ہی نہیں ماں کا دودھ تک پیا نہیں۔ پیدا ہوتے ہی میں نے جو سنبھالنا شروع کیا تو اب تک سنبھال رہی ہوں، وہ مجھے ہی ماں سمجھتی ہے۔“ رقیہ ہنس کر بتا رہی تھی پھر ایک دم چونکتے ہوئے بولی۔

”ارے وہ دیکھیں میرا بیٹا آیا ہے۔“ باتیں کرتے کرتے وہ خوشی سے کھل پڑی تو میں نے سامنے دیکھا ایک دراز قد لڑکا جس کی عمر سولہ سال کے قریب تھی سیدھا ہماری طرف آرہا تھا، میں غور سے اس کو دیکھنے لگی۔

اس کا رنگ بہت صاف تھا، نقش تیکھے، اس کی آنکھوں کے پپوٹے سرخی مائل تھے، اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا اور پاؤں میں پشاوری چپل اور کاندھے سے بندوق لٹک رہی تھی، وہ ہمارے پاس آکر رکا پھر رقیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو ادھر تلاش کررہا تھا اور آپ یہاں بیٹھی ہیں کبھی تو گھر پر مل جایا کریں۔“

”یہ مینا رو رہی تھی اس لئے اس کو لے کر ادھر چلی آئی۔“ رقیہ نے ممتا بھری نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے رابعہ کے دیور کے جواب میں

کہا ''جیسے آپ کی مرضی میں تو مہمان ہوں''۔

''لیکن ہم تو آپ کو مہمان نہیں سمجھتے ہم تو...... خیر۔'' وہ نجانے کیا کہتے چپ ہوگیا۔

''مہربانی ہے آپ کی۔'' میں نے صرف یہی کہنے پر اکتفا کیا کہ وہ زیادہ ہی بے تکلف ہورہا تھا حالانکہ رابعہ کے بھی تو بھائی تھے سب مجھے باجی مخاطب کرتے تھے مگر وہ صرف آپ کہنے پر اکتفا کرتا تھا وجہ نجانے کیا تھی۔

کھنڈرات ویسے ہی تھے جیسے ہوتے ہیں ٹوٹی ہوئی گلیاں، مکانات، بازار، دیواریں جہاں کبھی انسان بستے تھے وہاں اب گھاس پھونس اور ویرانی میری اپنی زندگی بھی تو ان کھنڈرات کی مانند تھی، سب کچھ ختم ہوگیا تھا بس میں تھی، میں سوچ رہی تھی۔

''آپ تو دیکھنے کی بجائے سوچ میں پڑ گئیں۔'' رابعہ کے دیور نے میں چونک پڑی، پھر کھنڈرات دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان کھنڈرات کو دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ کبھی یہ گھر، یہ جگہ رہی ہوگی ان میں ہنستے مسکراتے لوگ بستے ہوں گے۔ لیکن اب یہ محض تماشہ نجانے کتنی صدیاں ابھی ان کو اسی حالت میں رہنا ہے۔''

''اپنی اپنی سوچ ہے میرے خیال میں تو یہ قابل فخر ہیں، یہ ہمیں حالت میں ملتے ہیں یعنی ملے تھے اور اب ہماری توجہ سے ان کی یہ بچی نشانیاں آخر تک موجود رہیں گی، بات صرف توجہ کی ہے۔ ہر پرانی چیز کو توجہ دے کر سنوار جاسکتا ہے'' پھر آپ کا کیا خیال ہے؟'' وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا، میں اس کا اشارہ سمجھ کر بھی انجان بن گئی کہ ا باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر رابعہ کا یہ دیور مجھ میں زیادہ ہی دلچسپی لے اور مجھے یہ سب بہت ناگوار گزر رہا تھا۔

اگلے روز میں رقیہ کے پاس بیٹھی تھی اور وہ بتا رہی تھی۔

جیسے پوچھنا چاہتی ہو کیسا ہے میرا بیٹا، ابھی کچھ دیر پہلے کی ناراضگی بیٹے کو دیکھتے ہی ختم ہوگئی تھی۔

''ایک تو یہ مینا آپ کی جان نہیں چھوڑتی، مامی خود نہیں سنبھال سکتیں اپنی اولاد کو تو پیدا کیوں کی، تم کیا نوکر ہو ان کی۔'' وہ غصیلے لہجے میں کہہ رہا تھا، اس کی آنکھوں کے پپوٹے جو سرخی مائل تھے اس وقت غصے کی وجہ سے اور بھی زیادہ سرخ ہو رہے تھے۔

''تم کیسے راستہ بھول پڑے شادی میں تو آئے نہیں؟'' رقیہ نے بھی غصے سے کہا۔

''مہندی والی رات آیا تھا پھر وقت نہ ملا۔'' وہ ماتھے پر بل ڈالے ناگواری سے کہہ رہا تھا۔

''کیوں، کیا کہیں نوکری کرلی ہے؟'' رقیہ کے لہجے میں طنز بھر گیا۔

''ماں! مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ کتنی بار کہا ہے میں نے آپ سے'' وہ غصے سے بولا۔'' نوکری کی کیا ضرورت ہے۔ میرا باپ یہ زمینیں اور باغات کس کے لئے چھوڑ کر گیا ہے یہ صرف حماد خان کے تو نہیں میرے بھی ہیں ان پر میرا بھی حق ہے۔''

''دیکھ رہی ہیں آپ۔'' رقیہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔'' یہ مجھے دوسروں کی نوکری کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا لیکن خود۔ آپ ہی اس کو ذرا سمجھائیں، دوسروں کی نوکری تو میں تب ہی چھوڑ سکتی ہوں، جب اس کو میرا کچھ خیال ہو، جب یہ میرے لئے کچھ سوچے میرے دکھ کا خیال کرے، میں کب خوشی سے یہ کرتی ہوں، مجبوری سے سب کچھ کرتی ہوں۔''

میں نے دکھ سے سوچا، میں بیٹے کے مرجانے سے دکھی ہوں اور یہ زندہ بیٹا پا کر بھی دکھی ہے، پھر میں نے اس کے بیٹے کو دیکھا کچھ سوچا اور پوچھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

وہ مجھے جواب دینے کی بجائے ماں کی طرف دیکھنے لگا تو رقیہ نے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

''یہ باجی عائشہ ہیں، لاہور سے آئی ہیں رابعہ کے ساتھ۔'' جواب میں اس نے لاپرواہی سے کاندھے اچکائے تو میں نے پھر پوچھا۔

''تم نے بتایا نہیں کیا نام ہے تمہارا؟''

"شاداب خان آفریدی۔" اس نے ماں کی گود میں پڑی ہوئی بینا کو دیکھ
ہوئے جواب دیا۔

☆☆☆

شاداب، بہت پیارا نام ہے۔" میں نے تعریف کی، شاداب نے ایک
نظر مجھے دیکھا، پھر ماں کو دیکھنے لگا تو میں نے کہا۔

"بیٹھو شاداب۔" میں نے اپنے سامنے پڑے موڑھے کی طرف اشارہ
اصل میں جب سے میں درس وتدریس کے شعبے سے مکمل طور پر وابستہ ہوئی تھی ت
سے میں نے مختلف تعلیمی اداروں میں پڑھایا تھا، جس کی وجہ سے میں بچوں
نفسیات سے بہت حد تک آگاہ تھی، میں جانتی تھی، بچوں کو کس طرح سمجھانا چاہ
سو محض رقیہ کے دکھ کو دیکھتے ہوئے میں نے شاداب کو سمجھانے کا فیصلہ کیا تھا لیک
شاداب مجھ سے بے پرواہ اب بھی اسی طرح کھڑا تھا۔

"ارے تم ابھی تک کھڑے ہو بیٹھونا" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹ
تو وہ حیران، حیران سا مجھے دیکھنے لگا، پھر ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"جب باجی کہہ رہی ہیں تو بیٹھ جاؤ۔" رقیہ نے گھور کر کہا۔

جواب میں شاداب نے کچھ نہ کہا، تاہم وہ بیٹھ گیا تھا لیکن اس
چہرے پر بیزاری تھی، بندوق اب بھی اس کے کاندھے سے لٹک رہی تھی اور وہ
زمین کو گھور رہا تھا۔

"کیا کرتے ہو تم شاداب۔" میں نے بے تکلفی سے بات شروع کی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے اکھڑ لہجے میں جواب دیا۔

"پڑھتے نہیں ہو؟" میں نے یہ جاننے کے باوجود کہ وہ اسکول چھوڑ چکا ہے پوچ

"نہیں۔" شاداب نے کرخت لہجے میں کہا۔

"کیوں نہیں پڑھتے؟" میں نے بات جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

"دل نہیں چاہتا۔" شاداب نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ ہر بات کا جوا
سخت لہجے میں دے رہا تھا۔

"پڑھتا تھا پہلے، پھر اچانک پتہ نہیں کیا ہوا کہ اسکول چھوڑ دیا۔" رقیہ

ایک بار پھر بتانا ضروری سمجھا تھا۔

"کیوں شاداب پڑھنا کیوں چھوڑ دیا؟" میں نے اس کی لاپرواہی کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے کہ پڑھائی میں کیا رکھا ہے۔" وہ بدتمیزی سے زور سے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے بولا۔ وہ دانستہ مجھے دیکھنے سے احتراز کر رہا تھا۔

"پڑھائی بہت اچھی چیز ہے۔" میں نے سمجھانے کی کوشش کی، بالکل استاد کے انداز میں مگر اس پر شاید کوئی چیز اثر ہی نہ کرتی تھی۔

"ہوگی۔" اس نے پھر لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"تمہیں اسکول نہیں چھوڑنا چاہیے تھا شاداب، کم از کم میٹرک تو کر لیتے۔" میں نے پھر کہا۔

"کیوں؟" اس نے ماتھے پر پڑی شکنوں میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس لئے کہ پڑھائی اچھی چیز ہے۔" میری سمجھ میں نہ آیا اب اور کیا کہوں اس بدتمیز سے۔

"میں نے کہا نا پڑھائی میں کیا رکھا ہے، میں نے بہت سارے پڑھے لکھے دیکھے ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں کہنے لگا۔ "جو ڈگریاں ہاتھوں میں لئے برسوں سے نوکریاں تلاش کر رہے ہیں، جبکہ سارے پڑھنے لکھنے کے باوجود، باہر کے ملکوں میں مکینک، ویلڈنگ، رنگ سازی اور نجانے کیسی کیسی مزدوری کر رہے ہیں، پڑھائی نے ان کو کیا دیا ہے، جو مجھے دے گی پھر خواہ مخواہ اسکول جا کر وقت ضائع کرنے کا فائدہ۔" وہ زہر اگلتے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "یہ چارسدہ تعلیم میں پشاور سے دوسرے نمبر پر ہے۔ لیکن یہاں کے بہت سارے مردوں کو پڑھنے کے باوجود باہر جا کر یہ کام کرنا پڑ رہے ہیں، پڑھائی کا جب کوئی فائدہ ہی نہیں تو پھر کیا ضرورت ہے، دماغ پر بوجھ ڈالنے کی۔"

"دیکھا باجی آپ نے، یہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے جبکہ اس کا بھائی پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے ساری زمینوں پر قابض ہوگیا، اب میں دو وقت کی روٹی کے لئے بھائی کے گھر نوکر، کرتی ہوں، اگر یہ پڑھ لکھ جاتا تو کم از کم حماد خان

سے اپنا حصہ تو لے ہی سکتا تھا، ہم عزت کے ساتھ اپنے گھر میں تو رہ سکتے تھے یوں تو اسے بھیک بھی نہیں ملے گی، اپنا حق لینا تو دور کی بات ہے۔" رقیہ نے دکھی لہجے میں کہا۔

"ہاں! میرا حصہ وہ کھا نہیں سکتا، اپنا حصہ وصول کرنے کی طاقت ہے مجھ میں۔" وہ مارے غصے کے کھڑا ہوگیا۔ "کیا سمجھتی ہیں آپ مجھے۔ بزدل نہیں ہوں، حصے پڑھنے لکھنے سے نہیں ملتے، طاقت استعمال کرنے سے ملتے ہیں اور یہ طاقت ہے میرے پاس۔" وہ بندوق پر ہاتھ مارتے ہوئے غرایا۔ "اپنا حصہ تو میں ضرور وصول کروں گا خواہ اس کے لئے مجھے حماد خان کی نسل ہی کیوں نہ ختم کرنا پڑے اور مجھے لگتا ہے اس کی نسل ختم کیئے بغیر یہ حصہ مجھے ملے گا بھی نہیں، لگتا ہے حماد خان کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے، ورنہ وہ اتنا نہ اکڑتا، خیر کب تک، بالآخر اسے میرے نشانے پر آنا ہی ہے اور وہی دن اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا اب تک تو آدمیوں سے بھری جیپ لے کر آتا جاتا ہے لیکن کب تک؟ کبھی تو میرے ہاتھ لگے گا، کرلے جب تک عیش، اونہہ بزدل سمجھ لیا ہے مجھے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر چلا گیا اور رقیہ رونے لگی۔

"کیا ہوا اس کو؟" رابعہ اور اس کے گھر والے بھی ہمارے قریب بیٹھ گئے رقیہ روتی آنکھوں سے اٹھ گئی شاید وہ شاداب کے پیچھے گئی تھی جبکہ رابعہ اور اس کے گھر والے پشتو میں باتیں کرنے لگے اچانک رابعہ چونکی پھر مسکرا کر کہا۔

"ارے آپ کی موجودگی کو بھول کر ہم پشتو بولنے لگے۔ دراصل امی کہہ رہی ہیں یہ شاداب بہت بگڑ گیا ہے سارا وقت عمرزئی میں اپنے دوست کے ساتھ اس کی زمینوں پر رہتا ہے، اس کا دوست بھی بڑا بگڑا ہوا لڑکا ہے، ذرا ذرا سی بات پر وہ آدمیوں کا اغوا کرلیتا ہے اب شاداب بھی اس کے ساتھ مل گیا ہے۔"

"شاداب کے ماموں اس کو سمجھاتے کیوں نہیں؟" میں نے رقیہ کے دکھ کا خیال کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا سمجھائیں گے، کچھ ان کا رویہ بھی ایسا تھا کہ شاداب نے ان کا گھر بھی چھوڑ دیا اب تو رہتا بھی وہیں عمرزئی میں ہے، اپنے دوست کی زمینوں پر

سارا سارا دن اسلحہ لے کر ساتھ کے ساتھ جیپ میں گھومتا ہے لگتا ہے رقیہ آپا کی قسمت میں خوشی ہے ہی نہیں۔"

"ہوں۔" کہہ کر میں زرتاشہ سے کھیلنے لگی کہ اچانک رابعہ کا دیور چلا آیا پہلے سلام کیا پھر پوچھا۔

"بھائی کہتے ہیں ادھر آنے کا پروگرام بنا ہے یا نہیں؟"

"اصل میں کل ذاکر بھائی جان' بھائی کے ساتھ ہی اپنے ماں، باپ کے گھر چلے گئے تھے۔"

"آذر! بس آج کا دن، کل آؤں گی، بلکہ تم آکر لے جانا۔" رابعہ نے کہا تو اس کا دیور آذر خان فوری اٹھ کر چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے مجھ سے بطور خاص کہا تھا۔

"شام کو تیار رہیے گا، وارسک ڈیم چلنے کا پروگرام ہے۔" اور میرا جواب سنے بغیر چلا گیا تھا، جبکہ میں تو اس لڑکے شاداب کے بارے میں سوچ رہی تھی ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی، سولہ برس اور وہ قتل و غارت کی باتیں کررہا تھا مجھے قدیر یاد آگیا جو محض زمینوں کی وجہ سے مارا گیا تھا، اس کے بھائی بھی محض ساری زمینوں پر قابض ہونے کے لئے قدیر کو راہ سے ہٹانا چاہتے تھے اور آخر خود بھی نہ رہے۔

اب حماد خان تھا شاداب کا بھائی جس نے صرف بڑا اور پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے ہر چیز پر قبضہ کرلیا تھا اور اپنے حصے، اپنے حق کے لئے شاداب اس کی نسل تک ختم کرنے کو تیار تھا اور اس کو ختم کرنے کے بعد کیا وہ خود زندہ رہتا، کبھی کبھی یہ زمین ہمیشہ انسانی خون کی پیاسی رہتی ہے۔

ایسا نہیں ہونا چاہیے، میں نے دل میں سوچا، میں کوشش کروں گی، ایک اور قدیر قتل نہ ہو، قتل و غارتگری کا یہ سلسلہ ختم ہوجائے، مگر کیسے؟ میں سوچنے لگی۔

اگلے روز دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا رقیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو رابعہ نے مجھ سے کہا۔

"آیئے ذرا دیکھ آئیں یہ شاداب تو لگتا ہے ماں کی جان لے کر چھوڑے گا۔" اور میں اس کے ساتھ چلی آئی، سردیوں کی چمکیلی دھوپ میں صحن میں چارپائی پر بستر لگائے لیٹی تھی، پاس ہی شاداب کھڑا مینا کو ہوا میں اچھال رہا تھا، ساتھ ساتھ

وہ ماں سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونکا پھر رقیہ کے کہنے پر اسے پکڑا کر اندر سے دو کرسیاں اٹھا لایا۔ پھر بندوق جو اس نے درخت کے لگا رکھی تھی اٹھاتے ہوئے بولا۔

"ماں چلتا ہوں میں، اب شام کو آؤں گا۔"

"شاداب! تمہاری ماں بیمار ہے کچھ تو خیال کرو۔" رابعہ نے غصے سے

"خیال کر کے ہی یہاں آیا تھا اب آپ آگئیں ہیں تو میں چلتا ہوں اس نے پہلی بار نرم لہجے میں کہا۔

"نوکری پر تو نہیں جا رہے جو جانا بہت ضروری ہے۔" رابعہ نے پھر غصے سے

"ارے نوکری تو پڑھے لکھے لوگوں کو نہیں ملتی مجھے کیا ملے گی اور پھر نوکری کی ضرورت بھی کیا ہے، یہ زمین باغات، جائیداد یہ سب حماد خاں نہیں میرے بھی ہیں، بس تھوڑا وقت رہ گیا ہے اس کے عیش کرنے میں دونوں آپس میں گفتگو میں لگے ہوئے تھے جبکہ میں رقیہ کا حال پوچھ رہی تھی جواب میں وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بس جی جب یہ حماد کو ختم کرنے کی بات کرتا ہے تب میری حالت ہو ہی جاتی ہے، اگر حماد نہ رہا تو پھر یہ بھی نہ رہے گا اور جب یہ نہ رہا تو میں زندہ رہ پاؤں گی، اچھا ہے یا برا میری زندگی کا یہی سہارا ہے، حصہ ملے نہ یہ تو میرے پاس رہے، میں بیٹے کو کھونا نہیں چاہتی مگر یہ اپنی ضد نہیں چھوڑتا۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا شاداب کھڑا اب بھی رابعہ سے بات کر رابعہ اسے سمجھا رہی تھی یہی وجہ ہے شاداب کا ماتھا شکن آلود ہو رہا تھا وہ را باتوں کے جواب میں صرف ہوں، ہاں کر رہا تھا۔

اتنے میں رابعہ کی ماں اسے بلانے آئی کچھ مہمان آئے ہوئے تھے نے رقیہ کا حال پوچھنے کے بعد مجھے دیکھا تو میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی رقیہ نے

"باجی کو ابھی ادھر ہی رہنے دیں آج پہلی بار آئی ہیں اور ابھی کچھ بھی نہیں، سوکھے منہ کیسے جانے دوں۔" یہ سن کر رابعہ چلی گئی رقیہ چائے اٹھنے لگی تو میں نے روک دیا۔

"رہنے دیں آپا، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور پھر ابھی تھوڑی دیر کھانے بعد میں نے چائے پی تھی۔" رقیہ میری بات مان گئی پھر شاداب کو دیکھتے ہوئے ...ے بولی۔

"باجی آپ ہی ذرا اس کو سمجھائیں، آپ پڑھی لکھی ہیں ہو سکتا ہے آپ کی بات مان جائے۔" میں نے رقیہ کے تھکے چہرے کو دیکھا پھر شاداب کو دیکھتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یہاں آؤ شاداب۔"

شاداب نے میرے لہجے پر چونک کر مجھے دیکھا پھر بجائے کرسی پر بیٹھنے کے جو ابھی رابعہ خالی کر کے گئی تھی ماں کے بستر پر بیٹھ گیا۔

"دیکھو شاداب یہ جو تم ہر وقت حماد کو ختم کرنے کی باتیں کرتے ہو تمہارا کیا خیال ہے وہ ختم ہو گیا تو تم زندہ ہو گے؟" میں نے بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں زندہ رہوں گا اس کو ختم کر کے، میں علاقہ غیر چلا جاؤں گا اور اگر نہ بھی رہا تو کیا پرواہ حماد خاں بھی تو اکیلا سب کچھ ہڑپ نہ کر سکے گا۔ میں تو ایک اکیلا ہوں مگر اس کا تو بیٹا بھی باپ کے ساتھ اپنی جان سے جائے گا، میں حماد خاں کے ساتھ اس کے بیٹے جواد خان کو بھی گولی سے اڑا دوں گا۔" وہ خونی لہجے میں بولا۔

"مگر ان سب باتوں کا فائدہ؟" میں نے پوچھا۔

"نقصان بھی کوئی نہیں۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"نقصان کا اندازہ تمہیں نہیں، تمہاری ماں کو ہے، حماد کو مارنے کے بعد تم بھی مارے جاؤ گے، ایسے میں تمہاری ماں کیا کرے گی یہ بھی کبھی سوچا ہے......؟"

وہ چپ رہا تو میں نے پھر کہا۔

"ہر چیز کو جائز طریقے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرو، پھر قانون کے ذریعے اپنا حصہ وصول کرو، آخر یہ عدالتیں کس لئے ہیں۔"

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا مجھے نہیں پڑھنا۔ نفرت ہے مجھے پڑھائی سے۔" وہ جھلا کر بولا۔

"اس لئے نفرت ہے نا کہ نوکری نہیں ملتی، مگر تم فوج میں تو جب کمیشن حاصل کر سکتے ہو، نوکری کے ساتھ ساتھ وطن کی خدمت بھی کر سکتے، محنت سے ایک اچھے مقام اور عہدے پر پہنچ سکتے ہو۔" شاداب نے حیران ہو کر دیکھا تو میں نے کہا۔

"کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ میں فوج میں جا سکتا ہوں، مگر ان باتوں سے آپ کو کیا حاصل ہوگا؟" وہ حیران حیران سا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے بہت کچھ حاصل ہوگا۔" میں نے قدیر کا سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ ضروری نہیں کہ میں تمہیں بھی بتاؤں کہ مجھے کیا حاصل ہوگا اور پھر ویسے بھی کسی کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے مجھے کچھ نہ بھی حاصل ہو مگر تمہاری ماں تمہارے سدھر جانے کے باعث اچھی زندگی گزارے گی تو مجھے بہت خوشی ہوگی" میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ماں سے میں کہتا ہوں بھائی کی نوکری نہ کرے، یہ بھی میرے وہاں رہ سکتی ہے جہاں میں رہتا ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔

"اور اب تو وہ صرف بھائی کی نوکری کرتی ہے پھر باہر دوسرے لوگوں کی بھی کرنی پڑے گی، کچھ خیال ہے تمہیں کہ تم......" مگر اس نے میری بات کاٹ

"سوچ سمجھ کر بولیں۔" شاداب نے بگڑ کر کہا۔ "شاداب خاں کی ماں سمجھیں آپ، ان کی سب عزت کرتے ہیں، احترام کرتے ہیں دوسروں کا کام۔" وہ سخت غصے کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"اگر ماں کا اتنا خیال ہے تو پہلے پڑھو کہ تمہاری ماں تمہاری تعلیم دیکھنا چاہتی ہے، تمہیں اگر ماں کا خیال نہیں تو دوسرے کسی کا کیسے ہو سکتا ہے کے باوجود میں تمہیں سمجھانا چاہتی ہوں، تمہاری ماں بہت دکھی ہے، بچپن سے کر اب تک دکھ ہی دیکھتی آئی ہے تم اس کے دکھوں میں مزید اضافہ نہ کرو پڑھائی پر توجہ دو بعد میں جو جی چاہے کرنا لیکن پہلے پڑھ تو لو، بولو پڑھو گے" میں نے بات ختم کرتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھا جائے گا۔" شاداب نے جیسے میری باتوں سے اکتا کر کہا اور بندوق کاندھے پر ڈالتے ہوئے بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا اور رقیہ نے میری طرف مشکور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی باتیں تو بڑے تحمل سے سنی ہیں شاداب نے ورنہ کوئی اور بات کرے تو کاٹنے کو دوڑتا ہے اتنی بدتمیزی سے جواب دیتا ہے۔ کہ دوسرا انسان ایک کے بعد دوسری بات کرنے کی جرأت ہی نہیں کرتا مگر آپ سے تو زیادہ بدتمیزی نہیں کی۔"

"ہاں میں نے تو تمہاری وجہ سے پوری کوشش کی ہے اسے سمجھانے کی اور پھر ویسے بھی نوجوان نسل کو سمجھانا ہمارا فرض ہے وہ سمجھے یا نہ سمجھے۔" میں نے دل ہی دل میں قدیر کو یاد کرتے ہوئے کہا جو مجھے کبھی بھولتا ہی نہ تھا حالانکہ میں ایاز کو بھول چکی تھی اور شاید فیروز کو بھی لیکن قدیر...... کتنا بڑا حوصلہ تھا اس کا محض دوست کے باپ کا دکھ کم کرنے کے لئے پھانسی پر چڑھ گیا اور دوست کا بے حس باپ بیٹے کی دوستی کا خیال کر کے بھی اسے معاف نہ کر سکا، حالانکہ وہ بے گناہ تھا۔

ہم دونوں باتوں میں مصروف تھیں کہ رقیہ کی بھابھی بھی دونوں بچوں کے ساتھ آ گئیں۔ رقیہ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ کسی دن خود ہی آ جائے گی اور وہ آ گئی تھی وہ بھی ہمارے ساتھ باتوں میں شامل ہو گئی لیکن اب ہمارا موضوع بدل گیا تھا، وہ بڑی محبت سے مجھ سے باتیں کر رہی تھی اور رقیہ بخار کے باوجود مینا کے رونے پر اٹھ کر دودھ بنانے چلی گئی تھی پھر رابعہ مجھے بلانے آئی تو میں بھی اجازت لے کر اٹھ گئی۔

شام کو رابعہ کا دیور آذر ہمیں لینے آ گیا تھا اور ہم اپنا سارا سامان سمیت کے رابعہ کے سسرال کی طرف روانہ ہو گئے، اب باقی کے دن ہمیں ادھر ہی رہنا تھا، رابعہ کی ساس، نندوں سے میں شادی میں مل چکی تھی۔

جب ہم رابعہ کے سسرال پہنچے تو وہ سب ہم سے بڑی محبت سے ملے پھر اچانک رابعہ کی ساس نے پشتو میں رابعہ سے کچھ کہا، رابعہ نے بات سن کر چونک کر آذر کو دیکھا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تو رابعہ سنجیدہ ہو گئی پھر اچانک میری طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔

"معاف کیجئے گا۔ ہم آپ کی موجودگی میں ہی پشتو بولنے لگے دراصل

میری امی کی طرح ان کو بھی اردو بہت کم آتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں مسکرائی تب ہی نوکر نے مردانے میں کسی مہما کے آنے کی اطلاع کی اور آذر خاں اٹھ گیا۔

وارسک ڈیم ہم لوگ شام کی بجائے اگلے دن دیکھنے گئے تھے آذ ہمارے ساتھ ہی تھا مگر آج وہ بہت سنجیدہ تھا نہ کسی بات میں حصہ لیا نہ مسکرایا، یہ بات میں نے خاص طور پر محسوس کی تھی مگر پوچھا نہیں کیونکہ رات جب میں اپنے میں کمرے میں تھی تب بڑے کمرے میں بیٹھے وہ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے بلکہ شاید جھگڑ رہے تھے کیونکہ ذاکر بھائی نے تیز لہجے میں کچھ کہا تھا جواباً آذ کی ماں بھی بولنے لگی تھی، بات چیت چونکہ پشتو میں ہو رہی تھی اس لئے میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔ تاہم ان کے بولنے سے میں اتنا ضرور سمجھ گئی کہ یہ ساری بات آذ کی ذات کے گرد گھومتی ہے کیونکہ نام ہر بار آذر کا ہی لیا جاتا تھا اور آذر بھی بار با بول رہا تھا کبھی نرم اور کبھی سخت لہجے میں۔

صبح کو پہلے میرا جی چاہا رابعہ سے پوچھوں رات جھگڑا کس بات پر ہو تھا لیکن پھر ان کے گھر کی بات سمجھ کر میں چپ رہی۔

اور اب آذر کو سنجیدہ دیکھ کر صاف پتہ چلتا تھا کہ اس کی ذات پر ہی کو بات ہوئی ہے مگر وہ بات کیا تھی جس نے آذر سے اس کی شوخی اور شرارت چھین لی تھی، وہ جو بات بے بات قہقہے لگاتا تھا اس وقت بہت سنجیدہ تھا۔

میں وارسک ڈیم پر کھڑی تھی۔ ڈیم دیکھنے صرف میں اور رابعہ آئے تھے آذر کے ساتھ، ذاکر بھائی کسی دوست سے ملنے نوشہرہ چلے گئے تھے اور زرتاشہ دادی نے اپنے پاس روک لیا تھا۔

"آپ بہت سنجیدہ ہیں آج کیا بات ہے؟" میں نے ڈیم کے پانی دیکھتے ہوئے آذر سے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" آذر نے کہا پھر طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔ "کیسا لگا آپ کو ڈیم؟"

"اچھا ہے، میں نے زندگی میں پہلی بار ڈیم دیکھا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔

"واقعی؟" وہ مسکرایا مگر اس کی مسکراہٹ اصلی نہ تھی وہ پھر چپ چاپ ڈیم کے پانی کو گھورنے لگا تھا رابعہ گو کہ میری وجہ سے مسکرا رہی تھی مگر درحقیقت وہ بھی سنجیدہ تھی، اس لئے جلد ہی واپس چلنے کا فیصلہ ہو گیا۔

ڈیم سے واپسی پر راستے میں شاداب مل گیا بندوق اب بھی اس کے کاندھے پر تھی اور اس وقت وہ گھوڑے پر سوار تھا جبکہ ہم لوگ کھلی جیپ میں تھے شاداب نے ہمیں دیکھ کر رکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ گھوڑا دوڑاتے ہوئے وہ آگے نکل گیا تاہم اس نے مجھ پر ایک نظر ضرور ڈالی تھی۔

ہمیں لاہور سے چارسدہ آئے ہوئے تقریباً بیس روز ہو چکے تھے کھنڈرات اور ڈیم کے علاوہ ہم گھومنے نہ گئے تھے حالانکہ ذاکر بھائی نے بہت کہا تھا مگر آذر کی وجہ سے میں نے خود ہی کہیں جانے سے انکار کر دیا، اس کو پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا۔ سارا وقت چپ رہنے لگا تھا، ہمیں چارسدہ آئے ہوئے وہ بیسواں روز تھا اور واپسی کی تیاری مکمل ہو گئی تھی جب ہم جانے سے پہلے رابعہ کے گھر والوں سے ملنے آئے تو رقیہ اپنے گھر کے باہر کھڑی تھی وہ شاید کہیں جا رہی تھی آگے بڑھ کر محبت سے مجھ سے ملی پھر رابعہ سے کہا۔

"باجی کو میں ذرا اپنے گھر لے جاؤں۔"

"باجی سے پوچھ لو۔" رابعہ نے کہا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے، اس لئے اس کے ساتھ ہو لی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی رقیہ نے کہا۔

"باجی آپ کی باتوں کا شاداب پر کچھ اثر ہوا ہے۔ وہ آیا ہے آپ ایک بار پھر اس کو سمجھا دیں اب تو آپ جا رہی ہیں نا۔"

اور شاداب کو سمجھانے میں میرا کیا جاتا تھا۔

وہ صحن میں امرود کے درخت کے پاس کھڑا امرود توڑ توڑ کر رقیہ کے بچوں کو دے رہا تھا۔ تین اور چار سال کے بچے نجانے اس کو کیا کہہ رہے تھے کہ وہ مسکراتے ہوئے ساتھ ساتھ ان کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ میں نے آج پہلی بار اس کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے رقیہ سے کہا۔

"مسکراتے ہوئے تمہارا بیٹا کتنا اچھا لگتا ہے۔" میری بات شاید شاداب

کے کان میں بھی پڑ گئی تھی وہ چونک کر مڑا اور حیرت سے مجھے دیکھنے لگا جبکہ بیٹے کی تعریف پر ممتا بھرے انداز میں مسکرادی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" میں نے شاداب کے قریب جاتے ہوئے پوچھ

"دیکھ تو رہی ہیں آپ۔" شاداب نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں دیکھ تو رہی ہوں، آج تمہارا موڈ کچھ بہتر ہے، ماتھے پر بل نہیں، چہرہ بھی غصے سے سرخ نہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آج تمہارے چہر مسکراہٹ بھی ہے اور مسکراتے ہوئے تم بہت اچھے لگ رہے تھے پھر ہر وقت غصے بھرے کیوں رہتے ہو بولو؟" میں نے بے تکلفی سے کہا اس کو خوش کرنے کے لئے۔

"غصہ تو اس لئے آتا ہے کہ اماں دل جلانے والی باتیں جو ا ہیں، بزدل سمجھتی ہیں مجھے۔"

"تم بھی تو ماں کا دل جلاتے ہو...... خیر یہ بتاؤ پڑھائی کے بارے میں سوچا ہے تم نے؟" اپنے مطلب کی طرف آتے ہوئے میں نے کہا کہ اس تعریف میں نے کی ہی اس لئے تھی کہ وہ خوش ہو کر خود ہی میری بات مان جائے

"کیا سوچنا تھا؟" شاداب نے جیسے خود سے کہا۔

"دیکھو اب میں تو جا رہی ہوں لیکن جب میں دوبارہ یہاں آؤں تو تم میٹرک پاس کر چکے ہونا چاہیے اور اگر تم کوشش کرو تو ناممکن بھی نہیں۔ میں نے ہے تم بہت ذہین ہو پھر تمہارے لئے یہ کام مشکل نہیں ہے تم میٹرک کرلو۔"

"پھر کیا ہوگا؟" شاداب نے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں کچھ نہ سمجھی۔

"فرض کریں میں میٹرک کر لیتا ہوں تو پھر کیا فرق پڑے گا؟" وہ ا مجھے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ارے بوائے تم میٹرک تو کرو پھر بعد میں دیکھا جائے گا۔ بولو کرو نا؟" میں نے وعدہ لینے کے انداز میں پوچھا شاداب نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کر ہی لوں۔"

"ہو سکتا نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے رعب سے کہا۔ "تمہاری امی کہ

تم پڑھائی میں بہت اچھے تھے پھر تمہارے لئے کیا مشکل ہے پڑھنا۔ وعدہ کرو تم میٹرک ضرور کرو گے۔ دیکھو اگر تم وعدہ کر لو گے تو مجھے اطمینان ہو جائے گا۔" میں نے اپنے دل کی بات کہی۔

"اچھا جی ہو جائے گا۔" شاداب نے کہا تو رقیہ کی آنکھوں میں مارے خوشی کے آنسو آ گئے، پھر شاداب باہر چلا گیا تو میں تھوڑی دیر کے لئے رقیہ کی بھابی کے پاس بیٹھ گئی اور رقیہ چائے بنانے کے لئے چلی گئی۔

رابعہ کے گھر والوں سے مل کر ہم روانہ ہوئے تو شاداب اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا، ساتھ رقیہ بھی تھی ہم نے ہاتھ ہلایا اور آگے نکل آئے، پشاور اسٹیشن ہمیں آذر کی بجائے رابعہ کا بھائی چھوڑ کر گیا تھا۔

رابعہ کے میکے اور سسرال سے مجھے ایک سوٹ ملا تھا جبکہ رقیہ نے مجھے وہاں کی سوغات کے طور پر مشہور گڑ دیا تھا جس میں کشمکش ڈالی گئی تھی یہ گڑ وہ لوگ گھروں میں کھانے کے لئے بناتے تھے اور ساتھ ہی اس نے کہا تھا۔

"باجی میرے ہاتھ میں کچھ نہیں اس لئے صرف گڑ دے رہی ہوں کہ خالی ہاتھ آپ کو بھیجنا اچھا نہیں لگتا۔"

"چیزوں کی کچھ اہمیت نہیں آپا، میں اپنے ساتھ آپ کی محبت لے کر جا رہی ہوں اور میری دعا ہے شاداب سدھر جائے۔" میرے کہنے پر رقیہ نے فوراً "آمین" کہا تھا۔

اور اب واپسی کا لمبا سفر شروع ہو چکا تھا رابعہ اور تاشہ سو رہی تھیں، جبکہ میں جاگ رہی تھی اور رقیہ کی بھابھی کے بارے میں سوچ رہی تھی، رقیہ کی بھابھی چار روز میکے میں رہنے کے بعد خود ہی چلی آئی تھی اور باتوں ہی باتوں میں اس نے کہا تھا۔

"میں آپ کی کہانی جانتی ہوں۔" یہ سن کر مجھے رابعہ پر غصہ آیا کہ اس نے یہاں کیا ہر کسی کو میری کہانی بتا رکھی ہے، پھر یہ سوچ کر کہ اس نے محض میری ہمدردی میں یہاں میرا ذکر کیا ہوگا میرا غصہ جاتا رہا۔ تاہم مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ کوئی ہمدردی سے بھی میرا ذکر کرے، رقیہ کی بھابھی نے مجھ سے بہت ساری

باتیں کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہم سمجھتے ہیں دنیا میں ہم ہی سب سے زیادہ دکھی ہیں، ہم ہ
مسائل کا شکار ہیں، حالانکہ ایسا ہوتا نہیں، بہت سوں سے اگر ہمارے دکھ زیاد
بہت سوں سے کم بھی ہیں، اب آپ اپنے کو دیکھیے اور مجھے، پہلے مجھے پڑ
کسی چیز کا ہوش نہ رہا کہ پڑھنے کا بہت شوق تھا پھر پڑھانے لگی تو خود کو
مگر باپ کو میں نہ بھولی تھی، انہوں نے جب دیکھا کہ اب میں بالکل فارغ
شادی کی کوششیں شروع کردیں مگر اب مسئلہ رشتے کا تھا، اصل میں ہمارا کو
نہیں تھا، صرف دو بہنیں ہی تھیں، اس لئے ابا چاہتے تھے ہم خوب پڑھ لکھ
مگر چھوٹی نے صرف بی۔اے کیا ہوا تھا۔اس کی شادی ہوگئی، جبکہ ایک
پڑھنے کا شوق تھا دوسرے میں شادی کرنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر ماں با
سامنے مجبور ہوگئی، ویسے بھی لڑکی کتنا ہی کیوں نہ پڑھ جائے شادی کے معا
اس کی مرضی معلوم کرنا بے غیرتی سمجھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے میری شادی ز
ہوگئی مگر یہ زندگی تو نہیں جو میں گزار رہی ہوں...... خود ہی سوچیے اس عورت
کوئی زندگی ہے جس کو اس کا شوہر گھونگھٹ اٹھاتے ہی چھوڑ کر چلا جائے،
ہے کہ بعد میں انہوں نے مجھے قبول کرلیا مگر صرف مجبوری سے وہ کوئی ک
کرتے گو کہ میں خود کماتی ہوں مگر دوسری عورتوں کی طرح کیا میری یہ خوا
کہ میرا شوہر بھی کمائے اور اپنی کمائی میرے ہاتھ پر رکھے، بس بی بی یہ سمجھ
ہر کوئی زندگی سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش میں ہے کہ زندگی کانٹوں کی سیج
میں پھول ہیں تو سہی مگر آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک پھول کے ساتھ کئ
ہوتے ہیں، انسان لاکھ بچے مگر یہ کانٹے کہیں نہ کہیں خراش ڈال ہی د
اب دیکھو وہ میرے ساتھ کہیں بھی جانا پسند نہیں کرتے اور میں کونسا ان
جانا چاہتی ہوں۔ کیا میں نہیں جانتی مجھے ان کو ساتھ دیکھ کر لوگوں کے ہونٹوں
دبی مسکراہٹ آجاتی ہے۔''

مجھے اس کی داستان درد سن کر اپنا درد کم ہی لگا تھا ورنہ جب میں
کو پہلی بار دیکھا تھا تو میرے ہونٹوں پر بھی طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

کہ یہ عورت اپنے شوہر سے کتنی بڑی ہے، سارا سفر اپنے اور لوگوں کے دکھوں کا موازانہ کرتے ہوئے گزر گیا تھا۔

ہم لوگ جب گھر پہنچے تو پرویز بھائی کلینک جاچکے تھے، رابعہ لوگ اوپر چلے گئے، جب میرے لئے عذرا نے دروازہ کھولا تو مجھے دیکھ کر برا سامنہ بنایا اور ایک طرف ہٹ گئی۔ میں سیدھی اپنے کمرے میں آئی۔ کمرے کی حالت خراب تھی، عذرا نے میری غیر موجودگی میں صفائی کرنا بھی گوارانہ کیا تھا اور ضرورت ہی کیا تھی اس کو صفائی کرنے کی۔ جب وہ مجھ سے اپنا کوئی کام کروانا گوارانہ کرتی تھی تو پھر میرا کام کیسے کرتی، میں نے سفری بیگ کاندھے سے اتار کر ایک طرف رکھا اور صفائی میں جت گئی، شام تک میں صفائی سے فارغ ہوچکی تھی۔

رات کو جب بھائی جان واپس آئے تو میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے سوچکی تھی کہ سفر کی تھکان تھی لیکن صبح جب میں کالج جانے کے لئے تیار ہورہی تھی جو کہ میری عدم موجودگی میں کھل چکے تھے بھائی جان میرے کمرے میں آئے، میرا حال احوال پوچھا کچھ چارسدہ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا۔

''سب لوگ بہت اچھے تھے اور بڑی محبت سے ملے، تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوسکا۔''

''اسی لئے تو کہا تھا چلی جاؤ۔'' بھائی جان اپنی اس دن کی خفت مٹاتے ہوئے بولے پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بولے۔

''عائشہ! مجھے کینیڈا جانے کے لئے اسکالرشپ ملا ہے، تمہارا کیا خیال ہے مجھے جانا چاہیے؟'' وہ میری رائے پوچھ رہے تھے۔

''مجھ سے بہتر آپ سمجھتے ہیں۔''

''خیال تو جانے کا ہے تم ساتھ چلوں گی۔'' انہوں پوچھا میں نے کہا ''ہاں'' اور پھر میں دیکھا میری بات پر پرویز بھائی کے چہرے پر پریشانی چھاگئی تھی، جس کو چھپانے کے لئے انہوں نے جلدی سے رخ موڑ لیا اور باہر نکلتے ہوئے بولے۔

''اچھا شام کو تیار رہنا پاسپورٹ کے لئے تصویریں بنوانے جانا ہوگا'' اور

چلے گئے، میں حیرت سے سوچنے لگی، کیا وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتے...... اگر یہی بات تھی تو انہوں نے مجھے ساتھ چلنے کی دعوت کیوں دی؟ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو، میں نے سوچا اور جب پرس اٹھا کر کالج جانے کے لئے باہر نکلی تو عذرا گویا لڑنے کیلئے تیار کھڑی تھی۔

''پہلے میری بات سن لو پھر کالج جانا۔'' وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

''اس وقت میرے پاس ٹائم نہیں شام کو سنانا جو سنانا ہے۔'' میں نے لاپرواہی سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بکواس مت کرو، ٹائم نہ ہونے کا کسی اور کو کہنا میری بات تمہیں ابھی سننا ہوگی۔'' وہ بات کاٹ کر بولی۔

''میں تمہاری پابند نہیں ہوں اونہہ۔'' میں آگے بڑھی تو عذرا نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر دانت پیستے ہوئے بولی۔

''محض تم سے نجات پانے کے لئے میں نے ان کو کسی طرح باہر جانے کے لئے آمادہ کرلیا تھا، اب اگر انہوں نے صرف رسمی طور پر تمہیں ساتھ چلنے کی دعوت دے ہی دی ہے تو تم اپنی اوقات نہ بھول جاؤ، ساتھ جانے سے انکار کردو۔''

''کیوں؟'' میں نے تیکھی نظروں سے اس کو آج پہلی بار دیکھا۔ ''انہوں نے مجھے خود ساتھ چلنے کی دعوت دی ہے۔ اگر وہ مجھے ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تو انکار بھی ان کو خود کرنا ہوگا۔ اب میرا ہاتھ چھوڑ دو، وہ وقت گیا جب تم اپنی من مانی کرتی تھیں اب ایسا نہیں ہوگا۔'' بہت برسوں بعد مجھے غصے آیا تھا۔

''وہ انکار کرسکتے تو میں تم سے بات نہ کرتی، اب میری بات بھی سن لو، اگر تم نے ساتھ جانے سے خود ہی انکار نہ کیا تو مجھے میرے بچے کی قسم ہے میں پرویز سے طلاق لے لوں گی، کیونکہ بیوہ ہونا بے اولاد ہونے سے بہتر ہے کہ میں جس کو بچا سکتی ہوں اس کو لے کر تمہارے سائے سے بھی دور چلی جاؤں اور چونکہ میری بات وہ مانیں گے نہیں اس لئے میں طلاق اور اپنا بچہ لے کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں گی، اگر تم ہمارے ساتھ رہیں تو پھر ہم بھی نہیں رہیں گے۔ رحم کرو مجھ پر اور میرے گھر پر کتنے لوگوں کو کھا چکی ہو، اب اور کتنوں کو کھاؤ گی، اپنے

باپ کا گھر اگر آباد دیکھنا چاہتی ہو تو ساتھ جانے سے انکار کردینا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر میں وہی کروں گی جو تم سے کہا ہے۔''

وہ میرا ہاتھ چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں کتنی دیر گم صم سی وہیں کھڑی رہی، پھر سر جھٹک کر کالج چلی آئی، مگر ذہنی طور پر بے سکون ہو چکی تھی، پرویز بھائی کے بدلنے کی مجھے امید نہیں تھی، باقی سب تو غیر تھے اس لئے بدل گئے مگر وہ ز میرے ماں جائے، میرے سگے بھائی تھے، پھر وہ کیوں بدل گئے عذرا کہتی ہے مجھے ساتھ جانے سے انکار کرنا ہوگا انکار کردوں تو پھر رہوں گی کہاں۔ کیا اکیلی ی شہر میں رہ سکوں گی۔

''ہیلو عائشہ گھوم آئیں؟'' مس سہیلہ نے پوچھا پھر میز پر پرس رکھتے ہوئے بولیں۔ ''ارے آپ تو کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟''

''وہ بس طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''تو چھٹی کرلی ہوتی۔'' سہیلہ نے مشورہ دیا۔

''پہلے ہی بہت کرچکی ہوں۔ میں نے کہا پھر گھڑی دیکھ کر کھڑی ہوگئی کہ پیریڈ شروع ہونے والا تھا ویسے بھی جو ٹیچر اسٹاف روم میں آتی، وہ پریشانی کی وجہ یا طبیعت کی خرابی کی وجہ ضرور پوچھتی۔

کلاس میں آئی تو ابھی بہت کم لڑکیاں آئیں تھیں۔ میں نے حاضری والا رجسٹر نکالا اور دیکھنے لگی اتنی دیر میں لڑکیاں بھی آگئیں اور حاضری لینے لگی مگر رک رک کر پھر جب لیکچر شروع کیا تو پریشان ذہن کی وجہ سے بار بار بھول جاتی، آخر آدھا پیریڈ چھوڑ کر سٹاف روم میں آگئی۔

یہ کوئی چھوٹی بات نہ تھی جو میں نارمل رہتی، اس دنیا میں میرا ایک ہی پیار کا رشتہ باقی بچا تھا وہ خود کو مجھ سے اور میری نحوست سے بچا کر مجھے اکیلا چھوڑ کر جارہا تھا، اگر پرویز بھائی کی جگہ اماں، ابا ہوتے تو کیا وہ بھی ایسا ہی کرتے، ہرگز نہیں۔

وقت سے پہلے ہی کالج سے نکل آئی، اسٹاپ پر بھی سوچوں میں گم کھڑی رہی، حتیٰ کہ میری روٹ کی دو بسیں آ کر نکل گئیں اور تب مجھے رکشے میں گھر آنے کا فیصلہ کرنا پڑا

گھر آئی تو چچی آئی ہوئی تھیں، ان کو سلام کئے بغیر اپنے کمرے میں آئی کہ انہوں نے کونسا میرے سلام کا جواب دینا تھا، خواہ مخواہ جواب میں ایک جملہ ہی سننا پڑتا اور مجھے کیا پڑی تھی کہ آ بیل مجھے مار کہتی، اپنے کمرے میں بیٹھ سارا وقت سوچتی رہی کھانے کا بھی موڈ نہ ہوا...... یہ تو مجھے خود بھی معلوم تھا پرویز بھائی نے مجھے رسماً ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی، لیکن ایسا ہونا تو نہیں چا تھا۔ ان کو کچھ تو سوچنا چاہیے تھا، ان کی تو میں سگی بہن تھی، یہاں اکیلی کیسے رہ تھی، دنیا کیا کہتی مگر انہوں نے سوچا بھی تو صرف اپنے گھر کا، اپنے بچے کا بھائی ہی تو تھے ماں باپ تو نہ تھے۔

شام کو ڈیوٹی سے واپسی پر حسب وعدہ پرویز بھائی میرے کمرے آئے اور مجھے آرام سے لیٹے دیکھ کر بولے۔

"چلو بھئی جلدی کرو عائشہ تم تو بڑے آرام سی لیٹی ہو۔"

"کس بات کی؟" میں نے ان کو غور سے دیکھتے ہوئے ایک دم ا بن کر پوچھا اور اٹھ بیٹھی۔

"بھئی تصویروں کے لئے اسٹوڈیو نہیں جانا۔" بھائی جان نے کہا تو اٹھ کر ان کے مقابل آئی اور ان کا چہرہ دیکھنے لگی، کیا وہ واقعی بدل گئے میرے اس طرح دیکھنے پر بھائی گھبرا کر بولے۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" جلدی کرو، پہلے ہی دن کم رہ گئے ہیں، میرے تمہاری بھابھی کے کاغذات کب کے تیار ہو چکے ہیں، اب بس تمہارے ہی ہیں۔" گویا ان کا پہلے مجھے ساتھ لے جانے کا پروگرام نہیں تھا اسی لئے اپنے اور بھابھی کے کاغذات بنوائے تھے۔

"کچھ نہیں۔" میں نے دکھ سے ان کو دیکھتے ہوئے رخ بدل لیا سنجیدگی سے کہا۔" بھائی جان مجھے افسوس ہے میں آپ کے ساتھ نہ جا گی۔" بھائی جان نے چونک کر مجھے دیکھا کچھ وقت خاموشی کی نذر ہوا پھر نے ہی پوچھا۔

"کیوں نہ جا سکو گی عائشہ؟"

"بس موڈ نہیں، اپنا وطن چھوڑنے کا آپ جائیں، زندگی میں ترقی کے بے مواقع کبھی کبھار ہی ملتے ہیں، میں یہیں پر ٹھیک ہوں۔" میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا حالانکہ دل چیخ چیخ کر رونے کا چاہ رہا تھا۔

"لیکن صبح تو تم نے کہا تھا کہ چلو گی اب کیا ہوا؟" وہ پتہ نہیں کیا پوچھنا چاہتے تھے مجھ سے۔

"صبح کی بات چھوڑیئے اب جو کہہ رہی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ نہ سکوں گی۔" میں نے صاف صاف کہا کہ اندر کی بات بتا کر میں اپنے باپ کا گھر برباد کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا جیسے تمہاری مرضی۔" پرویز بھائی کچھ دیر کھڑے رہے پھر باہر نکل گئے، انہوں نے زیادہ اصرار نہ کیا تھا، شاید یہ سوچ کر کہ میں کہیں ان کے ساتھ نے کی حامی نہ بھرلوں اور میں پاگل تھی جو یہ حامی بھرتی محض میری وجہ سے وہ ن چھوڑ کر جا رہے تھے اور میں پھر ساتھ جانے کی حماقت کرتی، پاگل تھی کیا؟ لانکہ اب مجھے پاگل ہی ہو جانا چاہیے تھا۔ کہ یہ آخری دکھ پہلے دکھوں سے زیادہ ری تھا، وہ سب تو دنیا چھوڑ گئے تھے، اس لئے مجھے بھی چھوڑ دیا لیکن پرویز بھائی زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنی ذمہ داری چھوڑ کر جا رہے تھے، میں ان کی ذمہ داری تو تھی۔

ٹھیک دس دن بعد وہ سب جانے کے لئے تیار کھڑے تھے، گاؤں سے سب ان کو الوداع کہنے آئے ہوئے تھے، جاتے ہوئے پرویز بھائی مجھ سے ملے پھر کہا۔

"صرف تین سال کی بات ہے پھر میں آجاؤں گا اور یہ تین سال تم اسی ر میں رہ سکو گی، ہاسپٹل سے اجازت میں نے لے لی ہے اور تین سال بعد تو آجاؤں گا۔" حالانکہ مجھے یقین تھا عذرا ان کو آنے نہیں دے گی۔

"دیکھو میں تمہیں باقاعدگی سے خط لکھتا رہوں گا، تم بھی جواب ضرور دینا کوئی فکر نہ کرنا ڈاکٹر ذاکر تو یہاں تمہارے پاس ہوں گے ہی چچا اور ریاض وغیرہ بھی آتے رہیں گے۔" وہ مجھے تسلی دیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"جی بھائی جان۔" میں نے بمشکل کہا، سارا حلق سوکھ رہا تھا، دل کو اندر

جیسے کوئی مٹھی میں لے کر دبا رہا تھا، میں ضبط کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی پتہ نہیں کیوں جب پرویز بھائی گھر سے نکل رہے تھے ضبط کا دامن میرے ہاتھ چھوٹ گیا میں چیخ مار کر ان سے لپٹی اور زور زور سے رونے لگی، پرویز بھائی پوری قوت سے مجھے خود سے لپٹا لیا اور خود ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے میں لوگوں اور وقت کی پرواہ کئے بغیر روتی گئی کہ اچھی طرح جانتی تھی یہ ملاقات ہے۔ پھر پیار کی یہ ٹھنڈک مجھے کبھی نہیں ملنا تھی، ایاز، اماں، ابا اور جب مجھے چھوڑ کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے تھے تو میں ہوش میں نہیں تھی نے ان سے کسی کو بھی ان کے آخری سفر پر جاتے ہوئے نہ دیکھا تھا، لیکن پرویز بھائی کو خود سے جدا ہو کر ہمیشہ کے لئے جاتے ہوئے آخری بار دیکھ تھی، میرے جیتے جی ان کی واپسی ناممکن تھی، پھر میں کیسے نہ روتی۔

''اونہہ ڈرامہ۔'' معاً عذرا کی آواز نفرت بھرے انداز میں کانوں ٹکرائی۔ میں چونکی اور پھر سنبھل گئی اور بھائی جان کو چھوڑ کر الگ ہٹ گئی۔

''ذاکر صاحب! عائشہ کا خاص خیال رکھیے گا اور بھابھی آپ بھی توجہ رکھیے گا۔'' بھائی جان رابعہ سے کہہ رہے تھے۔ پھر وہ مجھے پیار کرتے باہر نکلے۔ سب کے ساتھ ایئر پورٹ جانے سے میں نے انکار کر دیا تھا، فا کیا تھا، وہاں اتنے لوگوں کی نفرت بھری نظریں سہنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی فیروز زندہ ہوتے تو کیا ان لوگوں کی جرأت تھی کہ مجھ سے اس طرح نفرت مگر تب انہوں نے مجھ سے نفرت کی ہی کب تھی۔ وہ سب تو مجھے پا کر خوش کھیل تو قسمت نے کھیلا تھا۔

پرویز بھائی چلے گئے مگر میں بعد میں بھی بلکتی رہی، رابعہ مجھے سنبھا چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر مجھے صبر نہیں آ رہا تھا، آتا بھی تو کیسے جب معلوم تھا اب پرویز بھائی مجھے کبھی نہیں ملیں گے۔ میرے جیتے جی عذرا ان کو آنے دے گی، پھر میں کیوں نہ روتی اس آخری رشتے سے جدا ہوتے ہوئے

بہت دن میں بخار میں جلتی رہی، کالج سے چھٹیاں لے رکھی تھیں۔ ر بہت خیال رکھتی تھی مگر طبیعت کسی طرح بھی سنبھلنے میں نہ آ رہی تھی یہاں تک ے پرویز بھائی کا خیر خیریت کا خط بھی آ گیا مجھے دیتے ہوئے رابعہ نے کہا تھا......

''اب تو ٹھیک ہو جائیں۔ وہ لوگ تو وہاں آرام سے اپنی زندگی شروع کر چکے ہیں جبکہ آپ ...... اب آپ بھی خود کو سنبھال لیجئے۔'' وہ چلی گئی تو میں نے خط کھولا پرویز بھائی نے لکھا تھا۔

پیاری بہن عائشہ بہت پیار

ہم یہاں خیریت سے ہیں اور تمہاری خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتے ہیں ہم لوگ خیریت سے کینیڈا پہنچ گئے ہیں۔ رہائش ہوسپٹل کی طرف سے ملی ہے تمہاری بھابی اور منا تمہیں بہت یاد کرتے ہیں اور میرا تو فی الحال سارا دھیان ہی تمہاری طرف ہے۔ تم کیسی ہو۔ کالج جا رہی ہو یا فی الحال چھٹیاں لے رکھی ہیں؟ خط ملتے ہی جواب لکھنا میں تمہاری وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔

والسلام

تمہارا بھائی پرویز

میں نے خط کو ایک بار نہیں کئی بار پڑھا اور پھر ہنس پڑی بھائی نے لکھا تھا تمہاری بھابی اور منا تمہیں بہت یاد کرتے ہیں کتنی غلط بات لکھی تھی۔ منا حسن جس کو مجھے اٹھانے کی اجازت ہی نہ تھی۔ جس کو میری پہچان ہی نہ تھی۔ وہ مجھے یاد کرتا تھا اور عذرا...... وہ مجھے یاد کر سکتی تھی، کبھی نہیں وہ تو اپنے خیالوں میں بھی میری آمد کو پسند نہیں کر سکتی تھی، بڑی مشکل سے وہ اپنے شوہر اور بچے کو میرے سائے، میرے منحوس وجود سے بچا کر لے گئی تھی پھر مجھے یاد کیسے کر سکتی تھی۔ جاتے ہوئے بھی اس نے مجھ سے ملنا گوارہ نہ کیا تھا اور اب وہ مجھے یاد کرتی تھی، تھا نہ سفید جھوٹ۔

خط پڑھ کر مجھے رونا بھی آیا اور ہنسی بھی تاہم اس کے بعد میری طبیعت آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی تھی۔

پورا ایک مہینہ میں نے کالج سے چھٹیاں کی تھیں پھر خود کو سنبھالتے ہوئے کالج جانا شروع کر دیا تھا...... ایک نئی زندگی شروع ہوگئی تھی۔ گھر گو کہ بہت بڑا نہ

تھا مگر پھر بھی رات کو مجھے اکیلے ڈر لگا کرتا تھا، ذرا سی بھی آہٹ ہوتی تو جان نکل
جاتی کہ پتہ نہیں کون ہے۔ پتا بھی ہلتا تو مارے خوف کے رنگ پیلا پڑ جاتا۔ ا
میں، میں ساری ساری رات جاگ کر گزارتی، خاص کر خراب موسم میں تو یہ خو
اور بھی بڑھ جاتا، جب بادلوں کے ساتھ بجلی بھی کڑکتی ایسے موسم میں تو میں ا
کے پاس ان سے لپٹ کر سویا کرتی تھی لیکن اب وہ سارے نخرے ختم ہو چکے
ماں بھی دنیا کی کیسی پیاری چیز ہے ان کی موجودگی اولاد کے لئے محبت اور رح
ہوتی ہے۔اور میں اس رحمت سے محروم ہو چکی تھی اور اب اپنی تنہائی سے بہت خو
تھی، دن تو جیسے تیسے لوگوں میں گزر جاتا تھا مگر رات کاٹنا مشکل ہو جاتا۔

پہلے تو پرویز بھائی کے کینڈا جانے کے بعد میری خراب طبیعت کی
سے رابعہ رات کو میرے پاس ہی رک جاتی تھی مگر کب تک۔ اس نے مجھے ا
اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی تھی مگر میں نے انکار کر دیا تھا اچھا ہی نہیں لگتا تھا
کے ساتھ رہنا۔

اب میں تھی اور ڈری سہمی خوف بھری جاگتی راتیں مگر اس کا کوئی
میرے پاس نہیں تھا پھر میں کیا کرتی؟

زندگی کا اپنا ایک رنگ ہے جب ایک شخص جو ہمارے ساتھ رہتا
ہونے لگتا ہے تو ہماری جان پر بن جاتی ہے اور ہم سوچتے ہیں اگر یہ ہم سے بچھڑ
دور چلا گیا ہم کیسے زندہ رہیں گے شاید اس کی جدائی میں مر جائیں گے، مگر ایسا
نہیں وقت آہستہ آہستہ اپنی گرد اُن کی یادوں پر ڈالتا رہتا ہے یہاں تک کہ ہ
لوگ ہمیں برائے نام ہی یاد رہ جاتے ہیں...... تاہم یہ بھی ایک سچ ہے کہ اس کے با
وہ کبھی کسی حوالے سے کسی واقعے سے یاد آتے ہیں تو دل کی تڑپ بڑھ جاتی ہے۔

میں بھی اس نئی زندگی کی عادی ہو چکی تھی مگر پرسکون لمبی نیند کبھی نہ
تھی۔ رات میں اب بھی کئی بار آنکھ کھلتی، خوف آتا مگر میں پھر سے سونے کی کو
شروع کر دیتی تھی کہ یہ خوف تو عمر بھر کے لئے ملا تھا اور اب جب تک میں زند
مجھے تنہا ہی رہنا تھا پھر یہ ڈرا اور خوف کیسا۔

زندگی سے آنکھ مچولی کھیلتے دو سال گزر گئے تھے۔ پرویز بھائی کے

باقاعدگی سے آتے تھے اور میں جواب بھی دھیان سے دیا کرتی تھی۔ اس دوران
میں رابعہ کئی بار اپنے گاؤں گئی تھی اور اس نے مجھے بھی ہر بار ساتھ چلنے کی دعوت
دی تھی مگر میں نے ہر بار انکار کر دیا تھا کہ یہ تنہائی تو عمر بھر کا تحفہ تھی پھر کہاں تک
لوگوں کا عارضی ساتھ حاصل کرتی......

اس دن میں کالج سے بہت خوش، خوش آئی تھی کیونکہ ایک ریسرچ آرٹیکل
لکھنے پر میری پروموشن ہوئی تھی اور میں لیکچرار سے پروفیسر بن گئی تھی اس پروموشن کی
خبر تو کئی دن سے میرے کان میں پڑ رہی تھی مگر باقاعدہ آج پرنسپل نے مجھے بلا کر
تعریفی سند کے علاوہ پروموشن کے کاغذات بھی دیئے تھے اصل میں پرویز بھائی کے
جانے کے بعد رات کی تنہائی میں اپنا خوف کم کرنے کے لئے میں نے پڑھنا
شروع کر دیا تھا اور تحقیقی مقالے کے لئے مواد جمع کرنا شروع کر دیا تھا جس کے
نتیجے میں آج میں پروفیسر بن گئی تھی۔

میں ابھی دروازے کا لاک کھڑی کھول رہی تھی جب رابعہ نے اوپر سے
جھانکتے ہوئے کہا۔

”آج آپ کا کھانا اوپر ہے لباس بدل کر جلدی سے آجائیں۔“ اس کے
ساتھ تاشہ بھی آواز ملا رہی تھی میں نے ہنس کر پوچھا۔

”کیوں بھئی آج کوئی خاص بات ہے تاشہ بیٹے؟“ میں نے پوچھا
تو جواب رابعہ نے دیا۔

”خاص ہی سمجھ لیں بس۔“ رابعہ پیچھے ہٹ گئی میں کپڑے بدل کر اوپر آئی
تو رابعہ کھانا لگا رہی تھی مجھے دیکھتے ہی مسکرائی اور کہا۔

”آپ سے ملنے کوئی آیا ہے بھلا بوجھیئے تو کون؟“

”کون آسکتا ہے مجھ سے ملنے؟“ میں نے افسردگی سے کہا......

”اندر جا کر دیکھ لیجئے۔“ رابعہ نے کہا تو تاشہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر
لے گئی پردہ اٹھا کر میں نے جیسے ہی اندر قدم رکھا سامنے صوفے پر بیٹھی رقیہ کو دیکھ
کر چونکی پھر آگے بڑھی تو رقیہ اٹھ کر مجھ سے گلے ملتے ہوئے بولی......

”آپ نے تو پھر شاید چار سدہ نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔“ انہوں نے

میری پیشانی چومی۔
''ارے ایسی تو کوئی بات نہیں بس ذرا کالج کی مصروفیات میں۔''
بات میرے منہ میں رہ گئی میرے پیچھے دوسری طرف کھڑکی کے پا
شاداب کھڑا تھا میں نے اس کو آئینے میں دیکھا تھا، مارے حیرت کے اس کی طر
مڑی تو شاداب نے آہستہ سے سلام کیا۔جواب دیتے ہوئے میں نے حیرت
اس کو دیکھا اور کہا۔
''تم بھی آئے ہو؟'' جواب میں شاداب نے صرف نظریں اٹھا کر مجھے دیکھ
منہ سے کچھ نہ کہا تھا مجھے بھی بیتے دن یاد آئے وہ بھی رقیہ کو دیکھ کر اور میں نے پوچھا
''شاداب پڑھتا ہے یا اب بھی آوارگی کرتا ہے، سوری میرا مطلب
وقت ضائع کرتا ہے؟''
''میٹرک پاس کئے پورا ایک سال ہوگیا ہے۔'' رقیہ نے خوشی بھرے لہجے میں ک
''واقعی؟'' میں نے خوش ہو کر پوچھا۔
''جی واقعی۔'' رقیہ نے کہا پھر شکوہ کرتے ہوئے بولی۔
''آپ تو پھر آئی ہی نہیں اس لئے مجھے آنا پڑا۔''
''کیوں خیریت تو ہے؟ اب تو شاداب نے میٹرک کرلیا اور کیوں آنا
آپ کو؟''
''جی ہاں میٹرک تو کرلیا ہے پر اب آگے کی بھی سوچیئے نا...... دراصل
نے بہت کہا ہے کہ آگے کالج میں داخلہ لے لو مگر یہ مانتا ہی نہیں، اس لئے آ
کے پاس لے کر آئی ہوں۔'' میں نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ رابعہ نے
لگ جانے کی اطلاع دی اور ہم باہر آگئے میں نے محسوس کیا تھا شاداب کچھ
چپ تھا پہلی بار میں نے اسے اسلحے کے بغیر یعنی بندوق کے بغیر دیکھا تھا کھا
سے فارغ ہو کر میں نے ان کو اپنے پروفیسر ہونے کی خوش خبری سنائی اور اجاز
لے کر اٹھ آئی کیونکہ رابعہ نے کہا تھا۔
''اس خوشخبری کے ساتھ پارٹی بھی ہونی چاہیے۔''
''ٹھیک ہے رات کا کھانا میری طرف سے۔'' کہہ کر میں چلی آئی اور

اپنے کمرے میں آکر ایسی سوئی کہ شام کو جب رابعہ نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا تب
میری آنکھ کھلی اصل میں میرے دروازے کے ایک لاک کی چابی کسی بھی ایمرجنسی
ضرورت کے لئے رابعہ کے پاس ہوتی تھی۔
''یہ پارٹی ہو رہی ہے؟'' رابعہ نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔
''وہ بس کیا بتاؤں بہت دنوں بعد نیند مہربان ہوگئی۔'' میں کھلے بالوں کو
لپیٹتے ہوئے اٹھی تو رابعہ کے پیچھے رقیہ اور شاداب کھڑے تھے شاداب نے تاشہ کو
اٹھا رکھا تھا اور بڑی دلچسپی سے اس کی بات سن رہا تھا......
میں ان کو لے کر دوسرے کمرے میں آگئی جسے عذرا اور بھائی جان کے
جانے کے بعد میں نے ڈرائنگ روم بنا ڈالا تھا کہ کبھی کبھار کالج سے کوئی ملنے ہی
چلا آتا تھا۔
''پارٹی کا کیا ہوگا، میں نے تمہاری وجہ سے رات کا کھانا بھی نہیں
بنایا؟'' رابعہ فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔
''فکر کی کیا بات ہے یہ لاہور ہے ابھی ذاکر بھائی آتے ہیں تو پکا پکایا
منگوالیں گے۔'' میں نے کہا تو رقیہ بولی۔
''بازار سے منگوانے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی میں آپ کے ساتھ مل کر
پکا لیتی ہوں کیوں باجی؟'' اس نے مجھے دیکھا۔
''آپ مہمان ہیں، آرام کریں کوئی فرق نہیں پڑتا کھانا بازار سے ہی
آئے گا۔آپ بیٹھیں باتیں کریں میں تب تک چائے بناتی ہوں......
''اس کی ضرورت نہیں'' رقیہ نے کہا مگر میں اٹھ گئی میں چائے لے کر آئی
تو رابعہ جا چکی تھی معلوم ہوا ذاکر بھائی نے بلایا ہے۔ میں نے چائے بنا کر پہلے رقیہ
اور پھر شاداب کو دی اور چارسدہ کے بارے میں پوچھنے لگی۔
''سب لوگ ٹھیک ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتے ہیں خاص کر میری بھابھی۔''
''وہ بس کالج کی مصروفیات ہیں، خیر اب وقت نکال کر ضرور آؤں گی''
میں نے کہا تو رقیہ خالی برتن ٹرے میں رکھ کر کھڑی ہوگئی۔
''ارے یہ کیا کر رہی ہیں؟ آپ بیٹھیں میں رکھتی ہوں''۔ میں کہتی ہی رہ

گئی مگر رقیہ یہ کہتے ہوئے چلی گئی کہ ''اپنا ہی گھر ہے'' اس کے جانے کے بعد میں نے شاداب کو دیکھا پھر پوچھا۔

''ہاں بھئی اب کیا پروگرام ہے میٹرک تو تم نے کر لیا اور یہ میرے لئے بہت خوشی کی بات ہے۔''

''آپ نے کہا تھا جب میں پھر آؤں تو تمہیں میٹرک پاس ہونا چاہیے مجھے میٹرک کئے پورا سال گزر گیا مگر آپ......''

شاداب نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''آنا تو چاہیے تھا شاداب مگر موڈ نہ بن سکا لیکن میرے لئے یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ تم نے میری بات مان لی۔'' شاداب نے میری بات کے جواب میں کچھ نہ کہا خاموشی سے کھڑکی سے باہر لان کو دیکھتا رہا نجانے کیا؟ اتنے میں رقیہ آگئی اور پھر رقیہ کی بھابھی کی باتیں ہونے لگیں شاداب خاموش بیٹھا سنتا خود اس نے ہماری بات چیت میں حصہ نہ لیا تھا۔

رات کا کھانا بازار سے آیا تھا اور ہم سب نے مل کر کھایا۔ ذاکر بھائی بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئے تھے پہلے تو ہوٹل جانے کا پروگرام بنا تھا مگر رقیہ نے ہوٹل جانے سے انکار کر دیا تھا اس کے انکار کرنے پر ذاکر بھائی اور شاداب بازار سے کھانا لے آئے تھے، کھانے کے بعد رقیہ کو میں نے اپنے پاس روک لیا تھا کہ رات ادھر میرے پاس رہے گی جبکہ شاداب ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا تھا اس نے کھانا بھی برائے نام کھایا تھا۔

آدھی سے زیادہ رات میں نے اور رقیہ نے باتیں کرتے ہوئے گزاری تھی گو کہ وہ مجھ سے عمر میں دس سال بڑی تھی مگر مجھے اپنی سہیلی ہی سمجھتی تھی مارے احترام کے کہتی مجھے باجی تھی اور میں اس کو آپا کہتی تھی بلکہ زیادہ کام آپ کر چلاتی تھی رقیہ نے بتایا تھا۔

''شاداب کو پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے بے چین سا پھرتا ہے یوں جیسے کوئی کھو گئی ہو، میٹرک تو اس نے کر لیا ہے مگر آگے کے بارے میں کچھ سوچتا ہی نہیں ہے، جبکہ میرے بھائی اس کو فوج میں بھیجنا چاہتے ہیں۔''

''کیا شاداب جانا نہیں چاہتا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی تو پتہ نہیں چلتا۔'' رقیہ نے پریشانی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''باجی نہ انکار کرتا ہے نہ اقرار کرتا ہے، میٹرک کا امتحان تو اس نے پاس کر لیا ہے۔ مگر بہت بدل گیا ہے، بہت چپ چاپ سا رہتا ہے، نجانے سارا وقت کیا سوچتا رہتا ہے، اب تو دوستوں سے بھی کم ہی ملتا ہے۔''

''آپ نے شاداب سے پوچھا نہیں وہ ایسا کیوں ہوگیا ہے؟''

''ڈرتی ہوں باجی، پہلے ہی بڑی مشکل سے اس نے برے دوستوں کو چھوڑا ہے۔ ایسا نہ ہو میرے پوچھنے پر اس کو یاد آ جائیں...... کیونکہ پہلے تو سارا دن کبھی جیپ پر اور کبھی گھوڑے پر ان کے ساتھ اسلحہ لئے گھومتا تھا۔ اب تو سب کچھ چھوڑ دیا ہے اور میں یاد دلانا نہیں چاہتی، حیرت کی بات تو یہ ہے باجی کہ اب تو حماد خان کو بھی بھول گیا ہے، اب تو حماد خان کا ذکر بھی نہیں کرتا، اپنا حصہ، زمینوں اور باغات سب کو بھول گیا ہے اور شاید خود کو بھی تاہم شکر ہے خدا کا میٹرک کر لیا۔''

''بڑی حیرانی کی بات ہے یہ تو لیکن خوشی کی بات بھی ہے آپ یہی تو چاہتی تھیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں میں یہی چاہتی تھی کہ وہ برے دوستوں کو چھوڑ دے، حماد خان کو بھول جائے...... اور اب میں چاہتی ہوں وہ فوج میں چلا جائے، آپ کے پاس اسی لئے آئی ہوں، پہلے بھی آپ کی بات مان کر ہی شاداب نے میٹرک کا امتحان دیا تھا اب میں چاہتی ہوں آپ اس کو سمجھائیں وہ فوج میں چلا جائے بھائی بتا رہے تھے، آج کل آئی۔ ایس ایس بی کی طرف سے انٹرویو کے لئے اشتہارات اخبارات میں آرہے ہیں، اگر شاداب مان جائے تو وہ بھی اپنی پوری کوشش کریں گے کہ اس کو سلیکٹ کر لیا جائے، بس ایک بار انٹرویو کے لئے چلا جائے تو ویسے بھی بھائی بتا رہے تھے کہ شاداب جسمانی طور پر فوج کے معیار کے مطابق ہے اس لئے ان فیل ہونے کا بھی کوئی خطرہ نہیں، بس آپ ایک بار اس کو انٹرویو کے لئے جانے پر

رضا مند کر دیں۔"

"ضروری تو نہیں کہ وہ پھر میری بات مان ہی جائے۔" میں نے
سے کہا۔

"آپ کہہ کر تو دیکھیں ہم صرف دو دن کے لئے یہاں آ
ہیں۔ بھابھی بچوں کی وجہ سے مجھے آنے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں، مگر ا
بچے کے لئے میرا آپ کے پاس آنا بہت ضروری تھا کہ ہوسکتا ہے وہ پھر آپ
بات مان ہی جائے۔ کل میں اس کو اکیلے آپ کے پاس بھیجوں گی، آپ اپنی پو
کوشش کیجئے گا، مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات رد نہیں کرے گا وہ آپ کی
عزت کرتا ہے۔"

"اچھا آپا آپ کی خاطر میں اپنی پوری کوشش کروں گی...... اگر میری
سی کوشش سے آپ کے دکھ کم ہوسکتے ہیں۔ تو شاداب ایک اچھا انسان بن سکتا
تو میں یہ کوشش ضرور کروں گی، آپ بے فکر رہیے۔" میں نے ان کو یقین دلایا۔

"میں بھی آپ کو اپنا سمجھتی ہوں اسی لئے آپ کے پاس آئی ہوں
بھابھی نے بہت پوچھا لاہور کیا لینے جا رہی ہو؟ مگر میں نے کچھ نہیں بتایا صرف
کہا داتا صاحب، سلام کرنے جا رہی ہوں اور باجی سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے،
کے پاس بھی جاؤں گی۔ اسٹیشن سے ہم لوگ سیدھے داتا صاحب سلام کرنے
تھے، ارے ہاں یاد آیا۔" وہ اچانک گلے میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالتے ہو
بولی۔ "باجی ذرا اس کو پڑھ کر بتائیں اس میں کیا لکھا ہے۔" اس نے کاغذ مجھے د

"یہ کیا ہے؟" میں نے کاغذ پکڑتے ہوئے پوچھا تو رقیہ راز داری سے کہنے لگ

"باجی! یہ ایک دن شاداب کے کپڑے دھوتے ہوئے نکلا تھا اور
نے سنبھال لیا۔ وہاں میں نے کسی سے نہیں پڑھوایا کہ پتہ نہیں اس میں کیا
ہو۔ سوچا لاہور تو جا ہی رہی ہوں باجی سے کہوں گی پڑھ کر بتا دیں کہ کیا لکھا ہے؟"

"میں نے کاغذ کھول کر ایک نظر اس پر ڈالی اور پڑھنے لگی یہ ایک غزل تھی

عشق کا موسم غمگیں ہوائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے
دل میں تمنا لب پہ دعائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

یاروں کا گہری نیند میں سونا دل کا کسی کی یاد میں کھونا
شوق کی یہ ضد سب کو جگائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے
عشق کی نادانی کا زمانہ عقل کی حیرانی کا زمانہ
دل میں جنوں آنکھوں سے حیائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے
شوق کی پہلی نیند اُچٹنا عشق کی پہلی رات نہ کٹنا
دل میں امیدیں لب پہ دعائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے
دور سے اُن کو تکتے ہی رہنا منہ سے مگر اک حرف نہ کہنا
سادہ نگاہیں بھولی ادائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے
گھر میں وہ اک مہ پارہ کا آنا بات نہ کرنا آنکھ چرانا
دل کو خلش تنہا کبھی پائیں اف ری جوانی ہائے زمانے
یاد میں آنسو بہتے ہیں ایسے کھوئے ہوئے سے رہتے ہیں جیسے
دل سے انہیں ہم کیسے بھلائیں اف ری جوانی ہائے زمانے

غزل پڑھ کر مجھے کوئی حیرانی نہ ہوئی اس عمر کے جو تقاضے ہیں اس عمر کی
امیانہ جو حرکتیں ہوتی ہیں ویسی ہی عامیانہ سی یہ غزل تھی بلکہ کچھ لوفرانہ بھی تھی اور
شاداب کے چپ رہنے کی وجہ میری سمجھ میں آگئی تھی وہ کسی کو پسند کرنے لگا
تھا۔

"کیا لکھا ہے باجی؟" رقیہ مجھے خاموش دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"آپا جناب شاداب صاحب کسی لڑکی کے چکر میں ہیں۔" میں نے ہنس کر بتایا۔

"ہائے نہیں، باجی میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔ وہ بہت شریف ہے۔ سارا گاؤں اس کی عزت کرتا ہے اور اگر یہ بات ہوتی تو اس کے چہرے پر خوشی ہوتی مگر وہ تو بہت سنجیدہ ہوگیا ہے۔" رقیہ بیٹے کی صفائی پیش کر رہی تھی اور مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

میں نے اس کو ساری غزل پڑھ کر سنائی اور کہا۔

"آپ نے شاداب سے اس کے بارے میں پوچھا؟"

"میں نے نہیں پوچھا۔ مگر اس نے ایک بار مجھ سے پوچھا تھا،" اس نے ایک دوست کی ڈائری سے کچھ اشعار نوٹ کئے تھے وہ کاغذ گم ہوگیا ہے نے تو نہیں دیکھا میرے کپڑوں وغیرہ میں؟" اور میں نے کہا تھا۔ "نہیں،

"ہاں ہے تو یہ غزل وہی مگر یہ بتاتی ہے کہ شاداب کسی کو پسند کرنے واردات کر چکا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کون ہو سکتی ہے وہ؟" رقیہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ "خیر کوئی بھی ہو کیا شاداب کے نوکری لگتے ہی میں اس کی پسند پر اس کی شادی کر دوں گی۔" کہہ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مسکرا بھی رہی تھی کہ وہ شاداب کو ایسا نہیں سمجھتی بہت دیر تک ہم اُس ان دیکھی لڑکی کے بارے میں باتیں کر کے ہنستے رہے پھر نے پوچھا۔

"اچھا اور سناؤ وہاں کے بارے میں اپنی بھابھی کے بارے میں کچھ ٹھیک ہوئے یا اب بھی ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔"

"بھابھی کے ساتھ ابھی وہی رویہ ہے تاہم اب کبھی کبھی زمینوں باغات کا چکر لگا لیتے ہیں، ویسے شاداب بھی اب نانا کی زمینوں پر ہی ہوتا باقی سب ٹھیک ہیں۔" کہہ کر وہ مجھے ایک نئی کہانی سنانے لگی اور کہانی سنا کر سوگئی مگر میں جاگتی رہی تو اس لئے کہ آج میں تھک چکی تھی۔ دوسرا رقیہ نے جو سنائی تھی وہ ایسی نہ تھی کہ میں سوجاتی رقیہ نے کہا تھا۔

"باجی آپ جانتی ہیں، جانتی ہوں گی، آخر رابعہ نے آپ کو بتایا ہوگا یہ کا دیور آذر ہے نا آپ اس کو بہت پسند آگئی تھیں، وہ آپ سے شادی کرنا چاہتا یہ بات جب آذر نے اپنی ماں سے کہی تو بہت حیران ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

"تمہاری بھابھی اور بھائی ادھر آتے ہیں تو پھر ان سے بات کروں گی جب شادی سے ہو کر آپ ادھر گئیں تو رابعہ کی ساس نے بات کی۔ رابعہ نے سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا کیونکہ اس وقت آپ یہاں موجود تھیں پھر رات جب اپنے کمرے میں چلی گئیں تو رابعہ نے آذر سے بات کی اور کہا۔

"تم جانتے ہو وہ ایک بیوہ عورت ہے؟"

"ہاں جانتا ہوں۔" آذر نے کہا تھا۔

"لیکن ایک بات اور بھی ہے جو تم جانتے نہیں۔" رابعہ نے کہا۔

"اب بتا دیجئے۔" آذر نے سکون سے کہا۔ "میرے لئے ان کی کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ مجھے ان سے محبت ہوگئی ہے۔"

"وہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" رابعہ نے بتایا۔

"میں سمجھا نہیں؟" آذر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایکسڈنٹ جس میں اس کا شوہر اور بچہ مارے گئے تھے بچے کی پیدائش کے دوران محض عائشہ کی جان بچاتے ہوئے ایسی پیچیدگی پیدا ہوگئی تھی کہ ڈاکٹروں نے اس کو زندگی تو دے دی مگر بانجھ عورت کی صورت میں۔"

"کیا واقعی؟" آذر نے کہا پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا رابعہ بھی چپ تھی۔ بہت دیر بعد آذر نے کہا۔

"بھابھی! میں عائشہ سے شادی ضرور کروں گا، وہ تنہا ہے۔ میں اس کو اپنی رفاقت دوں گا باقی رہی اولاد تو اس کیلئے میں دوسری شادی کرلوں گا اور لوگ بھی تو یہاں کئی کئی شادیاں کرتے ہیں میں بھی کرلوں گا۔"

"یہاں کرتے ہیں وہاں نہیں۔" رابعہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" آذر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ ناممکن ہے تمہاری رفاقت کے ساتھ اس کو سوکن کا دکھ بھی ملے، وہ اس بات کو کبھی پسند نہیں کرے گی ویسے بھی وہ کہتی ہے وہ اب کبھی شادی نہیں کرے گی اور وہ اپنی بات پر اب بھی قائم ہے، اب جبکہ اس کی عمر اکتیس بتیس سال ہو رہی ہے وہ عمر میں بھی تم سے دو چار سال بڑی ہوگی۔"

"آپ بات تو کر کے دیکھیں عمر کی مجھے پرواہ نہیں۔"

"فضول ہوگی بات کرنی بلکہ شاید ہماری دوستی بھی نہ رہے اس لئے میں یہ بات نہیں کروں گی۔" رابعہ نے صاف انکار کر دیا۔

"آپ فیصلہ کرلیں" آذر نے غصے سے پوچھا۔

"تمہیں عائشہ پسند ہے تو پھر دوسری شادی کو بھول جاؤ اور یا پھر عائشہ کو

بھول جاؤ کہ ان دونوں میں سے تم صرف ایک کا انتخاب کرسکتے ہو۔ ویسے بھی ان اتنی ارزاں نہیں کہ تم جیسوں کے سہارے کی منتظر ہو، اس کی اپنی ایک زندگی ہے مقام حیثیت ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک نجانے تم جیسے کتنے ہمدردی میں آگے آچکے ہوتے۔''

''بھائی بات کرنے میں حرج کیا ہے، آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں، ہوسکتا ہے وہ دوسری شادی کی اجازت دے دے۔ ہوسکتا ہے وہ میری بات مان جائے، بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟'' وہ زور دے کر بولا۔

''یہ ناممکن ہے آذر، عائشہ کا خیال چھوڑ دو، نہ ہی ہم اس سے بات کریں گے اور نہ ہی تم خود کوئی ایسی حماقت کروگے۔ اگر واقعی عائشہ کو چاہتے تو دوسری شادی کا خیال دل سے نکال دو کہ دنیا میں لوگ بے اولاد بھی تو ہوتے ہیں اور اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو پھر عائشہ کا خیال دل سے نکال دو اب بولو کیا چاہتے ہو؟'' ذاکر نے پوچھا تو جواب میں آذر اٹھ کر چلا گیا۔

اور اب مجھے یاد آیا میرے سامنے ہی جب رابعہ کی ساس نے پشتو میں کچھ کہا تھا اور رابعہ نے آذر سے پوچھا تھا تو اس نے مسکرا کر سر ہلادیا تھا پھر اس رات وہ بہت بڑے کمرے میں بیٹھے بولتے رہے تھے مگر پلے اس لئے کچھ نہ پڑا تھا کہ ساری بات چیت پشتو میں ہوئی تھی مگر آج جب رقیہ نے بتایا تو وہ سب کچھ مجھے بھی یاد آگیا۔

''اب کوئی بچوں والا ہی تمہیں قبول کرے گا خود تم ماں بن نہیں سکتی۔''

''اُف آذر تم نے کیا کیا؟ مجھے لگا جیسے اس نے میری توہین کی ہو، رابعہ نے بہت اچھا کیا تھا جو مجھے نہ بتایا تھا مگر رقیہ اپنی سادگی میں بتاچکی تھی اور اب خود تو آرام سے سورہی تھی جبکہ میں جاگ رہی تھی، یہ سچ تھا کہ میں اب بھی شادی کرنا چاہتی تھی مگر کوئی اس طرح مجھے ٹھکرائے یہ بھی میں کب چاہتی تھی، بہت دیر تک ایک دکھ تھا جو میرے وجود میں پھیلتا رہا، آخر میں نے سوچا یہ کوئی غلط بات نہیں آذر نے جو بھی کیا ٹھیک کیا، میں کیوں پریشان ہوں مرد کو اپنا نام لیوا وار چاہیے ہوتا ہے۔

میں یہ کیوں بھول جاتی ہوں میرے ماموں نے تو اپنا نام لیوا مرتے دیکھ کر قدیر کے باپ کو بے نام کرنے کی خاطر قدیر کی جان لی تھی، قدیر یاد آیا تو میں سب کچھ بھول کر اس کی یاد میں کھوگئی۔

صبح جب میں اٹھی تو رقیہ مجھ سے پہلے ہی اٹھ چکی تھی بلکہ میرے لئے ناشتہ بناچکی تھی، باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے میں نے اسے دیکھا اور کہا۔

''آپ نے کیوں تکلیف کی، میں ناشتے میں ایک سیب یا صرف ایک کپ چائے پیتی ہوں، آپ کا یہ بھاری بھرکم ناشتہ مجھے ہضم نہیں ہوسکتا۔''

''چائے بھی کوئی پینے کی چیز ہے یا تو دودھ لیا کریں یا صرف سیب۔'' رقیہ نے محبت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تاہم آج آپ کو پورا ناشتہ کرنا پڑے گا۔'' اور میں کچھ کہنے کی بجائے مسکرادی تاہم ناشتہ مجھے پورا ہی کرنا پڑا اور گھر کا کام کئے بغیر میں جلدی سے تیار ہوکر نکلی تو شاداب باہر کھڑا تھا مجھے دیکھتے ہی سلام کیا اور پوچھا۔

''جارہی ہیں آپ؟''

''ہاں بھئی دیکھ تو رہے ہو۔'' میں نے جلدی سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے کہا اسے دیکھ کر مجھے غزل یاد آئی اور بے اختیار میرے لب مسکرادیئے، یہ عمر بھی کیا چیز ہوتی ہے پہلے میں بھی ایاز کے لئے پاگل تھی اور اب سب سے بچھڑ کر یہاں اس شہر میں تنہا زندگی گزار رہی ہوں۔

''پیدل جاتی ہیں آپ؟'' وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں بھئی بس سے جاتی ہوں، لیکن اسٹاپ تک تو پیدل ہی جانا ہوتا ہے اور یہ تم میرے ساتھ کیوں آرہے ہو؟''

''آپ اکیلی جو ہیں اسٹاپ تک آپ کو چھوڑ دوں گا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''شاداب! میں تو روز اکیلی جاتی ہوں، ایک دن تمہارے ساتھ جانے سے کیا ہوگا؟''

''کچھ خاص نہیں لیکن مجھے یہ اطمینان ضرور رہے گا کہ میرے ہوتے

ہوئے آپ اکیلی نہیں گئیں تھیں اور میں آپ کو اکیلی جانے بھی نہیں دوں گا۔''
نے ضدی لہجے میں کہا۔

''پاگل ہوئے ہو۔'' میں نے کہا اور سامنے آکر رکنے والی بس پر چڑھ گ

☆☆☆

مینا بازار کی تیاریوں کی وجہ سے کالج سے کچھ لیٹ آئی تھی۔ گھر تو دروازہ کھلا تھا، شاید رقیہ آپا صبح سے اِدھر ہی تھیں میں اندر داخل ہوئی تو اندازہ درست نکلا نہ صرف وہ بلکہ شاداب بھی اس کے ساتھ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھا تھا اور وہ دونوں باتیں کر رہے تھے میں نے ان کو سلام کر ہوئے پوچھا۔

''آپ یہاں بیٹھے ہیں رابعہ کہاں ہے اور تاشہ؟''

ذاکر کے دوست کی بچی فوت ہوگئی ہے وہ دونوں وہاں گئے ہیں، تا چھوڑ گئے ہیں وہ اب سو رہی ہے لیکن آپ نے آج بہت دیر لگادی۔'' رقیہ نے دیکھتے ہی اٹھتے ہوئے کہا پھر کھانے کا پوچھا۔

''ابھی تک تو آپ کا کرایا ہوا ناشتہ ہی ہضم نہیں ہوا، کھانا رہنے دیں۔'' میں نے کہا اور اپنے کمرے میں چلی آئی، میرے بستر پر تاشہ سو رہی تھی نے اسے سوتے میں ہی پیار کیا پھر کپڑے بدلنے چلی گئی۔

رابعہ لوگ شام کے وقت آئے تھے، رقیہ تاشہ کو لے کر اوپر چلی گ جاتے ہی مجھے اشارہ کرگئی کہ اب آپ شاداب سے بات کرلیں اور میں شاداب دیکھنے لگی جو برآمدے کے ستون سے لپٹی بیل دیکھ رہا تھا اور میں اس کو دیکھ رہی تھی

یہ دو سال جو گزرے تھے اسے خاصا بدل گئے تھے، وہ میری طرف اور مجھے دیکھتے پا کر حیران ہوا پھر پوچھا۔

''آپ اس گھر میں اکیلی رہتی ہیں؟''

''ہاں اکیلی ہوں تو اکیلی ہی رہوں گی، تم بتاؤ اب کیا سوچا ہے تم اپنے مستقبل کے بارے میں؟ میٹرک تو تم کر ہی چکے ہو۔'' میں نے بات شر کی۔

''کیا سوچنا چاہیے؟'' شاداب نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔

''یہی کہ اب کیا کرو گے تم؟'' میں نے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم فوج میں کیوں نہیں چلے جاتے؟'' میں نے رقیہ کی سمجھائی ہوئی بات دہرائی۔

''یہ آپ کی خواہش ہے؟'' شاداب نے زمین کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس میں تمہاری بہتری بھی تو ہے۔'' میں نے فوراً کہا۔

''میری بہتری کو چھوڑیں آپ اپنی بات کریں۔'' شاداب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے کچھ حیرانی سے اس کو دیکھا۔

''یہ آپ کی خواہش ہے تو ......'' شاداب نے مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر بات ادھوری چھوڑ دی اور بیل کو دیکھنے لگا۔

''ہاں یہ میری خواہش ہے کہ تم فوج میں جاؤ اور ایک اچھے انسان اور ایک بڑے آفیسر بنو۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے صاف صاف بات کی۔

''بس یا کچھ اور؟'' شاداب نے اچانک اٹھتے ہوئے رخ بدل لیا۔

''یہی بہت ہے اگر کر دو۔'' میں بھی کھڑی ہوگئی تو شاداب نے مڑ کر مجھے دیکھا چند ساعتیں یونہی بت بنا مجھے دیکھتا رہا۔

''کیا بات ہے شاداب؟'' مجھے اس کا اس طرح دیکھنا عجیب سا لگا۔

''کیا آپ نہیں سمجھتیں؟'' شاداب نے اب کی بار دانستہ مجھے دیکھنے سے گریز کیا اور مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سر پر بم مار دیا ہو۔

''او مائی گاڈ یہ لڑکا تو کچھ اور ہی سمجھ رہا ہے میرے ذہن کو شاک لگا میں نے پھر شاداب کو دیکھا اس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا، اچانک اس نے رخ بدلتے ہوئے کہا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں؟''

''کیا۔'' میرا لہجہ خود بخود خشک ہوگیا اور میں نے سوچا، لاحول ولاقوۃ یہ لڑکا جو مجھ سے چودہ پندرہ سال چھوٹا ہے اب یہ مجھ سے عشق جھاڑے گا۔ دل میں

ہنسی بھی آئی اور دکھ بھی ہوا کہ یہ سب اس لئے ہوا کہ میں اکیلی ہوں کوئی آ
پیچھے نہیں ورنہ......میں نے شاداب کو دیکھا وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھا اور ایسے میں ذا
بھائی میرے لئے فرشتہ رحمت بن گئے انہوں نے اوپر سے جھانکتے ہوئے شادا
کو آواز دی اور شاداب مجھے دیکھتے ہوئے اوپر چلا گیا۔

گویا وہ غزل جو میں نے پڑھی تھی رات کو وہ میرے لئے ہی
۔شاداب مجھے پسند کرنے لگا تھا مگر کیوں؟ یہ ٹھیک ہے اس عمر میں عامیانہ باتیں ا
عامیانہ حرکتیں ہوتی ہیں مگر اتنی بھی نہیں کہ بندہ عمر کا فرق ہی بھول جائے۔

وہ چلا گیا اور میں ایک گہری سوچ میں ڈوب گئی، بھلا ایسا کیا کیا تھا
نے میری کس بات سے اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ میں اس کو اہمیت د
ہوں۔پسند کرتی ہوں جو اس نے اتنی بڑی جرأت کر لی، یہ جو میں نے اس
اصلاح کی طرف کچھ توجہ دی تھی تو صرف اس لئے کہ رقیہ آپا کا دکھ مجھ سے د
نہیں جاتا تھا اور شاداب میری ہمدردی کو غلط رنگ میں لے گیا تھا اور یہ بہت
ہوا تھا۔

اب کیا کروں؟ کیا اس کو سختی سے ڈانٹ دوں یا چپ رہوں؟ ہے تو
مزاج اگر ڈانٹ دیا تو کہیں پھر آوارہ نہ پھرنا شروع کر دے، ہے بھی تو ایسا ہی ا
کیا کروں؟ میں پریشان سی سوچ رہی تھی مگر کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا آخر میں
غصے سے سوچا۔

''اب اگر اس نے یہ بات کہنے کی جرأت کی تو میں سختی سے ڈانٹ دا
گی ہاں یہی ٹھیک رہے گا، میں نے سوچا اور اٹھ گئی کہ آج کل نیکی کا زمانہ ہی
رہ گیا ہے۔

رات کا کھانا رابعہ نے کہا تھا میں اس کے ساتھ کھاؤں مگر میں ا
شاداب کی شکل تک بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی اس لئے صاف انکار کر دیا کہ بھو
نہیں ہے اور اپنے کمرے میں سونے آ گئی آج میں نے رقیہ کو بھی اپنے سا
سونے کا نہ کہا تھا مگر وہ خود ہی آ گئی اور آتے ہی پوچھا۔

''باجی بات کی تھی آپ نے شاداب سے؟''

''ہاں کی تھی بات۔'' مجھے پھر شاداب کا رویہ یاد آ گیا اور میں نے سوچا کیا
رقیہ کو بتا دوں کہ شاداب نے وہ غزل کس کے ہجر میں نوٹ کی تھی؟

''کیا کہتا ہے؟'' رقیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''مان گیا ہے کہتا ہے اس کا ارادہ پہلے ہی فوج میں جانے کا تھا، میں نے
اپنا کردار الگ کر دیا۔

''اللہ تیرا شکر ہے اور باجی آپ کا بھی شکریہ سب آپ کی وجہ سے ہوا
ہے۔آپ کے مبارک قدم میرے شہر میں پڑے تو شاداب بدل گیا ورنہ وہ تو کسی کو
خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا۔ میں سوچتی تھی کہ میری ساری زندگی بھائی کی اور بچوں
کی غلامی کرتے گزرے گی مگر اب آپ کی وجہ سے ......''

میں چپ ہی رہی، کہتی بھی تو کیا کہ مجھے خود یہ نیکی بہت مہنگی پڑی ہے
پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے میرا شکریہ ادا کرتے وہ تو سو گئی اور میں سوچتی رہی
اب کیا کروں؟ اگر میرے ڈانٹنے کی وجہ سے شاداب پھر بگڑ گیا تو پھر اس بیوہ عورت
کا کیا ہو گا؟ ارے تو کیا اس کے منہ سے اپنے لئے مکالمے سنوں ناممکن۔ میں نے
غصے سے سوچا۔ ہاں ایک صورت ہو سکتی ہے رقیہ نے کہا ہے کہ وہ کل صبح چلے
جائیں گے مجھے صبح وقت سے پہلے ہی کالج چلے جانا چاہیے اس طرح میری عزت
بھی رہ جائے گی اور رقیہ کی بات بھی بن جائے گی ہاں یہ بالکل صحیح ہے' میں نے
سوچا اور مطمئن ہو گئی۔

صبح پروگرام کے مطابق میں جلدی جلدی تیار ہو کر رقیہ سے مل کر کالج
آ گئی اور یوں شاداب کے دوبارہ سامنے سے بچ گئی وہ مجھ سے پورے پندرہ برس
چھوٹا تھا اس کو اور کچھ نہیں تو عمر کا فرق تو دیکھنا ہی چاہیے تھا۔

لیکن اب اس کو کیا کہیں کہ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے کالج
سے جب میں خوشی خوشی گھر پہنچی تو شاداب گلی میں ہی کھڑا تھا مجھے دیکھا تو میرے
پیچھے چلا آیا۔ میں نے تالا کھول کر گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''آپا رقیہ تو کہتی تھیں کہ تم لوگ صبح چلے جاؤ گے۔''

''جی پروگرام تو یہی تھا مگر میں نے بدل دیا۔'' وہ میرے ساتھ چلتے

ہوئے بولا اور اس کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جب کا دیر بعد کپڑے بدل کر باہر نکلی، یہ دیر میں نے شاداب کی وجہ سے لگائی تھی مگر جب باہر پلٹی تو وہ صحن میں موجود تھا میں نے ایک بار پھر اس کو نظر انداز کرتے ہو۔ کچن کا رخ کیا۔ فریج سے کل کا سالن نکال کر گرم کیا چاول بھی پہلے کے پڑ۔ تھے وہ گرم کرکے میں کھانے لگی۔ کھانے سے فارغ ہوئی تو پھر بھی وہ موج تھا۔ میں نے اس کو کچن کی کھڑکی سے دیکھا پھر برتن صاف کرنا شروع کردیے بھی جو گندے تھے اور وہ بھی جو صاف تھے، اب شاید شاداب کی قوت برداشہ جواب دے گئی تھی کیونکہ تھوڑی دیر بعد وہ باورچی خانے میں موجود تھا

''آپ کیا سمجھتی ہیں آپ اِدھر اُدھر کے فضول کاموں میں لگی رہیں اور میں چلا جاؤں گا؟'' وہ میرے سر پر کھڑا کہہ رہا تھا، ہیرو کہیں کا میں نے د میں سوچا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کی وا مطلب تو اس کا میں خوب سمجھتی تھی۔

''مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنی باتوں کا جواب چاہیے۔'' شاداب نے پو سنجیدگی سے کہا۔

''کس بات کا؟'' میں نے پھر انجان بن کر پوچھا۔

''وہ......وہ میں......'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بے بسی سے بات پوری کرسکا...... اور میں بھی اس کے بولنے کی منتظر رہی اچانک وہ میری طرف گھوما کہا۔

''آپ......آپ سمجھ رہی ہیں میری بات جان بوجھ کر نظرانداز کرنے کوشش کریں تو الگ بات ہے ورنہ صبح ہی صبح کالج جانے کا مطلب کیا تھا؟ آ میری بات کا جواب نہیں دینا چاہتی تھیں، میرا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھیں اس۔ آپ جلدی میں چلی گئیں۔ میں نے بھی صبح جانے کا پروگرام ختم کردیا کہ میں آ سے بات کرکے جانا چاہتا تھا آپ سے مل کر رخصت ہونا چاہتا تھا۔

اس کی بات سن کر میں سمجھ گئی فی الحال سچ بولنا اچھا نہیں ہوگا اس دفہ

مما نے ایک فیصلہ کیا اور کہا۔

''ہاں شاداب میں سمجھ رہی ہوں تمہاری بات کو لیکن...... ہر بات کے لئے۔ ہر وقت مناسب نہیں ہوتا ہر بات اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے۔ خود کو دیکھو اور سوچو کیا یہ بات قبل از وقت نہیں کہہ رہے ہو تم؟'' میں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

میرے کہنے کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ اپنی عمر کو دیکھو ابھی تم اٹھارہ سال کے ہوئے ہو اور چلے ہو عشق کرنے وہ بھی اپنے سے برابر کی لڑکی کو چھوڑ کر اپنے سے پندرہ برس بڑی عورت سے۔ مگر میں چپ رہی البتہ شاداب نے میری بات کے جواب میں مجھے دیکھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے روک دیا۔

''اب تم جاؤ شاداب مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں سب سمجھتی ہوں۔'' اور شاداب جلدی سے باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سوچا۔

ابھی عمر چھوٹی ہے اس عمر میں لڑکے ایسی حرکتیں کر ہی جاتے ہیں ابھی اس کی اصلاح کیلئے مجھے چپ رہنا چاہیے۔ بعد میں اول تو وہ خود ہی سمجھ جائے گا اور نہ سمجھا تو میں خود سمجھا دوں گی۔ کیا حرج ہے اگر میرے اس رویے سے ایک انسان قاتل کی بجائے آفیسر بن جائے تو یہ نیکی ہے، شاداب کے لئے بھی اور خاص کر رقیہ کے لئے اور پھر آذر نے بھی تو میری حقیقت جاننے کے بعد مجھے پانے کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ یہ بھی جب سمجھدار ہوجائے گا تو خود ہی مجھے بھول جائے گا۔ یہ سوچ کر میں مطمئن ہوگئی۔

اُسی شام وہ لوگ چلے گئے تھے انہوں نے رات کو سفر کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا جاتے ہوئے شاداب کچھ شرمایا، شرمایا تھا بالکل کسی لڑکی کی طرح اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر میں دل ہی دل میں خوب ہنسی تھی۔

اُن کے جانے کے چند روز بعد ہی رقیہ کا خط آیا تھا۔ جس میں اُس نے لکھا تھا۔ ''شاداب فوج کی طرف سے شائع کردہ اشتہار کے جواب میں انٹرویو کیلئے

پشاور چلا گیا ہے۔" یہ پڑھ کر مجھے واقعی بہت خوشی ہوئی تھی۔

وقت اپنے مخصوص انداز میں گزر رہا تھا اس دوران رقیہ کا خط آیا تو شاداب انتخابی ٹسٹوں میں فرسٹ آیا ہے رقیہ نے لکھا تھا۔ "ذہنی آزمائش کا امتحا نفسیاتی امتحان اور تعارف شخصیت کا امتحان تینوں کے علاوہ جی ٹی او کے اندرون خانہ ٹسٹ اور بیرون ٹسٹ ان سب میں شاداب نے بہت اچھی پوزیشن ہے شاداب کے ماموں بہت حیران ہیں کہ یہ آوارہ پھرنے والا لڑکا اتنا ذہین ہوسکتا ہے۔

یہ خط رقیہ اپنے بھائی سے لکھواتی تھی اور آخر میں وہ خود بھی اپنی ط سے ایک آدھ بات لکھ دیتی تھی اس خط میں اُس نے لکھا تھا۔

شاداب نے واقعی کمال کر ڈالا اور سب کو حیران بھی وہ بہت محنتی ہے اور ہم حیران ہو رہے ہیں اللہ اُس کو کامیاب کرے آمین۔

خط پڑھ کر میں حیران بھی ہوئی تھی اور خوش بھی کہ اتنا اچھا اور ذہین میری توجہ سے اگر برباد ہونے سے بچ گیا۔ تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے باقی تو زندگی کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ اس عمر میں انسان غلطی کرہی جاتا ہے اور سمجھدار ہوتا ہے تو سب بھول جاتا ہے، یہ سوچ کر میں مطمئن تھی۔

آذر کی شادی طے ہوگئی تھی ۔ اپنے خاندان میں۔ رابعہ نے مجھے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی مگر میں نے انکار کردیا۔ میں اس خوشی کے موقع پر آ ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی تھی۔

انہی دنوں رقیہ کا ایک اور خط آیا تھا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ شا سلیکٹ ہونے کے بعد ٹریننگ کے لئے کوہاٹ چلا گیا ہے۔ ٹریننگ کورس تین کا تھا اور اُس کے بعد اسے براہ راست آفیسر بھرتی ہونا تھا یہ پڑھ کر میں اطمینان کا سانس لیا تھا۔

پرویز بھائی کے خط باقاعدگی سے مجھے مل رہے تھے۔ ان خطوں میں انہوں نے اپنے ہاں دوسرا بیٹا ہونے کی خوشخبری سنائی تھی اور جوابی خط میں نے ان کو ڈھیروں مبارک باد لکھی تھیں اور خود اس خوشی میں اپنے سب جا

لوں کے ہاں مٹھائی بھجوائی تھی ، میں واقعی خوش تھی کہ شکر ہے دور جانے کی وجہ ے میرے بھائی کا گھر تو آباد رہا ورنہ اگر یہاں میرے ساتھ رہتے تو پھر ہوسکتا ہے خوشی ان کا مقدر نہ بنتی۔ یہ میری اپنی سوچ تھی ویسے بھی پرویز بھائی باہر نے کے باوجود مجھے بھولے نہ تھے مہینے میں ان کے دو خط لازمی آتے تھے جن ں میرے لئے محبت بھری ہوتی تھی۔ مجھے اب اُن سے کوئی شکوہ نہ تھا، میں مطمئن ی۔

لیکن پھر پرویز بھائی کے خط بالکل اچانک ہی آنا بند ہوگئے، میں حیران ی اور پریشان بھی کہ خدا خیر کرے۔ وہ تو جب سے گئے تھے تب سے مہینے میں خط مجھے لازمی لکھتے تھے۔ بہت کم ایسا ہوا تھا کہ کبھی ایک آدھ کا ناغہ ہوجائے ن اب تو دو ماہ ہو رہے تھے مگر جواب نہ آیا تھا شاید ایڈریس بدل گیا ہو۔ ان ہی یشان سوچوں میں تیسرا ماہ بھی گزر گیا میں بہت پریشان تھی خود جا کر پتہ نہیں سکتی تھی لیکن جلد ہی یہ پریشانی ختم ہوگئی اور اُن کے خط نہ لکھنے کی وجہ بھی سمجھ میں گئی جب ذاکر بھائی نے بتایا۔

"آج کل میں آپ کو مکان خالی کرنے کا نوٹس ملنے والا ہے۔ کیونکہ تین ال پورے ہوچکے ہیں بلکہ دو ماہ اوپر ہی ہوگئے ہیں۔"

"تو بھائی اس خیال سے کہ میں تمہیں مکان خالی ہونے کا بتانے کے بعد ہارے پاس نہ آجاؤں تم نے مجھے خط لکھنا ہی چھوڑ دیا۔" میں دکھی دل سے سوچتی ہی حالانکہ جب پرویز بھائی جا رہے تھے مجھے تو تب ہی پتہ تھا کہ اب عذرا ان کو اپس نہیں آنے دے گی لیکن بعد میں جب بھائی جان کے محبت بھرے خط آنے لگے تو مجھے اپنی سوچ پر ندامت ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا وہ یقیناً لوٹ آئیں گے لیکن آج...... آج حقیقت میں وہ مجھ سے بچھڑ گئے تھے، شاید ہمیشہ کے لئے یہ دکھ بہت بڑا تھا کہ اب زندگی کے بہت سارے رخ میں دیکھ چکی تھی اور جب اپنی قسمت ہی خراب ہو تو پھر کسی سے شکوہ کیسا۔

ٹھیک تین سال اور تین ماہ بعد میں نے وہ گھر چھوڑ دیا اور ہوسٹل میں رہائش اختیار کرلی رابعہ نے بہت کہا۔

"عائشہ! میں آپ کو یہاں سے کہیں نہیں جانے دوں گی، اب آپ ہمار ساتھ رہیں۔ ذاکر بھائی نے بھی محبت سے مجھے سمجھایا۔

"عائشہ! تم ہمارے ساتھ رہو گی یہ تمہارے بھائی کا گھر ہے ہمارے ہوتے ہوئے تم ہاسٹل میں رہو مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

مگر میں نے اُن دونوں کو پیار سے سمجھا دیا کہ میرا اُن کے ساتھ ر مناسب نہیں، تاشہ نے بھی ضد کی مگر جب میرا اپنا بھائی میرا بوجھ نہ اٹھا سکا تو میرا ساتھ نہ دے سکا تھا تو پھر اس طویل سفر میں کسی اور پر بوجھ بن کر رہنا مجھے گوارہ نہ تھا اس لئے میں ہاسٹل میں اٹھ آئی۔

ہاسٹل کی زندگی کا بھی اپنا ہی ایک لگ رنگ تھا، زیادہ تر میری طرح مجبور اور دکھوں کے مارے ہوئے لوگ تھے، وہاں جا کر زندگی کی کئی اور کہانیوں کے بارے میں بھی جاننے کا موقع ملا تھا۔ وہاں ہم سب ایک دوسرے کے دکھوں میں شامل ہو کر خوش رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور رات کی تنہائی میں اپنے بچھڑ جانے والوں اور چھوڑ جانے والے پیاروں کو یاد کرتے تھے کہ زندہ رہنے کی یہ بڑا انسان کا مقدر ہے۔ لوگ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں مگر یادیں ساتھ نہیں چھوڑتیں، جب تک جان نہ چلی جائے۔

رابعہ جب بھی چارسدہ جاتی تھی مجھے ضرور ساتھ لے کر جاتی تھی۔ اس طرح ذرا تفریح ہوجاتی ورنہ ہوسٹل میں رہ کر تو میں زندگی سے اور بھی بیزار ہوجاتی۔" میں رابعہ کے ساتھ اس لیے چلی جاتی کہ آذر کی شادی ہوچکی تھی اور شادی کے بعد وہ کینیڈا جا چکا تھا۔ بیوی کو بھی ساتھ ہی لے گیا تھا اور شاداب بھی ٹریننگ کے سلسلے میں ابھی کوہاٹ میں ہی تھا۔ دوسرے وقت بھی اچھا گزر جاتا تھا۔ وہاں سب ہی لوگوں سے پکی دوستی ہوچکی تھی۔ جبکہ رابعہ ا ایک خوبصورت بیٹے کی ماں بھی بن چکی تھی۔ تاشہ بھائی کو پا کر بہت خوش تھی اور میں بھی اکثر چھٹی کے دن اس کے گھر چلی جاتی تھی۔ ورنہ پہلے تو رابعہ ہی ہاسٹل اکثر ملنے آجاتی تھی اور ساتھ ہی بے وفا ہونے کا طعنہ بھی دیتی جس کو میں ہنس کر برداشت کرلیتی تھی۔

کالج سے واپس آکر میں کپڑے دیکھ رہی تھی کہ کون سے پہنے جائیں چونکہ میری ایک کولیگ نائلہ کی بیٹی کی سالگرہ تھی کہ اچانک وارڈن نے آکر اطلاع دی۔

"آپ کے مہمان آئے ہیں آپا۔"

"ان کو بٹھاؤ میں ابھی آتی ہوں۔" میں نے کہا اور پھر کپڑے دیکھنے لگی۔ آج جمعرات تھی اور جمعرات کو اکثر ذاکر بھائی مجھے آکر لے جاتے تھے یا پھر خود چلی جاتی تھی۔ لیکن آج تو مجھے سالگرہ میں جانا تھا میں نے سوچا ذاکر بھائی سے کہوں گی کہ مجھے ڈراپ کرتے ہوئے چلے جائیں۔ کم از کم سواری ڈھونڈنے کی زحمت سے تو بچ جاؤں گی۔ سواری کا مسئلہ اب مجھے کھٹکنے لگا تھا اور میرا خیال تھا اب گاڑی لینے کا کہ پیسوں کی مجھے کوئی کمی نہ تھی۔ پھر روز بسوں میں دھکے کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں ذاکر بھائی کی وجہ سے پہلے تیار ہوئی۔ یوں تو میں زیادہ شلوار سوٹ ہی استعمال کرتی تھی لیکن مس راحت نے کہا تھا ساڑھی مجھ پر بہت جچتا ہے۔ میں نے ایک خوبصورت پرنٹڈ ساڑھی باندھی بال جوڑے کی شکل میں بنائے پھر چہرے پر ہلکا پف اور لائٹ لپ اسٹک لگا کر باہر نکل آئی بہت زیادہ میک اپ میں نے کبھی کیا ہی نہ تھا کہ میرا اپنا رنگ ہی اتنا صاف تھا کہ میں اس پر میک اپ کی تہیں چڑھا کر اپنی سوفٹ اسکن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

جب میں وزیٹنگ روم میں آئی تو دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گئی اور رنگ زرد پڑ گیا۔ میرے بالکل سامنے کے صوفے پر یعنی دروازے کے رخ رکھے صوفے پر شاداب بیٹھا تھا۔ سفید سوٹ میں اجلا اجلا اور تر و تازہ جیسے ابھی ابھی نہا دھو کر آیا ہو۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ گیا۔ میرا جی تو اندر کی بجائے باہر بھاگ جانے کو چاہا کہ اس کو اچانک سامنے دیکھ کر مجھے شاک لگا تھا...... لیکن میں سنبھل کر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی کہ اب ملے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

"السلام علیکم!" شاداب نے میرے قریب آتے ہی اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"ارے شاداب تم، میں سمجھی ذاکر بھائی آئے ہیں۔" میں نے اس کو سلام

کا جواب دیتے ہوئے اس کو دیکھا وہ بڑا فریش سا لگ رہا تھا۔ میری بات پر بولا۔

''اسی لئے مجھے دیکھ کر آپ ڈر گئی تھیں۔'' اس کے ہونٹوں پر دبی مسکراہٹ تھی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' میں نے دوسری طرف بیٹھے کچھ لوگوں کو دیکھ کر کہا جو اپنی عزیزوں سے ملنے آتے تھے۔ ان میں نجمہ بھی تھی جو میرے ساتھ پڑھاتی تھی شاداب نے مجھے دوسری طرف دیکھتے پایا تو پوچھا۔

''آپ کہیں جا رہی تھیں؟''

''ہاں وہ میری کولیگ کی بیٹی کی سالگرہ تھی بلکہ ہے۔ تم سناؤ کب آئے؟'' میں نے اس کو دوبارہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے پہنچا ہوں۔ پہلے سیدھا ہوٹل گیا سامان رکھا اور پھر ہو کر آپ کی طرف آ گیا۔'' وہ مجھے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ذاکر بھائی کے ہاں نہیں گئے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' شاداب نے عام لہجے میں کہا۔

''کیوں بھلا؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''اس لئے کہ آپ اِدھر نہیں تھیں۔'' شاداب نے آہستگی سے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ تمہیں ان سے ملنے تو جانا ہی تھا۔''

''تو چلا جاؤں گا۔ میں کونسا ابھی واپس جا رہا ہوں۔ چند روز ٹھہروں گا۔ پھر ان سے بھی مل لوں گا۔'' شاداب نے تفصیل سے بتایا۔

''اچھا چارسدہ میں سب ٹھیک ہیں نا؟'' میں نے گھڑی پر ایک نظر ڈال کر پوچھا۔

''سب ٹھیک ہی ہوں گے میں تو کوہاٹ سے سیدھا اِدھر آیا ہوں۔ لگتا ہے آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ میں چلتا ہوں۔'' شاداب کھڑا ہوا تو میں اطمینان کی گہری سانس لے کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے رسمی طور پر بھی اس کو رکنے کا نہ کہا تھا۔

''جائیں گی کیسے؟'' شاداب پوچھ رہا تھا۔

''ٹیکسی یا رکشہ پکڑ لوں گی۔'' میں نے اس کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''تو چلیئے پھر میں آپ کو چھوڑتا ہوا چلا جاؤں گا۔''

''تمہارے پاس گاڑی ہے؟''

''نہیں تو ٹیکسی میں ہی آپ کو چھوڑ کر میں ہوٹل چلا جاؤں گا۔'' اور میں اس کی بات مان گئی اور وہ مجھ سے پھر اگلے دن ملنے کا وعدہ کر کے مس نائلہ کے ہاں چھوڑ گیا۔ راستے میں اس نے کوئی خاص بات نہ کی تھی۔ بس اِدھر اُدھر کی سناتا رہا تھا اور میں نے اس کے جاتے ہی سکھ کا سانس لیا تھا ورنہ مجھے ڈر تھا کہیں وہ دل کا حال نہ سنانے بیٹھ جائے۔

اگلے روز میں چھٹی کے بعد کالج سے باہر آئی تو وہ گاڑی لئے میرا منتظر تھا یہ دیکھ کر مجھے بہت غصہ آیا مگر میں نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''شاداب! تم یہاں کیوں آتے ہو؟''

''آپ کو لینے۔'' وہ میرے غصے کی پرواہ کئے بغیر دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

''کیوں؟'' میں نے پھر غصے سے کہا۔ شاداب نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا۔

''پلیز بیٹھیے۔''

''شاداب تم!'' میں اس کو کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی کہ کالج کے باہر اور بھی بہت ساری گاڑیوں میں لوگ بیٹھ رہے تھے۔ ان میں میری اسٹوڈنٹ بھی تھیں۔ وہ کیا سوچ رہی ہوں گی یہ سوچ کر میں آگے بیٹھ گئی۔ تو شاداب بھی بیٹھ گیا پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مجھے دیکھا اور کہا۔

''میں آپ کے خفا ہونے کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔''

''تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں آنا چاہیے؟'' شاداب نے ونڈا سکرین کے باہر دیکھتے

ہوئے پوچھا۔ میں چپ ہی رہی راستے میں اس کو کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں کیوں آنا نہیں چاہیے تھا مجھے؟ حالانکہ میں نے کل ہی آپ سے کہا تھا کہ اب کل ملوں گا۔ آپ تب مجھے منع کر سکتی تھیں؟"

"میں سمجھی تھی کہ تم ہاسٹل آؤ گے۔" میں نے شیشے کے باہر دیکھتے ہو خفا ہو کر کہا۔

"دماغ خراب تھا جو پھر ہاسٹل آتا۔" شاداب نے زیرِ لب کہا پھر میر خفا چہرے پر ایک نظر ڈال کر اونچی آواز میں بولا۔

"ہاسٹل میں اس دن بلکہ کل آپ نے دیکھا نہیں تھا کتنا شور تھا۔ تم سے کوئی بات وہاں نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے سوچا کھانا کھائیں گے اور با کرلیں گے۔ کچھ غلط کیا میں نے؟" وہ معصوم بن کر پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" میں نے جل کر کہا وہ مسکرادیا پھر بولا۔

"آخر اس میں خفا ہونے والی کیا بات ہے۔ مجھ سے ملنا تو تھا ہی آ کو۔ یہ بتائیں وہ گھر کیوں چھوڑ دیا آپ نے۔ ہاسٹل میں کیوں اٹھ آئیں؟"

"وہ گھر میرا نہیں تھا محض پرویز بھائی کی وجہ سے وہاں تین سال رہی ا جب پرویز بھائی واپس نہ آئے تو مجھے وہ چھوڑنا پڑا کہ میں کالج پڑھاتی ہوا ہاسپٹل میں نہیں۔" مجھے ایک بار پھر پرویز بھائی کی بے حسی یاد آئی تو دل دکھ گیا۔

شاداب نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

"مگر وہ واپس کیوں نہیں آئے؟"

"انہوں نے خط ہی نہیں لکھا پھر وجہ کیسے معلوم ہوتی۔" میں نے کہا ا پوچھا۔ "گاڑی کس کی ہے؟"

"ہوٹل والوں کی کرائے پر لی ہے۔" شاداب مسکرایا اور گاڑی روک دی۔ "کھانا ہال میں کھائیں گی یا؟" شاداب نے میرے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"جو جی میں آتا ہے کرو۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"اوہ آپ ابھی تک خفا ہیں۔ اچھا تو کمرے میں چلتے ہیں۔" شاداب۔ اندر کا رخ کیا۔

"کمرے میں۔" میں چلتے چلتے رک گئی۔

"کیوں کیا ہوا؟" شاداب نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں پھر اس کے ساتھ چلنے لگی۔ دوسری منزل پر اس کا رہ تھا۔ شاداب نے جھک کر لاک کھولا اور کمرے میں داخل ہوگئی۔ ہوٹل میں آج ری بار آئی تھی۔ پہلی بار فیروز کے ساتھ راولپنڈی کے ایک ہوٹل میں اور دوسری بہ شاداب کے ساتھ۔ فیروز کے ساتھ جس کمرے میں رہی تھی اس میں ڈبل بیڈ جبکہ اس کے کمرے میں سنگل بیڈ تھا۔ سامان وہی تھا جو اس کمرے میں تھا۔ میں ے ذرا فاصلے پر رکھی گئی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ شاداب نے دیکھا ریسیور اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کھائیں گی؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے بیزاری سے کہا۔ شاداب نے پھر کچھ نہ ہا۔ خود ہی نجانے کیا کیا کہہ کر فون رکھ دیا اور پھر ہاتھ پیشانی پر ٹکا کر نجانے کس چ میں ڈوب گیا۔ بیرا کھانے لے آیا تو اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پھر اس ، جانے کے بعد بند کر کے میرے قریب پڑی دوسری کرسی اٹھا کر میرے سامنے ر کے دوسری طرف بیٹھتے ہوئے بولا۔

چلیے شروع کیجیے۔" اور میں پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔ اب انکار فضول کھانے کے بعد شاداب نے کافی منگوائی پھر بتایا۔

"میری ٹریننگ ختم ہوگئی اور آفیسر بھرتی میں مجھے لیفٹیننٹ کا رینک مل گیا ۔ اب اگلے ماہ میں ڈیوٹی جوائن کرلوں گا۔"

"واقعی؟" میں ساری ناراضگی بھول گئی اور پوچھنے لگی۔

"جی واقعی۔" شاداب مسکرایا۔

"اب کیا کرو گے تم؟" میں نے اپنے لئے مزید کافی بناتے ہوئے پچھا۔

"اب؟" شاداب مجھے دیکھتے ہوئے سنجیدہ ہوگیا۔ "اب پہلے ڈیوٹی جوائن روں گا پھر شادی ......" اس کا اشارہ سمجھ کر میں چپ رہی۔ کہتی بھی تو کیا۔ شاداب مانے پھر کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

میں پھر بھی چپ ہی رہی۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" شاداب اٹھ کر میرے قریب آگیا تو میں نے اس کو دیکھا۔

اس وقت اس کی عمر اکیس، بائیس سال تھی جبکہ خود میری عمر چھتیس برس تھی۔ ٹھیک ہے کہ اپنی اسمارٹنس کی وجہ سے میں اپنی عمر سے دس برس چھوٹی ہی کرتی تھی مگر وہ پھر بھی مجھ سے چھوٹا ہی لگ رہا تھا اور چھوٹا نہ بھی لگتا تب بھی مجھے اب کونسی شادی کرنا تھی۔ میں شادی نہ کرنے کے فیصلے پر اب بھی قائم تھی مگر مشکل تھی کہ اب شاداب کو کیسے سمجھاؤں۔

پہلی بار جب میں نے اس کو میٹرک کرنے کا کہا تھا تو محض رقیہ کی ... سے کہ جب سے میں خود دکھوں کی بھینٹ چڑھی تھی۔ تب سے مجھ سے کسی کا ... نہیں دیکھا جاتا تھا۔

دوسری بار پھر جب رقیہ میرے پاس مدد کے لئے آئی اور میں ... شاداب سے بات کی تھی تب بھی مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ غلط فہمی کا ... ہوچکا تھا۔ تب میں اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی مگر پھر رقیہ کے دکھ کا ... کرتے ہوئے میں ضبط کرگئی لیکن تب بھی میں نے شاداب کو اظہار کا موقع نہ ... تھا۔

لیکن آج وہ شاید صاف صاف بات کرنا چاہتا تھا اور میں سوچ رہی ... کیا اس کو بتادوں کہ یہ سب اس کی غلط فہمی تھی۔ لیکن خوف یہ تھا کہ کہیں میری بات سے وہ پھر بگڑ نہ جائے کہ ڈیوٹی ابھی اس نے جوائن نہیں کی تھی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ بس اچانک ہی میں بہت زیادہ پریشان ہوگئی تھی۔ شاداب پھر میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے آپ بہت پریشان ہوگئی ہیں؟"

"کچھ نہیں، یہ بتاؤ تم کیا کہہ رہے تھے؟" میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"یہی کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کب کرو گے؟" میں نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

"آپ کیا کہتی ہیں"۔ اس نے پوچھا۔

"میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ کوئی لڑکی دیکھ چکے ہو کیا؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

میری بات پر پہلے تو شاداب نے حیران ہوکر مجھے دیکھا پھر مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"جی آج سے پانچ چھ سال پہلے دیکھی تھی۔"

"اچھا۔" میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"آپ اس کو دیکھنا چاہتی ہیں تو اٹھیئے میں ابھی دکھاتا ہوں۔" وہ شریر لہجے میں بولا۔

"دکھاؤ۔" میں سنجیدگی سے کھڑی ہوگئی تو وہ بھی کھڑا ہوگیا اور پھر مجھے ساتھ لئے بڑے دیوار کے آئینے کے سامنے رکتے ہوئے بولا۔

"غور سے دیکھ لیجئے میری پسند کو۔"

میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ مجھے کہاں لے جائے گا چونکہ میں نے اردو ادب میں ایم اے اور پھر پی ایچ ڈی کی تھی اس لئے اس قسم کے دو چار سین ناول وغیرہ میں پڑھ چکی تھی۔ میں نے دیکھا شاداب اب بھی میرے ساتھ کھڑا تھا۔

"اگر میں انکار کردوں؟" میرے لب ہلے گو کہ یہ فضول سی بات تھی۔

"آپ انکار نہیں کرسکتیں۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔

"کیوں انکار نہیں کرسکتیں؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"آپ پھر سے مجھے وہاں لوٹ جانے کے لئے مجبور نہیں کریں گی۔ جہاں سے مجھے اٹھایا تھا۔" وہ گویا دھمکی دیتے ہوئے بولا۔

میں سمجھ گئی انکار فضول ہوگا وہ پہلے سے زیادہ وحشی بن جائے گا۔ اس لئے ایک نظر خود پر اور دوسری شاداب پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ذرا دیکھو اور بتاؤ تمہارے ساتھ کھڑی میں کیا لگتی ہوں؟"

''کیا کو نکال کر صرف میری نظر سے دیکھیئے کہ آپ میرے ساتھ کھڑی
بہت اچھی لگ رہی ہیں۔'' شاداب نے لہجے میں محبت بھر کر کہا۔

''اور بڑی بھی لگ رہی ہوں۔'' میں نے اس کے کلین شیو چہرے پر ایک
نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیا فرق پڑتا ہے جب میں نہیں سمجھتا۔'' اس نے لاپرواہی سے شانوں
کو جنبش دی۔

''مگر میں سمجھتی ہوں۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تم کو اس بات کی پرواہ نہیں مگر یہ دنیا والے یہ زمانہ اس فرق کو نہ
صرف سمجھے گا بلکہ تمہارا مذاق بھی اڑائے گا۔''

''پلیز میں آپ سے کوئی نصیحت سننے نہیں آیا بلکہ اپنی بات کا جواب لینے
آیا ہوں۔ وہ بات جس کو کہنے سے آپ نے مجھے روک دیا تھا۔'' شاداب نے غصے
سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''دیکھو شاداب ابھی تم صرف لیفٹیننٹ بنے ہو اور شادی کیلئے تمہاری عمر
بھی بہت چھوٹی ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں دانت پیستے ہوئے کہا۔ کھل کر غصے
کا اظہار جو نہیں کر سکتی تھی۔

''اتنی چھوٹی بھی نہیں۔ لوگ تو سولہ اٹھارہ سال کی عمر میں شادی کر لیتے
ہیں تو پھر بائیس میں ہوں اور اس عمر......''

''تم بائیسویں میں ہو میں تو......'' میں نے اس کی بات کاٹی۔

''پلیز مجھے کچھ بنانے کی ضرورت نہیں صرف میری بات کا جواب دیں۔''
اب کے شاداب نے جھلا کر کہا۔

''ضرورت ہے۔'' میں اپنی بات پر زور دے کر بولی۔

''نہیں ہے میں اندھا نہیں ہوں۔'' شاداب نے پھر جھلا کر کہا۔

''تو تم نہیں سنو گے؟'' مجھے بھی غصہ آ گیا۔

''سنوں گا مگر وہ نہیں جو آپ سنانا چاہتی ہیں بلکہ وہ جو میں سننا چاہتا
ہوں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

''تو ٹھیک ہے اگر مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو پہلے خود کو میرے قابل
بناؤ۔'' میں نے بچنے کیلئے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا۔ سیدھے راستے سے وہ قابو
جو نہیں آ رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' اب کے شاداب نے حیران ہو کر مجھے دیکھا۔

''مطلب یہ کہ میں کالج میں پروفیسر ہوں اور تم صرف لیفٹیننٹ ہو جبکہ
ی تمہاری عمر بھی چھوٹی ہے۔''

''پھر؟'' شاداب نے جلدی سے پوچھا۔

''پھر یہ کہ اگر مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو پہلے میجر کا رینک حاصل
رو، خود کو کسی قابل تو بناؤ پھر مجھ سے شادی کا سوچنا۔''
میں نے گھورنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی کر لوں گا آپ نے اب تک جو کہا ہے میں نے وہی کیا ہے۔ یہ
پٹن اور میجر کا رینک بھی میں حاصل کر لوں گا۔ مگر پہلے اب شادی ہوگی۔ باقی
ل وقت کے ساتھ ساتھ ہوتی رہیں گی۔'' شاداب نے بھی صاف صاف کہہ
۔

''شادی بعد میں ہوگی پہلے تم یہ رینک حاصل کرو گے اگر مجھے حاصل کرنا
ہتے ہو۔'' میں نے خشک لہجہ اختیار کیا۔

''آپ نہیں جانتیں آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ فوج میں پروموشن کی ایک
ت ہوتی ہے۔ ہر رینک کی اپنی مدت ہوتی ہے جو پوری کرنے کے بعد دوسرا ملتا
، اور اس میں دن مہینے نہیں، برسوں لگتے ہیں۔'' شاداب نے گویا مجھے سمجھانے کی
ش کی۔ حالانکہ یہ بات تو مجھے بہت پہلے سے معلوم تھی آخر میرے تین ماموں
ج میں تھے۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر مجھے بھول جاؤ۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں یہ کیسے ممکن ہے۔'' شاداب نے بے چینی سے پہلو بدلا وہ کچھ
یشان نظر آنے لگا تھا اور مجھے اطمینان حاصل ہونے لگا تھا۔

''اگر مجھے بھولنا ناممکن ہے تو پھر یہ رینک حاصل کرو۔'' میں پھر آ کر کرسی

پر بیٹھ گئی۔ جبکہ شاداب اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ وہ کتنا بھی مرد سہی مگر تھا تو مجھ
چھوٹا اور ناتجربہ کار اس لئے میری چال میں آ گیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو مجھے جواب چاہیے؟'' میں نے کہا۔

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا میجر کی بجائے آپ صرف کیپٹن کی شرط رکھیں۔''
تھوڑا سا رضا مند ہوکر بولا میں سمجھ گئی کہ بات بن گئی ہے۔

''میجر سے کم نہیں البتہ کرنل بن جاؤ تو اور بات ہے۔'' میں نے
سے ہنس کر کہا۔

''پلیز ایک بار پھر سوچ لیجئے۔'' شاداب منت کرنے والے انداز
بولا۔

''ہرگز نہیں تم ہاں یا ناں میں ابھی جواب دو۔'' میں نے بے رخی س
اس نے بھی تو مجھے خوب پریشان کیا تھا۔ مجھ سے شادی کی خواہش مجھے پریشان
ہی تو تھی۔ یہ پریشانی کی بات ہی تو تھی کہ وہ مجھ سے چودہ پندرہ برس چھوٹا ہ
کے باوجود مجھ سے شادی کا خواہشمند تھا۔ میں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا وہ پر
سا د یچے کے باہر دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا رینک کی مدت سات سال
ہے۔

شاداب ابھی لیفٹیننٹ ہوا تھا سات سال بعد جاکر کہیں کیپٹن بنتا او
اس کے ساتھ بعد میں میجر۔

یعنی اس طرح کل چودہ سال بنتے تھے اور شاداب جوان تھا خوبصو
تھا۔ ابھی تو اس عمر چھوٹی تھی اور سر پر عشق کا بھوت سوار تھا کہ اس عمر میں لڑ
نہیں صرف جنس مخالف میں کشش کے باعث ہر فرق نظر انداز کردیتے ہیں۔

لیکن اب سے چار پانچ سال بعد جب شاداب ذرا میچور ہوگا یعنی چ
ستائیس کا تو پھر وہ خود ہی مجھے بھول کر کسی بھی اپنی ہم عمر یا چھوٹی لڑکی سے
کرلے گا اور میں بھی مزید بڑی ہوجاتی اور ضروری نہیں تھا شاداب اب بھ
حصول کے لئے چودہ سال انتظار کرتا۔

وہ مرد تھا اور انتظار کرہی نہیں سکتا تھا۔ یہ ساری محبت سارا عشق اس

ن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا جب وہ ذرا سمجھدار ہوتا اور میری عمر کا خیال
ے خود ہی مجھے چھوڑ جاتا۔

پھر مجھے کیا ضرورت پڑی تھی ابھی سے اس کو بھٹکانے کی۔ میں نے
اب کو دیکھا وہ ابھی بھی وہیں دریچے کے پاس کھڑا تھا اس کے پاس گئی اور کہا۔

''چھوڑو شاداب یہ سب تمہارے بس کا نہیں بہتر یہی ہے کہ تم اپنی کسی
م لڑکی کو تلاش کر کے شادی......''

''مجھے آپ کی شرط منظور ہے لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔''

''کیا؟'' میں نے سکون سے پوچھا۔

''یہ کہ جب میں میجر کا رینک حاصل کرلوں تو پھر آپ کوئی نئی شرط پیش
ا کریں گی۔''

''نہیں کروں گی۔'' میں نے فوراً کہا اور دل میں سوچا وہ وقت آنے سے
م خود بدل جاؤ گے۔ شاداب خان آفریدی۔

''پھر ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا۔ یہ رینک اپنی محنت سے قبل از وقت
ل کرلوں۔'' وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولا اور میرا دل پھر ڈر گیا لیکن پھر یہ
ہ کرکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ قبل از وقت کچھ حاصل کرے۔ میں مطمئن ہوگئی اور
کچھ دیر بعد ہی اپنا پرس اٹھا کر چلنے کیلئے تیار ہوگئی۔

''اب میں چلوں گی شاداب؟''

''رات کا کھانا کھا کر جایئے گا۔'' شاداب نے بیٹھے بیٹھے مجھے دیکھا۔

''یہ مناسب نہیں۔'' میں نے کہا تو شاداب فوراً اٹھ گیا تاہم وہ مجھے
ل چھوڑنے کی بجائے لبرٹی لے گیا میں نے جب یہ دیکھا تو غصے سے پوچھا۔

''یہاں کیوں لائے ہو مجھے؟'' شاداب نے میرے غصے کی پرواہ کئے بغیر

''مجھے تھوڑی شاپنگ کرنا ہے ایسے موقع پر خاتون ساتھ ہو تو اچھا لگتا
'' وہ گاڑی بند کرکے میری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

''تشریف لایئے۔'' اور میں دانت پیسنے کے باوجود اس کو کچھ نہ کہہ سکی

چپ چاپ گاڑی سے اتر آئی۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے رہا تھا۔

''نہیں تم اپنی شاپنگ کرو۔'' میں نے تھوڑی نرمی سے کہا کہ اب کرنے کا فائدہ۔

''جی بہتر۔'' وہ مختلف شاپس نے اپنے لئے نجانے کیا کیا خریدتا رہا۔ نے کچھ توجہ نہ کی۔ پھر میری پسند سے اس نے اپنی امی کیلئے ایک دو سوٹ اور وغیرہ خریدنے کے بعد مجھ سے کہا۔

''میں چاہتا ہوں آپ اپنے لئے کچھ خریدیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ خو میرے لئے سوٹوں کا کپڑا دیکھنے لگا میں نے آہستہ سے اس کا بازو پکڑا اور کہا۔

''پلیز شاداب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' مگر اس نے سنی ا کردی دکان دار کے سامنے میں کھل کر کچھ کہہ بھی نہ سکتی تھی۔ شاداب نے پسند سے میرے لئے دو سوٹ پیک کروائے اور پھر زیورات کی دکان مل آیا۔ اس نے مجھ سے پوچھے بغیر اپنی پسند سے ایک انگوٹھی لی اور مجھ سے کہا۔

''ذرا پہن کر دیکھیں سائز صحیح ہے۔'' میں نے غصے سے اس کو گھور کر

مگر وہ بڑی لاپرواہی سے کچھ دوسرے زیورات دیکھنے لگا۔

''شاداب !اب چلو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے کرتے ہوئے کہا۔

''ضرورت ہے جبھی تو یہاں آیا ہوں۔'' اس نے دکاندار کے سا میرا ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی انگلی میں ڈال دی۔ پھر بولا۔

''سائز ٹھیک ہی ہے۔'' اور بل دینے لگا۔ میں نے جلدی سے انگوٹھی کر دکاندار کے سامنے رکھ دی اور اس نے انگوٹھی چھوٹی سی مخملی ڈبیا میں بند شاداب کے سامنے رکھ دی۔ شاداب نے ایک غصے بھری نظر مجھ پر ڈالی پھر کر باہر نکل آیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی اس کا موڈ آف رہا اور پھر مجھ کے گیٹ پر اتار کر بغیر کچھ کہے چلا گیا۔ میں سمجھی جان چھوٹ گئی اب شاید ا

مجھ سے ملے بغیر ہی چارسدہ چلا جائے اور یہ بات بہت اچھی تھی میرے ایسا ہوا نہیں۔

اگلے روز وہ پھر گاڑی لئے کالج کے باہر موجود تھا۔ میں بھی خاموشی سے میں بیٹھ گئی۔ کھانا پھر شاداب کے ساتھ ہی کھایا تاہم آج اس نے کوئی ایسی رکت مطلب بات نہ کی تھی وہ زیادہ تر اِدھر اُدھر کی فضول باتیں ہی مجھ سے رہا پھر میری کالج لائف کے بارے میں پوچھتا رہا اور جب میں نے جانے ت کی تو شاداب نے یہ کہتے ہوئے مجھے رات کے کھانے پر روک لیا کہ ''میں ہی چارسدہ کے لئے روانہ ہوجاؤں گا۔ اس لئے آپ رات تک یہیں رک '' اور میں نے اس کی بات مان لی۔ رات کے کھانے کے بعد وہ اٹھ کر لے کر میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

''شادی تو تب ہی ہوگی جب میں میجر کا رینک حاصل کرلوں گا لیکن تب یہ انگوٹھی میری نشانی کے طور پر آپ کے ہاتھ میں رہے گی تو ہوسکتا ہے آپ کو دہ بھی یاد رہے۔ پلیز ہاتھ آگے کریں۔''

''نہیں شاداب میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتی۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار ؟'' میں نے نرمی سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ پر اعتبار ہے لیکن کیا حرج ہے اگر آپ اس کو پہن لیں۔'' وہ بھی لہجے میں بولا۔

''دیکھو جب وقت آئے گا تو ضرور پہنوں گی لیکن ابھی نہیں پلیز ضد نہ '' میں نے ملائمت سے کہا شاداب کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اٹھتے ہوئے

''ٹھیک ہے ابھی آپ اس کو نہیں پہننا چاہتیں مگر یہ سوٹ جو میں نے پ کے لئے خریدے ہیں ان کو تو قبول کریں۔'' اس نے پیکٹ میری گود میں رکھ اور بادل نخواستہ مجھے وہ قبول کرنا پڑے پھر جب وہ مجھے ہاسٹل چھوڑنے آیا تو بولا۔

''کیا میں آپ سے ملنے کبھی کبھار یہاں آسکتا ہوں؟''

"نہیں، کیا ضرورت ہے آنے کی؟" میں نے اس خوف کی وجہ کہ اگر وہ مجھ سے ملتا رہا تو پھر شاید مجھے فراموش نہ کر سکے جبکہ میں چاہتی مجھے بھول جائے۔

"یہ تو زیادتی ہے۔" شاداب نے احتجاج کیا۔

"یہی تمہارے حق میں بہتر بھی ہے۔" میں نے کہا شاداب مجھے د
پھر بولا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن کالج ایڈریس تو دیجئے۔" وہ جیسے ہار کر بولا۔

"کیوں کیا اب تم مجھے گھٹیا عاشقوں کی طرح محبت بھرے خط لکھو گے۔" میں نے کچھ ناگواری سے کہا۔

"آپ تو ہر بات کا مطلب اپنی مرضی سے نکالتی ہیں بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتیں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ کی خیریت معلوم کی جاسکے۔ رہتی ہیں آپ اور یہ سوچ کر میں پریشان رہتا ہوں۔" وہ سادگی سے کہہ رہا تھا

"عادی ہوں اب اکیلی رہنے کی تم خواہ مخواہ پریشان نہ رہا کرو۔"

"مطلب آپ ایڈریس نہیں دیں گی اور اگر آپ نے ایڈریس نہ پھر میں خود حاضر ہوجایا کروں گا۔" اس نے دھمکی دی۔

"اچھا بھئی ٹھیک ہے یہ لو میرا وزیٹنگ کارڈ رکھ لو لیکن سال میں ایک بار خط لکھنے کی اجازت ہوگی۔" میں نے کارڈ دیتے ہوئے ایک نئی شرط پیش کردی۔

"آپ کو لگتا ہے ایک دن سانس لینے پر بھی پابندی لگادیں گی۔" پکڑتے ہوئے مسکرایا۔

"یہ بھی ہوسکتا ہے۔ ابھی وقت ہے سوچ لو۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اب وقت نہیں ہے۔ سوچا صرف ایک بار جاتا ہے اور وہ میں نے پہلے سوچ لیا تھا۔" وہ گاڑی ہاسٹل کے گیٹ پر روکتے ہوئے بولا۔

"اور کیا خوب سوچا۔" میں نے طنز کیا۔ شاداب نے میری طرف دیکھا اور کہا۔

"خوب ہی تو سوچا ہے آپ کو کوئی اعتراض۔"

"او کے۔ بھئی اب تم سے ملاقات اس وقت ہوگی جب تم میجر بن جاؤ گے۔" میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ۔" شاداب نے جلدی سے کہا۔ پھر مجھے دیکھتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی اور میں چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتی ہوئی ہاسٹل کے اندر چلی آئی چوکیدار حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا کہ آج تک ذاکر بھائی کے علاوہ مجھ سے ملنے کوئی نہ آیا تھا مگر میں اس کی پرواکئے بغیر اپنے کمرے میں آگئی۔ اور پرس میز پر ڈال کر خود تھکی تھکی سی بستر پر گر گئی۔

میں جو آئے دن رابعہ کے کہنے پر چارسدہ چلی جاتی تھی اب بالکل جانا چھوڑ دیا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی مجھے دیکھ کر شاداب مجھے یاد رکھے میں تو چاہتی تھی وہ مجھے مکمل طور پر بھول جائے۔ میرا خیال تک اس کے ذہن سے نکل جائے۔ اس لئے تو میں نے اس کی انگوٹھی بھی قبول نہیں کی تھی۔

وعدے کے مطابق شاداب سال میں صرف ایک بار خط لکھتا تھا۔ اور وہ بھی نئے سال کے کارڈ کے ساتھ۔ ہر سال اس کا کارڈ مجھے باقاعدگی سے ملتا تھا۔ جسے دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ مجھے بھولا نہیں اور یہ کوئی اچھی بات نہ تھی۔ ذاکر بھائی لاہور چھوڑ کر پشاور چلے گئے تھے اس لئے رابعہ سے کبھی کبھار فون پر ہی بات ہوتی تھی۔

شاداب کے بارے میں مجھے کم ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کررہا ہے کہ ایک تو اب رقیہ سے ملاقات تو کیا خط وکتابت بھی نہ ہوتی تھی دوسرے شاداب کا خط صرف سال بعد آتا تھا جس میں صرف میری خیریت کے بارے میں جاننے کا لکھا ہوتا۔ اپنے بارے میں اس نے کبھی کچھ نہ لکھا کہ وہ کیا ہے اور کیا کررہا ہے۔

یہ شاداب کے جانے کے تین سال بعد کا ذکر ہے میں بین الکلیاتی

مقابلوں کے سلسلے میں شرکت کے لئے اپنے کالج کی پانچ لڑکیوں کے ساتھ اسلام آباد کالج جارہی تھی۔اب میں گاڑی لے چکی تھی اور یہ سفر میں اپنی گاڑی میں ہی کررہی تھی۔کالج کی طرف اس قسم کے سفر کا خرچہ ملتا ہی تھا۔کار میں خود ڈرائیو کررہی تھی۔جب ہم اسلام آباد کے قریب پہنچے تو سخت چیکنگ ہورہی تھی گاڑیوں کی۔ یہ مارشل لا کا دور تھا اور آئے دن کے ہنگاموں اور جلسے جلوسوں کی وجہ سے درالحکومت میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی سخت تلاشی لی جاتی تھی۔

چار پانچ گھنٹے کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد ہم اسلام آباد کے قریب پہنچے تھے کہ گاڑی روکنی پڑی۔ ”اب پتہ نہیں یہاں کتنی دیر رکنا پڑے گا۔“ میں نے ایک طرف کھڑے بہت سارے فوجیوں کو دیکھتے ہوئے کہا جن میں سے کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے ایک فوجی ہماری طرف بھی تیزی سے آیا اور کھڑکی پر جھکتے ہوئے کہا۔

”میڈم کاغذات پلیز اور......“

بات اس کے منہ میں رہ گئی۔وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا اور حیران تو میں خود بھی تھی کہ یہ شاداب تھا۔وہ کھڑکی کے قریب کھڑا حیرت سے اب بھی مجھے دیکھ رہا تھا۔اس کا کلین شیوہ چہرہ تھا۔ تاہم ایک بڑی تبدیلی کے ساتھ اور یہ تبدیلی اس کے شولڈر پر چمکتے تین ستارے تھے جو یہ بتانے کے لئے کافی تھے کہ" لیفٹیننٹ سے کیپٹن بن چکا ہے کہ شولڈر پر چمکتے یہ رینک کیپٹن کی شناخت تھے۔مگر وہ کب کیپٹن بنا؟میں نے سوچا تب ہی اچانک وہ بغیر کاغذات لئے پیچھے ہٹ گیا۔

”میڈم پلیز کاغذات۔“ شاداب کے پاس آکر کھڑے ہونے والے دوسرے نوجوان نے کہا اور میں نے ڈیش بورڈ سے کاغذ اٹھا کر اس کے حوالے کردیئے جو اس نے خود دیکھنے کی بجائے شاداب کو پکڑادیئے اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔

”پلیز ذرا باہر تشریف لائیں۔ گاڑی کی تلاشی ہوگی۔“

”رہنے دو ضیاء۔“ کاغذات پر تیزی سے نظر ڈالتے ہوئے شاداب نے کہا۔

”کیوں سر؟“ وہ حیران سا شاداب کی طرف مڑا تو میں خود ہی لڑکیوں کو نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی باہر نکل آئی۔ میں نہیں چاہتی تھی وہ فوجی یا باہر گاڑی میں بیٹھی لڑکیاں کسی شک کا شکار ہوں۔ ہمارے باہر نکلتے ہی وہ فوجی گاڑی دیکھنے لگا۔ جبکہ میں نے شاداب کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور وہ بظاہر کاغذات پر نظریں جمائے کھڑا تھا مگر میں جانتی تھی وہ پڑھنے کی بجائے میرے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔اچانک وہ میری طرف مڑا اور بڑے مودبانہ انداز میں پوچھا۔

”میڈم آپ کس سلسلے میں اسلام آباد تشریف لے جارہی ہیں؟“

”ہم لوگ بین الکلیاتی مقابلوں کے سلسلے میں اسلام آباد کالج جارہے ہیں۔“ میں نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے ایک بار پھر اس کے شولڈر پر نظر ڈالی۔شاداب نے بھی مجھے شانوں کی طرف دیکھتے پایا تو کالر ٹھیک کرنے کے بہانے خوامخواہ ان ستاروں کو درست کرنے لگا۔ پھر کاغذات میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”اس کو ذرا غور سے پڑھ لیجئے میڈم آج چیکنگ ذرا سخت ہے اور کافی جگہوں پر ہم نے ناکہ لگا رکھا ہے۔ تاہم میں نے یہاں نشان لگادیا ہے۔آپ یہ دکھاتی جائیں آپ کو کوئی نہیں روکے گا اور آپ آسانی سے اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ جائیں گی۔“

”شکریہ۔“ میں نے کاغذات پکڑتے ہوئے کہا۔پھر ان پر ایک نظر ڈالی شاداب نے ایک چٹ اپنی طرف سے لکھ کر ساتھ لگائی تھی جس پر لکھا تھا۔

”کیا میں آپ سے ملنے اسلام آباد کالج آسکتا ہوں؟“ چٹ پڑھنے کے بعد میں نے شاداب کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مگر فوراً ہی وہ اس کو دبا گیا اور سنجیدگی سے کہا۔

”میڈم ہم مارشل لا ڈیوٹی پر ہیں۔یہ ہمارا فرض ہے کہ آپ جیسے اچھے شہریوں سے تعاون کریں اور آپ کا بھی فرض ہے کہ آپ مجھ سے میرا مطلب ہے ہم سے تعاون کریں۔“

"ہم سے تعاون کرنا آپ کی ڈیوٹی ہے،ضروری نہیں جواباً ہم بھی آپ سے تعاون کریں۔" میں نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"یہ تو زیادتی ہے میڈم۔" شاداب نے آہستہ سے کہا۔"اگر اتفاق سے آپ کا اور ہمارا سامنا ہوگیا ہے تو آپ کو تعاون کرنا چاہیے۔ حرج ہی کیا ہے تعاون کرنے میں۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھی اور پھر دوسری لڑکیوں کے بیٹھتے ہی گاڑی آگے بڑھادی۔ بیک مرر میں پیچھے کھڑا شاداب مجھے صاف نظر آرہا تھا جو اب پوری سنجیدگی سے میری گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا اور مجھے یقین تھا جب تک گاڑی نظر آتی رہے گی وہ ادھر ہی دیکھتا رہے گا۔

"میڈم آپ اس کو جانتی تھیں؟" لڑکیاں گاڑی آگے بڑھتے ہی مجھ سے پوچھنے لگیں۔

"نہیں تو۔" میں نے صاف جھوٹ بولا کہ ان کی وجہ سے میں نے شاداب سے شناسائی ظاہر نہ کی تھی مگر وہ پھر بھی پوچھ رہی تھیں۔

"مس وہ آپ کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔" ان میں سے ایک لڑکی بولی۔

"ہوسکتا ہے اپنی کسی عزیز کا دھوکہ ہوا ہو۔" میں نے جواب دیا اور دل میں سوچا۔شکر ہے شاداب نے بھی مجھ سے زیادہ بات نہیں کی۔ ورنہ یہ شیطان لڑکیاں تو کالج واپس پر میرا فول بناتیں۔ ان سب کی عادت ہی ایسی تھی کہ ٹیچرز کی ذرا ذرا سی بات کو نمک مرچ لگا کر سارے کالج میں سناتی تھیں۔لیکن مجھے یہ بھی حیرت تھی کہ شاداب کیپٹن کیسے بن گیا اور اگر بن گیا تھا تو مجھے کیوں نہ بتایا تھا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہو مجھے تو بے چارہ سال بعد ہی خط لکھتا تھا......تاہم میں پریشان ہوگئی تھی یہ سوچ کر کہ اگر اسی رفتار سے اس نے میجر کا رینک حاصل کرلیا تو پھر کیا ہوگا؟ پھر مجھے اس خوف نے آلیا کہ کہیں وہ میرے

...نہ آجائے اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔لڑکیاں کیا سوچیں گی۔ اگر چہ میں ...کو جواب تو دے دیا تھا پھر بھی خوف تھا۔

...مگر کچھ بھی نہ ہوا ہم ایک ہفتہ وہاں رہے۔ ہماری لڑکیوں نے اردو اور مشاعرہ میں انعام حاصل کئے تھے۔ ایک ہفتے بعد ہم لاہور کی طرف ...ہوگئے۔ یہ ایک ہفتہ ہر پل اس خوف میں گذرا تھا کہیں شاداب نہ آجائے ...پر بھی وہاں فوجی موجود تھے مگر اب ان میں شاداب نہ تھا یہ دیکھ کر مجھے ...ہوا۔

لاہور آنے کے چند ماہ بعد کا ذکر ہے ذاکر بھائی ایک سیمینار میں شرکت لاہور آئے تو مجھ سے ملنے ہاسٹل چلے آئے تب میرا جی چاہا ان سے پوچھوں قبل از وقت کیپٹن کیسے بن گیا لیکن میں ان سے کچھ نہ پوچھ سکی کہ وہ کیا ...گے کہ میں کیوں اس کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔ہوسکتا ہے وہ کچھ نہ ...مگر چونکہ میرے اپنے دل میں یہ بات تھی۔ اس لئے میں نے نہ پوچھا ذاکر ...ے۔جب میں نے رقیہ کا پوچھا تو وہ خود ہی بتانے لگے۔

"رقیہ تو ٹھیک ہے اور شاداب کیپٹن بن گیا ہے۔"

"کیسے؟" اب میں نے پوچھ لیا کہ بات انہوں نے شروع کی تھی۔

"پنڈی میں ایک اسلحہ ڈپو میں تخریب کاری کے سلسلے میں شاداب نے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا اس نے اطلاع ملنے پر نہ صرف بروقت انتظامات ...ے اس تخریب کاری کو روک کر مالی نقصان سے بچایا جو اسلحہ تباہ ہونے کی ...ت میں ہورہا تھا بلکہ بہت سی قیمتی جانیں بھی ضائع ہونے سے بچ گئیں اور ...لی پکڑے گئے۔اس کیس میں کچھ آفیسرز کو شاندار خدمات پر پروموشن ملی جن ...شاداب بھی شامل تھا۔یہ لڑکا جس کے بارے میں گاؤں والوں کا خیال تھا کہ ...ان حماد کو ختم کر کے خود بھی مارا جائے گا وہ اچانک اتنا زیادہ بدل گیا ہے کہ ...حیران ہوتے ہیں۔بہت سلجھی ہوئی باتیں کرتا ہے۔" ذاکر بھائی تعریف ...ہے تھے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ میری وجہ سے قتل وغارت کا ایک سلسلہ رک گیا۔ رقیہ کا

دکھ ختم ہوگیا۔ ذاکر بھائی مجھے چارسدہ آنے کی تاکید کرتے ہوئے چلے گئے۔ وہ اب پشاور سے چارسدہ چلے گئے تھے۔ میں کتنی ہی دیر بیٹھی شاداب کے بارے سوچتی رہی، حیران ہوتی رہی اور شاداب سے دور ہونے کے طریقے بھی سوچتی دل چاہا لاہور چھوڑ کر چلی جاؤں وہاں جہاں وہ نہ آسکے مگر کہاں؟

اچانک میرا تقرر بطور پرنسپل کوئٹہ کالج میں کردیا گیا۔ میں بہت خوش اور لاہور چھوڑ کر کوئٹہ آگئی۔ میرے ساتھ ہی یہاں لاہور کی ایک لیکچرار ٹرانسفر آئی تھی اور اُس نے مشورہ دیا کہ ہاسٹل کے بے مزہ کھانے اُس کو اچھے نہیں کیوں نہ ایک گھر کرائے پر لیا جائے اور میں نے اس کا مشورہ مان لیا کہ اس کوئی حرج بھی نہیں تھا۔

پھر کوئٹہ کی رہنے والی ایک پروفیسر کی معرفت ہمیں یہ گھر مل گیا اور نازیہ کے ساتھ اس گھر میں شفٹ ہوگئی۔ دو کمروں کا یہ چھوٹا سا لیکن خوبصورت گھر تھا مناسب لان بھی تھا مجھے یہ گھر بے حد پسند آیا۔

کالج سے واپسی پر میں لان میں بیٹھی یا تو پڑھتی رہتی یا پھر چائے کافی پیتی۔ مجھے جس کو چائے اچھی نہیں لگتی تھی اور کافی کی تلخی تو بہت ناگوار تھی، جس میں سے مجھے جلی ہوئی روٹی کی بوآتی تھی لیکن اب وہی کافی مجھے مز تھی چائے تو میں بہت کم پیتی تھی زیادہ کافی ہی استعمال کرتی۔ خاص کر جب دل پر اُداسی طاری ہوتی تو میں بغیر دودھ اور چینی کے کافی بنا کر پیتی اور یہ تلخ مجھے بہت سکون دیتی تھی۔ تاہم پھر مجھے رات بھر تو کیا، بعض دفعہ دو دن نیند نہیں آتی تھی اور یہ دیکھ کر نازیہ مجھ سے کہتی۔ ارے سیدھی طرح ایک ہی بار کیوں نہیں پی لیتی۔

”کاش میں ایسا کرسکتی اگر یہ معلوم ہوتا کہ خودکشی حرام نہیں ہے۔ نازیہ اس دنیا میں میری زندگی کی کیا حیثیت ہے سب کو خدانے اٹھالیا اور ایک زندہ تھا اسے عذرا چھین کر لے گئی۔“

”عذرا پر الزام مت دیجئے۔ وہ سارا وقت آپ کے بھائی کے ساتھ رہتی۔ آپ کے بھائی خود ہی آپ سے ملنا نہیں چاہتے، خط لکھنا نہیں چاہتے

عذرا کا کیا دوش۔ عورت سارا وقت تو مرد کی نگرانی نہیں کرسکتی۔“ نازیہ نے غصے سے کہا۔

”ٹھیک کہتی ہوتم۔“ میں کہتی تو وہ بولتی۔

”اب مجھے دیکھیے میری عمر پینتس برس ہورہی ہے میرے ماں اور باپ دونوں زندہ ہیں، بھائی بہن بھی ہیں مگر کسی کو میری شادی کی فکر نہیں۔ ان سب کے لئے میں نوٹ چھاپنے کی مشین ہوں جس سے ہر کوئی اپنی ضرورت پوری کرتا ہے اور میری ضرورت کا کسی کو خیال نہیں۔ میں نے محض ماں باپ کی مدد کے خیال سے یہ جاب کی تھی۔ جو میرے لئے مصیبت بن گئی ہے۔ میں بھی چاہتی ہوں میری شادی ہو، شوہر، گھر اور بچے ہوں مگر میرے گھر میں کسی کو خیال نہیں۔ ماں، باپ مجھ سے چھوٹے بہن بھائیوں کی شادی میں لگے ہیں میری پرواہ کسی کو نہیں۔ محض پیسے کے لئے انہوں نے مجھے یہاں اتنی دور اکیلی کو رہنے کی اجازت دے دی۔ تم تو شکر کرو تمہارا صرف ایک رشتہ ہے جس کا تمہیں دکھ ہے اگر بہت سارے ہوتے تو دکھ بھی بہت سارے ہوتے۔“ وہ آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

یہاں کوئٹہ آکر زندگی کی بہت ساری دکھی کہانیاں مجھے ملی تھیں ساری کہانیاں ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ نازیہ شوہر اور گھر کے لئے ترستی تھی جبکہ ایک پروفیسر زیب تھیں وہی جنہوں نے مکان کی تلاش میں ہماری مدد کی تھی پڑھی لکھی خوبصورت چالیس سال کی عورت تھی مگر بیمار شوہر بہت بڑا بزنس مین تھا اور کم پڑھا لکھا جس کی وجہ سے وہ احساس کمتری کا شکار تھا۔ بیوی کی پرواہ نہ تھی پاؤں کی جوتی سمجھتا اور اپنے دل کی تسکین کیلئے وقتاً فوقتاً طنز کی بارش کرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ ہارٹ کی مریض ہوچکی تھی اور اس کا بائی پاس آپریشن بھی ہوچکا تھا مگر شوہر کو پھر بھی اُس کی پرواہ نہ تھی اُس کی کہانی سن کر میں نے کہا تھا۔

”آپ جواب میں ان کو کچھ نہیں کہتیں.....“ تب وہ دکھ سے بولیں۔

”کیا کہوں پڑھنے لکھنے کے باوجود ہوں تو ایک عورت ہی۔ ویسے بھی مرد زبان دراز عورت کو پسند نہیں کرتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورت بزدل ہو، جاہل اور

کمزور ہو جس کی غلطی وہ معاف کر کے اُس پر احسان جتلا کر اُس کو شرمندہ کر کے اُس پر رعب جما سکے۔ عورت کی اس معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں۔ وہ کتنی بھی بلندی پر چلی جائے خاص کر بیوی ایک ایسی بے حیثیت چیز ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں، شوہر جب چاہے اُس کو مار سکتا ہے، گھر سے نکال سکتا ہے، بھوکی مار سکتا ہے، وہ جیسا چاہے بیوی سے سلوک کر سکتا ہے کہ بیوی اُس کی ذاتی جاگیر کی طرح ہوتی ہے جس کے بارے میں اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا وہ برے سے برا سلوک بیوی کے ساتھ روا رکھ سکتا ہے اور کوئی اُس سے پوچھنے والا نہیں اور اگر کوئی پوچھ لے تو چار حروف سے عورت کو رخصت کر دیا جاتا ہے۔ اور عورت کتنی بھی آزاد ہو طلاق کا داغ ماتھے پر لگانا پسند نہیں کرتی''۔

اس طرح کی بہت سی کہانیاں سن کر مجھے حال ہی میں پڑھا ہوا ایک قطعہ یاد آ گیا۔

جگر کا خون دل کی آگ آنکھوں کا دھواں آنسو
یہ لاوا مدتوں فطرت کے سینے میں مچلتا ہے
بدل کر موت رکھ لیتی ہے نام اپنا حیات انجم
ہزاروں غم پگھلتے ہیں تو اک انسان ڈھلتا ہے

اسی لئے تو زیادہ تر انسانوں کی پوری زندگی دکھ اٹھاتے ہوئے گزرتی ہے

میں اپنے دکھ بھول کر اب زیادہ تر دوسروں کے بارے میں ہی سوچا کرتی تھی۔ اپنا دکھ اب مجھے کم ہی لگتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی یہ ناقابل برداشت بھی ہو جاتا جب اچانک پرویز بھائی کا خیال آتا تھا میں ان کی ایک ہی بہن تھی۔ ان کو کچھ تو سوچنا چاہیے تھا مگر وہ تو سب کچھ بھول گئے تھے۔

کوئٹہ آنے سے پہلے میں نے شاداب کو زندگی میں پہلی بار ایک مختصر خط لکھا تھا جس میں اپنا ایڈریس بدلنے کی اطلاع دیتے ہوئے کوئٹہ کالج کا ایڈریس لکھ دیا تھا کہ کہیں میری عدم موجودگی میں آنے والا اُس کا خط اور کارڈ اور کوئی نہ پڑھ لے یہی وجہ تھی کہ یہاں آنے کے بعد بھی مجھے شاداب کی طرف سے دو خط مل چکے تھے۔ ایک تو آج ہی کالج میں ملا تھا اور اب شاداب آ بھی چکا تھا۔ اُس نے مجھ

اپنی ذہانت اور محنت سے پانچ، چھ سال میں دو رینک حاصل کیے تھے اور میری شرط پوری کرنے کے بعد وہ خود بھی چلا آیا تھا۔

اُس کو دیکھ کر اُس سے مل کر مجھے لگا تھا وہ آگ جس کو بجھانے کے لئے میں نے شاداب سے ملنا چھوڑ دیا تھا چارسدہ جانا چھوڑ دیا تھا وہ بجھ نہ سکی تھی اُس میں تو اور بھی شدت پیدا ہو چکی تھی یہ شاداب کے رویے نے بتایا تھا۔ اُس کی بے تاب نگاہوں نے بتایا تھا۔

''اب کیا ہوگا؟'' میں سوچ رہی تھی۔

''شاداب کو کیسے سمجھاؤں گی؟''

''اونہہ وہ خود ہی آذر کی طرح سمجھ جائے گا جب اُس کو یہ پتہ چلے گا کہ میں ایک بانجھ عورت ہوں۔''

''لیکن اگر پھر بھی نہ سمجھا؟'' دل نے کہا تو میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی اُسی وقت فضا میں مؤذن کی آواز اُبھری اور میں چونک پڑی۔

''اوہ تو رات گزر گئی۔'' میں نے سوچا اپنے ماضی کو یاد کرتے ہوئے اپنے پیاروں کو یاد کرتے یہ رات میں نے جاگ کر گزار دی تھی۔ موذن کی اذان ختم ہوئی تو میں بھی آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ گئی۔

دروازہ کھول کر باہر نکلی تو برف باری بھی ہو رہی تھی۔ سارا صحن برف سے بھرا ہوا تھا میں نے اپنے کمرے کی طرف دیکھا اُس کی لائٹ اُسی طرح جل رہی تھی اور دروازہ بھی ویسے ہی کھلا تھا جیسے رات کو جاتے ہوئے میں نے دیکھا تھا۔

''کیا شاداب بھی جاگ رہا ہے؟'' میں نے سوچا۔

ہاں جاگ ہی رہا ہوگا اُس نے خود ہی تو کہا تھا۔ آج نیند کیسے آئے گا اور کیا سچ کہا تھا۔ رات میری بھی تو آنکھوں میں گزری تھی، اپنے پیاروں کو یاد کرتے ہوئے۔ میں دروازے کے قریب آئی اندر جھانکا۔

شاداب سیدھا لیٹا ہوا تھا اُس کا ایک بازو آنکھوں پر تھا وہ اس وقت بھی وردی میں ہی تھا شاید سوچتے سوچتے آنکھ لگ گئی تھی کیونکہ کمبل ایک طرف ویسے ہی پڑا تھا۔

میں دبے پاؤں اندر آئی کچھ دیر پائنتی کی طرف کھڑی شاداب کو دیکھ
رہی پھر کمبل اٹھا کر بڑی آہستگی سے اُس کے اوپر ڈال دیا تاہم منہ کھلا ہی رہنے
تھا کہ کہیں وہ جاگ نہ جائے۔

کمبل ڈال کر میں باہر نکل آئی، پھر وضو کر کے نازیہ کے کمرے میں آ
اور نماز پڑھنے کے بعد شاداب کے سوالوں کا جواب سوچتے ہوئے لیٹ گئی۔ میں
نے سوچ لیا تھا کہ مجھے شاداب سے کیا کہنا ہے یہ سوچنے کے بعد میں مطمئن ہو
تھی شاید یہی وجہ تھی پھر نیند بھی مجھ پر مہربان ہوگئی اور آرام سے سوگئی۔

☆☆☆

جاگی تو نظر سیدھی سامنے لگے وال کلاک پر پڑ گئی اور میں مارے حیر
کے اُچھل پڑی۔ دن کے بارہ بج گئے تھے شاداب کیا سوچتا ہوگا؟ میں جلدی جلد
چپل پہن کر شال لپیٹتی ہوئی باہر آئی اور حیران ہو کر سارے گھر کو دیکھنے لگی۔

برفباری نجانے کب رکی تھی سارا صحن یوں صاف تھا جیسے کبھی یہاں بر
گری ہی نہیں۔ یہ صفائی یقیناً شاداب نے کی تھی میں نے آسمان کی طرف د
مطلع اب بھی ابر آلود تھا جس کا مطلب تھا برفباری کا سلسلہ پھر کسی وقت بھی شر
ہوسکتا ہے۔ میں نے اپنے کمرے کی طرف دیکھا دروازہ بند تھا مگر شاداب
نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ کچن سے کھانا پکنے کی خوشبو باہر آرہی تھی۔ میں کچن کی طر
بڑھی اور جب کچن میں داخل ہوئی تو شاداب بڑے انہماک سے کوکنگ رینج
قریب کھڑا دیگچی میں چمچ ہلا رہا تھا۔ وہ لباس بدل چکا تھا اور اس وقت سفید
میں اپنے خوبرو سراپے اور دراز قد کے باعث بہت اچھا لگ رہا تھا۔ میری مو
کو محسوس کر کے وہ پلٹ کر دیکھنے آیا اور مجھے دیکھتے ہی مسکرا دیا۔

''اٹھ گئیں آپ؟''

''ہاں آئی ایم ساری۔'' میں نے شرمندگی سے کہا۔

''کس بات کی؟'' شاداب مسکرا رہا تھا۔

''جلدی نہ اٹھنے کی۔'' میں نے پھر شرمندگی سے کہا۔

''اس میں سوری کی کوئی بات نہیں اور نہ ہی شرمندہ ہونے کی۔'' شا

نے ایک نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے کہا:

''ناشتہ کرلیا تم نے؟'' میں نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

''جی آپ کے بغیر ایک کپ چائے پینے کی گستاخی کرچکا ہوں۔'' اب
انے شرمندہ ہونے کی کوشش کی۔

''آج نہ جانے مجھے کیا ہوا ورنہ میں اتنا کبھی نہیں سوئی میں تو بہت
یرے اٹھنے کی عادی ہوں یقین کرو۔''

''لیکن رات بھر جاگنے کے بعد جب آنکھ صبح لگے تو پھر سونا ہی پڑتا ہے
پ بھی تو صبح ہی سوئیں تھیں شاید میرے کمرے سے ہو کر جانے کے بعد۔''
اب نے مجھے دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ گویا صبح میں جب اس کے کمرے
گئی تھی تو وہ جاگ رہا تھا۔ مجھے سوچ میں گم دیکھ کر شاداب نے ہنس کر کہا۔

''سوچا تھا آج کی نئی صبح کا آغاز دونوں مل کر کریں گے مگر خیر صبح ہوئی
تو بادلوں نے اس کو اپنے بھاری وجود میں چھپالیا۔ اچھا ہوا جو آپ سوگئیں اس
ح طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔''

''تم کیا بنا رہے ہو؟'' میں نے دیگچی میں جھانکنے کی کوشش کی۔

''میں نے سوچا ناشتہ تو آپ کے سونے میں گول ہوا کہیں کھانا بھی نہ ہو
ئے۔ ویسے بھی آپ سو رہی تھیں اور میں فارغ تھا اس لیے سوچا کچھ کام ہی کیا
ئے صفائی برتن اور۔۔۔''

''تو کیا برتن بھی تم نے صاف کر دیئے؟'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''آپ سو رہی تھیں اور میں فارغ تھا اس لیے کام کرنے لگا۔''

''تو جگا لیا ہوتا مجھے جگانے پر کوئی پابندی تو نہ تھی۔''

''گیا تھا ایک بار اس نیت سے آپ کے کمرے میں لیکن آپ بہت
ی نیند میں تھیں اس لیے ڈسٹرب کیے بغیر ہی چلا آیا۔''

''خیر لیجیے یہ سالن تو تقریباً تیار ہوگیا۔'' وہ ڈھکنا رکھتے ہوئے بولا۔

''شاداب تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم مہمان ہو۔'' میں نے ایک
شرمندہ لہجے میں کہا۔

”مجھے ایسا کرنا چاہیے تھا کہ یہ سب میں نے اپنے گھر میں کیا ہے آپ کے لیے کسی دوسرے کے لیے نہیں اور میں مہمان نہیں ہوں اس کی تصحیح کر لیجئے۔“

”اچھا اب ہٹو یہاں سے۔“ میں نے نل کھول کر ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔

”لیجئے ہٹ گیا ویسے میں مچھلی بڑی اچھی فرائی کرتا ہوں“

”میں تم سے بھی اچھی کرتی ہوں۔“ میں ہاتھ صاف کر کے کوکنگ رینج کے قریب آئی۔ شاداب قورمہ بنا چکا تھا مچھلی تلنے کے لیے آمیزہ بھی تیار کر چکا تھا جبکہ پلاؤ دم پر تھا۔

میں مچھلی تلنے لگی۔ کوئٹہ کی سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے میں نے مچھلی اپنی خوراک کا ایک لازمی حصہ بنالیا تھا۔ میں ہفتے بھر کی مچھلی لا کر صاف کر کے تھیلیوں میں بھر کے فرتج میں رکھ دیتی اور دوپہر یا رات کے کھانے میں لازمی کھاتی، مچھلی فرائی کرنے کے بعد میں نے فرتج سے آٹا نکال کر چپاتیاں بنائیں شاداب ایک طرف اسٹول پر بیٹھا مجھے کام کرتے دیکھتا رہا۔

ان سب کاموں سے فارغ ہو کر میں سلاد بنانے لگی تو شاداب اٹھا میرے قریب آیا اور آہستہ سے بولا۔

”سلاد میں بناتا ہوں آپ تب تک لباس چینج کرلیں۔“

”کیوں؟“ میں نے حیرانی سے پوچھا تو شاداب نے مسکرا کر کہا۔

”اس لیے کہ میں آیا ہوں۔ ویسے بھی نئے سال کی نئی صبح کا کچھ اہتمام کریں بلکہ نئے دن کی صبح تو کب کی گزر چکی، جائیے۔“

میں شاداب کو دیکھے بغیر کچن سے باہر نکل آئی یہ سوچ کر کہ اگر میں انکار کیا تو وہ جو رات سے اپنی من مانیاں کر رہا تھا ہر بات میں ضد کر رہا تھا اس بات پر بھی ضد کر کے بیٹھ جائے گا۔ ابھی تو اس نے صرف یہ کہا ہے کہ میں آیا ہوں اس لیے یا نئے سال کا حوالہ دیا ہے پھر وہ اور بھی کچھ کہہ سکتا ہے۔ یہی سوچ کر میں نے خود ہی کپڑے بدلنے کا فیصلہ کرلیا۔ اپنے کمرے میں کپڑے لینے کے لیے جب میں داخل ہوئی تو کمرہ خوب گرم تھا۔ میں نے چونک کر ہیٹر کی طرف دیکھا اور اس میں غروب آفتاب جیسی پھیلی ہوئی سرخی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ

وہ اسے ٹھیک کر چکا ہے۔ میں ہیٹر کو دیکھتے ہوئے وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔

عورت کتنی بھی خود مختار ہو جائے کتنی بھی بہادر بن جائے مگر مرد مرد ہی ہوتا ہے اس کو جو برتری خدا نے عطا کی ہے اس کی اپنی ہی اہمیت ہے۔ عورت اس برتری تک نہیں پہنچ سکتی۔ گھر میں مرد کے دم سے جو رونق ہے وہ مرد کے بغیر کہاں؟ اگر مرد اچھا اور تعاون کرنے والا ہو تو واقعی اس کے دم سے گھر میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ گھر جہاں میں نازیہ کے ساتھ رہتی تھی ہم دونوں کو ایک دوسرے کا سہارا تھا وہ مجھے اپنے اطمینان کا باعث سمجھتی تھی اور میں اس کو، اس کے باوجود یہ خوف ہم پر مسلط رہتا تھا کہ کہیں رات میں کوئی چور نہ آجائے۔ کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے ہم نے کوئی ملازم بھی نہ رکھا تھا...... خاص کر جب نازیہ چھٹیوں میں پنجاب جاتی تھی تب میں بے خوابی کا شکار ہو جاتی تھی کہ بغیر مرد کا گھر بے چھت لگتا ہے جہاں ہر کوئی جھانکنے کی کوشش کرتا ہے لیکن آج شاداب کی موجودگی میں مجھے گہری اور پرسکون نیند آئی تھی حالانکہ میں پہلے بھی اکثر رات رات بھر جاگتی تھی مگر کبھی دن میں نہ سو پائی تھی لیکن آج...... اور صحن کی وہ برف جس کو صاف کرتے کرتے میں اور نازیہ ہانپنے لگتے تھے وہ بھی شاداب نے کتنی جلدی صاف کی تھی۔

”ارے یہ میں کن سوچوں میں پڑ گئی۔ میں وارڈروب کھول کر اپنا سوٹ نکالنے لگی تو چونک پڑی ایک طرف شاداب کی وردی بھی لٹک رہی تھی میں کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی اور میرے احساسات نجانے کیوں عجیب سے ہو رہے تھے پھر میں نے اپنا ایک سوٹ نکالا اور باتھ روم میں چلی گئی، گرم پانی سے غسل کیا، گیزر ہمارے ہاں سال کے آٹھ مہینے چلتا تھا۔ ستمبر سے جو چلنا شروع ہوتا تو مئی میں جا کر ہم کہیں اس کو بند کرتے۔ گیزر کی وجہ سے پانی کا کوئی مسئلہ نہ تھا ورنہ جس طرح یہاں برفباری کے دنوں میں پانی جم جاتا ہے ایسے میں اگر گیزر نہ ہوتا تو بڑی مشکل ہوتی۔ ان دنوں تو ٹھنڈا پانی پینے کو دل نہ چاہتا تھا، نہانا تو الگ بات تھی۔

غسل کے بعد میں ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑی ہیئر ڈرائر سے بال خشک کر رہی تھی کہ شاداب کمرے میں داخل ہوا، کچھ دیر دروازے میں کھڑا مجھے دیکھتا رہا پھر جب میں نے ڈرائر مشین بند کی تو وہ میرے قریب چلا آیا اور آئینے میں نظر آنے والے میرے اور اپنے سراپے کو دیکھنے لگا، دیکھا تو میں نے بھی تھا پانچ سال پہلے وہ اپنے کلین شیو چہرے کی وجہ سے اپنی عمر سے اور بھی کم لگا کرتا تھا مگر اب اپنی مونچھوں اور ڈاڑھی کی وجہ سے اپنی عمر سے بڑا لگ رہا تھا۔ گو کہ میں بھی اپنی عمر سے چھوٹی لگ رہی تھی مگر وہ میرے پاس کھڑا پھر بھی چھوٹا ہی لگ رہا تھا یا پھر اب برابر کا لگ رہا تھا، شاداب نے مجھے مسلسل اپنی طرف دیکھتے پایا تو پوچھا۔

"کیا دیکھ رہی ہیں آپ میں کچھ بدل تو نہیں گیا ویسا ہی ہوں؟"

"یہ تم نے ڈاڑھی کیوں رکھ لی؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ شاداب نے چونک کر مجھے دیکھا پھر کہا۔

"جو وجہ آپ سمجھ رہی ہیں اس وجہ سے نہیں رکھی۔ آپ جانتی ہیں سیاچن کا محاذ کتنا سخت ہے وہاں پینے کے لیے منہ دھونے کے لیے غرض ہر کام کے۔ برف کو گرم کر کے پانی بنانا پڑتا ہے۔ مجھ پر ذرا سستی چھا گئی اور میں نے شیو بنانا چھوڑ دیا حالانکہ فوجی کو سستی کرنی تو نہیں چاہیے۔ خیر جب شیو بڑھا تو یار دوستوں نے کہا ڈاڑھی مجھے بہت سوٹ کر رہی ہے اور آپ کو تو پتا ہے سوٹ ایبل تو ہر بندہ نظر آنا چاہتا ہے۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"اچھا، اچھا ٹھیک ہے تم چل کر میز پر برتن لگاؤ میں ابھی آتی ہوں" میں نے مڑے بغیر کہا کہ اس کی موجودگی مجھے ڈسٹرب کر رہی تھی۔

"کمال ہے پہلے تو آپ مجھے کام کرنے سے منع کر رہی تھیں اور اب ہی۔" اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی جیسے وہ میری بات کا مطلب سمجھ گیا ہو...... جواب سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کرتے ہوئے میں نے کہا۔

"سوال جواب بہت کرنے آ گئے ہیں تمہیں۔"

"جی کیونکہ اپنی عمر کے مزید پانچ چھ سال گزار کر آپ تک پہنچا ہوں"

وہ صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے بولا۔

"اور ان سالوں نے مجھے پانچ کی بجائے دس سالوں کا تجربہ دیا ہے۔"

"پھر بھی مجھ سے پانچ سال کم ہی ہو۔" میں نے صرف دل میں سوچا کیونکہ اگر یہ بات شاداب سے کہتی تو وہ اس کا بھی کوئی الٹا ہی جواب دیتا۔ میں اس کو کمرے میں چھوڑ کر بال یونہی کھلے چھوڑے باہر نکل آئی کہ ابھی بھی ان میں ہلکی ہلکی نمی تھی اور ایسے موسم میں اگر بال لپیٹے جائیں تو بالوں میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔

کچن میں داخل ہونے سے پہلے ہی برآمدے میں رکھی ڈائننگ میز پر میری نظر پڑ گئی، شاداب برتن رکھ چکا تھا، وہ برتن رکھ کر ہی اندر گیا تھا میں کچن میں آئی تو ہاتھ دھوئے پھر ہاٹ پاٹ میں سالن ڈال کر دوسرے میں مچھلی رکھنے کے بعد ڈش میں چاول نکال رہی تھی جب شاداب کچن میں داخل ہوا اور پانی کی بوتل کے ساتھ سلاد والی ڈش بھی لے کر باہر گیا ان کو رکھ کر آیا اور دونوں ہاٹ پاٹ لے گیا تو میں چاولوں والی ڈش اٹھا کر باہر آئی اور میز پر رکھتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس ڈائننگ میز کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی مگر نازیہ کا کہنا تھا "کبھی اگر ایک کوئی دوست ملنے آ جائے تو پھر بڑی پریشانی ہوتی ہے چھوٹی میز کی وجہ سے ویسے بھی جب دوسروں کے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں تو خود پر بھی ہمارا حق ہے۔" میں اس کی یہ بات مان کر ڈائننگ سیٹ لے آئی تھی مگر نازیہ سے ایک پیسہ نہیں لیا تھا۔ ہم دونوں کالج سے واپسی پر یہاں بیٹھ کر ہی کھانا کھاتی تھیں اور آج نازیہ نہیں تھی تو شاداب موجود تھا میں نے اس بات پر دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ وہ نازیہ کی عدم موجودگی میں آیا تھا اگر وہ نازیہ کے سامنے آتا اور نازیہ اس کے بارے میں پوچھتی تو میں کیا جواب دیتی۔

"آپ کو سوچنے کی بہت عادت ہو گئی ہے۔" شاداب کی بات سن کر میں نے دیکھا وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور کھانا یونہی پڑا تھا۔

"ارے تم شروع کرو نا۔" میں نے سیدھی ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ ڈال کر دیں تو شروع کروں۔" شاداب نے نیپکن کھول کر اپنے گھٹنوں پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"خود ڈش سے کھانا لیتے ہوئے کیا ہوتا ہے؟" میں نے دل ہی دل میں

جھلاتے ہوئے کہا۔

"پانچ سال خود ہی کھاتا آیا ہوں۔"

"تو پھر آج کیا ہوا؟" میں نے کچھ غصے سے کہا۔

"آج جب آپ موجود ہیں کھانا دینے کے لیے تو پھر خود کیوں لو
پہلے تو مجبوری تھی، اکیلا تھا مگر آج۔" شاداب نے مجھے دیکھا تو میں نے جلدی
پلیٹ میں چاول ڈال کر پٹخنے والے انداز میں پلیٹ شاداب کے سامنے رکھی تو
ڈھیٹ ہنستے ہوئے بولا۔

"ذرا پیار سے۔ آپ تو پلیٹ توڑنے کا ارادہ رکھتی ہیں اور سالن تو آ
نے ڈالا ہی نہیں۔" اب کے میں مسکرائی زبردستی کہ یہ میں کیا بیویوں والی حرکتیں
رہی ہوں وہ کیا سوچے گا میری ان حرکتوں کو دیکھ کر، بچارا ایک دن کا مہمان ہے
یہ جھلاہٹ کیسی، سالن کے بعد میں نے سلاد اس کے سامنے رکھی پھر ہنس کر کہا۔

"بس یا کچھ اور؟"

"ان کو کھا کر سوچوں گا۔" شاداب میرے ہنسنے پر مسکرا کر بولا اور پلی
پر جھک گیا میں نے اپنے لیے چپاتی نکالی اور پلیٹ میں سالن کی بجائے مچھلی ڈا
کر کھانے لگی کہ چاول اب میں کم ہی کھاتی تھی۔

"پانی۔" شاداب نے کھاتے ہوئے ہاتھ روک کر بوتل کی طرف اش
کیا تو مجھے زور کی ہنسی آئی وہ کسی بچے کی طرح چیزیں مانگ رہا تھا میں نے گ
میں پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" شاداب نے کہتے ہوئے گلاس منہ سے لگالیا اور میں سنجی
سے کھانے میں مصروف ہوگئی۔

کھانے کے بعد جب میں برتن اٹھانے لگی تو میری مدد کو شاداب بھی اٹھ گیا

"کوئی ضرورت نہیں تمہاری مدد کی، پانی تک تو مجھ سے لے کر پیا
اور اب آئے ہو میری مدد کرنے۔" میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔ شاداب
میری بات سن کر ہنس پڑا۔

"کھانا کھلانا آپ کی ذمہ داری تھی اور۔" وہ مسکرایا پھر کہا۔ "اچھے

مرد خواتین کی مدد کرتے ہیں۔"

"تم اچھے مرد ہو؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"آف کورس۔" وہ برتن اٹھا کر میرے پیچھے آتے ہوئے بولا پھر برتن
دھونے میں بھی اس نے میری مدد کی اور جب میں برتن دھونے لگی تو وہ ان کو
خشک کرنے لگا جلد ہی ہم اس کام سے فارغ ہو گئے تو میں نے اس کو باہر نکلنے کا
کہا اور پھر کچن بند کر کے ہم دونوں باہر نکلے تو برفباری پھر شروع ہو چکی تھی۔
شاداب کے ساتھ کمرے میں آ بیٹھی اور الیکٹرونک کیتلی میں پانی رکھتے ہوئے

"شاداب ہیٹر تم ن خود ٹھیک کیا تھا یا باہر سے کروا کر لائے ہو؟"

"خود ہی ٹھیک کیا تھا کچھ کچھ یہ کام بھی آتا ہے۔" شاداب نے لاپرواہی
بتایا۔

"اچھا۔" میں نے سوئچ اتار کر کھولتے پانی کو فلاسک میں ڈال کر ڈھکنا
پھر کافی کی بوتل پکڑتے ہوئے پوچھا۔ "لائٹ یا سٹرانگ اور شکر کتنی؟"

"لائیٹ اور شکر ایک چمچ۔" شاداب نے کہا اور دونوں بازو سر کے پیچھے
ے کی پشت سے لگا کر سیدھا بیٹھ کر مجھے دیکھنے لگا میں نے کپ میں ایک چمچ
اور شکر ڈالنے کے بعد چمچ ہلاتے ہوئے شاداب کی طرف بڑھادی۔

"شکریہ۔" شاداب نے کپ پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا ایک گھونٹ لیا اور
پ اپنے سامنے پڑی پرچ میں رکھ دیا۔

"اچھی نہیں۔" میں نے اپنے لیے تیز کافی بناتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھی ہے لیکن ابھی گرم زیادہ ہے۔"

"اچھا" میں نے اپنا کپ ہونٹوں سے لگالیا۔ میں بہت زیادہ گرم کافی
ئے پیتی تھی۔ ایک کے بعد میں نے دوسرا کپ بنایا اور شاداب سے بات
نے کا سوچنے لگی۔

جس طرح کوئی شرابی خود میں جرأت اور حوصلہ پیدا کرنے کے لیے خود کو
کانے کے لیے کئی پیگ پیتا ہے ویسے ہی میں اس وقت کافی پی رہی تھی کہ

کافی پینے کے بعد میری بزدلی ختم ہو جاتی تھی، ذہن پرسکون ہو جاتا تھا۔ شاداب کافی کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے مجھ پر نظر جمائے نجانے کس سوچ میں گم تھا۔ اس کا ابھی پہلا کپ ہی ختم نہ ہوا تھا جبکہ میں تیسرا پی رہی تھی۔ تیسرے کے بعد جب میں نے چوتھے کے لیے پانی ڈالنا چاہا تو شاداب نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے کچھ ناگواری سے کہا۔ مجھے یہ بات ناز… بھی بہت بری لگتی تھی کہ کوئی مجھے کافی پینے سے روکے...... مجھے ہر وہ شخص زہر… تھا جو میرے اور کافی کے درمیان آتا تھا۔

"زیادہ کافی اور وہ بھی تیز کافی صحت کے لیے سخت مضر ہے۔" وہ م… آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اس کا ہاتھ اب بھی میرے ہاتھ پر تھا۔

میں نے اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا اور صوفے کی پش… سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ کافی پینے کے باوجود مجھ پر ذہنی تھکن سوار تھی… اس لیے کہ میں سوچ رہی تھی کہ کیا شاداب میری بات مان جائے گا؟ اگر… مانا؟ میرے دل میں یہ بھی خوف تھا۔

"بہت پریشان لگ رہی ہیں آپ، کیا ہوا؟" شاداب نے پوچھا۔

پریشانی کی وجہ تم ہو سمجھ میں نہیں آتا بات کیسے شروع کروں؟" میں نے آنکھ… بند کیے کیے ہی سوچا۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" شاداب کی آواز ا… بہت قریب سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں، وہ مجھ پر جھکا بڑی تشویش سے دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں ایک دم ٹھیک۔" میں نے کہا اور تھکی تھکی سی مسکرا… میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اپنی بے بسی کا مجھے پوری شدت سے احساس ہو رہا…

"کچھ دیر پہلے آپ ٹھیک ضرور تھیں مگر اس وقت نہیں۔ یہ اچانک ک… آپ کو۔" شاداب نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "تم سناؤ۔"

"کیا سناؤں؟" شاداب نے پوچھا تو میں نے سوچا یہ مجھے بات…

…ما رتی کیوں ہو رہی ہے۔ یہ ٹھیک ہے اب اس موضوع پر تب ہی بات ہو گی …ب شاداب کچھ کہے گا۔ میں نے پرسکون ہو کر سوچا پھر پوچھا۔

"ہاں بھئی چارسدہ جانے کا کب تک ارادہ ہے؟" اور یہیں سے بات کا آغاز ہو گیا شاداب نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے کیا پوچھتی ہیں یہ تو آپ کے اپنے ارادے پر ڈیپنڈ کرتا ہے؟"

"کیا مطلب؟" میں نے مطلب سمجھ کر بھی انجان بننا ضروری سمجھا۔

"مطلب یہ کہ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو ساتھ چارسدہ لے جا سکوں۔"

"کیوں...... مجھے کیوں بھلا؟" میں نے واقعی حیرانی سے پوچھا۔

"کیونکہ آپ نے پانچ سال پہلے جو شرط مجھے پیش کی تھی وہ میں پوری کر چکا ہوں میں میجر شاداب خان آفریدی بن چکا ہوں اور اب وقت آپ کا وعدہ پورا کرنے کا ہے۔ پہلے خیال تھا امی کو ساتھ لے کر آپ کے پاس آؤں گا پھر سوچا کیوں نہ آپ کو ساتھ لے کر امی کے پاس چلا جاؤں۔" وہ اپنا پروگرام تفصیل سے بتا رہا تھا۔

میں چپ رہی تو شاداب نے کہا۔

"اب آپ یہ بتائیں گی کہ کب چلا جائے ویسے فی الحال تو موسم بھی اجازت دینے کے موڈ میں نہیں لگتا......"

"شاداب۔" میں نے اپنی بات کا آغاز کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی فرمائیے میں سن رہا ہوں۔" شاداب نے میری طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ کہ آپ میری محبت ہیں۔" اس نے بے باکی سے کہا "اور میرے لیے اتنا ہی کافی ہے اور کچھ جاننے کی مجھے خواہش بھی نہیں ہے......"

"شاداب پلیز۔" میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"کیوں میں نے کچھ غلط کہا؟" شاداب مجھے دیکھنے لگا۔

"ہاں کیونکہ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے کچھ بھی نہیں۔" م
نے دل ہی دل میں اپنے دکھی ماضی کا سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟ کیوں اتنی ڈسٹرب ہو رہی ہیں؟" وہ پوچھ
لگا......

"کہنے کو میرے پاس کچھ نہیں صرف تمہیں سمجھانا چاہتی ہوں...... کیونکہ
کچھ بھی میرے بارے میں نہیں جانتے کچھ نہیں سمجھتے اور میں تمہیں بتانا چا
ہوں، سمجھانا چاہتی ہوں۔" میں نے کہا تو شاداب بولا......

"میں سب جانتا ہوں ایک ایک لفظ، آپ کی جو کہانی ہے میں دوسر
سے سن چکا ہوں آپ مجھے جو بتانا چاہتی ہیں وہ سب میں جانتا ہوں اور بہت
سے جانتا ہوں مگر میرے نزدیک اس کی اب کوئی اہمیت نہیں، آپ اگر اس وجہ
پریشان ہیں تو قطعی پریشان نہ ہوں ایاز، فیروز میں ان کے بارے میں جانتا
لیکن جو گزر گیا اس کا ذکر کیسا۔" شاداب پوری سنجیدگی سے مجھے دیکھتے ہوئے
رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں، اچھی طرح جانتا ہوں، فیروز کی موت کے بعد جو اذ
ناک زندگی آپ نے گزاری ہے آپ کے خاندان کے لوگوں کا رویہ اور آپ
بھائی، بھائی کے بدل جانے کا مگر مجھے ان سب باتوں سے کیا غرض مجھے تو ص
آپ سے غرض ہے میں آپ کے بغیر میں ادھورا ہوں......"

"تم سب جانتے ہو شاداب تو سوچو ان سب نے ایسا کیوں کیا......"
اس کی ہمدردی پا کر میں بلک پڑی وہ سارے آنسو جو بہت سالوں سے میں
اندر، اپنے دل میں اتارتی رہی تھی وہ سب بہہ نکلے کہ بہت مدت بعد مجھے
ہمدرد ملا تھا جس کے سامنے میں کوشش کے باوجود ضبط نہ کر سکی۔

"ان سب نے ایسا کیوں کیا شاداب؟ کیا میں نے اپنی قسمت خود
تھی؟ کیا میں نے اپنا مقدر خود لکھا تھا؟ اپنی تقدیر خود بگاڑی تھی۔ کیا میں چا
کہ ایاز مر جائے اور پھر میں چاہتی تھی میرا بسا بسایا گھر اجڑ جائے، میرا بچہ مر
اور میں برباد ہو جاؤں" بہت عرصہ بعد میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی شاداب
بے چینی سے پہلو بدلا پھر کہا......

"پلیز روئیں مت، آپ کی آنکھ کے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں

"نہیں شاداب، مجھے کہنے دو مجھے بتاؤ میرا کیا قصور تھا جس کی اتنی لمبی
مجھے ملی؟"

"پلیز آپ اب ان سب باتوں اور دکھوں کو بھول جائیں اب ان سب
کردار آپ کی زندگی سے ختم ہو گیا ہے۔" شاداب مجھے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"کیسے بھول جاؤں میری ساری زندگی بربادی کی نذر ہوئی اور میں بھول
اؤں آخر ایسا کیا قصور کیا تھا میں نے جو خاندان بھر کے لوگوں نے مجھ سے نفرت
اور خاص کر عذرا نے، تم نہیں جانتے وہ دو سال...... وہ دو سال جو میں نے کچھ
نے کے چکر میں گزارے وہ بھیانک دو سال جن میں عذرا نے دنیا کا ہر ظلم مجھ پر
ا، وہ جو کبھی میری چہیتی سہیلی تھی اب سب سے بڑی دشمن تھی۔ وہ مجھے جیل کے
دیوں کی طرح کھانا دیتی تھی، مجھے کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی، جیسے
ں چھوت کی مریضہ تھی اس کے علاوہ اس کی وہ باتیں جن کی اذیت آج بھی یاد
انے پر ویسی ہی محسوس ہوتی ہے جیسے وہ اب بھی سامنے کھڑی کہہ رہی ہو۔ خیر
ات یہاں تک رہتی تو ٹھیک تھی مگر وہ جو میرا بھائی تھا آخر میں وہ بھی بدل گیا، وہ
جس نے ماں، باپ کی موت پر مجھ سے کہا تھا۔ "عائشہ ماں باپ تو میرے مرے
ہیں تمہاری ماں بھی میں ہوں اور باپ بھی۔" اب وہ بھی مجھے اکیلا بے یارومددگار
چھوڑ گیا تھا۔ وہ تین سال کا بہانہ بنا کر مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا اس نے یہ نہ
سوچا میں اکیلی ہوں، عورت ہوں اور یہ دنیا بڑی بے رحم ہے میں اکیلی اس کا
مقابلہ کیسے کروں گی مگر وہ مجھے منحوس سمجھ کر اپنا گھر آباد رکھنے کی خاطر مجھے چھوڑ
گیا۔ مجھ سے نفرت کرنے لگا کتنے سال گزر گئے وہ لوٹ کر نہیں آیا۔ اس نے خط
لکھ کر بھی کبھی یہ نہیں پوچھا عائشہ زندہ ہو یا مر گئی ہو۔ اگر اماں، ابا زندہ ہوتے تو
کیا وہ بھی مجھ سے یہی سلوک کرتے، کبھی نہیں کاش تم سمجھ سکتے وہ اذیت ناک
زندگی جو میں نے گزاری ہے جو ذلت میں نے اٹھائی ہے اور...... اور۔" میں
پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کھڑی ہوگئی حلق خشک ہونے لگا تھا آج پرویز بھائی

کی بے رخی شدت سے یاد آئی تھی میرے اٹھتے ہی شاداب بھی اٹھ گیا۔

”آپ کیوں فضول لوگوں کو یاد کر کے خود کو ہلکان کرتی ہیں۔ دفع کریں ان کو، جو آپ کو بھول چکے ہیں۔ میں......“ اس نے ہاتھ دراز کر کے میرے کاندھے پر رکھتے ہوئے محبت سے چور لہجے میں کہا ”میں ہوں تو آپ کے لیے، آپ کے لیے، یہ جو میری محبت ہے یہ سب آپ کے لیے ہے۔ اس میں کوئی حصے دار نہیں اس کی حق دار صرف آپ ہیں جیسے کوئی لڑکی خود کو اپنے شوہر کی امانت بنا کر سنبھال کر رکھتی ہے ویسے ہی۔ میں نے اپنی ساری محبت آپ کے لیے سنبھال کر رکھی ہے۔ کبھی ایک غلط نظر بھی ادھر ادھر نہیں ڈالی۔ آپ روتی ہیں محبت کے ان رشتوں کے لیے جنہیں آپ کی پروا نہیں۔ بھول جائیں ان سب کو کہ یہ میری محبت صرف آپ کے لیے ہے، بہت محبت کرتا ہوں میں آپ سے بہت محبت دوں گا میں آپ کو اتنی کہ آپ ماضی کا ہر دکھ بھول جائیں گی۔ آپ کہتی ہیں کاش میں جان سکتا آپ کی اس زندگی کے بارے میں...... میں جانتا ہی نہیں بلکہ وہ سارا دکھ وہ ساری اذیت خود بھی محسوس کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے میں تو بہت پہلے شادی کرنا چاہتا تھا آپ کو لمحہ لمحہ دکھ دینے والی تنہائی سے بچانا چاہتا تھا مگر آپ نے میچور رینک کی شرط پیش کر کے مجھے دور رہنے پر مجبور کر دیا لیکن خیر اب آپ دیکھیں گی میں کتنی محبت آپ سے کروں گا کیونکہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے، شدید محبت کبھی کسی نے کسی سے اتنی محبت نہ کی ہوگی جتنی میں آپ سے کرتا ہوں۔“ وہ جذبات سے بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا......

”یہی بات شاداب، یہی بات میں تمہیں سمجھانا چاہتی ہوں آج تمہیں مجھ سے محبت ہے۔“

”آپ سمجھانا چاہتی ہیں۔ یہ تو میں خود ہی سمجھتا ہوں۔“ شاداب نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا۔

”نہیں تم کچھ نہیں سمجھتے اگر سمجھتے بھی ہو تو اپنے انداز سے غلط طریقے سے جبکہ میں تمہیں صحیح انداز میں سمجھانا چاہتی ہوں یہ محبت ایک وقتی جذبہ ہے وقت گزرنے کے ساتھ خود بخود اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ اب مجھے ہی دیکھو

ثنہ صدیق اپنے ماں باپ کی چہیتی اپنے بھائی کی پیاری خاندان بھر کی لاڈلی آج یہاں تنہا زندگی گزار رہی ہوں حالانکہ کبھی یہ سب لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے۔“ میں نے اپنی بات سمجھانے کے لیے لمبی تمہید باندھی......

”کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟“ شاداب کے لہجے میں پہلی بار ہلکی سی ناگواری آئی......

”یہ کہ محبت ایک فضول چیز ہے۔ اس کے لیے خود کو ضائع نہیں کرنا چاہیے وقت اور حالات کے ساتھ انسان کو خود بھی بدلتے رہنا چاہیے......“

”سارے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔“ شاداب نے سمجھا میں اس کی محبت پر شک کرنے لگی ہوں، اس لیے جلدی سے صفائی پیش کی......

”اب تک تو جتنے بھی ملے سب ایک جیسے ہی ملے اب اور کوئی کیا مختلف ملے گا۔“ میں نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ ”وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ سب ہی بدل جاتے ہیں وہ کبھی محبت میں جان دینے کی بات کرتے ہیں ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ جان لینے پر تل جاتے ہیں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ وہ حیران سا مجھے دیکھ رہا تھا......

”ابھی میں نے سمجھایا ہی کب ہے۔ سنو اب میں تمہیں صاف، بتانا چاہتی ہوں کہ میں تم سے شادی نہیں کرسکتی، مجھے اگر شادی کرنا ہوتی تو اس وقت کرتی جب میری شادی کی عمر تھی اب اس عمر میں تماشہ بننے کی کیا ضرورت ہے۔“

”خیر شادی کے لیے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں، باقی آپ کے کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ شادی تو آپ کو کرنی ہی پڑے گی۔“ شاداب نے پرسکون لہجے میں کہا میری بات کو اس نے کوئی اہمیت ہی نہ دی تھی۔

”نہیں، یہ شادی نہیں ہوسکتی تم مجھ سے پندرہ برس چھوٹے ہو اور پھر مجھے پانے کے بعد لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں ویسے بھی لوگ کیا کہیں گے تم نے نہیں سوچا تو نہ سہی مجھے تو سوچنا ہی چاہیے تھا۔“ اب شاید شاداب میرا ارادہ سمجھ گیا تھا۔

"دیکھئے میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا جب میں میجر کا رینک حاصل کرلوں گا تو پھر آپ کوئی نئی شرط پیش نہیں کریں گی۔" وہ غصے میں آتے ہوئے بولا......

"میں نئی شرط کب پیش کر رہی ہوں میں تو شادی سے انکار کر رہی ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"جو بات ممکن نہیں اس کو کہنے سے فائدہ۔" شاداب اب بھی سکون سے بولا جیسے اس کو میری بات کا یقین نہ ہو۔

"اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں شاداب میں نے جو کہا ہے سچ کہا ہے......"

"آپ خوامخواہ وقت ضائع کر رہی ہیں۔ میں آج آپ کی کوئی بات نہیں مانوں گا۔ آپ کو میرے ساتھ چارسدہ چلنا ہوگا تاکہ نکاح کی رسم ادا کی جاسکے۔ آپ کے بھائی یہاں ہوتے تو میں امی کو ساتھ لے کر آتا اور ان سے بات کرتا لیکن اب چونکہ آپ اکیلی ہیں اس لیے میں آپ کو ساتھ لے کر امی کے پاس جاؤں گا اور آپ میرے ساتھ جانے سے انکار نہیں کرسکتیں۔ آپ کو ہر حال میں میرے ساتھ جانا ہے پھر فضول بحث کرنے کا فائدہ۔" وہ حتمی لہجے میں بولا۔

"کوئی زبردستی ہے کیا؟" مجھے غصہ آگیا......

"نہیں، محبت ہے اور بڑی طاقت ہے اس محبت میں، آپ نے دیکھا نہیں پانچ سال پہلے آپ نے کتنی کڑی شرط پیش کی تھی۔ دو رینک حاصل کرنا بھی قبل از وقت کتنا مشکل تھا لیکن یہ میری محبت کی شدتیں تھیں، یہ میری محبت کی طاقت تھی جس نے مجھے قوت بخشی اور میں پانچ سال میں دو رینک حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اب آپ کا انکار فضول ہوگا آپ چلنے کی تیاری کریں۔" بات ختم کرکے وہ صوفے پر جا کر بیٹھ گیا اور اپنے لیے کافی بنانے لگا جبکہ میں حیران سی کھڑی دیکھ رہی تھی۔

مجھے معلوم نہیں تھا وہ چھوٹا سا لڑکا میری محبت میں اتنا بڑا بن جائے گا میں تو اس کام کو آسان سمجھی تھی لیکن یہ تو بہت مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ میں نے

شاداب کو پھر دیکھا وہ بظاہر بڑی لاپرواہی سے کافی کے گھونٹ بھر رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اچانک اس نے مجھے دیکھا اور کہا......

"کیوں خوامخواہ پریشان ہوتی ہیں آیئے یہاں بیٹھیے۔" اور میں اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی...... شاداب نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر دریچے کا پردہ ہٹایا پھر باہر نظر ڈالتے ہوئے بولا......

"لگتا ہے موسم ابھی جانے کی اجازت دینے کے موڈ میں نہیں......"

"میری بات غور سے سنو گے شاداب۔" میں نے بہت سوچ کر کہنا شروع کیا شاداب نے مسکرا کر مجھے دیکھا پھر ہنس کر کہا۔

"آپ کی بات نہیں سنوں گا تو پھر کس کی سنوں گا، فرمایئے۔" اس کا موڈ پھر خوشگوار ہوگیا۔

"کیا تم اس بات کو بھول نہیں سکتے؟" میں نے بے بسی سے کہا اب مجھے اس پر ترس بھی آنے لگا تھا کہ وہ محبت میں میرے اندازے سے زیادہ دور نکل گیا تھا جو کہ میرے حق میں بہت برا ہوا تھا۔

"بھول سکتا تو یہاں تک نہ آتا آپ کیوں نہیں چھوڑ دیتیں اپنی ضد۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو شاداب، میں نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تب تم بہت غصے میں تھے، ماں کی ہر بات کا جواب الٹا دے رہے تھے تمہاری امی کے دکھوں کو دیکھتے ہوئے میں نے تمہیں سمجھانے کا فیصلہ کیا تھا بس اتنی سی بات تھی اور تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے ورنہ میرے دل میں تمہارے لیے ایسی کوئی بات نہیں تھی......"

"آپ کا مطلب ہے آپ کو مجھ سے محبت نہیں تھی؟" شاداب نے مجھے دیکھا......

"تم سے محبت، شاداب تم کیسی باتیں کرتے ہو تم مجھ سے پورے پندرہ برس چھوٹے تھے مرد اپنے سے چھوٹی عورت یا لڑکی کو کسی بھی نظر سے دیکھے مگر عورت اپنے سے چھوٹے مرد کو ہمیشہ۔"

"پلیز اب کوئی غیر ضروری رشتہ مجھ سے قائم مت کیجیے گا۔" شاداب

مارے غصے کے کھڑا ہوگیا پھر دریچے کے شیشوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی آپ سے محبت اور چاہت کا رشتہ قائم کیا تھا میرا اور آپ کا ایک ہی رشتہ ہے، وہی رشتہ جو ازل سے ابد تک ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ہوتا ہے میں مرد ہوں اور میرا آپ سے وہی رشتہ ہے، محبت کا، چاہت کا، باقی آپ کہتی ہیں آپ کو مجھ سے محبت نہیں تھی......آپ کو مجھ سے محبت ہے، خوانخواہ غیر ضروری باتوں کو اہمیت دے کر آپ خود کو بہلا نہیں سکتیں اس وقت جب میں ذاکر لوگوں کے ہاں آیا تھا امی کے ساتھ اور آپ سے ملا تھا اور آپ سے اپنے دل کا حال کہنا چاہتا تھا تب کیا آپ نہیں سمجھی تھیں آپ نے کہا تھا......''

''میں سمجھتی ہوں شاداب لیکن ہر بات ہر وقت کے لیے مناسب نہیں ہوتی۔''

''پھر جب میں ہاسٹل آیا تب تو میں نے آپ سے صاف، صاف بات کی تھی تب بھی آپ چپ رہی تھیں صرف ایک بات پر آپ کو اعتراض تھا کہ میں ابھی چھوٹا ہوں لیکن اب تو میں ستائیسویں میں لگ چکا ہوں اور میجر بھی بن چکا ہوں اب کیا رکاوٹ ہے اب کیوں آپ مجھے پریشان کر رہی ہیں......؟''

''میں مانتی ہوں شاداب میں نے تمہارے اسی جذبے سے فائدہ اٹھا کر تمہاری اصلاح کی تھی میں جانتی تھی یہ ایسا جذبہ ہے کہ تم میری بات مانتے رہو گے اور آپا رقیہ کی وجہ سے میں نے اس بات کو برا نہیں سمجھا تھا ورنہ میں ایسی نہیں ہوں اور یہ حرکت بھی مجھ سے اس لیے سرزد ہوئی کہ تم خود ہی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے میں تو ہر حال میں تمہاری اصلاح کرنا چاہتی تھی۔''

''پھر اب کیوں مجھے بگاڑنے کی تیاری کر رہی ہیں؟'' شاداب نے میری بات کاٹ دی۔

''میری پوری بات تو سنو تمہارے اشارے سمجھنے کے باوجود میں نے کچھ اہمیت اس لیے نہ دی کہ اس عمر میں لڑکے محض جنس مخالف میں کشش کچھ زیادہ ہی محسوس کرتے ہیں۔ اس کشش کی وجہ سے وہ ہر فرق بھول جاتے ہیں۔''

''اتنا گھٹیا سمجھا تھا آپ نے مجھے، مت انسلٹ کریں میری، میں آوارہ نہیں تھا۔'' شاداب کی آنکھوں کے سرخی مائل ڈورے گہری سرخی میں بدلنے لگے مگر میں نے پرواہ نہ کی اور کہا......

''کچی عمر کی محبت بھی کچی ہوتی ہے، جب عمر بڑھ جائے تو بندہ سب کچھ بھول جاتا ہے تب میں نے سوچا تھا جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو خود ہی اپنی حماقت پر ہنسو گے یہ حماقت ہی تو تھی کہ تم اپنے سے پندرہ برس بڑی عورت سے محبت کے دعویدار تھے۔ میں نے سوچا جب یہ وقت گزر جائے گا نادانی کا تو تم خود ہی مجھے بھول کر کسی اپنی عمر کی لڑکی سے شادی کر لو گے کہ پندرہ برس کا فرق کوئی معمولی فرق نہیں تھا......''

''یہ حماقت نہیں محبت تھی، اس لیے ہنسنے کی بجائے سنجیدہ ہوں اور اب مجھ سے بھی میری محبت کی شروعات سن لیجئے، جب میں پہلی بار رابعہ باجی کے گھر آپ سے ملا تھا اور آپ نے مجھے نصیحتیں کی تھیں تب میں نے آپ کو اور آپ کی نصیحت کو کوئی خاص اہمیت نہ دی تھی کہ اس وقت میرے لیے صرف یہ بات اہمیت رکھتی تھی کہ میں حماد خاں سے اپنا حصہ کیسے وصول کروں؟ وہ ایک بار پھر میرے قریب آ بیٹھا تھا۔ اصل میں امی نے اپنا حصہ حاصل کرنے کے لیے نانا سے کہا کہ وہ جرگہ بلائیں مگر وہ ٹال مٹول سے کام لیتے رہے اور پھر اس دنیا سے رخصت ہو گئے بعد میں جب ایک دن امی نے میرے سامنے ماموں سے بات کی تو انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا 'تمہارا بیٹا موجود تو ہے اگر اس میں طاقت ہے تو اپنا حصہ خود وصول کرے میں تم لوگوں کی وجہ سے اپنے خاندان کے لیے دشمنیاں نہیں پال سکتا' تب میں چودہ برس کا تھا۔ ماموں کی بات سن کر ہی میں نے اسکول جانا چھوڑا تھا کہ میں پٹھان تھا بزدل نہیں تھا طاقت تھی مجھ میں اپنا حصہ وصول کرنے کی، مرد تھا میں، چھوٹا تھا تو کیا ہوا...... دوبارہ آپ جب ہمارے گھر آئیں تو امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی آپ کے آنے سے پہلے ہی امی نے آپ کی کہانی سنائی تھی کہ آپ کو بھی پڑھائی سے نفرت تھی مگر قسمت کی ٹھوکروں نے آپ کو پھر سے پڑھنے کے لیے مجبور کر دیا اور یہ کہ آپ کی بھابی کا سلوک تو امی کی بھابی سے

بھی برا تھا۔ وہ آپ کو کھانا تک نہیں دیتی تھیں، مجھے آپ کی داستان سن کر بہت دکھ ہوا تھا کہ فطرتاً میں ایک نرم دل اور حساس لڑکا تھا، یہ الگ بات ہے کہ ماموں کی باتیں سننے کے بعد میں نے حماد خاں تو کیا اس کے چند سالہ بیٹے جواد خاں تک کو قتل کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ پھر جب آپ آئیں اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر جب مجھے بٹھانے کی کوشش کی تب پہلی بار میرے دل نے یکدم نجانے کیا محسوس کیا تھا لیکن خیر میں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی تھی اور آپ کی ساری باتیں بڑے تحمل سے سنی تھیں کہ میں آپ کے دکھوں میں مزید اضافہ کرنا نہیں چاہتا تھا حالانکہ اس وقت میرے دل میں ایسی کوئی بات نہ تھی لیکن میں نے آپ کو بتایا نا کہ میں بنیادی طور پر ایک نرم خو لڑکا تھا......

پھر جب آخری بار جاتے ہوئے آپ ملنے آئیں اور مجھے پھر پڑھنے کے بارے میں کہا تو میں نے فوراً آپ کی بات مان لی کیونکہ ان بہت سے گزرتے دنوں میں، میں صرف آپ کو سوچتا رہا تھا۔ تب میں نے سوچا تھا میں پڑھوں گا اور دو دکھی عورتوں کا سہارا بنوں گا۔ اسی وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ میں پڑھ لکھ کر آپ سے شادی کرکے آپ کو سہارا دوں گا۔ اس لیے میں نے میٹرک کیا، آپ نے کہا تھا میرے دوبارہ آنے تک تمہیں میٹرک پاس ہونا چاہیے میں نے آپ کی بات رکھ لی، میٹرک کرلیا مگر آپ نہیں آئیں۔ امی مجھ سے پوچھتی تھیں اب کالج جاؤ گے یا فوج میں مگر میں چپ تھا کہتا بھی تو کیا آپ نے تو صرف میٹرک کرنے کا کہا تھا، وہ میں نے کرلیا آگے آپ کیا چاہتی تھیں یہ مجھے معلوم نہیں تھا میں دوبارہ آپ سے ملنا چاہتا تھا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کس سے کہوں، کیا کہوں آخر جب امی کا اصرار زیادہ بڑھا تو میں نے غصے سے کہا......

”انہوں نے صرف میٹرک کرنے کا مجھے کہا تھا آگے پڑھنے کا نہیں۔ وہ کہہ کر گئیں تھیں جب میں دوبارہ آؤں تو تمہیں میٹرک پاس ہونا چاہیے وہ میں نے کرلیا ہے اب مزید کچھ مجھ سے مت کہیے گا۔“ میری بات سن کر ہی امی نے آپ کے پاس لاہور جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

”اور میرا مقصد بھی یہی تھا...... ایک بے چینی سی میرے اندر باہر تھی میں

آپ سے ملنا چاہتا تھا آپ کو دیکھنا چاہتا تھا رابعہ باجی نے شادی پر تصویروں کا جو البم بنایا تھا جب امی اس کو دیکھ رہی تھیں تو میں نے آپ کی ایک تصویر چوری کرلی تھی اور اس تصویر کو گھنٹوں اکیلے میں بیٹھا دیکھا کرتا مگر قرار پھر بھی نہ ملتا۔ مجھے اپنی حالت دیکھ کر خود ہی حیرت ہوتی کہ یہ میں ہوں آپ میرے دل و دماغ پر اس طرح چھا گئیں کہ مجھے سوائے آپ کے کچھ یاد نہ رہا تھا، حماد خاں اور اپنا حصہ ملا سب بھول گیا تھا۔ دل صرف آپ کی قربت مانگتا تھا جو میرے اختیار میں نہیں تھی وہ تو شکر ہے امی نے لاہور آنے کا فیصلہ کرلیا اور دل کو تھوڑا سکون ملا......

اور جب ہم لاہور آئے تب رابعہ باجی سے پتہ چلا کہ آپ کے بھائی اور بھابی آپ کو چھوڑ کر کینیڈا جاچکے ہیں یہ سن کر اور آپ کی تنہائی کا سوچ کر میں بہت دکھی تھا مگر یہ دکھ صرف میرے اندر تھا کہ میں ابھی چھوٹا تھا آپ کو شادی کی آفر نہیں دے سکتا تھا حالانکہ اتنا چھوٹا بھی نہیں تھا، تب میری عمر اٹھارہ سال تھی۔“ وہ بولتے بولتے رکا مجھے دیکھا پھر شکوہ کرنے والے انداز میں کہا......

”آپ کہتی ہیں کچی عمر کی محبت بھی کچی ہوتی ہے لیکن میرے ساتھ تو ایسا نہیں ہوا یہ کچی عمر کی محبت میری عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہی اور پکی عمر میں پہلے سے بھی زیادہ پکی ہوگئی۔ اتنی زیادہ کہ اس کو بھولنا میرے اختیار سے باہر ہے اب آپ سے دور رہنا میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور میں جو بڑی توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی بول پڑی۔

”شاداب، تم سمجھتے کیوں نہیں تم مجھ سے پورے پندرہ برس......“

”بار بار ایک ہی بات نہ کریں جب میں اس بات کو اہمیت نہیں دیتا تو پھر آپ کو کیوں فکر ہے آپ مجھ سے بڑی ہیں تو کیا ہوا میں آپ کو بہت ساری ایسی مثالیں دے سکتا ہوں جہاں مرد چھوٹے تھے ہمارے اپنے مذہب میں ہمارے......“

”شاداب پلیز۔ میں نے غصے سے کہا۔

”تو پھر چپ چاپ شادی کر لیجئے سارے فرق بھول کر۔“ شاداب نے بھی غصے سے کہا۔

''یہ تو ناممکن ہے مجھے کسی بھی حال میں تم سے شادی نہیں کرنا۔'' میں
پہلی بار سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو ہر حال میں مجھ سے شادی کرنی ہے۔'' شاداب نے مجھ
بھی زیادہ سخت لہجے میں کہا تو میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''وہ اس قدر نڈر ہو گیا تھا اور بے شک یہ طاقت اس کو محبت نے دی
لیکن میں کیا کرتی، عذرا نے پہلے ہی کہا تھا تیسری شادی تو تم لازماً کرو گی۔ ا
وقت ہے ابھی کرلو ورنہ بعد میں کرو گی تو ہماری بدنامی ہو گی۔''

''پلیز کیوں اپنے ساتھ مجھے بھی پریشان کرتی ہیں؟'' شاداب نے میر
طرف جھکتے ہوئے نرم لہجے میں کہا اور میں اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''غور سے دیکھیے میں بدلنے والا نہیں ہوں۔'' وہ ہنس کر کہنے لگا۔

''تمہارے نزدیک عمر کی کوئی اہمیت نہیں؟'' میں نے ایک بار پھر پوچھا

''نہیں، کتنی بار کہوں، یہ بات میرے لیے غیر اہم ہے۔'' وہ پورے اع
سے بولا۔

''ٹھیک ہے شاداب۔'' میں نے اس کو سمجھانے کے لیے دوسرا موضو
ڈھونڈا ''میں بھی عمر کے فرق کو بھول جاتی ہوں مگر۔''

''یہی تو میں چاہتا ہوں۔'' شاداب نے چاہت سے لبریز لہجے میں کہا۔

''بیچ میں نہ بولو، میری بات سنو، بات صرف عمر کی ہوتی تو ٹھیک ہے م
بھول جاتی مگر تمہیں شاید معلوم نہیں۔'' میں ہچکچائی کہ کیسے کہوں مگر اس کو کہے بغ
چارہ بھی نہیں تھا سو میں نے کہا۔

''تم نہیں جانتے شاداب میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔'' لیکن شاداب۔
میری بات کاٹ دی۔

''بس اس بات سے آپ پریشان ہیں یہ بات بھی میں جانتا ہوں......''

''پھر بھی تم؟'' پہلی بار میں نے حیران ہو کر اس کو دیکھا۔

''پھر بھی میں۔'' شاداب نے محبت بھری گہری نظر مجھ پر ڈالی مسکرایا ا
کہا ''پھر بھی میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا آپ اس بات ے

ہیں تو میں پہلے آپ کی یہی غلط فہمی دور کر دیتا۔''

''یہ بات کہنا آسان ہے کرنا مشکل، آج تم اس بات کو اتنا محسوس نہیں
م لیکن آنے والے کل جب تم سونا آنگن دیکھو گے تو پھر تمہیں محسوس ہو گا تم
ے غلطی کی تھی اور...... اور پھر شاید تم اپنے وہاں کے مردوں کی طرح دوسری شادی
ہو تو پھر کیوں نہ ابھی۔'' میں نے کہنا چاہا۔

''مت مفروضے قائم کریں میرے بارے میں۔ ایسی بات مت کریں۔
آپ کو یہ بات لکھ کر دینے کے لیے تیار ہوں کہ میں دوسری شادی نہیں کروں
یں اولاد کے لیے کبھی آپ سے شکوہ نہیں کروں گا کہ میرے نزدیک سب سے
میری محبت اور آپ کی رفاقت ہے۔'' شاداب نے تیزی سے کہا۔

''یہ تم آج کہہ رہے ہو، آنے والے کل ایسا نہیں ہو گا اپنے ماموں کو ہی
وہ ایک کی بجائے دو شادیاں کرنا چاہتے ہیں۔''

''ماموں نے کیا کیا ہے، آپ تو میری وجہ سے پانچ سال سے ادھر
ائی نہیں ورنہ دیکھتیں ماموں، مامی سے اب بہت محبت کرتے ہیں سارا وقت
ان پر ہوتے ہیں۔ وہ تو مامی کی جاب کے حق میں بھی نہیں تھے لیکن مامی کا کہنا
اب ایک دو سال باقی ہیں اس لیے جاب چھوڑنا مناسب نہیں ماموں اب خود
کو چھوڑنے پشاور جاتے ہیں اور لینے بھی ان کی محبت تو اب مثالی محبت بن گئی
......''

''ان کے بچے ہیں شاداب، جبکہ میں ایک بانجھ عورت ہوں کل تم بھی
ٹ کی بات کرو گے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں تمہاری جیسی تمنا آذر نے بھی کی تھی
ہم کر رہے ہو لیکن سنو میں تمہیں اولاد کا سکھ......'' میں اس کو ہر حال میں سمجھانا
ئی تھی مگر وہ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا اس نے سخت غصے کے عالم میں کہا۔

''میں نے کہا نا مجھے اولاد نہیں چاہیے آپ کہتی ہیں مرد کو وارث کی تلاش
لا ہے مجھے نہیں ہے۔ اس لیے کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور پھر اولاد ناخلف
نا ہو سکتی ہے۔ مجھے نام لیوا نہیں چاہیے۔ اگر نام چھوڑنا ضروری ہے تو میں اپنی
نی اپنی قوت اور اپنے کردار سے اپنا نام تاریخ میں سنہری حروف میں لکھ جاؤں

گا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں سیاچن گلیشر پر جہاں مجھے میری محنت اور خدمت کے
صلے میں میجر کا رینک ملا ہے وہاں ایک پوسٹ کا نام بھی میرے نام پر شاداب
پوسٹ رکھا گیا ہے۔ یہ وہی پوسٹ ہے جہاں میں نے دشمن کے قبضے کو ناکام بنا
تھا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے لیے آپ کی ذات اور آپ کی رفاقت
بڑی بات ہے اور کسی چیز کی مجھے تمنا نہیں کہ میں نے آپ سے محبت کی ہے
محبت جو قطروں کی صورت میں میرے وجود میں اتری اور اب سمندر بن کر پھیل
چکی ہے آپ کے بغیر میرے لیے زندگی کا تصور بیکار ہے یہ وقت جو میں نے آپ
کے بغیر گزارا ہے بہت مشکل گزارا ہے۔ میں اب ہر لمحہ آپ کو اپنے قریب رکھنا
چاہتا تھا لیکن آپ نے جو پابندی لگائی تھی اس کا احترام بھی کرنا ضروری تھا
اب آپ بھی اپنے وعدے کا احترام کریں......"

وہ میری ہر بات کا جواب تحمل اور دلائل سے دے رہا تھا مجھے اب شاداب
سے خوف آنے لگا تھا۔ میں نے ہر طرح انکار کر کے دیکھا مگر وہ میری ہر بات
کر رہا تھا وہ آہستہ آہستہ میرے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا وہ کہہ رہا تھا......

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آذر آپ سے شادی کرنا چاہتا تھا
جب اس کو اس بات کا پتہ چلا کہ آپ اس کو اولاد کی خوشی نہ دے سکیں گی
راستے سے ہٹ گیا کیونکہ ذاکر بھائی نے کہا تھا اس کو محبت اور اولاد میں سے
ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ وہ ایک عام سا مرد تھا اس لیے آپ کو چھوڑ دیا اور
بھی بات جب بندہ نفع ونقصان کے حوالے سے کرے تو وہ کاروبار ہو سکتا ہے
نہیں، آذر کو آپ سے محبت نہیں تھی اور عام سا مرد محبت کر بھی نہیں سکتا تھا
تمسخرانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تم عام مرد نہیں ہو؟" مجھے غصہ آ گیا۔

"نہیں، میں خاص مرد ہوں۔" بات ختم کر کے وہ مسکرانے لگا تو میں
پوری سنجیدگی سے کہا۔" شاداب، بس یہی سوچ کر میں نے تب انکار نہ کیا
جب تمہیں آذر والی بات کا پتہ چلے گا تو تم بھی مجھے بھول جاؤ گے لیکن تم ا
چھوڑنے پر تیار نہیں ہو۔ میں تمہیں آخری بار کہہ رہی ہوں میرے دل میں

کی کوئی بات تھی اور نہ ہی آنے والے وقت میں ہو سکتی ہے، مطلب یہ
تم سے محبت نہیں ہے اور میں تم سے شادی نہیں کروں گی میری طرف سے
انکار ہے۔ اب تم اس موضوع پر مجھ سے بات مت کرنا۔ میں نے اب تک
لیے جو کچھ بھی کیا ہے محض تمہاری امی کی ہمدردی میں۔" بالآخر مجھے صاف
انکار کرنا پڑا کہ سمجھنا تو وہ کوئی بات چاہتا ہی نہ تھا۔

"تو پھر اب کیوں ان کے ساتھ دشمنی کر رہی ہیں؟" وہ مجھے گھورنے لگا۔

"اب تم بڑے ہو چکے ہو ایک ذمہ دار مرد اور آفیسر بن چکے ہو اس لیے
کام ختم ہوا اور تم بھی بھول جاؤ اس بات کو......"

"آپ کا اصل کام تو اب شروع ہو گا میری بیوی بن کر۔"

"بکومت۔" میں نے حقیقی غصے سے کہا۔

"آپ کچھ بھی کہیں کچھ بھی کر لیں مگر مجھ سے شادی تو کرنا ہی ہوگی۔"
کے اطمینان میں ذرہ برابر فرق بھی نہ آیا جیسے میری کسی بات کی اس کے
ایک اہمیت نہ ہو وہ ہر بات بڑی لاپرواہی سے کہہ رہا تھا......

"مت نام لو شادی کا اب اس موضوع پر تم بات نہیں کرو گے یہ میں تم
کہہ چکی ہوں۔" میں نے پھر سخت لہجے میں کہا کہ اب اس کے سوا چارہ بھی کیا
آرام سے ماننے والا بھی کب تھا......

"میرے پاس یہی موضوع ہے آپ چلنے کی تیاری کریں موسم اچھا ہو یا
ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔" شاداب نے حکم دینے والے لہجے میں کہا۔

"کہتے رہو میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔" میں نے کہا اور کافی کے
لیے پانی کیتلی میں ڈالنے لگی اگرچہ دل ہی دل میں، میں اس سے خائف تھی
لیکن بظاہر خود کو بے پروا ظاہر کرنے لگی۔ کچھ دیر یونہی گزر گئی پھر وہ بول پڑا۔

"آپ جانتی ہیں اپنی اس ضد کا انجام۔" شاداب نے سخت لہجے میں
کہا۔

"کیسا انجام میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ اب کے گئے تم پھر کبھی مجھ سے
ملا کرو گے۔ تمہارا میرا ساتھ تو صرف یہاں تک تھا اور بس۔ تم جب چاہو جا سکتے

ہو۔'' میں نے بے رحمی سے کہا۔

''آپ یہ ظلم میرے ساتھ نہیں کرسکتیں۔'' شاداب نے اچانک مجھے شانوں سے تھام کر غصے سے گھورا۔ ''آپ انکار نہیں کرسکتیں..... نہیں کرسکتیں سمجھیں آپ، آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا اور اب آپ اس سے انکار نہیں کریں گی۔''

''مجھے چھوڑ دو شاداب مجھے چھونے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔'' میں نے اس کے ہاتھ جھٹکے اور کھڑی ہوگئی۔ اب مجھے سخت غصہ آرہا تھا۔

''آپ۔'' شاداب مارے غصے کے پتہ نہیں کیا کہنا چاہتا تھا وہ چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر ضبط کا دامن پکڑتے ہوئے بولا۔ ''یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کریں گی۔''

''ہاں یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اب تم بھی مان جاؤ خواہ مخواہ ضد نہ کرو۔''

''یہ ضد نہیں، یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ یہ انتظار میں نے آپ کا انکار سننے کے لیے نہیں کیا تھا۔ آپ نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے اب میرا فیصلہ سن لیں۔ آپ نے اگر مجھ سے شادی نہ کی تو میں خودکشی کرلوں گا۔ میں جان دے دوں گا کہ آپ کے بغیر زندہ رہنا میرے لیے بہت مشکل ہوگا۔ پھر زندہ رہنے کا فائدہ! یہ دھمکی نہیں ہے آپ نے اگر اپنا فیصلہ نہ بدلا تو میں ابھی آپ کے سامنے ہی اس بات پر عمل بھی کرکے دکھاؤں گا۔'' اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

''جان۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''تم میری محبت میں جان دے دو گے پھر کیا ہوگا۔'' میں بے رحمی سے ہنسی۔ ''اس جان کی اہمیت ہی کیا ہے۔'' اچانک قدیر یاد آیا اور میں چیخ پڑی۔ ''جان سستی چیز بھی کوئی ہے۔ ارے آج کے دور میں لوگ گاجر مولی کی طرح ایک منٹ میں کئی لوگوں کو کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ آئے دن کے بم بلاسٹ میں ہزاروں لوگ مارے جاتے ہیں۔ مارنے والے یہ نہیں سوچتے جرم کس کا، بدلہ کس سے لینا ہے اور جان ہم کن بے گناہوں کی لے رہے ہیں۔ صرف اپنے فائدے کے لیے یہاں ہر روز کئی بے گناہ لوگ پھانسی

دیئے جاتے ہیں۔ بدلے کی آگ میں پورے خاندان کا سکون برباد کردیتے ہیں۔ تم میری محبت میں جان دینے کی بات کرتے ہو بہت سستی چیز دینے کی بات کرتے ہو اس دنیا میں سب سے سستی چیز جان ہی تو ہے انسانی جان۔'' میں جو پر اتر آئی تو بولتی ہی چلی گئی۔'' باقی سب کچھ مہنگا ہے۔ چیزیں مہنگی ہیں۔ سستی ہے تو جان اور مشکل کام تو زندہ رہنا ہے۔ زندہ رہنا ہے مجھے دیکھو...... غور سے دیکھو...... ایاز کی موت کے بعد قدیر بھی اپنی جان سے گذر گیا پھر اور میرے ابا اور میرا بچہ وہ جس کا بوجھ میں نے آٹھ ماہ اٹھایا مگر ایک لمحہ کے لیے بھی میں اس کو دیکھ نہ سکی۔ وہ سب میرے اپنے جو مجھ سے پیار کرتے تھے۔ ایک ایک کرکے رخصت ہوگئے۔ مگر میں زندہ ہوں، کیسے رہی تم جانتے ہو سمجھ سکتے ہو مشکل کام تو یہی زندگی گذارنا ہے۔ جان دینے کی بات تو بزدل کرتے ہیں۔ حوصلے والے مشکل اور دکھ میں بھی زندگی گذارنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' میں چپ ہو کر چند لمحے خاموش رہی۔ شاداب مجھے دیکھتا رہا اس کی آنکھوں کے سرخی مائل ڈورے گہری سرخی میں بدل گئے مگر میں نے پرواہ نہ کی۔

میں اب ہر حال میں شاداب سے جان چھڑانا چاہتی تھی۔ کہ آپا رقیہ کی خاطر، میں اس کی اصلاح کا پروگرام میں نے شروع کیا تھا۔ وہ پورا ہوکر ختم بھی ہو چکا تھا۔ اب وہ بگڑ نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک ذمہ دار آفیسر بن چکا تھا۔ اور خود جاب چھوڑ نہیں سکتا تھا کہ فوج میں جانا آسان ہے نکلنا مشکل یہی وجہ تھی کہ میں نے بے خوف ہوکر کہا۔

''تم جب چاہو میری محبت میں جان دے سکتے ہو لیکن سوچو مجھے کیا فرق پڑے گا۔ میں نے تو اتنے لوگوں کی جان جاتے دیکھی ہے۔ اتنے زیادہ لوگ میرے سامنے جان سے گذر رہے ہیں کہ اب اس بات کی میرے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رہ گئی۔ بھلا تمہاری موت سے مجھے کیا دکھ ہوگا صرف اتنا کہ بے چاری رقیہ آپا یاد آئیں گی کہ آخری عمر میں ان کی زندگی کا سہارا ختم ہوگیا اور یہ دکھ بھی صرف چند روز ہوگا۔ پھر یہی مشکل زندگی ہوگی اور میں سب کچھ بھول جاؤں گی ضرورت ہی کیا ہوگی مجھے یاد رکھنے کی مجھے کونسی تم سے محبت ہے اور مجھے، ہی

کیا یہاں کسی کو بھی کسی سے محبت نہیں ہوتی۔ بس وقتی طور پر جذباتی ہو
سب جب وقت گذرتا ہے تو سب بدل جاتے ہیں۔" بات کرتے کرتے م
شاداب کو دیکھا۔ وہ بنا پلکیں جھپکے مجھے گھور رہا تھا۔

"آپ کو مجھ سے محبت نہیں۔" وہ جیسے تصدیق کرنے والے لہ
بولا۔

"نہیں۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اب تک آپ نے جو کچھ کیا وہ کیا کھیل تھا......؟"

"ہاں لیکن تمہاری بھلائی اور بہتری کے لیے میں نے یہ کھیل کھیلا
ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی۔"

"گولی ماریئے میری بھلائی کو۔" وہ یک دم دھاڑا۔

"تمیز سے شاداب۔" میں نے غصے سے کہا لیکن اس کی یہ کیفیت د
اندر سے ڈر گئی۔

"کیسی تمیز؟" وہ اٹھ کر میرے قریب آیا اور میری آنکھوں میں
ہوئے پورے اعتماد سے بولا۔ "آپ کو مجھ سے لازمی شادی کرنا ہوگی۔ آپ
طرح ہاں کہہ دیں شادی کے لیے ورنہ۔"

"ورنہ کیا۔" میں نے گھور کر کہا۔

"پلیز سمجھنے کی کوشش کریں میری کیفیت کو۔" وہ سخت ہوتے
اچانک نرم ہو کر میرے شانوں پر اپنا زور دراز کرتے ہوئے بولا۔

"شاداب۔" میں نے غصے سے اس کا بازو ہٹایا اور وہ تو جیسے غصے
پاگل ہوگیا۔ دانت پیستے ہوئے میری طرف بڑھا تو میں نے چیخ کر کہا۔

"دائرے میں رہو شاداب ورنہ......" اور وہ جو اب تک بڑے احترام
بات کر رہا تھا سن رہا تھا اچانک ہی بپھر اٹھا۔

"کیا دائرہ؟" اس نے اچانک مجھے بازو کے حصار میں جکڑ لیا۔

"شاداب" میں غصے سے چیخی۔ مجھے اس سے ایسی حرکت کی توقع
نہیں تھی۔

"چلایئے مت، طاقت ہے تو چھڑا لیجیے خود کو آخر آپ بڑی ہیں مجھ
وہ تمسخر اڑانے والے لہجے میں بولا۔

"چھوڑ دو مجھے۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کیوں چھوڑوں آپ کو، محبت کرتا ہوں میں آپ سے۔ حق ہے میرا
پر، شادی کرنا چاہتا ہوں میں آپ سے پہلے یا بعد میں جب آپ ہیں ہی
تو پھر دائرے کی کیا اہمیت ہے اپنی چیزوں کو چھونے کی اجازت کون مانگتا
بس اجازت کی بات کرتی ہیں"۔ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ میرے چہرے
ک گیا۔

"شاداب۔" میں زور سے چلائی اور دونوں ہاتھوں سے اس کو مارنے کی
ش کی تو شاداب نے مجھے آزاد کرتے ہوئے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ پھر
لہجے میں بولا۔

"عورتیں اپنے مردوں سے ہاتھا پائی کرتے اچھی نہیں لگتیں اور مجھے اس
ح کی عورتیں پسند بھی نہیں۔" اس کی ساری نرمی ختم ہو چکی تھی۔ وہ سخت غصے میں

"کمینے۔" میری ساری ہمدردی ختم ہوگئی تھی اس کی ساری حرکتیں دیکھ کر
چاہا اس کو جان سے مار دوں۔ "چھوڑو میرے ہاتھ...... چھوڑ دو میرے ہاتھ پلیز
، چھوڑ دو۔" میں منت پر اتر آئی۔

"غیرت مند مرد ہاتھ پکڑ کر چھوڑا نہیں کرتے۔" اس نے ایک جھٹکے سے
مجھے اپنے قریب کر لیا میں نے خود کو چھڑانے کی جدوجہد شروع کی۔ تو شاداب
رے بالوں پر سر ٹکا کر ملائمت سے بولا۔

"ضد نہ کریں شادی کے لیے ہاں کریں کیوں اپنی اب تک کی گئی
ت ضائع کرنے پر تل گئی ہیں، میں آپ کا غیر نہیں رہ سکتا۔ کتنی بار کہوں کہ نہیں
سکتا۔ مجھے بتائیں کہ کیسے آپ کو یقین دلاؤں کہ میں آپ کی محبت میں خود کو بھی
بھول چکا ہوں...... یہ بارہ سال میں نے آپ کو سوچتے ہوئے گذارے ہیں۔ آپ
کی قربت کے تصور میں اور اب...... اب جب میں منزل کے قریب پہنچا ہوں تو

آپ بدل گئی ہیں۔ آپ پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔ پلیز اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو معاف کر دیں کہ محبت میں سب جائز ہوتا ہے۔ لیکن شادی کے لیے پلیز مان جائیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا چہرہ تھام کر ایک بار پھر نرم لہجے میں پوچھا۔

"کریں گی نہ آپ مجھ سے شادی۔" اور اس کے لبوں نے نرمی سے میرے چہرے کو چھونے کی کوشش کی۔

"میں نے پوری قوت سے اس کو دھکا دیا۔ مجھ میں اتنی طاقت نہ جانے کہاں سے آ گئی تھی وہ گرتے گرتے بچا اور میں نے سخت طیش کے عالم میں کہا۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے، دفع ہو جاؤ میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ مجھے نفرت ہے تم سے۔ شادی کرنا تو دور کی بات ہے مجھے تمہاری شکل دیکھنا گوارا نہیں۔"

"آپ سمجھتی کیا ہیں خود کو؟" شاداب نے غصے سے ہاتھ اٹھایا تو میں نے چیخ کر کہا۔

"بدتمیز، یہیں رک جاؤ۔ لگتا ہے تمہاری قسمت میں کوئی عورت بھی نہیں ہے۔"

"عورت۔" شاداب نے دانت پیستے ہوئے کہا اور رک گیا۔ "آپ کیا سمجھتی ہیں۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو اس لیے کہ میرے لیے عورتوں کی کمی ہو گئی ہے۔ نہیں یہ تو میری محبت ہے۔ جو آج نہیں بارہ سال سے میں آپ سے کر رہا ہوں۔ ورنہ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ عورت تو قدم قدم پر بے مول چیز کی طرح ملتی ہے۔ حیثیت ہی کیا عورت کی اس معاشرے میں اونہہ کوئی عورت مجھے نہیں ملے گی کوئی اور عورت تو کیا آپ ہی مجھے ملیں گی میں قسم کھاتا ہوں آپ کی کہ میں آپ کو اپنے نکاح میں لا کر چھوڑوں گا دیکھوں گا کیسے انکار کرتی ہیں آپ۔"

بکواس مت کرو۔ نکل جاؤ یہاں سے۔" میں حلق کے بل اتنی زور سے چیخی کہ کھانسی آ گئی۔

"نہ جاؤں تو؟" شاداب مجھے گھورنے لگا۔ جیسے وہ اسی گھر کا مرد ہو اور مالک بھی۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے، مجھ سے شادی اور مجھے حاصل کرنا تو دور کی بات ہے تم کسی عورت کو بھی حاصل نہ کر سکو گے۔" میں نے اس کی بات پر غصے سے جل کر کہا۔ اگرچہ اس نے مجھے چھونا چاہا تو اپنی محبت میں کسی غلط نیت سے نہیں لیکن میں تو اب غصے سے بالکل پاگل ہو رہی تھی۔

"اونہہ عورت کا حصول کونسا مشکل ہے۔" اس نے زہر خند سے کہا۔ اور میں عورت کو ضرور حاصل کروں گا۔ کیونکہ میں ایک مرد ہوں عورت مرد کی ضرورت ہے لیکن....." وہ رکا میرے چہرے پر ایک غصیلی نظر ڈالی اور کہا۔

"لیکن کوئی عورت بھی قانونی اور شرعی طور پر میری بیوی بن کر میرے پاس نہیں آئے گی۔ میرے قریب نہیں آئے گی۔ یہ حق میں صرف آپ کو دوں گا اور اپنے قریب آنے والی کسی اور عورت کو نہیں اور میرے ان اعمال کی ذمہ دار آپ ہوں گی آپ صرف آپ کہ نکاح میں صرف آپ سے کروں گا۔ باقی عورتیں صرف دل بہلانے کے لیے ہوں گی۔ وقت پاس کرنے کے لیے ہوں گی۔ آپ کو یہ بتانے کے لیے کہ عورت کا حصول کوئی مشکل بات نہیں۔"

"آئی سے گیٹ آؤٹ۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"جا رہا ہوں چیخنے کی ضرورت نہیں۔" وہ باہر جانے کی بجائے میری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"میرے قریب مت آنا شاداب۔" میں غصے سے پاگل ہو گئی۔

"کیا سمجھتی ہیں آپ۔ اس گھر میں اگر میں کچھ کرنا چاہوں تو کیا آپ مجھے روک سکتی ہیں۔ میں اگر اسی وقت آپ کو حاصل کرنا چاہوں تو کون ہے یہاں جو مجھے روکے۔ کوئی نہیں ہے یہاں آپ کی مدد کرنے کے لیے لیکن میں تو آپ سے باقاعدہ نکاح کر کے آپ کو چھوؤں گا۔"

"اوہ شٹ اپ۔" میں نے پوری قوت سے تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا کہ وہ میرے بہت قریب آ چکا تھا۔ تھپڑ پڑتے ہی وہ جہاں تھا وہی رک گیا اس کی آنکھ سے شعلے نکلنے لگے۔

"آپ۔" وہ غرایا۔ ایک بار پھر ہاتھ اٹھایا جیسے مجھے مارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"گیٹ آؤٹ۔" میں چلائی شاداب ایک جھٹکے سے مڑا اور دروازہ کھول کر غصہ سے آگ بنا اس طوفانی برفباری میں باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اس کے باہر نکلتے ہی مجھے یوں لگا جیسے کوئی طوفان آتے آتے ٹل گیا ہو میں دونوں ہاتھوں میں سر تھامے ہوئے صوفے پر گر کر گہری گہری سانسیں لینے لگی اور شاداب کے رویے کے بارے میں سوچنے لگی۔ میں نے اس کو کتنا سمجھایا تھا نرمی سے سختی سے لیکن وہ میری بات نہیں مانا تھا' کیا واقعی وہ میری محبت میں اس قدر دور نکل آیا تھا کہ اب لوٹنا یا بھولنا اس کے لئے ناممکن ہو رہا تھا؟ میں سوچ رہی تھی۔

چند ساعتوں بعد میں نے سر اٹھا کر شیشے سے باہر دیکھا طوفانی برفباری کے ساتھ بارش بھی شروع ہو چکی تھی تب میں بھاگ کر باہر آئی۔ اچانک ہی میرے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔ وہ غصے سے آگ بنا اس ٹھنڈے اور یخ بستہ طوفانی موسم میں باہر نکل گیا تھا' آگ اور پانی کا ملاپ کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ جب دونوں ملتے ہیں تو ایک ختم ہو جاتا ہے اور شاداب اس وقت آگ ہی تو ہو رہا تھا میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا سڑک پر دور دور تک بارش کا پانی ہی گرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شاداب کہیں نہیں تھا میں دروازے کو لاک لگا کر اندر آئی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے بستر پر گر گئی۔ اب میں اس کے لئے بے چین تھی۔ اس کی خیریت کے لئے فکر مند تھی۔

شاداب کے ساتھ میں نے جو سخت لہجہ اختیار کیا تھا صرف اوپری دل سے اور اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے۔ وہ میری کسی بات کو مان جو نہیں رہا تھا شام ہو رہی تھی ہمیں دوپہر سے باتیں کرتے ہوئے لیکن وہ شادی کی ہی رٹ لگائے ہوئے تھا تب میں کیا کرتی؟

جب اس نے جان دینے کی بات کی تو میرا دل ڈر گیا تھا' میں سمجھ گئی تھی کہ وہ سچ مچ اپنی جان سے گزر جائے گا اور میں یہ نہیں چاہتی تھی اسی لئے اس کو زندہ رکھنے کے لئے اس کو سمجھانے کے لئے سخت لہجہ اختیار کیا تھا اور کامیاب رہی

تھی اگر یہی بات میں نرمی سے کہتی تو وہ مزید پھیل جاتا اس لیے میں نے سخت سے سخت لہجہ اختیار کیا اور بات بن گئی تھی۔ اس نے جان دینے کے بجائے زندہ رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہی تو میں چاہتی تھی۔

وہ اگر پیار سے میری بات مان جاتا تو مجھے کیا ضرورت تھی سختی کرنے کی مگر وہ تو ہر بات کا معقول جواب دے رہا تھا مجھے لاجواب کر رہا تھا۔ آخر میں یہی ہونا تھا جو ہوا اور وہ چلا گیا تھا......

میں تو سمجھی تھی کچی عمر کی یہ محبت پکی عمر میں ختم ہو جائے گی مگر وہ تو اور بھی بڑھ گئی تھی اس کا پور پور میری محبت میں ڈوب چکا تھا میری جدائی اس کو گوارہ نہیں تھی اور میں شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں ایک تو عمر میں بڑی تھی اور دوسرے ایک بانجھ عورت تھی پھر منحوس اتنی کہ جو بھی میری قربت حاصل کرنے کا سوچتا وہی اپنی جان سے گزر جاتا ایاز مجھے پانے سے پہلے ہی جان دے گیا اور فیروز مجھے پانے کے بعد پیار کی صرف چند ساعتیں گزار کر چل بسا۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے میں کیسے اس کی بات مان لیتی حالانکہ اب اس کی محبت میں شک کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی وہ تو محبت میں جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا تھا یہ بات اب میں نے بھی محسوس کر لی تھی مگر اس سلسلے میں' اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ یہ محبت بھی عجب جذبہ ہے مجھے ایک نظم یاد آ گئی:

محبت بھی عجب شے ہے
کہ جب بازی پہ آتی ہے
تو سب کچھ جیت لیتی ہے
یا سب کچھ ہار دیتی ہے
محبت مار دیتی ہے

یہ محبت بھی کیا عجیب شے ہے جہاں جب اور جس کے دل میں چاہا ڈیرہ ڈال دیا۔ یہ دولت دیکھتی ہے نہ غربت' یہ ذات دیکھتی ہے نہ برادری' وقت دیکھتی ہے نہ عمر۔ یہ جان بوجھ کر ان دلوں میں بس جاتی ہے جن کا ایک ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہوتا ہے شاید یہی محبت کا امتحان ہے اور شاید یہی محبت ہے'

جبھی تو یہ قطروں کی صورت میں شاداب کے وجود میں داخل ہوئی اور سمندر بن کر پھیل گئی جس میں وہ پورے کا پورا ڈوب چکا تھا میں اس کو بچانا چاہتی تھی مگر کیسے جب وہ خود ہی ڈوبنے کا خواہشمند تھا۔

مجھے بہت دکھ ہوا تھا اس کی حالت دیکھ کر اور پہلی بار شاید میں نے اس کے جانے کے بعد سوچا کاش شاداب تم مجھ سے چھوٹے نہ ہوتے یا پھر میں ایک بانجھ عورت نہ ہوتی لیکن اب چونکہ یہ دونوں باتیں تھیں اس لیے شاداب کے حصے میں محبت کی ناکامی آئی تھی میں تو اس مسئلے کو بہت آسان سمجھتی تھی لیکن یہ ایک مشکل مسئلہ بن گیا تھا۔

ساری رات میں ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ نہ جھپک سکی کافی بناتی رہی اور پیتی رہی جبکہ باہر بارش شاید کبھی نہ ختم ہونے کے لیے شروع ہوئی تھی۔ و شاداب کے جانے کے بعد سے لے کر ابھی تک مسلسل برس رہی تھی اور مجھے با بار شاداب کا خیال آ رہا تھا۔ اس طوفانی بارش اور برفباری میں اس پر کیا گزری ہو گی وہ کہاں گیا ہوگا یہ سوچ کر میں پریشان تھی لیکن اس کی تلاش میں کہیں جا نہیں سکتی تھی۔ رات یونہی اس کے لیے پریشان ہوتے ہوئے گزری۔

صبح یہ پریشانی اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب اخبار پڑھا لکھا تھا۔

''شدید برفباری اور بارشوں کی وجہ سے کوئٹہ کا ملک کے دوسرے حصوں سے آج بھی فضائی رابطہ منقطع رہا بعض سڑکیں بھی برفباری کی زد میں آ گئی ہیں اور وہاں ٹریفک کی آمدورفت معطل ہو گئی ہے کوئٹہ ایئرپورٹ پر لینڈنگ کے جدید طریقے استعمال کرنے کے باوجود وادی میں جہازوں کے اترنے کے امکانات پیدا نہ ہو سکے۔ کوئٹہ کے رہنے والوں کو آج اس وقت یہاں سرد ترین موسم کا سامنا کرنا پڑا جب درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی 4ء4 درجے کم ہو گیا اس قدر کم درجہ حرارت کئی برسوں کے بعد دیکھنے میں آیا، پانی کی پائپ لائنوں میں پانی جم گیا۔ اس شدید ترین سردی کے باعث لوگ گھروں میں رُکنے پر مجبور ہو گئے اور کاروبار زندگی معطل رہا۔''

میں نے طویل سانس لے کر اخبار ایک طرف ڈال دیا اور سوچا لوگ اس

شدید سردی میں گھروں میں رہنے پر مجبور ہو گئے اور میں نے اس خراب موسم میں شاداب کو گھر سے نکال دیا۔ کیا جاتا میرا اگر وہ یہاں رہ جاتا اب وہ نجانے کہاں ہوگا۔ ''اللہ کرے خیریت سے ہو۔'' بے ساختہ میرے دل سے دعا نکلی اور میں باورچی خانے میں چلی آئی۔ کل دوپہر کے بعد سے اب تک میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ شاداب کے اس طرح جانے سے دل پریشان ہو گیا تھا لیکن اب میں کچن میں آئی کل کا بچا ہوا کھانا یونہی پڑا تھا میں کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی پھر بغیر کچھ کھائے پیئے باہر آئی برفباری اب بھی ہو رہی تھی۔ میں کتنی ہی دیر تک برآمدے میں ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی باہر دیکھتی رہی اور شاداب کے بارے میں سوچتی رہی پھر اٹھ کر اندر آئی تو شاداب کے بیگ پر نظر پڑ گئی۔ میں نے کچھ دیر سوچا پھر بیگ اٹھا کر بیڈ پر آ بیٹھی بیگ کھول کر دیکھا تو شاداب کے تین چار سوٹوں کے ساتھ پیسٹ اور ٹوتھ برش کے علاوہ ایک ڈائری تھی اور ساتھ وہ چھوٹی سی مخملیں ڈبیہ جس کو میں پہلے بھی دیکھ چکی تھی کہ یہ انگوٹھی اپنی پسند پر شاداب نے میرے لئے ہی تو خریدی تھی مگر اس وقت میں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر میں نے ڈائری دیکھی پہلے سوچا نکال کر دیکھوں تو سہی بھلا کیا لکھا ہے شاداب نے لیکن پھر یہ سوچ کر اپنا ارادہ بدل دیا کہ اس میں میرے بارے میں ہی اس نے لکھا ہوگا اس لئے میں نے جیسے بیگ کھولا تھا ویسے ہی بند کر دیا اور شاداب کے بارے میں سوچنے لگی کہاں گیا ہوگا وہ؟ یہاں تو اس کا کوئی جاننے والا بھی نہیں پھر کہاں رہا ہو گا وہ؟

....

شاداب شدید غصے اور غم کے عالم میں جلدی سے گھر چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا کہ اگر وہ مزید وہاں رکتا تو مارے غصے کے نہ جانے کیا کر بیٹھتا جبکہ وہ عائشہ کے ساتھ کوئی زیادتی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نکل آیا تھا۔ موسم کی پروا کیے بغیر اور اب بارش اور برف باری کی وجہ سے پناہ کی تلاش میں تھا مگر ایک تو کوئی نہیں مل رہی تھی دوسرے یہ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کہاں جائے؟ کسی ہوٹل جا نہیں سکتا تھا کہ غصے میں پیسوں والا بٹوہ بھی وہیں بھول آیا تھا کہ وہ وردی

میں تھا جو اس نے صبح اُتار دی تھی۔ تب اسے کیا معلوم تھا کہ اچانک گھر چھوڑنا پڑ جائے گا اگر یہ معلوم ہوتا تو وہ بٹوہ سوٹ کی جیب میں رکھ لیتا مگر اب وہ مسلسل چلا جا رہا تھا اور سوچتا بھی۔ سوچتے سوچتے اچانک اسے یاد آیا کور آف رینجرز کے کیپٹن ضیاء رحمان کا ابھی پچھلے ماہ ہی ٹرانسفر کوئٹہ ہوا تھا۔ اور چونکہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ تھا اس لئے اس کی رہائش ابھی آفیسرز میس میں ہی تھی۔ شاداب نے اس کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ مگر اب مسئلہ سواری کا تھا۔ بہت دیر بارش میں بھیگنے کے بعد بالآخر اسے ایک ٹیکسی مل گئی اور شاداب نے میس کا پتہ بتایا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور عائشہ کے بارے میں سوچنے لگا۔

وہ بالکل اچانک بدلی تھی۔ شاداب کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جب وہ شرط پوری کر کے اس کو پانے کی تمنا کرے گا تو حالات ایسے ہو جائیں گے۔ وہ تو خوشی خوشی پشاور سے روانہ ہوا تھا کہ اس کو ساتھ لے کر چار سدہ جائے گا۔ ماں کو وہ کئی برسوں سے شادی کے لیے ٹال رہا تھا لیکن یہاں پہنچ کر تو سب خواب بکھر گئے تھے۔ کس بیدردی اور بے رحمی سے عائشہ نے اس کو ٹھکرایا تھا۔ کتنی گہری ضرب ذہنی طور پر اس کو لگائی تھی۔ اس کی محبت کا مذاق اڑایا تھا اس کی موت کو اہمیت نہ دی تھی اور کس قدر سفاکی سے کہا تھا۔

"میری محبت میں جان دینے کی بات کرتے ہو۔ بہت سستی چیز دینے کی بات کرتے ہو۔" وہ مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہا تا۔ کہ ٹیکسی رکی شاداب چونکا پھر میس کے گیٹ کے باہر ہی ٹیکسی والے کو رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ تم رکو میں ابھی اندر جا کر بھیجتا ہوں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے وہ عمارت کی طرف چل پڑا۔ دل میں سوچتے ہوئے کہ اللہ کرے ضیاء مل جائے اگر وہ نہ ملا تو ٹیکسی کے بل کا کیا ہوگا۔ لیکن تھوڑی سی تلاش اور پوچھ گچھ کے بعد اس کو ضیاء کے کمرے کا پتہ چل گیا شاداب نے دروازے پر دستک دی اور سر جھٹکنے لگا۔ اتنی تیز بارش اور برف باری میں پھرنے کی وجہ سے اس کی طبیعت سخت خراب ہو رہی تھی اور زیادہ تو عائشہ کی باتوں اور اس کے رویے نے خراب کی تھی۔

دروازہ کھلا اور ضیاء کا چہرہ نظر آیا۔ شاداب کا چہرہ دیکھ کر وہ بت بنا رہ گیا ے شاداب کو دیکھنے لگا "راستہ چھوڑو گے یا دھکا دوں"۔ شاداب نے عائشہ صہ اس پر نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے آؤ آؤ یہ تمہیں اس موسم میں آنے اور بھیگنے کی کیا سوجھی؟" ضیاء ایک طرف ہٹ کر راستہ دیتے ہوئے پوچھا شاداب نے اس کی بات کا جواب ے کی بجائے باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی فالتو سوٹ ہوگا تمہارے پاس؟"

"فالتو کیوں یار میرے بہت سارے اچھے سوٹ ہیں جو جی چاہے پہن "ضیاء نے ہنستے ہوئے اس کو الماری کھول کر ایک سوٹ تھما دیا جسے لے کر وہ باتھ روم میں چلا گیا۔ اس کے باہر آنے تک ضیاء چائے کے لئے پانی رکھ چکا یہ سوچ کر کہ اس برسات میں اب بھیگتا ہوا کینٹین چائے کے لئے جانا ب نہیں ہوگا۔ بہتر ہے کہ ہیٹر ہی پر تیار کر لی جائے۔ ویسے وہ شاداب کی آمد یران تھا کہ وہ بغیر اطلاع کے کیسے چلا آیا۔ وہ غسل خانے سے باہر آیا اور سیدھا ے کے بیڈ کی طرف چلا گیا۔

"کہاں سے آوارگی کرتے ہوئے آئے ہو۔" ضیاء نے بے تکلفی سے ہا تو شاداب کو اچانک ٹیکسی ڈرائیور یاد آ گیا اور اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

"یار باہر گیٹ پر ٹیکسی والا بل کے لیے کھڑا ہے۔" ضیاء نے حیرت سے اداب کو دیکھا تو شاداب نے کہا۔

"میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔ جاؤ اس کو فارغ کر آؤ اور خود بیڈ پر رنے والے انداز میں لیٹ گیا جبکہ ضیاء چھتری لے کر فوراً ہی باہر نکل گیا۔ وڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو شاداب اس کے بیڈ پر آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔

"شاداب ارے کیا ہوا؟" ضیاء کپ واپس رکھ کر اس کے قریب آیا جھک کر دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں تشویش نظر آنے لگی۔ اردلی کو بھی وہ چھٹی دے چکا تھا اور اب اس طوفانی رات میں وہ شاداب کے سرہانے کھڑا سوچ رہا تھا اب کسے تو کیا کرے۔ اگر ایسے میں شاداب کو تنہا چھوڑ کر یونٹ کے ڈاکٹر کو بلانے

گیا تو بعد میں کہیں شاداب کی حالت مزید بگڑ نہ جائے۔

....

شاداب سے ضیاء کی دوستی کوہاٹ ٹریننگ کے دوران ہوئی تھی۔ ضیاء پنجاب کا رہنے والا تھا اور اس کی ٹریننگ کا وہ آخری سال تھا۔ جب شاداب کوہاٹ آیا تھا۔ تو ضیاء دو سال سے وہاں تھا اس نے کسی لڑکے کو اتنی محنت کرتے نہ دیکھا تھا جتنی شاداب کر رہا تھا۔ ضیاء اس کی ٹریننگ پر بھرپور محنت اور توجہ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ ضیاء ہی کیا ہر ایجوٹانٹ ہی اس کی محنت پر حیران اور خوش ہو کر اسے شاباش دیتا۔

فوج کی ٹریننگ میں چار چیزیں بڑی اہم ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے پی ٹی پھر ڈرل اس کے بعد کلاس روم کی پڑھائی اور دیگر مصروفیات کے علاوہ شام کو گیمز وہ سینٹر کی لائبریری سے فوجی نوعیت کی کتابیں لے کر بھی پڑھتا۔ کتابیں پڑھنا تو خیر اپنی مرضی تھی اس میں کوئی زبردستی نہیں تھی مگر باقی کی مصروفیات ضروری تھیں ان سب میں شاداب کو ضیاء نے مستعد پایا تھا۔ حالانکہ صبح کی پی ٹی اور شام کو گیمز میں اکثر لڑکے سستی کر جاتے تھے۔ خود ضیاء بھی کبھی کبھی سستی کر جاتا۔ اگرچہ شام کو کھیلنا بہت ضروری تھا مگر کبھی کبھی بیماری کا بہانہ کر کے چھٹی کی جا سکتی تھی۔

مگر شاداب ......

وہ تو علی الصبح طلوع آفتاب سے بھی پہلے نیکر پہن کر ایک گھنٹہ پی ٹی ضرور کرتا تھا۔ ڈرل میں تو خیر کوئی ناغہ کر ہی نہیں سکتا تھا اور نہ ہی کلاس روم کی پڑھائی میں مگر شام کو پڑھنے تو خیر کوئی کم ہی جاتا تھا۔ لیکن چند ایک کھیلنے بھی جاتے تھے جبکہ ایک شاداب تھا جو کھیلنے کے بعد پڑھنے بھی ضرور جاتا۔

ایک سال بعد جب ضیاء کی ٹریننگ مکمل ہوئی تو جی ایچ کیو کے ایک اہم شعبے میں بطور لیفٹیننٹ ضیاء کی ڈیوٹی لگائی گئی پھر بعد میں ضیاء کو پنجاب رجمنٹ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے منسلک کر کے لاہور چھاؤنی بھیج دیا گیا۔ وہاں سے ۔۔۔ سال بعد جب ضیاء کو سیالکوٹ چھاؤنی بھیجا گیا تو شاداب بھی وہاں آ چکا تھا

ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران بھی ہوئے خوش بھی اس کے بعد ان کی دوستی پکی ہونے لگی اور پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ اس ملاقات کے بعد دونوں کے ساتھ ساتھ ہی ٹرانسفر ہوتے رہے تھے۔

شاداب اب پہلے سے بھی زیادہ محنت کرتا تھا تاکہ آفیسرز خوش رہیں اور ضیاء اس سے کہتا تھا۔

"کیوں اتنی محنت کرتے ہو قبل از وقت تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ دوست تمہیں جلدی کس بات کی ہے۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔"

"عمر کی بات نہ کرو باقی جلدی ہے مجھے کسی بات کی، پانچ چھ سال کے اندر مجھے میجر کا رینک حاصل کرنا ہے۔" وہ کہتا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتا۔

"کیپٹن تو بن جاؤ پھر میجر کی بات کرنا۔" ضیاء نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ ایسا اکثر ہی ہوتا تھا وہ جب بھی قبل از وقت رینک حاصل کرنے کی بات کرتا تو ضیاء اس کا مذاق بنا لیتا۔

مگر اچانک پنڈی کے اسلحہ ڈپو میں کامیابی سے تخریب کاری پر قابو پانے پر دوسرے آفیسرز کے ساتھ ان دونوں کی پروموشن بھی ہوئی تھی اور وہ دونوں سروس کی مدت پوری کئے بغیر کیپٹن بن گئے تھے۔ شاداب بہت خوش تھا۔ اس نے ملٹری میس میں سب دوستوں کو شاندار دعوت کھلائی تھی اور ضیاء سے کہا تھا۔

"ارے مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی میجر کا رینک حاصل کر لوں گا۔" اس کے لئے اس نے اپنے طور پر کچھ کوششیں بھی ضرور کی تھیں مگر اس کو کیا پتہ کہ کچھ عرصہ بعد اپنے یونٹ سے عارضی طور پر ان کی ڈیوٹی مارشل لا ہیڈ کوارٹر میں لگا دی گئی تھی جہاں جاتے ہی ترقی کا خواب ادھورا رہ گیا۔

پھر جب یہ عارضی ڈیوٹی ختم ہوئی تو شاداب نے شمالی علاقہ جات کی طرف جانے کی خواہش ظاہر کی اور اسے اسکردو چھاؤنی بھیج دیا گیا۔ یہ بھی رینک حاصل کرنے کی طرف اس کی ایک کوشش تھی۔ وہ اسکردو چلا گیا ضیاء کو سندھ بھیج دیا گیا تھا۔ بعد میں شاداب اسکردو سے سیاہ چن گلیشیئر چلا گیا تھا۔ وہاں سے واپسی پر اس کی ڈیوٹی پشاور کینٹ لگا دی گئی تھی۔ جبکہ ضیاء کو سندھ سے

کوئٹہ بھیج دیا گیا تھا۔ اب بس کبھی کبھار فون پر ہی ان کی ملاقات ہوتی تھی شاداب کا انٹرویو چھپنے کے بعد جو کہ سیاہ چن سے آنے کے بعد محض اس کارنامے کی وجہ سے اخبار والوں کو آئی ایس پی آر والوں نے بھیجا تھا اخبار میں انٹرویو پڑھنے پر ہی ضیاء کو پتہ چلا تھا کہ شاداب کسی کی محبت کا اسیر ہو چکا ہے یہی وجہ ہے ضیاء نے فون کر کے ہنستے ہوئے پوچھا تھا۔

''بھئی تمہاری زندگی کا وہ دوسرا مقصد پورا ہوا کہ نہیں میجر تو تم بن ہی چکے ہو۔'' جواباً شاداب نے ہنس کر کہا تھا۔

''بس یار تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس کو پانے میں آج کل اس سے ملنے کی تیاریوں میں مصروف ہوں بہت جلدی خوشخبری دوں گا تمہیں۔''

''سنو شادی پر مجھے بلانا نہ بھولنا۔'' ضیاء نے کہا تھا اور شاداب نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ یہ آج سے پندرہ دن پہلے ہی کا واقعہ تھا اور اس وقت شاداب نیم بے ہوشی کی حالت میں سامنے پڑا تھا۔

''کیا ہوا اس کو؟ یہ کوئٹہ کب آیا۔'' ضیاء سوچ رہا تھا اور باہر بارش طوفانی انداز میں برس رہی تھی۔ آخر ضیاء نے ساتھ والے روم سے کیپٹن زاہد کو یونٹ کے ڈاکٹر کے پاس بھیجا اور خود تشویش سے شاداب کو دیکھنے لگا۔

تین دن شاداب سخت بخار میں جلتا رہا۔ وہ نیم بے ہوشی میں نجانے کیا کیا بڑ بڑاتا تھا۔ ڈاکٹر اس کو دیکھنے برابر آ رہا تھا۔ ضیاء حیران سا اس کی بڑبڑاہٹ سنتا جو ایک ہی بات کہتا تھا۔

''نہیں' نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اب میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ پلیز ایسا مت کریں آپ' اب میرے ساتھ یہ زیادتی مت کریں یہ سب مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔''

ضیاء کی سمجھ میں یہ نہیں آیا تھا کہ وہ زیادتی کرنے والا شاداب کو اس حالت میں پہنچانے والا کوئی مرد تھا یا عورت۔

تیسرے دن رات کو اس کی حالت سنبھل گئی تھی اور اس نے آنکھیں کھول لیں تھیں۔ ضیاء اس کے قریب ہی کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔

''شکر ہے تم نے آنکھیں تو کھولیں۔'' ضیاء اس پر جھکتے ہوئے بولا۔

''کیوں مجھے کیا ہوا۔'' شاداب نے فوراً اٹھنے کی کوشش کی۔

''تمہیں تو صرف بارش اور برف باری کا لطف اُٹھانے کی وجہ سے بخار تھا لیکن پریشان میں تھا۔'' ضیاء نے کہا تو شاداب کو سب کچھ یاد آ گیا۔

''جانتے ہو تم پورے تین دن بعد ہوش میں آئے ہو۔'' ضیاء کہہ رہا تھا سینے کے اندر شاداب کا دل تڑپ رہا تھا۔ اس نے سوچا۔

''اُس دشمنِ جاں سے بچھڑے ہوئے تین دن گزر گئے جبکہ پشاور سے وہ سوچ کر آیا تھا کہ اب اس کی ایک لمحہ کی جدائی بھی برداشت نہ کروں گا اور اب پورے تین دن سے یہاں پڑا ہوں۔ گویا اس کی اور میری راہیں جدا ہوئے پورے تین دن گزر گئے اس کے باوجود میں زندہ ہوں وہ کیسی ہو گی کیا اپنی غلطی پر پشیمان ہو گی۔ اس کو کھونے کا یہ دکھ جو میرے اندر باہر پھیل گیا ہے۔ کیا وہ بھی ...... کیا اس نے بھی یہ سب محسوس کیا ہو گا''۔ شاداب نے سوچا۔

''یار یہ تمہیں بارش میں بھیگنے کی کیا سوجھی' کوئٹہ کب آئے۔'' ضیاء پوچھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

شاداب نے کوئی جواب نہ دیا آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا رہا۔ اور عائشہ کا سوچتا رہا۔

''شاداب وہ کون ہے جس کی وجہ سے تم اس حالت کو پہنچے۔'' ضیاء نے اس کا بازو آنکھوں سے ہٹا کر اس کو دیکھا۔'' شاداب بتاؤ نا وہ کون تھی۔''

''وہ شاداب کی جان تھی۔'' شاداب نے تڑپتے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا اس کو۔'' ضیاء نے سمجھا شاید وہ ہستی چل بسی ہے۔

''اس کو کچھ نہیں ہوا اور خدا نہ کرے جو اس کو کچھ ہو۔'' شاداب نے جلدی سے کہا۔

''مجھے بتانا نہیں چاہتے ہو۔'' ضیاء نے شکوہ کیا۔

''کیا بتاؤں' بتانے کو باقی بچا ہی کیا ہے۔'' شاداب کے لہجے میں کرب ہی کرب تھا۔

"کیا مطلب۔" ضیاء خود بھی اس کی یہ کیفیت دیکھ کر دکھی ہو گیا۔

"مطلب ......؟" شاداب نے کروٹ بدلی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ اس کمال سے کھیلا تھا عشق کی بازی
میں اپنی فتح سمجھتا تھا مات ہونے تک
میں اس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں عادل
جو مجھ میں زندہ ہے خود میری ذات ہونے تک

خاموش ہو کر شاداب نے تکیہ اٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔ یہ درد اس کے لئے ناقابل برداشت تھا کہ عائشہ اب اس کو کبھی نہیں ملے گی۔ عائشہ سے اس کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ پہلے کے سارے سال تو اس کو حاصل کرنے کے خوش کن احساس میں گزرتے تھے لیکن اب ...... اب تو درد کے لامتناہی سلسلے تھے جو ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ایسے میں ہر طرف گہری دھند تھی۔ جس میں شاداب کو کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا نہ ہی منزل اور نہ ہی راستہ۔

"کون تھی وہ شاداب؟" ضیاء نے تکیہ اٹھا کر اس کو دیکھا جس کی آنکھیں شدت جذبات سے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

"تنگ نہ کرو ضیاء مجھے کچھ پینے کو دو۔" شاداب نے اس کا ہاتھ ہٹایا۔

"ارے سوری مجھے خیال نہ رہا۔" ضیاء نے اٹھ کر جگ سے گلاس میں جوس انڈیلا پھر شاداب کی طرف بڑھایا تو شاداب نے کہا۔

"جوس نہیں مجھے چائے یا کافی دو۔"

"مرنا ہے خالی پیٹ چائے یا کافی پی کر۔" ضیاء نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے گلاس خود شاداب کے منہ سے لگا دیا۔

"موسم کیسا ہے ضیاء؟" شاداب نے جوس پی کر تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

"خود دیکھ لو۔" ضیاء نے اٹھ کر کھڑکی سے پردہ ہٹا دیا۔ میس کے برآمدے کے سامنے جلتے ہوئے بلب کی روشنی میں رات ہونے کے باوجود بارش کا

شور کے ساتھ گرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"بارش ابھی تک ہو رہی ہے؟" شاداب حیرانی سے بولا۔

"ہاں آج مسلسل بارش اور برفباری کو چوتھا دن ہے۔"

"اچھا۔" شاداب کھوئی ہوئی نظروں سے دریچے کے باہر گرتے پانی کے قطروں کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا جبکہ ضیاء خود بھی گہری سوچ میں گم تھا شاداب نے اپنی ناکامی کی کہانی ایک شعر میں کہہ دی تھی۔ ضیاء نے ایک گہری نظر شاداب پر اور اس کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"کون ہو گی وہ بے وقوف لڑکی جس نے ایسے لائق عظیم اور خوبرو مرد کو ٹھکرا دیا۔ کوئی سنگدل ہی ہو گی ورنہ ایسے مردوں کی تو لڑکیاں تمنا کرتی ہیں کیا کمی ہے شاداب میں۔ خوبرو ہے ایک اچھے عہدے پر فائز ہے پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟"

"یار تمہارا اردلی کہاں ہے؟" اچانک شاداب نے پوچھا۔

"کیوں اردلی سے اس وقت کیا کہنا ہے؟" ضیاء نے پردہ برابر کرتے ہوئے شاداب کو دیکھا۔

"کام ہے یار مجھے اس سے۔" شاداب نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کام ہے مجھے بتاؤ میں کر دیتا ہوں؟" ضیاء نے پورے خلوص سے کہا۔

"تمہارے کرنے والا نہیں اور تم بیٹھے کیوں ہو لیٹ جاؤ رات کا ایک بج گیا ہے۔" شاداب نے کہا تو ضیاء بولا۔

"نیند نہیں آ رہی۔ تمہاری وجہ سے میں تین دن بہت پریشان رہا ہوں۔ اور جاگتا بھی رہا ہوں۔ اب نیند نخرے تو دکھائے گی ویسے تم کیا محسوس کر رہے ہو ٹھیک تو ہو نا اب؟"

"زندہ ہوں اتنا کافی ہے اور زندہ ہی رہوں گا کہ جان جیسی سستی چیز ضائع کرنے کا فائدہ! مشکل کام تو زندہ رہنا ہے۔" شاداب کے لہجے میں تلخی ہی تلخی تھی ضیاء کچھ نہ سمجھا حیران ہو کر پوچھا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم یار؟''

''کچھ نہیں یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی یار میں یہاں سے
جانا چاہتا ہوں۔''

''فی الحال تو موسم تمہیں جانے کی اجازت نہیں دے گا اور پھر جاؤ
کہاں؟'' ضیاء نے پوچھا۔

''فی الحال تو چارسدہ جاؤں گا امی کے پاس پھر پتہ نہیں کہاں' کہاں
پڑے گا'' شاداب نے کہا اور لیٹ گیا تو ضیاء نے پوچھا۔

''لائٹ آف کر دوں اب تم ٹھیک ہو نا؟''

''ہاں' ہاں کر دو میں ٹھیک ہوں اور ٹھیک ہی رہوں گا میری فکر نہ کرو۔''

پھر ضیاء بھی اس کے قریب لیٹ گیا اور جلد ہی سو گیا مگر شاداب
ساری رات جاگتا رہا اور سوچتا رہا۔

صبح ضیاء کا اردلی آیا تو شاداب نے کہا۔

''کہیں جانا مت مجھے تم سے بہت ضروری کام ہے۔'' اور وہ
اچھا'' کہہ کر ضیاء کے کام کرنے لگا اور جب ضیاء ڈیوٹی پر چلا گیا تو شاداب
اس کو عائشہ کا ایڈریس دیتے ہوئے کہا۔

''اس پتے پر جاؤ اور جو بھی ملے ان سے کہنا میجر صاحب اپنا سفری
مانگتے ہیں۔''

''یس سر'' اردلی نے کہا اور باہر نکل گیا شاداب نے دریچے کے باہر
ڈالی جہاں مطلع بالکل صاف تھا اور نرم نرم دھوپ نہ صرف حرارت پہنچا رہی تھی
روشنی کا کام بھی کر رہی تھی۔ چار' پانچ دن موسم سخت خراب ہونے کی وجہ سے
کے نہ نکلنے کی وجہ سے دن پر بھی رات کا ہی گمان ہوتا رہا تھا۔ اردلی کے آنے
شاداب بستر میں ہی پڑا رہا تھا۔

''لیجئے سر'' اردلی نے بیگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا شاداب
اٹھ بیٹھا اور اردلی نے کہا۔

''سر' جن صاحبہ سے میں یہ بیگ لایا ہوں وہ آپ کی خیریت پوچھ

''کہنا تھا فکر نہ کریں زندہ ہیں۔'' شاداب نے تلخ لہجے میں کہا۔ اردلی
حیران ہو کر شاداب کو دیکھا پھر کہا۔

''سر میں نے ان کو بتا دیا کہ آپ کی طبیعت تین دن بہت خراب رہی
ن اب کچھ ٹھیک ہے۔''

''پھر؟'' شاداب نے جلدی سے پوچھا وہ سننا چاہتا تھا کہ جواب میں
شہ نے کیا کہا، کیا وہ اس کے لئے پریشان تھی؟ شاید یہی بات تھی۔

''پھر کچھ نہیں سر وہ میری بات سن کر چپ رہیں تاہم وہ خود بھی بہت
ت بیمار ہیں۔'' اردلی نے بتایا۔

''کیا؟'' بیگ کی زپ کھولتے ہوئے شاداب کے ہاتھ رک گئے۔

''جی سر بہت بار دستک دینے پر وہ دروازہ کھولنے آئی تھیں اور معذرت
رتے ہوئے کہا۔ ''معاف کرنا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے دیر ہو گئی۔''
ردلی ہمدردی میں نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا مگر شاداب تو سوچ میں گم تھا۔ اس کی
یعت ٹھیک نہیں وہ اکیلی ہے اگر ایسے میں کچھ ہو گیا تو کیا مجھے اس کے پاس جانا
ہئے کیا وہ میری آمد کو پسند کرے گی؟۔

''اونہہ بیمار ہے تو رہے بیمار۔ ان تنہائیوں کا انتخاب اس نے خود کیا ہے
ب بھگتے مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جانے کی یا پوچھنے کی'' اس نے بیگ کھول کر
یک نظر ڈالی سب سے اوپر اس کی وردی تہہ کر کے رکھی گئی تھی اور یہ کام ظاہر ہے
عائشہ نے کیا تھا کیونکہ اس نے تو وردی ہینگر میں لٹکا کر وارڈ روب میں رکھی تھی
شاداب نے وردی نکالی اور دیکھا باقی چیزیں ویسے ہی رکھی تھیں جیسے شاداب نے
خود رکھی تھیں گویا اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ صرف وردی تہہ کر کے بیگ
میں رکھی تھی۔ شاداب نے وہ چھوٹی ڈبیہ کھول کر دیکھی انگوٹھی اس میں موجود تھی۔ وہ
کتنی دیر انگوٹھی کو دیکھتا رہا پھر ''ہنہ'' کہہ کر انگوٹھی بیگ کے ایک کونے میں ڈال کر
سری سے پیسوں والا بٹوہ نکال کر دیکھا ساری رقم ویسے ہی پڑی تھی اور بٹوے کے
رے حصے میں عائشہ کی تصویر بھی ویسے ہی موجود تھی جیسے شاداب نے خود رکھی

تھی۔ ''اونہہ خود مختار ہیں ان کو کیا ضرورت ہے کسی چیز کی۔'' وہ غصے سے بڑبڑایا۔

''کیا ہوا سر؟'' اردلی پوچھنے لگا۔

''کچھ نہیں۔ تم جلدی سے یہ وردی استری کرو، دیر نہیں کرنا'' شاداب نے کہا اور خود تولیہ لے کر غسل خانے میں چلا گیا۔ وہ غسل کر کے باہر آیا تو اردلی وردی استری کر چکا تھا شاداب نے وردی پہن کر بالوں میں برش کیا اور پھر اردلی ضیاء کے لئے پیغام دے کر باہر نکل آیا۔ میس کے گیٹ کے باہر ہی اس کو ٹیکسی مل گئی ایک جوڑا اس میں سے اترا تھا۔ شاداب نے بیگ پچھلی سیٹ پر پھینکتے ہوئے ڈرائیور کو ایئر پورٹ چلنے کو کہا اور خود بھی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

کوئٹہ کا موسم بارش اور برفباری کے بعد بہت خوبصورت ہو رہا تھا۔ ہر چیز دھلی دھلی لگ رہی تھی۔ مگر شاداب ان سب باتوں سے لاپرواہ آنکھیں بند کیے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

ائر پورٹ پر اس کو ٹکٹ کے حصول میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی تھی مگر اپنی وردی کی وجہ سے اس کو آسانی سے اسلام آباد کا ٹکٹ مل گیا تھا اور اسلام آباد سے پشاور کا ٹکٹ بھی اسی آسانی کے ساتھ مل گیا۔

پشاور ائر پورٹ سے ٹیکسی پکڑ کر وہ سیدھا میس گیا اور پھر وہاں سے جیپ لے کر چارسدہ روانہ ہو گیا تھا۔

جیپ گھر کے باہر روک کر جب وہ گھر میں داخل ہوا تو ماں دھلے ہوئے کپڑے پھیلا رہی تھی شاداب کو اچانک سامنے دیکھ کر چونک پڑی پھر کپڑے وہیں چھوڑ کر وہ شاداب کی طرف بڑھیں تو سلام کرتے ہوئے شاداب اس کے گلے لگ گیا رقیہ نے اس کا منہ چوما پھر دعائیں دیتے ہوئے پوچھا۔

''اچانک کیسے آ گئے بیٹا؟''

''آپ سے ملنے آیا ہوں اور آپ آج بھی کام میں مصروف ہیں۔ اب میں آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' شاداب نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! کام اب سب مل کر کرتے ہیں اب تو مینا بھی بڑی ہو گئی ہے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کام کرتی ہے اور بھابھی خود بھی کام کرنے لگی ہیں۔'' رقیہ

نے اس کا غصہ کم کرنے کے لئے کہا۔

''خیر اس بار میں آپ کو ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔'' شاداب نے ماں کے ساتھ صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جاؤں گی تمہارے ساتھ لیکن اب پہلے تمہاری شادی کروں گی۔'' رقیہ نے ایسے میں وہی بات کی جو مائیں بیٹوں کے جوان ہونے پر کرتی ہیں خاص کر کمانے کے بعد!

''میری شادی۔'' شاداب کے اندر آگ جل اٹھی۔

''ہاں تمہاری شادی۔ کب سے نوکری کر رہے ہو لیکن جب بھی شادی کا کہتی تم کہتے کہ ماں ذرا میجر بن جانے دو پھر تمہاری خواہش پوری کر دوں گا اب تو تم میجر بن چکے ہو بلکہ بہت پہلے کے بن چکے ہو اب کیا رکاوٹ ہے؟''

''ہاں میجر تو بن گیا ہوں مگر......'' شاداب نے حسرت بھری سانس لی۔

''اگر مگر ختم اب میں انتظار نہیں کر سکتی اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دو۔ ورنہ میں اپنی مرضی سے تمہاری شادی کر دوں گی۔'' رقیہ محبت سے اس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ایک دم ہی شاداب کا موڈ آف ہو گیا اور اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''امی میری شادی کو بھول جائیں۔ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں آخر آپ کے سر پر میری شادی ہی کیوں سوار رہتی ہے؟''

''اور کوئی اولاد جو نہیں ہے میری۔ جب ہے ہی تو پھر تیری ہی شادی کی بات کروں گی۔''

''مجھے نہیں کرنا شادی۔'' شاداب نے دبے لہجے میں کہا۔

''دیکھتی ہوں کیسے نہیں کرو گے۔ ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی اور تمہیں بھی اب شادی کرنا ہی ہو گی۔''

''کیسے کا کیا مطلب؟ جب میں نے خود فیصلہ کیا ہے کہ میں شادی نہیں کروں گا۔ آپ میرے ساتھ چلنے کی تیاری کریں۔'' وہ غصے سے بولتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''اگر تم شادی نہیں کرو گے تو میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی مجھے وہاں جا کر قید تنہائی میں نہیں رہنا تم خود تو ڈیوٹی پر چلے جایا کرو گے اور میں وہاں تنہا کروں گی؟'' شاداب چپ رہا کہ یہ بات صحیح بھی تھی اس کو چپ دیکھ کر پھر رقیہ نے محبت سے کہا۔

''بیٹا تم شادی کر لو گے تو میں تمہارے ساتھ چلوں گی پھر تمہاری دلہن ہو گی نا میرے ساتھ باتیں کرنے کے لئے اور پھر میرے پوتے' پوتیاں بھی تو جائیں گی۔''

''امی! بس کریں خدا نے آپ کی قسمت میں نہ تو بہو لکھی ہے اور پوتے' آپ کی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں ہو سکتی مجھے نفرت ہے شادی سے ......اور عورتوں سے بھی آپ میرے ساتھ چلیں گی یا......؟'' شاداب نے غصے سے کہا

''نہیں اگر تم شادی نہیں کرو گے تو میں بھی تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' رقیہ نے بھی غصے سے کہا۔

''اچھی بات ہے پھر رہیں ساری عمر یہیں۔'' وہ غصے سے بڑبڑاتا ہوا جیپ میں آ بیٹھا اور پھر جیپ اسٹارٹ کر کے اس کو فل اسپیڈ پر چھوڑ دیا۔

وہ ماں کو کھل کر دل کا درد نہ بتا سکا تھا۔ بتاتا بھی کیسے جبکہ سب کچھ ہو گیا تھا ''اوہ کاش عائشہ آپ سمجھ سکتیں کہ آپ نے مجھے برباد کر کے رکھ دیا۔ مجھے کہیں کا نہیں رہنے دیا آپ کی محبت نے۔'' وہ طوفانی رفتار سے واپس میس پھر وردی اتار کر شلوار سوٹ پہنا اور ایک بار پھر جیپ میں آ بیٹھا اب وہ پھر کلب کی طرف جا رہا تھا اپنے اندر جلنے والی آگ کو وہ ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا کسی طریقے سے۔

☆☆

پھر ایک دم سے شاداب نے اپنی زندگی کا انداز بدل دیا تھا اپنے اندر آگ کو بجھانے کے لیے اس نے اپنی پوری نیک نامی داؤ پر لگا دی تھی ڈیوٹی اب بھی وہ پوری ذمہ داری سے ادا کرتا تھا لیکن اس کے بعد کی دیگر تمام مصروفیات کو شاداب نے ختم کر دیا تھا۔ وہ نہ تو شام کو اب باقاعدہ کھیلنے جاتا تھا کہ شام

اس نے کچھ اور ہی تلاش کر لیا تھا۔ اور لائبریری کو تو اس نے بالکل ہی ترک کر دیا تھا۔ وہ ڈیوٹی آف ہونے کے بعد میس واپس آتا تو یونیفارم بدلتا دو گھنٹے آرام کرتا کہ طلوع آفتاب سے پہلے اٹھ کر ایک ایک گھنٹہ پی۔ ٹی اب بھی اس کا معمول تھا کہ یہ بات صحت کے لئے مفید تھی۔ اس کے بعد وہ گھر آتے آتے تین بج جایا کرتے تھے کھانے کے بعد وہ آرام کرتا پھر خوب بج سنور کر وہ جیپ لے کر کبھی کلب کبھی ہوٹل اور کبھی کسی کے گھر...... کبھی پارک۔

یہ آج کل اس کی سب سے اہم مصروفیات تھیں کلب جانے کی وجہ سے بہت ہی خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں سے اس کی دوستی ہو چکی تھی لیکن یہ دوستی دائمی کسی کے ساتھ بھی نہ تھی۔

چند روز بعد ہی اس کا دل ایک لڑکی کی دوستی سے بھر جاتا تو وہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری کی تلاش شروع کر دیتا لیکن بات پھر وہی ہوتی چند روز بعد وہ اس لڑکی کو بھی چھوڑ دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے حلقہ احباب میں بہت سی لڑکیاں شامل ہو گئی تھیں۔ وہ جس نے کبھی خود کو کسی پاکدامن دوشیزہ کی طرح بچا کر رکھا اور سمجھتا تھا کہ اس پر اور اس کی محبت پر صرف عائشہ کا حق ہے وہ جس نے راہ چلتے بھی ایک نظر ادھر ادھر نہ ڈالی تھی اب عائشہ کون تھی؟ کیا تھی؟ اور کبھی اس سے شاداب کی بہت گہری وابستگی رہی تھی' وہ یہ سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔ وہ جو سال میں ایک بار اس کو کارڈ اور خط لکھا کرتا تھا وہ بھی چھوڑ دیا تھا۔ وہ مکمل طور پر اس کو بھول جانا چاہتا تھا تاہم یہ الگ بات ہے کہ باوجود ان تمام کوششوں کے وہ ابھی تک اس کو بھولنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ عائشہ سے جدا ہونے کے بعد جب پہلا نیا سال آنے والا تھا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کارڈ خرید لایا تھا اور اس پر بجائے خیریت اور دعا لکھنے کے جلے دل سے لکھا تھا۔

یہ دعا ہے آتشِ عشق میں تو بھی میری طرح جلا کرے
نہ نصیب ہو تجھے بیٹھنا ترے دل سے درد اٹھا کرے

ترے سامنے ترا گھر جلے ترا بس چلے نہ بجھا سکے
ترے منہ سے نکلے یہی دعا کہ نہ گھر کسی کا جلا کرے

فوجی زندگی بھی خانہ بدوشی کی زندگی ہوتی ہے۔ ڈیوٹی جوائن کرنے سے لے کر ریٹائرمنٹ تک ٹک کر بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملتا' شاداب کا بھی ٹرانسفر ہوتا رہا کبھی ایک شہر میں اور کبھی دوسرے شہر میں اور وہ خوشی خوشی یہ سب بات برداشت کرتا رہا کہ اس طرح اس کو کسی لڑکی کو خود نہیں چھوڑنا پڑتا تھا ٹرانسفر کی صورت میں وہ دوستی خود بخود ختم ہو جاتی تھی۔ ان مشاغل میں اب وہ سب بھول چکا تھا۔

چارسدہ تو پھر کبھی جا ہی نہ سکا تھا اور نہ ہی اب ماں کو خط لکھتا حالانکہ ماں کے خط باقاعدگی سے آتے تھے جن میں اس کے چارسدہ آنے اور شادی کرنے کا مطالبہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے شاداب خط کا جواب ہی نہ دیتا تھا وہ ماں کو سمجھا نہیں سکتا تھا کہ وہ مجبور ہے اس نے قسم کھائی ہے کہ اس کے نکاح میں صرف عائشہ ہی آئے گی جبکہ عائشہ سے تو اب اس کا ہر تعلق ہی ختم ہو چکا تھا پھر شادی کرنے کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

وہ پشاور میں چھ ماہ رہنے کے باوجود چارسدہ نہ گیا تھا۔ پھر وہاں سے ٹرانسفر ہوا تب بھی وہ ماں سے مل کر رخصت نہ ہوا تھا۔ تاہم پیسے وہ اب باقاعدگی سے ماں کے نام بھیجا کرتا تھا۔

شہروں شہروں پھرتے ہوئے پورے دو سال گزر گئے تھے ان دنوں وہ ملتان میں تھا جب اس کا ٹرانسفر اچانک راولپنڈی جی ایچ کیو میں کر دیا گیا اور وہ ملتان سے راولپنڈی چلا آیا اس شہر میں زندگی کے اپنے ہی رنگ تھے شاداب یہ ٹرانسفر ہونے پر بہت خوش تھا

اس دن وہ ڈیوٹی آف ہونے کے بعد کچھ ضروری شاپنگ کے لئے مارکیٹ چلا گیا تھا۔ جب وہ شاپنگ مکمل کر کے آفیسرز میس میں واپس آیا تو ا... سے ضیاء آیا بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم، میں کب سے یہاں تنہا بیٹھا تمہارا انتظار کر... بولا؟"

"بس یار ذرا شاپنگ کے لئے گیا تھا۔' شاداب نے کتابیں میز پر ڈال کر باقی دوسرا سامان الماری میں رکھتے ہوئے کہا۔ ...... ضیاء نے حیرت سے میز پر پڑی کتابوں کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یار شاداب یہ تم جنگی نوعیت کی کتب پڑھتے پڑھتے شعری مجموعوں کی طرف کیسے نکل گئے؟" ضیاء کی بات پر شاداب نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی پھر کہا۔

"تم تو اچھی طرح جانتے ہو ضیاء اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے میں نے کتنی محنت اور لگن سے کام کیا ٹریننگ کا تین سالہ عرصہ تو محنت کرتے گزارا ہی تھا لیکن اس کے بعد بھی میں نے اپنی پوری توجہ کام کی طرف ہی رکھی یار دوست چھٹی بھی جاتے تھے مگر میں نے کبھی چھٹی نہ لی۔ میں چاہتا تھا کسی طرح بھی ہو کیسے بھی ہو آفیسرز خوش رہیں اور میری پروموشن ہو۔ میں تو ان دنوں یہ بھی سوچا کرتا تھا کاش کہ جنگ چھڑ جائے تاکہ مجھے اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملے اور میں جنگی پلان بناتا جنگی منصوبہ بندی کرتا مطلب ظاہر ہے صرف دو رینک تھے جنگ تو خیر نہ ہوئی لیکن قسمت کی مہربانی سے جن دو رینک کی مجھے خواہش تھی وہ مجھے مل گئے...... میں سیاہ چن گیا ہی اس نیت سے تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی کارنامہ انجام دے سکوں کہ بہت سارے نوجوانوں نے سیاہ چن پر اپنی محنت سے قبل از وقت پروموشن حاصل کی تھی۔ پھر میرا بھی یہ خواب پورا ہو گیا مجھے اپنے جوہر دکھانے کا موقع بھی ملا اور اس کا صلہ بھی میجر کے رینک کی صورت میں ...... مگر مگر وہ جس کے لئے میں نے یہ سب کچھ حاصل کیا اُس کو ہی حاصل نہ کر سکا۔ اس نے مجھے ٹھکرا دیا نفرت سے دھتکار دیا۔" وہ آنکھیں بند کر کے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"ان باتوں کا ان کتابوں سے کیا تعلق؟" ضیاء نے پوچھا۔

"تعلق ہے۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا تو میں سب کچھ بھول گیا، سمجھے کہ" شاداب نے ہنس کر اُسے دیکھا۔

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔" ضیاء نے کہا تو شاداب نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"یار لڑکیاں عشقیہ قسم کے رومانی اشعار سن کر بہت خوش ہوتی ہیں اس لئے ان کو سنانے کے لئے ...... کیا سمجھے؟" بات ختم کر کے شاداب ہنسنے لگا۔

"لیکن یاد کیسے کرتے ہو...... یاد ہو جاتے ہیں تمہیں؟" ضیاء اس کی بات سمجھ کر بہت حیران ہو رہا تھا۔

"بس یار ایک بار رٹا لگالوں تو پھر بھولتا نہیں۔ خیر تم سناؤ کیسے آنا ہوا ابھی تک کوئٹہ ہی دیکھ رہے ہو یا؟ شاداب نے پوچھا۔

"ابھی تک کوئٹہ میں ہی ہوں باقی اپنی منگنی کے سلسلے میں لاہور آیا تو سوچا تم سے بھی ملتا چلوں۔" ضیاء نے بتایا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا آج آرٹلری میس میں فنکشن ہے تم بھی چلنا میرے ساتھ" شاداب نے اردلی کو چائے کے لئے میس کی کینٹین میں بھیجتے ہوئے کہا اور ضیاء نے اس کے ساتھ جانے کی حامی بھر لی تھی۔

مقررہ وقت پر وہ دونوں خوب اچھی طرح تیار ہو کر آرٹلری میس چلے گئے تھے بلکہ خوب اچھی طرح تیار تو صرف شاداب ہی ہوا تھا۔ جب وہ پرفیوم کی پوری بوتل خود پر انڈیل رہا تھا تب ضیاء نے اس کو چھیڑا بھی تھا کہ "تم تو لڑکیوں سے بھی زیادہ اہتمام کر رہے ہو۔"

"یار واپسی پر میرا پروگرام کلب جانے کا بھی ہے" شاداب نے شرمندہ ہوئے بغیر ہنس کر کہا تھا اور یہ سچ بھی تھا کلب تو اب وہ بلاناغہ جانے لگا تھا کہ اس کی کوئی رات کلب جائے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اس دن اس کو کلب جانے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ فنکشن میں اس کے سالانہ رپورٹنگ آفیسر کمانڈر حیدر کی وائف کے علاوہ صاحبزادی بھی شامل تھی۔ شاداب ضیاء کے ساتھ ایک طرف کھڑا کوک پیتے ہوئے باتوں میں مصروف تھا۔ ضیاء نے اسے کئی بار بتایا تھا کہ کمانڈر حیدر کی دختر نیک اختر کب سے تمہاری طرف متوجہ ہے۔ شاداب نے خود بھی یہ بات محسوس کی تھی اور سوچنے لگا تھا خود اس کے

نا جائے یا اس کا اپنی طرف آنے کا انتظار کرے۔

نبیلہ بہت دیر سے اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھ رہی تھی۔ ہلکے کریم کلر کے شلوار سوٹ میں سیاہ مفلر گلے میں ڈالے وہ سب سے لاپرواہ کوک پیتے ہوئے اپنے ساتھی سے باتوں میں مصروف تھا۔ وہ بہت دیر تک اس کو دیکھتی رہی اور آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود ہی تعارف حاصل کرنے چلی آئی۔ شاداب اور ضیاء تو پہلے ہی محسوس کر چکے تھے کہ وہ ان کی طرف متوجہ ہے اور اب اس کے قریب آنے پر ضیاء تو نہیں البتہ شاداب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"مجھے نبیلہ کہتے ہیں کمانڈر حیدر کی بیٹی ہوں۔" وہ خود ہی اپنا تعارف کراتے ہوئے بولی

"جی میں جانتا ہوں۔" شاداب نے اپنی دلکش مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اس کو دیکھا۔

"اچھا آپ مجھے جانتے ہیں حیرت ہے میں تو آپ کو نہیں جانتی"۔

"میں ابھی حال ہی میں ملتان سے ٹرانسفر ہو کر آیا ہوں۔" شاداب اس میں پوری دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

"آپ کا نام؟"۔ وہ خود ہی پوچھنے لگی حالانکہ اس کے تعارف کے بعد اپنا تعارف کروانا شاداب کا فرض تھا لیکن وہ سوچ رہا تھا دوستی کرے یا نہ کرے کہ وہ اس کے آفیسر کی بیٹی تھی۔ آخر اس نے دوستی کا فیصلہ کر لیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔

"مجھے شاداب کہتے ہیں میجر شاداب خان آفریدی۔" اس نے اپنا پورا نام بتانا ضروری سمجھا۔

"اوہ آپ میجر ہیں" وہ حیرت سے شاداب کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اتفاق سے" شاداب اس کو دیکھتے ہوئے مسکرایا لیکن آداب محفل نہیں بھولا تھا۔ اس کو معلوم تھا یہ کلب نہیں آرٹلری میس ہے اس لیے وہ تھوڑا سا محتاط تھا۔ نبیلہ خود ہی زیادہ بولتی رہی اور شاداب سنتا رہا۔

فنکشن سے اگلے دن ضیاء اس کو یہ سمجھاتے ہوئے رخصت ہو گیا تھا کہ

''نبیلہ سے ذرا کم ہی دوستی رکھنا ایسا نہ ہو وہ تمہاری شکایت باپ سے کردے اور اس کا باپ تمہاری سالانہ رپورٹ خراب کردے۔''

''پرواہ نہ کرو اوّل تو ایسا ہوگا ہی نہیں اور اگر ہوا بھی تو مجھے کوئی خاص پرواہ نہیں اب مجھے پروموشن کی بھی تمنا نہیں رہی جس کے لیے یہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جب اس کو ہی حاصل نہیں کرسکا تو پھر فائدہ اور آخری بات یہ کہ وہ لڑکی خود میری طرف آئی تھی میں اس کی طرف نہیں گیا تھا اب اگر وہ میری دوستی چاہے گی تو میں انکار نہیں کروں گا۔''

''پھر بھی احتیاط کرنا۔'' کہہ کر ضیاء چلا گیا تھا شاداب نے اس کی بات پر توجہ ہی نہ دی تھی۔

یہ آرٹلری فنکشن کے چند روز بعد کی بات ہے جب شاداب اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کا فون آ گیا شاداب کو اس کا فون سن کر حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ کمانڈر کی بیٹی تھی شاداب کے رینک اور رجمنٹ کا معلوم ہونے کے بعد نمبر حاصل کرنا اس کے لیے کچھ مشکل بات نہیں تھی۔ اس کا فون ریسیو کرکے شاداب کو خوشی ہوئی تھی۔

''کہیئے کیسے یاد کیا؟'' شاداب خوشگوار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''ہم نے سوچا آپ تو شاید بھول چکے ہیں ہم ہی یاد کر لیتے ہیں۔'' ناز سے بولی۔

''ارے آپ بھی کوئی بھولنے والی چیز ہیں۔'' شاداب نے شوخی سے کہا۔

''آپ مجھ سے مل سکتے ہیں۔''

''جی حکم کریں میں حاضر ہو جاؤں گا۔'' شاداب نے لگاوٹ سے کہا۔

''اچھا تو پھر خود ہی بتا دیں کہاں ملیں گے؟''

''اب میں کیا عرض کروں آپ جہاں کہیں میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

''دامن کوہ ٹھیک رہے گا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''آپ کہہ رہی ہیں تو ٹھیک ہی رہے گا۔'' شاداب نے اس کو خوش کرنے کے لیے کہا۔

''آپ آئیں گے نا؟ دیکھیئے ڈیوٹی آف ہوتے ہی چلے آیئے گا۔'' وہ
رنے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''جی بندہ حاضر ہوجائے گا آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں یہ بھلا کیسے
ہے۔'' شاداب نے پھر لگاوٹ سے بھرپور لہجے میں کہا تو نبیلہ نے خدا حافظ
ر فون بند کر دیا۔ شاداب نے ہاتھ میں پکڑے ریسیور کو دیکھا پھر کاندھے
ے ہوئے کریڈل پر ڈال دیا۔

ڈیوٹی آف ہوتے ہی وہ سیدھا میس آیا اور لباس بدل کر دامن کوہ روانہ
جب وہ نبیلہ کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچا تو وہ پہلے ہی سے وہاں موجود تھی
ب کو دیکھتے ہی وہ کھل پڑی اور ہاتھ ہلاتے ہوئے بغور شاداب کو دیکھنے لگی۔
پینٹ شرٹ میں بغیر ٹائی کے وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ نبیلہ بے خودی اس کو
رہی۔

شاداب اپنی مردانہ وجاہت کو اچھی طرح جانتا تھا۔ تاہم اس کا فائدہ اس
ب اٹھانا شروع کیا تھا ورنہ پہلے تو وہ صرف عائشہ کے تصور میں ہی گم رہتا

''نظر لگانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔'' شاداب نے شوخی سے نبیلہ کو دیکھتے
کہا تو وہ چونک پڑی پھر مسکرا دی۔

''کیا پروگرام ہے؟'' شاداب نے اس پر نظر جماتے ہوئے پوچھا۔

''جگہ کا تو میں نے بتا دیا تھا اب پروگرام بھی مجھے ہی طے کرنا ہوگا'' نبیلہ
لا کر کہا اور کھڑی ہوگئی۔

پھر دامن کوہ کے پہاڑوں پر وہ بہت دیر تک نبیلہ کے ہاتھ میں ہاتھ
گھومتا رہا باتیں کرتا رہا اور ساتھ ساتھ اس کی ہلکی پھلکی تعریف بھی۔ اس کے
ماپوچھے پھر اگلے دن ملنے کا وعدہ لے کر وہ رخصت ہوگیا۔

اور اس کے بعد تو یہ ملاقاتیں حسب توقع روز ہونے لگی تھیں نبیلہ اب کھل
اداب کی محبت کا دم بھرنے لگی تھی اب وہ دامن کوہ کے علاوہ مری وغیرہ کی
بھی نکل جایا کرتے تھے۔ شاداب نبیلہ کو خوب اچھے اچھے رومانی اشعار سناتا ا

سکی دل کھول کر تعریف کرتا۔ وہ سب کچھ سنتی لیکن جب شاداب اس حجاب
پھلانگنے کی کوشش کرتا تو وہ پیار سے شاداب کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہتی۔
''ابھی نہیں میجر صاحب! میں تھوڑی آزاد خیال لڑکی ضرور ہوں مگر
ویسی نہیں اور آپ کو اتنی آزادی بھی اس لیے حاصل ہے کہ میں آپ سے
کرنے لگی ہوں لیکن باقی باتوں کی اجازت آپ کو شادی کے بعد ملے گی۔''
شاداب خفا ہو جاتا کہ ''پیار بھی کرتی ہو اور پابندی بھی لگاتی ہو۔''

''جناب اگر اور انتظار نہیں کر سکتے تو ڈیڈی سے بات کر لیجئے۔''
شاداب کو خوش کرنے کے لیے کہتی جبکہ شاداب یہ سن کر پریشان ہو جاتا۔

پھر تو نبیلہ کی عادت بن گئی شاداب جب بھی دائرے سے باہر ہونے
وہ اس کو ڈیڈی سے ملنے کا مشورہ دیا کرتی۔ دو اڑھائی مہینے یونہی غارت ہو گئے
شاداب کے اپنے خیال میں اور پھر وہ سچ مچ نبیلہ سے بیزار ہو گیا اور نبیلہ سے
بھی چھوڑ دیا لیکن نبیلہ اب اس کو چھوڑنے والی نہیں تھی۔ جب بہت دن
شاداب اس سے نہ ملا تو وہ اس سے ملنے میں چلی آئی۔

شاداب ڈیوٹی سے آیا تو اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر بہت حیران
پھر اردلی کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے نبیلہ کو دیکھنے لگا۔ رونے سے اس
آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اردلی کے باہر جاتے ہی وہ کھڑی ہو گئی اور بھرائی
آواز میں بولی۔

''کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا کیوں مجھ سے بچ رہے ہیں؟''

''یہ تم خود سے پوچھو۔'' شاداب نے خشک لہجے میں کہا۔

''تمہیں میری ہر بات ہر حرکت پر اعتراض ہے ہر وقت پابندی یہ نہ
وہ نہ کریں۔ جب تمہیں مجھ پر اعتبار ہی نہیں تو پھر ملنے کا فائدہ سو میں نے
چھوڑ دیا۔''

''آئی۔ ایم سوری'' وہ شاداب کے سینے سے لگتے ہوئے بولی شاداب
نے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ لیے اور بے حس و حرکت کھڑا رہا نبیلہ روتی رہی اور
رہی۔

''آپ نہیں جانتے ان گزرتے دنوں میں مجھ پر کیا گزری ہے میں آپ
ی ناراضگی نہیں سہہ سکتی۔ میں آپ سے دور نہیں رہ سکتی''
''شاداب ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ اس کی کھلی آنکھوں میں عائشہ کا سراپا
ہر رہا تھا وہ بھی یونہی اس کے سامنے گڑگڑایا تھا اس سے کہا تھا وہ اس کے بغیر
وہ نہیں رہ سکے گا۔ جان دے دے گا۔ جواب میں اس نے جو کہا اس نے
شاداب کو اندر باہر سے توڑ کر رکھ دیا تھا یہ عائشہ کی باتوں کا ردِعمل ہی تو تھا جو وہ
ن راہوں پر چلا آیا تھا اس کے اندر آگ سی جل اٹھی۔
''پلیز معاف کردیں اب کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ نبیلہ کی آواز سن کر چونکا
ر مسکرا کر اس کو دیکھا اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر جھک گیا۔
کچھ دیر بعد ہی وہ اس کے ساتھ ہوٹل جارہا تھا۔ نبیلہ نے راستے میں
ے بتایا۔
''شابی! میں نے مما سے بات کر لی ہے میں نے ان کو بتایا تھا کہ میں
ج نہیں ساتھ لے کر گھر آؤں گی۔'' شاداب نے گاڑی چلاتے ہوئے اس کو
کھا پھر جیپ سڑک کے کنارے روک کر پوچھا۔
''کیا کہا تھا تم نے اپنی مما سے؟''
''آپ ناراض جو تھے۔ میں نے سوچا اب وقت آ گیا ہے کہ مما سے
کر لی جائے۔ میں نے ان کو تمہارے بارے میں بتا دیا اور کہا کہ آج شابی
کے کھانے پر میرے ساتھ گھر آئے گا۔ اب مما نے ڈیڈی کو بتا دیا ہوگا چلیں
ئے آپ میرے ساتھ گھر؟'' وہ شاداب کے کاندھے سے لگی پوچھ رہی تھی اور
شاداب دانت پیس رہا تھا پھر اس نے غصے سے کہا۔
''نبیلہ تمہیں مجھ سے پوچھے بغیر ان کو وقت نہیں دینا چاہئے تھا۔''
''مگر کیوں آپ فارغ ہی تو ہیں؟''
''میں فارغ نہیں ہوں'' کہہ کر شاداب اس کو ہوٹل کے بجائے اس کے
گھر کے باہر یہ کہتے ہوئے ڈراپ کر گیا کہ ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے وہ واقعی
اس وقت پریشان ہوگیا تھا۔

لیکن اگلے ہی روز اس کی یہ پریشانی ختم ہوگئی جب جی۔ ایچ کیو نے اچانک اس کی خدمات کو آئی۔ ایس۔ آئی کے حوالے کر کے اس کو مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ بہت خفیہ اور حساس قسم کی تحقیقات کے لیے افغانستان بھیج دیا اور وہاں جا کر عارضی طور پر اپنے اہم مشن کی وجہ سے وہ سب کچھ بھول کر صرف کام میں مصروف رہا کہ اس کی یہ عادت تھی کام کے وقت اس کو صرف کام ہی یاد رہتا تھا اپنی ڈیوٹی اس نے ہمیشہ پوری ذمہ داری سے ادا کی تھی۔

پورے آٹھ ماہ وہ افغانستان میں مختلف بھیس بدل کر اپنی ڈیوٹی دیتا رہا کبھی کابل تو کبھی جلال آباد، گردیز، خوست، لوگر اور نجانے کہاں کہاں؟ مشن اتنا سخت تھا کہ اس کو امید نہیں تھی کہ وہ زندہ بچ کر پاکستان جا سکے گا لیکن کچھ بھی نہ ہوا اور وہ اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد جان جیسی سستی چیز کو بچا کر ٹھیک آٹھ ماہ بعد واپس پاکستان آیا تو مجاہدین افغانستان کا بہت سا حصہ آزاد کروا چکے تھے وطن واپسی پر وہ مختصر عرصہ جی ایچ کیو میں تعینات رہا پھر افغانستان میں دی جانے والی اہم ڈیوٹی پر پروموشن کے ساتھ اس کا ٹرانسفر کوئٹہ چھاؤنی کر دیا گیا۔

اور وہ میجر سے لیفٹننٹ کرنل کا رینک کاندھوں پر سجائے اس کے شہر میں چلا آیا جس کو بھولنے کے لیے اور جس سے انتقام لینے کے لیے اس نے اپنی پوری پارسائی اور نیک نامی ضائع کر دی تھی۔

وہ کوئٹہ آیا تو ضیاء ابھی تک وہیں تھا۔ تاہم اب وہ شادی کر چکا تھا اور اس کی رہائش میس کے بجائے چھاؤنی ایریا کے ایک گھر میں تھی وہ ڈیوٹی کے دوران شاداب سے ملا تھا اور جب اپنی شادی کی خبر سنائی تو شاداب مکا لہراتے ہوئے بولا۔

''اوئے میرے بغیر ہی شادی کر لی بڑے بے مروت نکلے۔''

''یار تم ان دنوں افغانستان میں تھے پھر کیا تمہارے انتظار میں شادی ملتوی کر دیتا جبکہ اس مشن میں تمہارے زندہ بچ کر آنے کی امید کم ہی تھی کہ وہاں کے جی۔ بی کے بہت سے ایجنٹوں کے علاوہ افغان فوجی بھی تمہاری خدمت کے لیے موجود تھے'' بلکہ ہیں۔ ضیاء نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔

''فرسٹ کلاس بس ایک بار رٹا لگانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر بھولتی ہیں۔'' شاداب بھی ہنسنے لگا۔

''او کے یار چلتا ہوں تم چلو نا میرے ساتھ گھر بھابھی سے نہیں ملو گے؟'' ضیاء نے اٹھتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ابھی نہیں پھر کسی دن حاضر ہو جاؤں گا۔'' شاداب نے کہا تو ضیاء چلا گیا۔

ڈیوٹی آف ہونے کے بعد شاداب میس آیا لباس بدلا پھر جیپ لے کر آوارگی کے لیے نکل گیا بہت مدت بعد آج پھر دل اس کو دیکھنے کے لیے مچلنے لگا تھا شاداب نے بہت ضبط کیا لیکن عائشہ کی محبت اس کے اپنے اختیار اور کنٹرول میں کب تھی۔ دل اپنی مرضی کے لیے تڑپنے لگا تو اس نے سوچا ایک نظر دیکھنے میں حرج ہی کیا ہے۔ یہی سوچ کر اس نے جیپ کا رخ کوئٹہ کالج والی روڈ کی طرف موڑ دیا۔

وہ کوئٹہ کالج کے سامنے سے گزرا اور اس کے نظر نہ آنے پر ایک دم ہی غصے میں آتے ہوئے جیپ کی اسپیڈ بڑھا دی اور اچانک سامنے سے آتی ہوئی دوسری گاڑی سے اوورٹیک کرتے ہوئے اس کی جیپ الٹتے الٹتے بچی پھر کچھ دیر تو سڑک کے کنارے کھڑا وہ خود کو سنبھالتا رہا اپنی بے بسی پر کڑھتا رہا بعد میں دل بہلانے کے لیے ضیاء کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ضیاء اس کو اچانک دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ اس نے کہا تھا پھر کسی دن آؤں گا اور آج ہی چلا آیا۔ لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں اور شاداب کو لیے ڈرائنگ روم میں آیا جہاں پہلے ہی اس کی بیوی کی ایک مہمان آئی بیٹھی تھی۔

''عفی یہ میرا عزیز از جان دوست شاداب'' اس نے بیوی سے کہا۔

''آداب'' ضیاء کی بیوی نے جلدی سے ہاتھ پیشانی پر لے جاتے ہوئے کہا تو شاداب کو بہت شرمندگی ہوئی کہ وہ بغیر کوئی گفٹ لیے ملنے چلا آیا سلام کا جواب دیتے ہوئے اس نے جیب سے بٹوہ نکالا اور ہزار ہزار کے پانچ نوٹ عفی

کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

''سوری بھابھی میں بغیر گفٹ کے چلا آیا ابھی آنے کا پروگرام تو نہیں تھا بس اچانک ہی موڈ بن گیا اب آپ خود اپنی پسند سے کچھ خرید لیجئے گا۔'' عفی نے حیران ہو کر پہلے ہاتھ پر رکھے نوٹوں کو دیکھا پھر ضیاء نے کہا رکھ لے۔

''رکھ لو بھئی دوست ہے میرا بہت کماتا ہے لیکن ضائع کرنے کے لیے تمہارا تو حق ہے۔ وہ تو بغیر حق کے بھی لوگوں کو گفٹ دیتا رہتا ہے بہت فراخ دل ہے''

شاداب نے گھور کر ضیاء کو دیکھا پھر کہا۔

''بھابھی اس کی بکواس پر نہ جائیں یہ بڑا خبیث ہے۔''

''میں یا تم؟'' ضیاء نے ہنستے ہوئے پوچھا تو ڈرائنگ روم میں بیٹھی عفی کی دوست نے کہا۔

''ضیاء بھائی میں بھی یہاں موجود ہوں کچھ خیال کیجئے۔''

''ارے سوری'' ضیاء نے کہا پھر شاداب کو دیکھتے ہوئے بولا۔ یہ میرا دوست ہے لیفٹیننٹ کرنل شاداب اور یہ کیپٹن ڈاکٹر ثریا آج کل کوئٹہ کے سی۔ایم ایچ میں ہوتی ہیں۔''

شاداب نے ایک گہری نظر لڑکی پر ڈالی عمر تیس، بتیس کے قریب ہوگی اس کا رنگ صاف اور نقش بس عام سے تھے لیکن شاداب کو خوبصورتی کب عزیز تھی اس کے لیے تو صرف دوستی کرنا اہم تھا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی'' شاداب نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ عورت کو پرکھنے کا اس کا یہ ایک اپنا طریقہ تھا اگر عورت یا لڑکی بے تکلفی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتی تو وہ سمجھ جاتا کہ یہ عورت آزاد خیال ہے دوستی کرنا کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔

ثریا نے ایک لحظہ کچھ سوچا پھر شاداب سے ہاتھ ملا لیا شاداب مسکرایا پھر ہاتھ چھوڑ کر ضیاء کو دیکھنے لگا جو کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

''بھابھی چائے وغیرہ ملے گی یا؟'' شاداب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ابھی لائی۔'' عفی باہر نکل گئی اور شاداب ضیاء کو بھول کر ثریا کی طرف

متوجہ ہو گیا۔

''کب سے ہیں آپ یہاں کوئٹہ میں؟'' اس نے بات چیت کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی ایک سال ہی ہوا ہے۔'' ثریا نے دل ہی دل میں اس کی وجاہت کو سراہتے ہوئے کہا۔

''پہلے کہاں تھیں آپ؟'' شاداب نے ضیاء کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔

''پہلے پشاور پھر سی ایم ایچ راولپنڈی میں تھی اب ایک سال پہلے یہاں ٹرانسفر کر دی گئی'' وہ تفصیل بتا رہی تھی۔

''اور سنائیں کیا مشاغل ہیں آپ کے؟'' شاداب معلوم کرنا چاہتا تھا وہ شادی شدہ ہے یا تنہا۔

''کچھ خاص نہیں ہاسپٹل سے فارغ ہونے کے بعد سارا وقت گھر پر رہتی ہوں یا پھر کبھی کسی فنکشن میں چلی جاتی ہوں۔''

''آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں؟'' شاداب نے پوچھا تو ضیاء نے گھور کر اس کو دیکھا مگر شاداب لاپرواہ بنا رہا بلکہ اب تو وہ دانستہ ضیاء کو دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

''جی میں نے شادی نہیں کی'' ثریا نے آہستگی سے کہا۔

''کیوں؟'' شاداب نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''بس موڈ نہ بن سکا۔'' ثریا نے کہا تھا۔

''ارے یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔ شادی میں رکھا ہی کیا ہے۔ سوائے ذمہ داریوں کے۔ میں نے بھی شادی نہیں کی'' شاداب خوش ہو کر اس کو بتا رہا تھا اور ضیاء بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔ اتنے میں عفی چائے لے کر آ گئی تو شاداب ضیاء سے باتیں کرنے لگا جس کا موڈ سخت آف تھا۔

چائے پیتے ہی ثریا جانے کو اٹھی تو شاداب بھی اجازت لے کر اٹھ گیا۔

''تم بیٹھو بھئی'' ضیاء اس کی خصلت سمجھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہیں یار اب میں بھی چلتا ہوں'' شاداب اس کی کیفیت سمجھ کر مسکرایا اور باہر نکل آیا ثریا پیدل ہی جا رہی تھی شاداب نے پوچھا۔

''آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کو ڈراپ کردوں۔''

''اوہ شکریہ!'' وہ مسکراتی ہوئی جیپ میں بیٹھ گئی اور پھر اس سے دوستی کرنا شاداب کے لیے کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ اس کو اب فریب دینے اور جھوٹی تعریف کرنے کا فن پوری طرح آچکا تھا۔ اسے معلوم تھا لڑکیاں اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوتی ہیں اور وہ خوب سے خوب تر انداز میں تعریف کرنا جانتا تھا بلکہ ساتھ موقعے کی مناسبت سے اشعار بھی پڑھ دیا کرتا تھا۔

اس وقت بھی اس نے دل کھول کر ثریا کی تعریف کی تھی اور جب ثریا کو گھر ڈراپ کرتے ہوئے شاداب نے پوچھا۔

''کیا میں کبھی کبھار آپ سے ملنے آسکتا ہوں؟'' تو اس نے بخوشی اجازت دے دی تھی بلکہ کل رات کے کھانے کی دعوت خود ہی دے ڈالی تھی جس کو شاداب نے خوشی خوشی قبول کرلیا تھا۔

☆☆☆

دو ہی ہفتوں میں وہ بے تکلفی کی ہر حد پھلانگ چکا تھا اس دوران ضیاء سے اس کا سامنا کم ہی ہوا گو کہ وہ شاداب کا بہت گہرا دوست تھا لیکن چونکہ بہت جونیئر تھا۔ اس لئے ڈیوٹی کے دوران ضیاء کا سامنا نہ کرنے کی کوشش میں شاداب کامیاب رہا تھا۔ اسے معلوم تھا ضیاء ثریا کے ساتھ اس کی دوستی کو پسند نہیں کرے گا۔ اس لئے اس نے ضیاء کے سامنے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

اس رات وہ دیر سے میس پہنچا تو ضیاء اس کے کمرے میں موجود اردلی سے باتوں میں مصروف تھا۔ جیسے ہی شاداب اندر داخل ہوا ضیاء اس کو گھورنے لگا وہ سخت غصے میں تھا اس کا غصہ دیکھتے ہوئے شاداب نے اردلی کو جانے کا اشارہ کیا اور خود سلیپنگ سوٹ لے کر غسل خانے میں چلا گیا باہر آیا تو اردلی جا چکا تھا جبکہ ضیاء کرسی پر بیٹھا تھا۔

''تم کیسے آئے اس وقت؟'' شاداب نے سوٹ پر نائٹ گاؤن پہنتے ہوئے اس کو دیکھا۔

''دو گھنٹے سے یہاں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں کہاں تھے تم؟'' ضیاء کچھ

"شٹ اپ کیپٹن ضیاء اپنے اور میرے رینک کا خیال کر کے بات کرو۔" شاداب نے سخت لہجے میں کہا۔

"شاداب تم۔" ضیاء پتہ نہیں کیا کہنا چاہتا تھا......

"سر کہہ کر بات کرو بدتمیز۔" شاداب آفیسرانہ انداز میں غرایا۔

"تم۔" ضیاء نے گھور کر اسے دیکھا اور غصے میں پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

اور شاداب مارے غصے کے کمرے میں ٹہلنے لگا یہ ضیاء کیا کہہ گیا تھا۔ "میں سمجھتا ہوں تمہیں' تمہاری خلصت اور تمہارے کردار کو۔" تو یہ میں ہوں غیرت مند پٹھان شاداب خان آفریدی وہ جو عزتوں پر قربان ہو جاتے تھے بلکہ ہو جاتے ہیں اور میں عزتوں سے کھیل رہا ہوں کیا میں یہ سب خوشی سے کرتا ہوں مجھے ان راہوں پر لانے کی ذمہ دار کون ہے؟ اور عائشہ' کاش آپ مجھے اس روپ میں دیکھ سکتیں۔ وہ کرب سے بڑبڑاتے ہوئے بیڈ پر گر گیا۔

اگلے روز اس نے ضیاء کو آپنے آفس طلب کیا تو معلوم ہوا وہ چھٹیء لے کر چلا گیا۔ شاداب اپنے رات والے رویے پر معذرت کرنا چاہتا تھا لیکن ضیاء نہ ملا شاداب بے حد پشیمان تھا اپنے رات والے رویے پر' پھر ڈیوٹی کے بعد وہ پریشان سا میس آیا تو گھر سے ماں کا خط آیا ہوا تھا' شاداب کی عادت تھی ٹرانسفر ہوتے ہی پہلا کام ماں کو ایڈریس بھیجنے کا کرتا کہ خدانخواستہ ایسی ویسی بات ہونے کی صورت میں وہ بے خبر ہی نہ رہ جائے اس نے خط کھول کر ایک نظر ڈالی ماں نے لکھا تھا ڈھیروں دعاؤں کے بعد۔

"سجاد کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے اور شادی میں تمہیں ضرور...... آنا ہوگا اگر تم نہ آئے تو پھر کبھی مجھ سے نہ مل سکو گے اور نہ پھر میں تمہیں خط لکھوں گی اور نہ ہی پھر تم مجھے پیسے بھیجنا۔"

ماں کی دھمکی پڑھ کر شاداب مسکرا دیا۔ پہلے تو ماں کے ہر خط میں صرف ایک بات ہوتی تھی اس کی شادی کی جس کی وجہ سے وہ خط کا جواب ہی نہ دیتا تھا لیکن آج انہوں نے اس کی شادی کے بارے میں کچھ نہ لکھا تھا صرف سجاد کی شادی کی اطلاع دی تھی۔

سجاد شاداب کے ماموں کا بڑا بیٹا تھا اور ابھی اس کی عمر بمشکل اکیس برس تھی اتنی جلدی شادی کرنے کی وجہ' شاداب سوچ رہا تھا۔ تاہم اس نے شادی میں جانے کا فیصلہ کرلیا تھا اور اگلے ہی دن وہ چھٹیاں لے کر ضیاء سے ملے اور معذرت کئے بغیر اپنے گاؤں چارسدہ روانہ ہو گیا۔

پشاور تک شاداب جہاز میں آیا تھا اور پھر پشاور سے کوچ میں چارسدہ' طرف روانہ ہو گیا جب وہ گھر پہنچا تو ابھی کچھ خاص مہمان نہ آئے تھے۔ ماں اس کو ہمیشہ کی طرح صحن میں کام کرتی ہوئی ہی ملی تھی یہ دیکھ کر موڈ آف ہو گیا لیکن چپ رہا اگر ماں سے کچھ کہتا تو پھر ماں اس کی شادی کی بات کرتی۔ وہ ماں سے گلے ملا تو بہت دیر تک رقیہ اس کو گلے لگائے آنسو بہاتی رہی اور کہتی رہی۔

''اس لئے شاداب میں نے دکھ اٹھا کر تیری پرورش کی تھی کہ میں تیری صورت دیکھنے کو بھی ترسوں' تیرے پاس ماں سے ملنے کے لئے بھی وقت نہ رہا ماں کی خواہش پوری کرنا تو دور کی بات ہے تو اتنا سخت دل کیسے ہو گیا؟''

''مجھے معاف کر دیں امی' اب یہ شکایت آپ کو نہیں رہے گی۔'' شاداب نے دل ہی دل میں عائشہ کا سوچتے ہوئے کہا جس کی وجہ سے اس کی ماں نے سکھ پایا تھا تو دکھ بھی دیکھا تھا مگر یہ دکھ بہرحال سکھ کے مقابلے میں کم ہی تھا کہ قاتل کی بجائے آفیسر بن گیا تھا اور مرنے کے بجائے زندہ تھا اور یہ سب عائشہ کی وجہ سے ہوا تھا ورنہ وہ تو حماد کو مارنے کے بعد اب تک خود بھی مر کھپ گیا ہوتا۔

ماں کے بعد وہ مامی سے ملا پھر سجاد اور ظہیر سے ملنے کے بعد اس کی نظر مینا پر پڑی تو وہ حیرت سے اس کو دیکھنے لگا یہ کون ہو سکتی ہے؟ اس نے دل میں سوچا تو رقیہ نے اس کی حیرت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''پہچانا نہیں' پہچانتے بھی کیسے' کہ پہلے بھی تم پانچ سال ادھر نہیں آئے اور جب آئے تو کچھ وقت بیٹھ کر ہی غصے سے چلے گئے اور اس کے بعد اب پورے تین سال بعد آئے ہو' یہ مینا ہے۔'' رقیہ نے شکوہ کرنے کے بعد تعارف کروایا۔

''ارے یہ اتنی بڑی ہو گئی؟'' شاداب نے حیرت سے اس کو دیکھتے

ہوئے کہا تو مینا بھاگ کر اندر چلی گئی۔ شاداب مسکراتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھا پھر نظر اٹھاتے ہی جیسے پتھر کا بن گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا' لیکن حقیقت تھی اس کو بے سکون بیقرار کرنے والی' وہ دشمن جاں اس کی پہلی محبت اس کے سامنے تھی۔

وہ برآمدے میں بچھی چارپائی پر اکیلی ہی بیٹھی تھی اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا اور وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔

شاداب بت بنا اس کو دیکھتا رہا حالانکہ رقیہ اس کے ساتھ ہی تھی اور عائشہ نے اس کو دیکھنے کے باوجود نظر انداز کر دیا تھا رقیہ نے جب بیٹے کو مسلسل عائشہ کی طرف دیکھتے پایا تو سمجھی شاید شاداب اسے بھی پہچان نہیں سکا اس لئے بولی۔

''شاداب! تم نے پہچانا نہیں' یہ باجی ہیں......''

شاداب یوں چونکا جیسے ابھی' ابھی کسی خواب سے بیدار ہوا ہو اور ماں کو دیکھنے لگا رقیہ سمجھی شاید وہ اب بھی پہچان نہیں سکا اس لئے کہا۔

''بیٹا یہ باجی ہیں وہی لاہور والی عائشہ باجی' تمہیں یاد نہیں وہ جو رابعہ کے ساتھ رہتی تھیں۔'' اب کے رقیہ نے تفصیل سے بتایا۔

''اوہ اچھا' اچھا۔'' شاداب یہ کہہ کر باہر جانے کو مڑا دل کے اندر ایک ہی طوفان اٹھنے لگا تھا۔ آج پورے تین سال بعد سامنا ہوا تھا اور ان تین سالوں میں وہ کیا سے کیا بن گیا تھا لیکن وہ آج بھی ویسی ہی تھی شاداب کی محبت اور اس کی موجودگی سے لاپرواہ بے خبر' جبکہ وہ آج بھی اس کی لگائی ہوئی آگ میں جل رہا تھا۔ باوجود کوشش کے اس کے اندر کی یہ آگ ابھی تک نہ بجھ سکی تھی۔

''بیٹا' سلام تو کرو۔'' رقیہ کو بیٹے کی یہ لاپرواہ ادا پسند نہ آئی تھی۔

''سلام کرنے سے کیا ہوتا ہے؟'' شاداب ماں سے پوچھنے لگا تو رقیہ نے گھور کر دیکھا۔ اس کو شاداب کے رویے پر حیرانی تھی ماں کے گھورنے پر شاداب نے عائشہ کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''سلام عرض کرتا ہوں اگر قبول کریں۔'' آخری بات اس نے آہستہ سے

کہی۔

عائشہ نے صرف سر کے اشارے سے جواب دیا' تو شاداب نے بیقرا
اور بیتاب دل کو سنبھالتے ہوئے ماں سے پوچھا ''یہ کب آئیں؟''

''آج صبح ہی تو باجی آئیں ہیں' میں نے جب تمہیں خط لکھا تھا تو با
کو بھی تاشہ سے ایڈریس لے کر لکھا تھا اور تاکید کی تھی وہ ضرور آئیں اگر وہ
آئیں تو میں ناراض ہو جاؤں گی اور باجی آ گئیں۔''

''ہاں دوسروں کی ناراضگی کا تو بہت خیال ہوتا ہے ان کو۔'' شاداب ۔
طنزیہ لہجے میں کہا' رقیہ سمجھ نہ سکی بولی۔

''میں نے ان کو لکھا تھا شاداب مجھ سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے تم
سال گزر گئے ہیں وہ نہیں آیا' ہو سکتا ہے وہ اب بھی نہ آئے مگر آپ ضرور آئی
کیونکہ میں باجی سے ملنا چاہتی تھی۔''

''جبھی یہ آئی ہیں۔'' شاداب نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی جو سنجی
شکل بنائے چائے کی سپ لینے میں مصروف تھی جیسے وہاں رقیہ اور شاداب
موجودگی سے بے خبر ہو۔ اس کی اس بے خبری پر شاداب کا دل سلگنے لگا جی
آگے بڑھ کر پوچھے جب مجھ سے محبت نہیں تو پھر میری ماں سے کیوں ہے؟ کیو
آئی ہو تم یہاں؟ لیکن ماں کی موجودگی میں وہ چپ تھا جبکہ رقیہ کہہ رہی تھی۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے باجی سے اتنی ہی محبت ہے جتنی میں تم
کرتی ہوں۔ اس لئے میں چاہتی تھی باجی بھی اس خوشی کے موقع پر موجود ہو
تمہارے آنے کا تو مجھے یقین ہی نہیں تھا لیکن باجی کے آنے کا یقین تھا مجھے.....

''کاش یہ بات آپ کی باجی سمجھ سکتیں۔'' شاداب نے حسرت سے ا
کو دیکھا وہ دونوں ماں' بیٹا کب سے اس کے قریب کھڑے باتیں کر رہے تھے لیک
وہ چپ تھی ابھی تک ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہ نکلا تھا' شاداب کو اس
خاموشی بھی کھٹکنے لگی تھی مگر ماں کے سامنے وہ چپ رہنے پر مجبور تھا اسی لئے صر
اس کو گھورنے پر اکتفا کیا۔

''ارے لگتا ہے تمہارے ماموں آ گئے ہیں۔'' رقیہ نے کہا تو شاداب

ے اس کو دیکھتے ہوئے باہر گیا وہ ماں کے ساتھ چق اٹھا کر باہر نکل گیا تو

ے نے سوچا۔

مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ یہ رقیہ نے تو لکھا تھا کہ شاداب ہم سب
دل گیا وہ اس شادی میں بھی نہیں آئے گا چھ ماہ پشاور میں رہنے کے باوجود
ے ملنے نہیں آیا وجہ آپ آئیں گی تو بتاؤں گی لیکن آپ شادی میں ضرور
ئیں۔

رقیہ کے علاوہ اس کی بھابی نے بھی پنی طرف سے دعوت دیتے ہوئے
کی تاکید کی تھی اور شکوہ بھی کہ کتنے سال گزر گئے آپ آئیں ہی نہیں اب
ادی کو ایک بہانہ سمجھ کر ہی آ جائیں کہ یہاں سب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔
کر رقیہ بہت بے تاب ہے آپ سے ملنے کے لئے آپ ضرور آئیں۔''

یہ تو خیر انہوں نے لکھا تھا جبکہ کافی عرصہ سے تاشہ بھی رابعہ کے ساتھ اس
نے کا لکھتی رہی تھی وہ آجکل ایف اے میں تھی ان سب کا سوچتے ہوئے میں
نے کا فیصلہ کیا تھا کہ وہاں کونسا شاداب کو آنا ہے۔

صبح جب میں پشاور ائیر پورٹ پر اتری تھی تو ذاکر بھائی مجھے رسیو کرنے
لئے موجود تھے وہ اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ تاشہ' ان کا بیٹا شہاب اور رابعہ
ی۔ وہ سب اسی محبت سے ملے تھے جس محبت سے پہلے ملا کرتے تھے میں ان
اتھ سیدھی رابعہ کے گھر آئی تھی پھر سامان وغیرہ رکھنے کے بعد میں ذاکر بھائی
اتھ رقیہ کے گھر آئی تھی کہ مستقل قیام کا ارادہ میرا رابعہ کے ہاں تھا میں نے
تھا کہ شادی کی رسموں میں شرکت کے لئے رابعہ وغیرہ کے ساتھ ہی آتی جاتی
ا گی لیکن ادھر آتے ہی جب رقیہ کو اس بات کا پتہ چلا کہ میں رہوں گی رابعہ
ا کے ہاں' تو اس نے شور مچایا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے مہمان ہماری اور رہے آپ کی طرف ہمارے گھر
لیا جگہ نہیں ہے۔ اگر ان کو رکھنا ہے تو شادی کے بعد لے جائیں ابھی یہ ادھر
ہیں گی۔'' کہہ کر رقیہ نے ذاکر بھائی کے ساتھ ہی ظہیر کو میرا سامان لانے کو
دیا تھا ظہیر تو ابھی تک سامان لے کر نہیں آیا تھا جبکہ شاداب آ گیا تھا میں نے

اس کو اپنے گھر سے نکالنے کے بعد آج پہلی بار دیکھا تھا وہ ویسا ہی تھا جیسا تھا' اس میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ مجھ سے سخت خفا ہو کر گیا تھ اسے دیکھ کر اس کی باتیں سن کر مجھے لگا تھا وہ ناراضگی ابھی ختم ہوئی نہیں؛ م نے سوچ لیا کہ میں اس کو مخاطب نہیں کروں گی اور اس کی باتوں کے جواب بھی چپ ہی رہوں گی اب اگر یہاں آنے کی غلطی کر ہی چکی ہوں تو اب محتاط رہنا ہوگا اور شادی کی یہ تین روزہ رسمیں ختم ہوتے ہی میں رابعہ کے ہا جاؤں گی۔ بس اتنی احتیاطی تدابیر تھیں جو میں کرسکتی تھی۔ شاداب سے مجھے ڈ لگا تھا۔

باہر صحن میں بیٹھے وہ سب ہنس بول رہے تھے شاداب باتیں کم کر اور قہقہے زیادہ لگا رہا تھا' وہ جو کبھی صرف مسکرایا کرتا تھا آج اونچی آواز میں ہ تھا شاید مجھے سنانے کے لئے۔

اچانک مینا اندر آئی اور بولی۔

"آنٹی! آپ بھی باہر آجائیں پھپھو کہہ رہی ہیں......"

"میں یہیں ٹھیک ہوں" میں نے کہا اور مینا چلی گئی میں نہیں چا شاداب سب کی موجودگی میں باتیں کرے اور لوگ کسی شک کا شکار ہوں کیو نے سامنے کونسی زبان بند رکھنا تھی اور وہ کس طرح مجھے بت بنا دیکھتا رہا تھ رقیہ نے اپنی سادگی میں یہ سمجھا کہ پہچانا نہیں اس کو کیا معلوم کہ جتنی میری اس کو ہے اتنی تو رقیہ کو بھی نہ ہوگی۔

"یار تمہیں اتنی جلدی شادی کرنے کی کیا سوجھی؟" وہ سجاد سے ا تھا جواباً" سجاد نے کہا۔

"میرا پروگرام تو نہیں تھا بس امی نے کہا کہ وہ یہ خوشی ابھی دیکھ ہیں تو بابا مان گئے اور میں نے بھی انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔"

"دیکھا تم نے سجاد نے ماں کی بات نہیں ٹالی' ایک تم ہو۔" رقیہ سے کہا۔

شاداب چپ رہا مینا نے چق اٹھا دی تھی اور اب وہ مجھے صاف

اں کی بات پر اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ ایک دم تاریک ہو گیا تھا اس نے میری ف دیکھا اور میرا دل یہ سوچ کر دھڑک اٹھا کہ وہ کہیں میرے بارے میں کچھ نہ ہہ دے لیکن وہ مجھے دیکھنے کے بعد زمین کو دیکھنے لگا تھا تب سجاد نے کہا۔

"لالہ! تمہاری عمر تو اب تیس سال ہو چکی ہے کیوں پھپھو کو تنگ کرتے ہو دی کرلو۔" جواب میں وہ پھر خاموش رہا تو سجاد نے کہا۔

"کہیں کسی سے عشق تو نہیں کر بیٹھے؟"

شاداب پھر بھی چپ رہا تو سجاد بولا۔

"چھوڑو لالہ اس عشق میں کیا رکھا ہے۔ بھول جاؤ اس کو جس کے ملنے تمہیں امید ہی نہیں تنہا رہنے سے کیا فائدہ اب پھپھو کی خواہش پوری کر ہی دو تو ہاہے دفع کرو ان فضول باتوں کو۔"

"یہ فضول باتیں نہیں ہیں۔" پہلی بار شاداب نے جواب دیا پھر کہا "اور ید پر ہی تو یہ دنیا قائم ہے پھر میں کیوں ابھی سے مایوس ہو جاؤں ویسے بھی۔"

ہر اک کی راہ میں جلتا نہیں ہے
چراغِ عشق ہے شعلہ نہیں ہے
مری تنہائی نے مجھ سے کہا تھا
جو اپنے ساتھ ہے تنہا نہیں ہے
میں اب تک اس کو بھولا بھی نہیں ہوں
مگر وہ یاد بھی آتا نہیں ہے

"ارے واہ لالہ' آپ تو کرنل ہونے کے ساتھ شاعر بھی ہو گئے۔" سجاد نے ہنستے ہوئے کہا تو پہلی بار میں نے چونک کر شاداب کو دیکھا وہ بھی میری طرف ا دیکھ رہا تھا۔ میں نے حیرت سے سوچا" وہ کرنل کب بنا' ابھی تو میجر کی مدت پوری نہ ہوئی تھی......"

"عائشہ! آپ بھی آؤ نہ یہاں۔" رقیہ کی بھابی نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا۔ "برا لگتا ہے ہم یہاں بیٹھی باتیں کریں اور آپ وہاں اکیلی بیٹھیں"۔

مجبوراً میں اٹھ کر باہر آئی تو اسی وقت شاداب کھڑا ہو گیا۔

"کہاں چلے بیٹا؟" رقیہ نے پوچھا۔

"پشاور۔" شاداب نے کہا پھر سجاد سے بولا" گاڑی کی چابی دو بھئی ذرا میری جیپ تو کوئٹہ میں کھڑی ہوگی۔"

کوئٹہ کے نام پر میں نے حیران ہو کر اس کو دیکھنا چاہا پھر رخ بدلے ہوئے بیٹھ گئی اور رقیہ کہنے لگی۔

"باجی! اب شاداب بھی کوئٹہ ہی میں ہوتا ہے آپ کا ایڈریس نہیں شاداب کے پاس ورنہ یہ آپ سے ملنے ضرور آتا۔" ماں کی بات پر شاداب۔ "ہنہ" کہا اور چابی لے کر جیسے ہی جانے لگا تو رقیہ نے پھر پوچھا۔

"پشاور کیا لینے جا رہے ہو ادھر بہت کام ہے' اب آئے ہو تو ماموں دل تو خوش کرو۔"

"ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں ہو سکتا ہے رات کو نہ آسکوں۔" کہتا ہوا جلدی سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی ظہیر میرا سامان لے کر آ اور رقیہ اس کو لے کر خود اندر چلی گئی میں کچھ دیر بیٹھی رقیہ کی بھابی سے باتیں کر رہی پھر رابعہ کی امی کے گھر جانے کی اجازت لے کر اٹھ گئی۔ پھر رات کا کھانا کر ہی ان لوگوں نے مجھے آنے دیا۔ رات کو میں واپس ادھر آئی تو رقیہ بڑبڑا ر تھی۔

"کیا ہوا آپا؟" میں نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں باجی۔" وہ میرے ساتھ میرے کمرے میں آتے ہو بولی۔ "شاداب نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔"

"کیا کیا ہے اس نے؟" میں نے اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے پوچھا حالانکہ پوچھنا چاہتی نہیں تھی۔

"باجی! شادی کے لئے مانتا ہی نہیں ہے کہتا ہے میں ساری زندگی شاد نہیں کروں گا۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے اس لڑکے کو۔ بھلا لڑکے بھی کبھی شادی انکار کرتے ہیں۔"

"آپ نے وجہ نہیں پوچھی؟" میں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجا

کر پوچھا۔

"پوچھی تھی' کہتا ہے مجھے شادی کے نام سے نفرت ہے اور مجھے عورتوں سے بھی شدید نفرت ہے۔ پہلے تو جب نوکری پر لگا تھا اور میں نے شادی کی بات کی تھی تو کہتا تھا بس ماں ذرا مجھے میجر بن جانے دیں پھر تمہاری یہ خواہش بھی پوری کردوں گا' دعا کرنا مجھے جلد ہی میجر کا رینک مل جائے اور جب میجر کا رینک مل گیا تب یہ خود بدل گیا مجھے تو حیرت ہوتی ہے اس کو دیکھ کر یہ وہی شاداب ہی ہے یا کوئی اور ہے۔"

"کیا ہوا؟" میں نے پھر پوچھا۔

"ہونا کیا ہے' مجھ سے ملنے آیا اور اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا' تب میں نے کہا پہلے شادی کرو پھر چلوں گی تم ڈیوٹی پر چلے جایا کرو گے میں اکیلی کیا کروں گی۔ بہو ہوگی تو باتیں کرتی رہوں گی اور خدا نے رحمت کی تو پوتے' پوتی کھلانے کو مل جائیں گے۔" میری بات سنتے ہی غصے سے بولا۔

"ماں تمہاری قسمت میں نہ تو بہو ہے اور نہ ہی پوتا' پوتی۔" اور اسی وقت چلا گیا حالانکہ پانچ سال بعد چارسدہ آیا تھا' تب کا گیا اب آیا ہے آپ کے سامنے ہی تو آیا ہے آپ نے دیکھا وہ کتنا بدل گیا ہے......"

میں چپ رہی کہتی بھی تو کیا کہ اس کے بدلنے کی ذمہ دار میں ہوں' پہلے بھی اور اب بھی جب وہ قاتل بننے والا تھا تب میں نے سمجھا بجھا کر اس کو پڑھائی کی طرف متوجہ کیا تھا اور اب شادی سے انکار کرکے اس کو مایوس کیا تھا۔

"باجی" رقیہ پھر کہہ رہی تھی۔ "آپ کی بات مان کر ہی اس نے میٹرک کیا تھا' پھر آپ کی بات مان کر ہی وہ فوج میں گیا تھا میں خوش ہوں کہ میرا بیٹا آپ کی وجہ سے آپ کی ذرا سی توجہ سے ایک قاتل کی بجائے بہت بڑا آفیسر بن گیا۔" چپ ہو کر نجانے کیا سوچنے لگی جبکہ خود میں نے یہ سوچا۔

"تمہاری یہ خوشی خود مجھے مہنگی پڑی ہے کاش میں تم کو بتا سکتی۔"

"باجی" رقیہ نے اچانک میری طرف جھکتے ہوئے کہا" وہ آپ کی بہت عزت کرتا ہے آپ کی بات ہمیشہ اس نے مانی ہے آپ اس کو کہیں وہ حماد سے

اب اپنا حصہ واپس لینے کی کوشش کرے اب تو وہ ایک بڑا آفیسر ہے حماد ا
انکار نہیں کر سکتا ہے۔ شاداب ایک بار بات تو کرے۔"

"آپ خود کیوں نہیں کہتیں یہ تو کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے دا
بچانا چاہا۔

"میں کہہ کر دیکھ چکی ہوں" کہتا ہے "ماں تمہارے پاس اب روپے
کمی تو نہیں جتنی جی چاہتا ہے زمین خرید لو مگر حماد والے حصے کی بات نہ کرنا ایک
اس لئے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' بہت کچھ دے دیا ہے خدا نے مجھ
دوسرے اس لئے کہ حماد میرا بڑا بھائی ہے اگر وہ خود نہیں دینا چاہتا تو مجھے
ضرورت پڑی ہے مانگنے کی، اور پھر اس کا بیٹا ہے جواد خان جبکہ میں اکیلا ہوں ا
اکیلا ہی رہوں گا پھر کیا ضرورت ہے ان زمینوں اور باغات کی' میرا کونسا کوئی
ہے جس کے لئے میں یہ سب لیتا پھروں۔" بات ختم کرکے رقیہ رونے لگی۔

بعض عورتیں میری طرح کتنی بدنصیب ہوتی ہیں ابھی ان کا ایک دکھ
نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہوجاتا ہے۔ رقیہ چاہتی تھی اس کا بیٹا زمین اور باغا
بھول کر پڑھ جائے آفیسر بنے اور اب جب وہ پڑھ لکھ کر آفیسر بن چکا تھا تو ا
کو وہ زمین اور باغات پھر سے یاد آنے لگے تھے یہ اس کا حق بھی تھا لیکن شادا
وہ مجھ سے شادی کرتا یا نہ کرتا اولاد تو اس کو ملنا ہی نہ تھی کہ میں ایک بانجھ عورت
اور باہر وہ شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ تین سال گزرنے کے بعد اپنی اس بات
قائم تھا۔

میں سوچ رہی تھی پھر رقیہ سے کہا

"آپا! کبھی آپ کو صرف اس بات سے مطلب تھا کہ شاداب پڑھ
جائے کہ حماد کو مارنے کے بعد اس کے بھی زندہ رہنے کی امید نہیں تھی آپ
تب آپ صرف شاداب کی سلامتی چاہتی تھیں اور اب آپ کو پھر زمینوں کی فکر
گئی ہے۔ دفع کریں اس بات کو اگر شاداب پسند نہیں کرتا۔" میں نے یہ بات ا
لئے کہی کہ رقیہ نے یہ فرض بھی مجھے ہی سونپا تھا شاداب سے بات کرنے کا
میں اب اس کے منہ لگنا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا باجی' آپ کہتی ہیں تو چھوڑ دیتی ہوں۔ اس بات کو کہ آپ مجھے
بھی غلط مشورہ نہیں دے سکتیں لیکن۔ وہ رکی۔

"لیکن کیا؟" میں نے پوچھا۔

"لیکن وہ شادی تو کر لے نا' یہ بات تو بہت ضروری ہے۔......"

"ہاں یہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے شادی اس کو کرنی چاہئے۔" میں نے
تائید کی۔

"لیکن وہ کرتا نہیں۔" رقیہ نے مایوسی سے کہا۔

"آپ زور دے کہ اپنی بات منوالیں آخر ماں ہیں آپ——"

"بہت زور دے کر دیکھ لیا ہے وہ مانتا ہی نہیں۔"

میں چپ رہی کہتی بھی تو کیا' مجھے خود معلوم تھا وہ بہت ضدی ہے کبھی
مانے گا ہی نہیں ورنہ یہ تین سال جو اسے ملے تھے وہ مجھے بھول کر شادی کر سکتا تھا
مگر وہ شاید ابھی مجھ سے امید لگائے بیٹھا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس نے کہا
تھا کہ "امید پر دنیا قائم ہے۔ پھر میں کیوں مایوس ہو جاؤں۔" یعنی اتنا کچھ ہونے
کے باوجود اس کو ابھی بھی امید تھی کہ ہو سکتا ہے میں کبھی مان جاؤں......

"باجی۔" رقیہ مجھ سے کہنے لگی۔ "وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالے گا آپ'
شاداب سے کہیں تاکہ وہ شادی کر لے......"

"میں......؟" میں نے گھبرا کر رقیہ کو دیکھا مجھے دیکھے بغیر کہہ رہی تھی......

"نجانے کیوں مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات نہیں ٹالے گا ٹال ہی نہیں
سکتا۔ بس باجی جہاں آپ نے میرے لئے اتنا کچھ کیا ہے اب کی بار' آخری بار
یہ بھی کر دیں تو میں ساری زندگی آپ کو دعائیں دوں گی۔ میرے بیٹے کا گھر ایک
بار بس جائے پھر مجھے کوئی تمنا نہ رہے گی میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی یاد
رکھوں گی۔"

"آپا! جب وہ آپ کی بات نہیں مان رہا تو میری کیسے مانے گا۔" میں
نے پھر دامن بچانا چاہا' مجھے تو معلوم تھا کہ میں یہ بات شاداب سے نہیں کہہ سکتی
اور کہہ بھی دوں تو وہ کب مانے گا

"میری نہیں مانتا لیکن آپ کی ضرور مانے گا۔" رقیہ نے پورے وثوق سے کہا۔ "آپ نے دیکھا نہیں پہلے بھی اس نے پڑھائی اور فوج میں جانے کے بارے میں میری بات نہیں مانی تھی لیکن جب آپ نے کہا تو......"

"وہ وقت اور تھا آپا' تب وہ بچہ تھا چھوٹا تھا صرف سولہ سال کا اب بڑا ہو چکا ہے اپنا اچھا برا خود سمجھ سکتا ہے۔" میں نے پھر بچنے کی کوشش کی۔

"باجی! آپ ایک بار کہہ کر تو دیکھیں ہو سکتا ہے وہ آپ کی بات مان ہی جائے۔" رقیہ کسی بھی طرح مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"اچھا میں دیکھوں گی۔" میں نے کہا تو رقیہ اٹھ گئی پھر جاتے جاتے رک کر کونے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارے' یہ مینا شاداب کا بیگ بھی ادھر ہی رکھ گئی ہے......"

"میں لیٹی لیٹی گھبرا کر اٹھ بیٹھی تو رقیہ نے کہا۔"

"خیر اسے کونسا رات کو آنا ہے ادھر آپ آرام سے سو جائیں......"

"ہو سکتا ہے آ ہی جائے۔" میں نے کہا۔

"نہیں باجی' وہ نہیں آئے گا میرا بیٹا ہے مجھے معلوم ہے۔" کہہ کر وہ چلی گئی لیکن میں جاگتی رہی یہ سوچ کر کہ کہیں شاداب اچانک رات کو واپس نہ آجائے' دروازہ بند اس لئے نہیں کر سکتی تھی کہ اس کو کنڈی ہی نہ تھی' ویسے بھی بہت کچا سا دروازہ تھا جو خود ہی ٹوٹنے کے موڈ میں تھا۔ کچے گھروں میں گاؤں کے لوگ دروازے بھی ایسے ہی کچے پکے لگا دیتے ہیں۔

ساری رات شاداب کے خوف کے مارے میں سو نہ سکی لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ صبح سونا میں نے مناسب نہ سمجھا اور اٹھ کر باہر آ گئی۔

ناشتے کے بعد میں صحن میں ہی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گئی ظہیر اور دوست اس کے ساتھ مل کر جھنڈیاں اور مصنوعی پھولوں کی لڑیاں صحن میں سجا رہے تھے' اندر کا حصہ وہ کل ہی مکمل کر چکے تھے رقیہ کی بھابھی' مینا اور خود رقیہ بھی دوسری عورتوں کے ساتھ کام میں مصروف تھیں گھر کے باہر سجاد کے دوست سجاتے ہوئے اونچی آواز میں باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کبھی زور سے ہنس پڑتے

اور کبھی سرگوشیاں کرنے لگتے۔ ان میں رابعہ کے دو چھوٹے بھائی بھی شامل تھے جن کی شادی چند ماہ بعد ہونے والی تھی۔ یہ بات کل رابعہ کی امی نے بتائی تھی اور مجھ سے وعدہ بھی لیا تھا کہ میں ان کی شادی پر بھی ضرور آؤں گی اور میں نے وعدہ کر لیا تھا۔

اچانک ہی ان سب کے ساتھ شاداب کے بولنے کی آواز بھی آنے لگی آوازیں کبھی ہلکی ہو جاتیں کبھی اونچی پھر شاید رابعہ کے بھائی نے شاداب سے شادی کا پوچھا تھا۔

"یار موڈ نہیں ہے۔" اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"موڈ کیوں نہیں' اب نہیں کرو گے تو پھر کس عمر میں کرو گے۔ آخر مسئلہ کیا ہے کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے؟" مراد خاں کہہ رہا تھا۔

"کیا کروں یار۔" وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا۔

"ہزار آنکھوں پہ خوابوں نے دستکیں دی تھیں
مگر وہ حال تھا دل کا کھلا نہ کرتا تھا
بہت کمال تھا اس میں اور ایک یہ بھی تھا
کہ اک مقام سے آگے وفا نہ کرتا تھا"

"مطلب کیا ہوا اس شعر کا" رابعہ کا بھائی پوچھ رہا تھا۔

"یار! شاعر نے اس شعر میں مطلب کیا رکھا ہے یہ میں نہیں جانتا لیکن میرے لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا دل عورتوں سے دوستی کرنا تو چاہتا ہے لیکن شادی کسی سے بھی نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" رابعہ کے بھائی نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ شاداب لالہ شاعر بن گئے ہیں باتیں کم کرتے ہیں شعر زیادہ پڑھتے ہیں۔" سجاد ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"سجاد تمیز سے" شاداب اس کو پیار بھری سرزنش کرتے ہوئے اندر داخل ہوا تو رقیہ کام وام بھول کر میرے قریب آئی پھر کہا۔

"باجی! آپ نے دیکھا اس کی غیر ذمہ داری کو؟"

میں چپ رہی کہ میں اس کی بات کا مطلب ہی نہ سمجھتی تھی لیکن شاداب نے میرے والی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ماں! کیا کیا ہے میں نے؟"

"رات کہاں گزار کر آئے ہو جبکہ میں نے کہا بھی تھا گھر میں بہت کام ہیں کرنے کے لئے" رقیہ غصے سے پوچھ رہی تھی۔

"کسی کے ساتھ بھی گزری لیکن بہت خوشگوار گزری۔" اس نے ماں کی بجائے میری طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو اونچی آواز میں کہو؟" رقیہ نے دوسری طرف کھڑی مینا کو آواز دیتے ہوئے شاداب کو گھورا......

"تمہیں کچھ کام تھا مجھ سے؟"

"تمہیں خود نظر نہیں آتا لوگ باہر سے آ کر کام کر رہے ہیں اور تم آنے کے باوجود چلے گئے۔"

"اگر ان جھنڈیوں کے بارے میں کہہ رہی ہیں تو یہ بچوں کے کرنے کے کام ہیں اور وہ کر رہے ہیں جبکہ میں اب بچہ تو نہیں تیس برس کا ہو چکا ہوں۔" وہ مجھے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"جواب تو تمہارے پاس ہر بات کا ہوتا ہے۔" رقیہ نے غصے سے کہا......

"بس کسی کی مہربانی ہے یہ زبان بازی۔" وہ مسکرایا۔

"آج مجھ سے صاف صاف سن لو اس بار میں تمہاری شادی کر کے ہی بھیجوں گی۔" رقیہ نے موضوع بدل کر مجھے دیکھا پھر کہا۔ "باجی آپ ہی اسے سمجھائیں۔" اس نے میری موجودگی سے ہمیشہ کی طرح فائدہ اٹھانا چاہا میرے دل کی حالت جانے بغیر میری کیفیت سمجھے بغیر۔

میں نے شاداب کو دیکھا وہ بڑی گہری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی میں نے رقیہ کو دیکھا وہ بولی۔

"باجی کہو نا اس سے کہ اب شادی کرے۔"

میں اس لمحے سے بچنا چاہتی تھی لیکن بہت مجبور ہو گئی اور شاداب کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"شاداب! تمہیں اب شادی کر لینی چاہئے۔"

"اگر شادی کے بغیر ہی ٹھیک ٹھاک کام چل رہا ہو تو؟" اس نے میری طرف جھکتے ہوئے نہایت بے باک لیکن مدھم لہجے میں کہا۔

میرا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا' میں نے گھبرا کر رقیہ کو دیکھا لیکن وہ ہماری طرف متوجہ نہیں تھی مینا سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر مینا چلی گئی تو وہ ہماری طرف متوجہ ہوئی تب تک شاداب سیدھا ہو چکا تھا۔ رقیہ مجھ سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس کی بھابھی نے آواز دے ڈالی اور وہ چلی گئی لڑکے ہمارے آس پاس کھڑے اب بھی کام میں مصروف تھے' شاداب مجھے نظر انداز کر کے اب ان کی طرف متوجہ تھا اور ان کو مشورے دے رہا تھا ایسے نہ کرو ویسے کرو...... جبکہ میری حالت اندر سے ایک دم خراب ہو گئی تھی۔ میں سوچ رہی تھی شاداب کی اس بات کا مطلب کیا ہے؟"

کیا وہ اپنی راہ سے بھٹک چکا ہے' باہر کھڑا بھی تو وہ ایسی باتیں کر رہا تھا کہ عورتوں سے دوستی کرنے کو تو میرا دل چاہتا ہے لیکن شادی کرنے کو نہیں' کیا وہ واقعی بدل گیا ہے یا محض مجھے جلانے اور ستانے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے' ہاں صرف مجھے ستانے کے لئے تا کہ میں اپنا فیصلہ بدل سکوں مگر میرا فیصلہ قیامت تک تبدیل نہ ہوگا۔

"ناشتہ" اچانک مینا نے ٹرے شاداب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

رقیہ نے شاید اسے بلا کر شاداب کے لئے ناشتے کا ہی کہا تھا۔

"ناشتہ تو میں کر کے آیا ہوں۔" شاداب نے مینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی کر لیجئے۔" مینا نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں کر لوں' جاؤ لے جاؤ' اور کافی بنا کر لاؤ بلکہ فلاسک میں پانی ڈال کر لے آؤ بناؤں گا میں خود۔" اس نے اچانک سخت لہجے میں کہا اور مینا چلی گئی تو شاداب نے میری طرف ہاتھ بڑھایا میرا رنگ زرد پڑ گیا میں گھبرا کر ذرا سا سرکی

کہ وہ پتہ نہیں کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے میری حالت دیکھ کر شاداب ہنسنے لگا اور ہاتھ مزید میری طرف بڑھایا' میں نروس ہو کر بے بسی سے اس کو دیکھنے لگی۔

لیکن اس نے مجھ سے کچھ کہنے کی بجائے چارپائی پر رکھا گاؤ تکیہ اٹھایا اور اپنی کمر کے نیچے رکھتے ہوئے دونوں بازو سر کے پیچھے باندھ کر مجھے دیکھنے لگا۔ صحن میں بہت سارے لوگ موجود تھے لیکن سب اپنے' اپنے کام میں لگے ہوئے تھے ان کے باوجود میں نروس ہو رہی تھی اگر کسی نے محسوس کر لیا تو کیا ہوگا' ساری عزت پل بھر میں خاک میں مل جائے گی' لوگ کیا کہیں گے میں نے اپنے سے پندرہ برس چھوٹے لڑکے کو پھانس لیا اور میں حقیقت بتا نہ سکوں گی' یا اللہ تو ہی عزت رکھنے والا ہے' پھر میں وہاں سے اٹھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ مینا فلاسک میں پانی اور کافی کی بوتل لے آئی ساتھ مگ اور چینی بھی اس نے ٹرے شاداب کے سامنے رکھی تو شاداب نے کہا۔

"جاؤ ایک مگ اور لے کر آؤ جلدی سے ہری آپ"

میں سمجھ گئی کہ یہ دوسرا مگ وہ میرے لئے منگوا رہا ہے' میں نے سوچ لیا اگر اس نے مجھے آفر دی تو میں صاف انکار کر دوں گی۔ شاداب بڑے انہماک سے مگ میں پانی ڈال رہا تھا پھر اس نے چار چمچ اس میں کافی کے ڈالے اور ایک چمچ چینی کا ڈالنے کے بعد چمچ ہلاتے ہوئے مگ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لیجئے"

"شکریہ" میں نے آہستہ سے کہا۔

"زہر پینے کا تو آپ کو بہت شوق ہے پھر انکار کیوں؟" وہ تلخ لہجے میں کہہ رہا تھا مگ والا ہاتھ اب بھی میری طرف بڑھایا ہوا تھا میں نے خاموشی سے مگ کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اگر پھر انکار کیا تو ابھی وہ سرگوشیوں میں بات کر رہا ہے پھر سب کے سامنے ہی بکواس نہ کرنے لگے۔ میں مگ پکڑنے لگی تو شاداب نے ساری گرم کافی میرے ہاتھ پر گراتے ہوئے مگ چھوڑ دیا۔ سسکی ضبط کرتے ہوئے میں نے شاداب کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی' مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر بولا۔

"اوہ مگ ٹوٹ گیا" پھر ٹوٹے ہوئے مگ کو دیکھنے لگا۔ میں سمجھی تھی شاید وہ مجھ سے سوری کرنے لگا ہے مگر ایسا نہیں تھا رقیہ نے ٹھیک کہا تھا وہ واقعی بہت بدل گیا تھا۔

"ارے مگ کیسے ٹوٹا؟" مینا دوسرا مگ لے کر آئی تو پوچھا۔

"بس یہ پکڑنے لگیں تو گرا دیا بعض لوگوں کو توڑ' پھوڑ کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔" وہ سارا الزام مجھ پر رکھتے ہوئے مگ پکڑ کر پھر سے کافی بنانے لگا تو مینا نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں چیزیں تو ہوتی ہی ٹوٹنے کے لئے ہیں۔"

"ارے مینا چیزیں تو سنبھال کر رکھنے کے لئے ہوتی ہیں' ٹوٹنے کے لئے انسان جو ہوتے ہیں۔" شاداب نے کافی بناتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا اور مجھے تلخی سے دیکھا۔

"آنٹی! زیادہ تو نہیں گری آپ کہیں تو برنال لے آؤں؟" مینا نے پوچھا اور میرے جواب دینے سے پہلے ہی شاداب نے جلدی سے کہا۔

"نہیں بھئی زیادہ بالکل نہیں گری برنال کی ضرورت نہیں ہے۔" پھر مینا کو ٹرے اٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے خود ہی کافی پینے لگا اور مجھے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔

"ماروں گا بھی اور پانی بھی نہیں دوں گا پینے کو کیا سمجھیں؟" اب کے اس نے مجھے کافی کی آفر نہیں کی تھی' البتہ مینا نے ٹرے اٹھاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"آنٹی آپ کے لئے بنا کر لاؤں کافی؟"

"نہیں رہنے دو۔" میں نے کہا اور کھڑی ہو گئی سارا ہاتھ کافی گرنے سے جل گیا تھا اور سخت جلن ہو رہی تھی لیکن جب شاداب نے خود ہی برنال لانے سے منع کر دیا تھا تو میں کیوں مانگتی' اپنی اس توہین پر میری آنکھیں نم ہو رہی تھیں اور میں شاداب سے بچنے کے لئے کسی سے کچھ کہے بغیر رابعہ کی امی کی طرف چلی آئی کر وہاں بیٹھتی تو شاداب مزید بکواس کرتا۔

دوپہر تک میں ادھر ہی رہی آنے کا موڈ تو میرا دوپہر میں بھی نہ تھا لیکن
مینا کھانے کے لئے بلانے آئی تو میں نے کہا۔

"بھوک نہیں ہے۔" اس کے جاتے ہی رقیہ خود آ گئی اور مجھے ساتھ لے
کر ہی اٹھی تھی۔

میں اس کے ساتھ آئی تو بڑے کمرے میں کھانا لگ چکا تھا اور سب
بیٹھے تھے جن میں شاداب بھی شامل تھا۔ بس رقیہ کا بھائی ہی نہیں تھا اور وہ لڑکے
بھی نہ تھے جو جھنڈیاں لگا رہے تھے شاید وہ بھی چلے گئے تھے۔ رقیہ مجھے لے
شاداب کے سامنے بیٹھ گئی اور کھانا شروع ہو گیا۔ میں نے چاول والی ڈش
طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ شاداب نے مجھ سے پہلے اس کو اٹھا لیا۔ میں نے اس
دیکھے بغیر چپاتی اٹھائی۔ پھر سالن والے ڈونگے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شاداب
نے ڈش رکھتے ہوئے اسے اٹھا لیا میں نے پھر بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔ کباب
اپنی پلیٹ میں رکھ کر کھانے لگی۔ ساتھ چٹنی بھی تھی ہماری طرف شاید کوئی بھی متو
نہ تھا' میں نے ایک چپاتی کھائی اور پانی پی کر سب سے پہلے دسترخوان سے اٹھی
رقیہ نہ کہا۔

"باجی بس! آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔" اس کی بھابھی نے بھی یہ
بات کہی۔

"جتنی بھوک تھی اتنا کھا لیا۔" میں نے کہا تو شاداب نے سر اٹھا کر مجھے
دیکھا پھر لاپرواہی سے کھانے میں مصروف ہو گیا اور میں باہر چلی آئی۔

شام ہوتے ہی مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ آج مہندی تھی میں ا
کمرے میں آئی اور کپڑے نکالنے کے لئے بیگ کھولا ہی تھا کہ رقیہ گہرے فیرو
کلر کا ٹشو کا مدار سوٹ لئے میرے پاس آئی اور کہا۔

"باجی! آپ کے لئے میں نے یہ منگوایا ہے آپ آج اس کو پہنو

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا' میرے پاس سوٹ ہیں۔" میں نارا
لہجے میں بولی۔

"جانتی ہوں آپ کے پاس بہت سوٹ ہیں مگر سب سادہ۔"

"پھر کیا ہوا' مجھے کامدار سوٹ اچھے بھی نہیں لگتے۔" میں نے منہ بنا کر
کہا۔

"باجی! جب آپ پہلی بار یہاں آئی تھیں تو میں آپ کو کچھ نہ دے سکی
تھی کیونکہ تب میرے پاس اپنا کچھ نہیں تھا۔ لیکن اب تو میرا بیٹا کماتا ہے اور پھر وہ
آپ کی وجہ سے اس مقام کو پہنچا ہے۔ آپ اس کو قبول کر لیں۔ تو میرا دل بہت
خوش ہوگا اور یہ آپ کو اچھا بھی بہت لگے گا۔"

"آپا! میری طرف سے سمجھ کر آپ خود اس کو پہن لیں۔" میں نے پھر
انکار کیا۔

"نہ باجی' کیسی باتیں کرتی ہیں آپ؟" رقیہ نے محبت سے دیکھتے ہوئے
کہا۔ یہ میں نے آپ کے لئے منگوایا ہے آپ ہی اس کو پہنیں گی۔" وہ سوٹ مجھے
تھما کر باہر نکل گئی۔

میں کتنی دیر سوٹ پکڑے کھڑی رہی بہت طویل عرصہ گزر گیا تھا فیروز کی
موت کے بعد سے لے کر آج تک میں نے شوخ لباس نہیں پہنا تھا مگر یہ گہرے
فیروزی کلر کا ہلکے کام والا ٹشو کا سوٹ دیکھنے میں ہی شوخ اور اچھا لگ رہا تھا
فیروزی رنگ۔ پر سفید نقشی کام بہت پیارا لگ رہا تھا میں نے رقیہ کی محبت کا خیال
کرتے ہوئے وہی سوٹ پہننے کا فیصلہ کیا۔ لباس بدلنے کے بعد میں نے پف لگایا
اور پھر لپ اسٹک لگا کر بالوں کی چوٹی بنا کر باہر آئی تو شاداب دروازے کے
قریب اکیلا ہی کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر فوراً مڑا اور باہر نکل گیا میں صحن میں آئی تو
رقیہ نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"باجی نظر نہ لگے آج' آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" اور میں مسکرا
دی۔ پیاری تو میں ہمیشہ سے تھی...... بقول عذرا کے حسن کے سوا اور رکھا ہی کیا ہے
مجھ میں رقیہ۔ رقیہ کی بھابی نے نہ صرف تعریف کی بلکہ پکڑ کے اپنے کمرے میں
لے گئیں اور ایک طلائی سیٹ نکال کر زبردستی مجھے پہنا دیا یہ کہتے ہوئے" اور سب
ٹھیک ہے لیکن زیور کی کمی تھی" میں چاہنے کے باوجود انکار نہ کر سکی کہ وہ لوگ میری
بات مانتے ہی کب تھے اپنی مرضی کر رہے تھے۔

میں زیور پہن کر باہر نکلی تو مینا نے بھی تعریف کی اور میں رابعہ کی بھابیوں کی طرف بڑھ گئی۔ رابعہ ابھی تک نہ آئی تھی معلوم ہوا مہندی لے کر ہم ان کے گاؤں ہی جا رہے ہیں اس لئے وہ وہاں سے شامل ہو جائیں گی۔

پھر سب جانے کے لئے اکیلے اٹھ گئے' میں رقیہ اور مینہ ایک ساتھ باہر آئے عورتیں گاڑیوں میں بیٹھ رہی تھیں۔ شاداب ایک طرف کھڑا بیباکی سے آنے والی لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔ رقیہ مجھے اور مینا کو لئے ظہیر کی پک اپ کے پاس آئی پہلے مجھے بیٹھنے کا کہا پھر مینا بھی میرے ساتھ ہی آگے بیٹھ گئی چونکہ ابھی عورتیں بیٹھ رہی تھیں اس لئے ظہیر نے گاڑی نہیں چلائی تھی۔ شاداب ہماری گاڑی سے پرے ایک دوسری گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ قہقہے لگا رہا تھا اچانک اس نے ظہیر کو آواز دی تو ظہیر دروازہ کھول کر باہر نکل کر شاداب کے پاس چلا گیا۔ شاداب کچھ دیر بعد میرے قریب آ بیٹھا اور بیٹھتے ہی گاڑی چلا دی۔

میرا دل ڈر گیا جی چاہا اتر جاؤں مگر کیسے؟
ایک طرف مینا تھی تو دوسری طرف شاداب

"ابھی دوسری گاڑیاں تو نہیں چلیں" گاڑی ابھی تھوڑا ہی آگے بڑھی تھی کہ مینا نے شاداب سے کہا۔

"اچھا یہ بات ہے تو ہم یہاں گاڑی روک دیتے ہیں۔" شاداب نے نہ صرف کہا بلکہ گاڑی روک بھی دی پھر تھوڑا سا ترچھا ہو کر ہماری طرف رخ پھیرتے ہوئے اس نے مینا سے پوچھا۔

"تم کیا کرتی ہو مینا؟" اور میرے چہرے کو دیکھنے لگا۔ جنوری کے آخر تھا سردی بہت زیادہ تھی اس کے باوجود شاداب کے خوف کی وجہ سے میرے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا۔ کس قدر قریب تھا وہ میرے جان بوجھ کر اور بھی ہو رہا تھا۔

"پڑھتی ہوں" مینا نے نظریں جھکا رکھی تھیں پتہ نہیں کیوں؟

"کونسی کلاس میں؟" وہ ذرا سا اور ادھر کو جھکتے ہوئے بولا اور اپنا ہلکا سا بوجھ مجھ پر بلکہ میرے کاندھے پر ڈال دیا۔ میرا جی چاہا کہ اس کے جسم کا یہ حصہ

کر پھینک دوں جو میرے ساتھ اس نے لگا رکھا تھا۔ مگر مینا میرے ساتھ تھی ڑی میں پیچھے دوسری عورتیں بھی بیٹھی تھیں۔ سو صبر کا گھونٹ پی کر بیٹھی رہی۔ ی میں ادھر ادھر سرکنے کی ذرا سی بھی جگہ نہ تھی۔ اچانک ہی شاداب نے میرے ے پاس سرگوشی کی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہیں' آپ' نظر نہ لگ جائے میری۔" اس کی بات ر میں دانت پیسنے کے سوا کچھ نہ کر سکی جبکہ مینا بتا رہی تھی۔

"میٹرک میں ہوں اور اس سال ہی نویں پاس کی تھی۔"

"ہوں۔" شاداب نجانے کس سوچ میں گم تھا۔ کچھ نہ بولا مینا خود ہی بتا ی۔

"اس سال میٹرک کے بعد پشاور کالج میں داخلہ لوں گی جہاں پہلے امی ی تھیں۔"

"ارے گولی مارو پڑھائی کو۔" اچانک شاداب برا سا منہ بنا کر بولا۔" ی میں کیا رکھا ہے۔ زیادہ پڑھ لکھ کر لڑکیاں آزاد ہو جاتی ہیں اور خود مختار بھی تم میٹرک کرنا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے مینا سے کہا پھر چونک کر مسکرانے لگا' یب سے رومال نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اس سخت سردی میں آپ کے چہرے پر یہ شبنم کے قطرے کیوں؟ ئیں صاف کروں یا" اور اس ڈر سے کہ وہ یہ جرات کر ہی نہ گزرے میں س کا رومال پکڑ کر چہرہ صرف کیا سفید رومال پر میک اپ کے نشان لگ گئے غالباً لپ اسٹک کے میں نے چہرہ صاف کر کے اس کو دیکھا وہ مجھے ہی تک ئیں نے انجانے میں پرس کھول کر رومال رکھنا چاہا تو شاداب نے پکڑ کر اپنی ئیں رکھ لیا۔ اتنے میں دوسری گاڑیاں بھی پیچھے سے آ کر ہارن دینے لگیں تو ب نے سیدھا ہوتے ہوئے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور گاڑی اسٹارٹ کی لیکن وہ ی مجھ سے لگ کر ہی بیٹھا ہوا تھا۔

"کمینہ، اس وقت بڑی محبت ہو رہی تھی مجھ سے جبکہ صبح کافی گرا کر ھی نہ لگانے دی تھی" مجھے غصہ تو بے حد آ رہا تھا مگر وقت ایسا نہیں تھا کہ کھل

کر اس کو کچھ کہہ سکتی۔

گاڑی جیسے ہی لڑکی والوں کے گھر پہنچ کر رکی شاداب پھر میری طر
جھک آیا اس نے ہاتھ بڑھا کر ہماری طرف کا دروازہ کھولا اور اپنا منہ مے
چہرے کے قریب کرتے ہوئے ایک گہری سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ در
کھلتے ہی پہلے مینا اتری' مینا کے اترتے ہی میں نے بھی جلدی سے اترنے کی کو
کی تو معلوم ہوا میرا دوپٹہ پیچھے رہ گیا ہے۔ میں جلدی سے مڑ کر دیکھنے آئی کہ
اٹکا ہے لیکن وہ کسی چیز میں نہیں اٹکا تھا۔ شاداب نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا
میری طرف دیکھنے کی بجائے دوسری طرف آ کر رکنے والی گاڑی میں بیٹھے
کے بھائی مراد خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے دوپٹے کو اپنی طرف کھی
چھڑانا چاہا مگر اس نے مضبوطی سے ہاتھ رکھا ہوا تھا شاید وہ چاہتا تھا میں ا
مخاطب کروں جبکہ میں نے بھی سوچ رکھا تھا کہ اس کی تمام بکواس اور بدتمیز
خاموشی سے برداشت کروں گی۔ تاہم اس وقت لوگوں کی موجودگی کا خیال کر
میرے ماتھے پر پھر پسینہ آ گیا تب ہی مینا نے کہا۔

"آیئے نا آنٹی کھڑی کیوں ہیں؟" پھر مجھے دوپٹہ پکڑے دیکھ کر بولی

"ارے کہاں اٹک گیا ہے آپ کا یہ دوپٹہ' ٹھہریئے میں دیکھتی ہو

وہ آگے بڑھی تو شاداب نے اس کے دیکھنے سے پہلے ہی ہاتھ ہٹا لیا۔

"میں مینا کے ساتھ لڑکی والوں کے گھر میں داخل ہو گئی۔ رابعہ اور
پہلے سے ہی وہاں موجود تھیں تاشہ نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔"

"مائی ڈیئر آنٹی' ہم آپ کے استقبال کے لئے پہلے سے ہی یہاں
ہیں ارے دیکھیے تو امی آنٹی کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔" تاشہ نے میرا ہاتھ پکڑ
ہوئے کہا اور میں رابعہ کے پاس بیٹھ گئی۔ مینا ادھر ادھر کہیں چلی گئی تھی جبکہ
میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تھی اور مسلسل باتیں کر رہی تھی وہ بتا رہی تھی۔

"آنٹی اس بار ہم نے آپ کی وجہ سے سیر کا ایک لمبا پروگرام بنا
آغاز ہم سوات سے کریں گے اور پھر کاغان کی طرف نکل جائیں گے۔"

"میں مسکرا کر اس کی باتیں سن رہی تھی جب رابعہ نے پوچھا۔"

"پرویز بھائی کا کبھی کوئی خط آیا؟"

"اب کہاں آئے گا' پہلے تو صرف گھر بدلا تھا' اب تو کالج اور شہر بھی
ل گیا۔" میں نے عام سے لہجے میں کہا لیکن درحقیقت میرا دل دکھ گیا تھا۔ شاید
ی بھی شاداب نے جو رویہ میرے ساتھ اختیار کیا تھا اس کی وجہ سے بھی میرا دل
نے کو چاہ رہا تھا۔ بظاہر میں مسکرا رہی تھی اور پھر بچپن کی طرح اس وقت بھی
شہ کی باتوں نے میرا دل لگا دیا۔

مہندی لگانے کا ہنگامہ شروع ہوا' وہی پرانی دیکھی ہوئی رسم تھی۔ لڑکی مینا
ر اس کی امی کے کپڑوں پر اپنے ہاتھ پر رکھی جانے والی مہندی مل رہی تھی لیکن
ج مجھے یہ منظر دیکھ کر بھی ہنسی نہیں آئی تھی بلکہ میں نے سوچا۔

"ہولی کی طرح یہ بھی کتنی بری رسم ہے اچھے بھلے کپڑے خراب کرنا بے
ئی ہی تو ہے۔ لیکن چونکہ ان کی رسم تھی اس لئے وہ سب خوش ہو رہی تھیں پھر
ئے وغیرہ کے بعد جانے کا ہنگامہ شروع ہوا اور یہ سوچ کر میں پریشان تھی کہ اگر
ہی پر بھی شاداب کی گاڑی میں بیٹھنا پڑا تو کیا ہوگا تب میں نے سوچا میں آگے
ا بجائے پیچھے بیٹھوں گی اس طرح اس کی دل جلانے والی حرکتوں اور باتوں سے
بچ جاؤں گی لیکن اسی وقت تاشہ نے بتایا۔"

"آنٹی اب ہم آپ کے ساتھ ہی چل رہے ہیں۔" یہ بات سن کر مجھے
ئی ہوئی کیونکہ ذاکر بھائی ان کو اپنی گاڑی میں لے کر جا رہے تھے کہ پھر واپس
ئے گاؤں بھی آنا تھا۔

ہم لڑکی والوں کے گھر سے باہر آئے تو موسم اپنی شدتیں دکھا رہا تھا۔
ان پر ڈھیروں تارے چمک رہے تھے اور ان کے درمیان چودھویں کا چاند چمکتا
بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"لڑکی کے گھر سے رات کے گیارہ بجے ہماری واپسی ہوئی تھی میں باہر
ئی تو شاداب پھر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا ہمارے آگے مینا تھی اس کو
ھتے ہی شاداب نے کہا۔"

"چلو بھئی' جلدی کرو۔ وہ میری طرف مڑی تو میں نے آہستہ سے بتایا۔"

"میں تاشہ وغیرہ کے ساتھ بیٹھوں گی۔" اور جلد ہی ایک طرف کھڑی ذاکر بھائی کی گاڑی میں ہم تینوں بیٹھ گئے شاداب آگے ذاکر بھائی کے ساتھ بیٹھ گیا تھا باہر چونکہ روشنی کا کچھ خاص انتظام نہیں تھا اس لئے میں شاداب کے تاثرات نہ دیکھ سکی تھی لیکن مجھے معلوم تھا وہ سخت غصے میں ہوگا۔

ذاکر بھائی کوئٹہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور وہ شکوہ بھی کر رہے تھے کہ میں بہت سست ہوگئی ہوں خط کا جواب جلدی نہیں دیتی اور اپنی سستی کا مجھے اعتراف تھا اس لئے جواباً مسکراتی رہی کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔ گلوں سے خار اچھے ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں۔

واقعی اپنوں سے غیر بہتر ہیں جو یوں پیار دیتے ہیں بغیر کسی مطلب اور لالچ کے۔

گھر واپس آتے ہی لڑکی والوں کے استقبال کی تیاریاں شروع ہوگئیں رقیہ کی بھابھی بہت خوش تھی میرے قریب بیٹھتے ہوئے اسنے کہا۔

"عائشہ! امید تو نہیں تھی کہ اپنی زندگی میں کبھی میں خوشی دیکھوں گی مجھ ان کے سخت رویے کی وجہ سے میرا دل ہر وقت کڑھتا رہتا تھا لیکن وہ بس اچانک ہی بدل گئے بہت محبت کرتے ہیں اب تو مجھ سے اپنے پہلے رویے کی معافی مانگتے ہیں۔ میری ذرا ذرا سی خواہش کا احترام کرتے ہیں۔ ان کا یہ پیار دیکھ کر تو مجھے تو کبھی کبھی حیرت ہونے لگتی ہے۔ اب یہی دیکھئے سجاد کی شادی تو وہ ابھی کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن میں نے کہا معلوم نہیں کب تک زندہ رہوں کہ اب سا برس کی تو ہو رہی ہوں اس لئے میرے بیٹے کی یہ خوشی مجھے دکھا دیں اور وہ فوراً مان گئے بہت ہی اچھے ہو چکے ہیں" پھر وہ اٹھ گئی اور میرا خیال پھر شاداب کی طرف چلا گیا اس نے کوئٹہ کی آخری ملاقات میں مجھ سے کہا تھا۔

آپ کبھی گئی ہی نہیں چارسدہ ورنہ آپ کو پتہ چلتا ماموں مامی سے بہ محبت کرتے ہیں۔" اور اب یہ سب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا مجھے رقیہ کے بھائی کے رویے پر حیرت بھی تھی وہ آج بھی بہت وجیہ تھا جبکہ رقیہ کی بھابھی ویسی ہی بھدی۔

اور یہ شاداب محبت کے بعد اب شاید مجھ سے نفرت کر رہا تھا کیونکہ ذرا بھی لحاظ اس کی نظروں میں نہ رہا تھا بہت بدتمیز ہوگیا تھا بغیر کسی خوف، ڈر کے بکواس کرتا چلا جاتا تھا اور مجھے دیکھتا بھی رہتا تھا وہ کبھی بہت نرم ہو جاتا ہے اور کبھی سخت۔

ارے یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ میں نے ان سوچوں سے پیچھا چھڑایا اور رابعہ اور اس کی فیملی کے ساتھ آ بیٹھی بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر بارہ کے قریب یعنی ایک گھنٹہ بعد ہی لڑکی والے چلے آئے۔ پہلے ناچ گانے کا پروگرام ہوتا رہا پھر سجاد اپنے دوستوں کے ساتھ اندر آیا۔ ساری عورتیں مہندی کی رسم دیکھنے کے لئے دائرے کی شکل میں کھڑی ہو چکی تھیں کیا بوڑھی کیا جوان لیکن میں جہاں بیٹھی تھی وہیں رہی۔ میرے آگے بہت سی عورتیں ایک دوسرے پر گرتے ہوئے دائرے کے اندر داخل ہونے یا جھانکنے کی کوشش کر رہی تھیں حالانکہ یہ فضول بات تھی یہ حق تو لڑکی اور لڑکے والوں کا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پاس بیٹھیں باقی لوگ دیکھنا ہی چاہتے ہیں تو آرام سے دیکھیں۔

اچانک رقیہ بھیڑ چیرتی ہوئی میری طرف نکلی اور کہا۔

"ارے تم بھی آؤ"

میں نے حیران ہو کر اس کو دیکھا کہ اس لہجے میں تو انہوں نے کبھی مجھے مخاطب نہ کیا تھا لیکن جلد ہی مجھے پتہ چل گیا کہ میرے پیچھے کچھ دوسرے لڑکوں کے ساتھ جن میں رابعہ کے بھائی بھی شامل تھے شاداب کھڑا تھا رقیہ اسی سے مخاطب تھی۔

"جلدی سے آؤ شاداب' سجاد اٹھتے ہی جس کے ساتھ ہاتھ لگائے گا اس کی شادی جلدی ہوگی۔"

"مجھے یہ تو ہم پرستی والی بات سن کر ہنسی آتے آتے رہ گئی لیکن میرے پیچھے کھڑے شاداب نے خشک لہجے میں کہا۔"

"جب مجھے شادی ہی نہیں کرنی تو پھر فائدہ؟ ویسے بھی میں ان حماقتوں کو نہیں مانتا۔" اور رقیہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی پھر دائرے میں چلی گئی تو مراد نے

پوچھا۔

"اصل بات کیا ہے' کیوں شادی کرنا نہیں چاہتے کیا کسی کو دل دے بیٹھے ہو؟"

"ہاں دل ہی دے بیٹھا تھا۔" شاداب نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" مراد خاں نے پوچھا اور شاداب طویل سانس لے کر بولا۔

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

"اوہ تو یہ بات ہے وہ تمہیں چھوڑ چکی ہے تو تم بھی اس کو بھول جاؤ۔ آپا بہت پریشان رہتی ہیں۔ تمہارے لئے۔" مراد کہہ رہا تھا۔

"ماؤں کو ایسے ہی عادت ہوتی ہے پریشان ہونے کی" وہ منہ بنا کر بولا۔

"کیا تم شادی نہیں کرو گے؟" مراد نے کہا۔

"کروں گا یار جب وہ ہاں کرے گی" شاداب نے کہا پھر سجاد کو اٹھتے دیکھ کر وہ سب لڑکے بھی باہر چلے گئے ان کے ساتھ ہی شاداب بھی چلا گیا اور میں پھر اس کی بات پر غور کرتی رہ گئی۔

رات کے دو بجے تک ناچ گانے کا مقابلہ چلتا رہا تھا جن میں اردو کے کم اور پشتو کے زیادہ گانے تھے لیکن مجھے صرف ہزارہ ڈانس پسند آیا تھا۔ عورتیں دائرے کی شکل میں جمع ہو کر ہاتھوں کو کبھی اوپر لے جا کر تالی بجاتیں اور کبھی جھک کر اور ساتھ ہی مخصوص انداز میں ڈھولک بجاتیں ۔ اس ناچ میں آواز کسی کے منہ سے نہ نکلتی تھی صرف تالیوں اور ڈھولک کی آوازیں گونجتی تھیں اور بہت پیاری لگتی تھی۔

پھر لڑکی والے چلے گئے اور ساتھ ہی رابعہ اور تاشہ بھی لیکن ڈھولک کا ہنگامہ ختم نہ ہوا تھا کیونکہ اب گھر کی لڑکیوں نے ڈھولک سنبھال لی تھی جن میں بنا پیش پیش تھی۔ ظاہر ہے اس کے بھائی کی شادی تھی جبکہ باہر لڑکے بھی کچھ کم شور نہ کر رہے تھے' فائرنگ ہو رہی تھی' گولیاں چل رہی تھیں۔

میں تقریباً تین بجے رات کو تھک کر اٹھ گئی اور اپنے کمرے میں چلی آئی پھر تھکن سے چور بستر پر گر گئی جی چاہ رہا تھا ایک' دو کپ چائے یا کافی ہاں بدلا پی لوں اور باہر چائے مسلسل بن رہی تھی' نہ بھی بن رہی ہوتی تو میرے کہنے کی دیر تھی وہ مجھے بنا کر دے دیتے لیکن پھر مجھے نیند نہیں آتی۔ جبکہ تھکی اتنی زیادہ تھی کہ میں سونا چاہتی تھی سو لیٹ گئی ہاتھ کی انگلیوں پر ہلکی ہلکی جلن اب بھی ہو رہی تھی لیکن تھکن کی وجہ سے نیند آ گئی اور میں سو گئی۔

پتہ نہیں کتنا وقت گزرا تھا کہ مجھے نیند میں محسوس ہوا جیسے میرے قریب آ کر کوئی لیٹا ہو۔ میں نے نیند سے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بستر پر میں اکیلی ہی تھی۔ لیکن جب میں نے آنکھیں بند کرنی چاہیں تب میں نے دیکھا شاداب بیڈ کے قریب کھڑا تھا۔ میرے دیکھتے ہی وہ بستر پر میرے قریب گرنے والے انداز میں لیٹ گیا۔ قریب میرے ساتھ لگتے ہوئے۔

تھکن اس قدر زیادہ تھی کہ پوری آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے آنکھوں پر کسی نے بہت زیادہ بوجھ رکھ دیا ہو۔ میں نے جب پوری طرح شاداب کی موجودگی کو محسوس کیا تو گھبرا گئی تب ہی شاداب تکیے سے سر اٹھا کر میری طرف جھکتے ہوئے بولا۔

"زہے نصیب آپ اور شاداب کے بستر میں" اور اس کی گرم سانسوں کی تپش میرے چہرے کو جلانے لگی۔

مارے گھبراہٹ کے میں نے پوری آنکھیں کھولتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کی تو شاداب نے مجھ پر بازو دراز کرتے ہوئے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"اب آ ہی چکی ہیں تو پلیز" اس نے اپنا چہرہ مجھ پر رکھنے کی کوشش کی۔

"شاداب" میں نے سخت غصے سے کہتے ہوئے اس کا بازو ہٹانے کی کوشش کی تو شاداب نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"پلیز...... پلیز اب نہ جائیں...... صرف ایک بار......" صرف ایک بار کہہ دیں کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ آپ ابھی مجھے چاہتی ہیں' صرف ایک بار۔"

وہ آنکھیں بند کئے جذبات سے بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"بدتمیز۔" میں نے اس کے جسم میں اپنے چھوٹے چھوٹے ناخن گاڑنے کی کوشش کی تو شاداب نے آنکھیں کھول کر مجھ پر جما دیں۔

"چھوڑو مجھے کمینے ۔تم باز نہیں آؤ گے اپنی ذلالت سے" میں نے دانت پیستے ہوئے اس کو گھورا وہ یونہی آنکھیں کھولے مجھے دیکھتا رہا جیسے اس کے کانوں میں کوئی آواز نہ جا رہی ہو۔

میں نے ہی ہاتھوں کے آزاد ہونے کا فائدہ اٹھا کر اس کو خود پرے پرے دھکیلنے کی کوشش کی تو وہ جیسے ہوش میں آ گیا ایک دم مجھے چھوڑ کر نہ صرف الگ ہو گیا بلکہ جلدی سے اٹھ بھی گیا پھر بیڈ کے قریب کھڑا ہو کر وہ مجھے گھورنے لگا۔ اگرچہ کمرے میں لائٹ آف تھی لیکن کھلی کھڑکی سے پورے چاند کی روشنی کمرے میں نائٹ بلب سے زیادہ روشنی کر رہی تھی۔

مارے غصے کے میں خود بھی جلدی سے اٹھ بیٹھی' شاداب کھڑا مجھے گھور رہا تھا پھر اس نے مجھے دیکھتے ہوئے یہ طنزیہ انداز میں کہا۔

"افوہ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ دنیا کی کوئی عورت قانونی اور شرعی طور پر میری بیوی بن کر میرے پاس نہیں آئے گی مگر آپ کو ہاں آپ کو چھونے کا حق تو مجھے نکاح کے بعد ہی ملے گا' دنیا کی بہت سی عورتوں کے پاس میں جا سکتا ہوں ان کو چھو سکتا ہوں لیکن آپ تو میرے نکاح میں آنے کے بعد مجھ پر"

"شٹ آپ۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"یو شٹ آپ۔" شاداب رات کا خیال کر کے دبے لہجے میں غرایا۔

"آپ یہاں میرے کمرے میں کیا لینے آئی ہیں' ویسے تو آپ کو مجھ سے نفرت ہے اب کیا محبت کرنے کا پروگرام بن گیا ہے یا پھر سے مجھے بے وقوف بنانے کا ارادہ ہے۔ وہ دبے دبے لہجے میں بول رہا تھا۔

"بکواس بند کرو یہ کمرہ رقیہ آپا نے مجھے دیا ہے۔"

"کیا؟ مینا کہتی تھی یہ میرا ہے۔" وہ کچھ الجھ کر بولا۔

مگر میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہا۔ "نکل جاؤ یہاں

سے ورنہ بہت بری طرح پیش آؤں گی۔"

"میں نکل جاؤں میرا کمرہ ہے آپ جائیے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

میں سوچنے لگی کہاں جاؤں اس وقت یہاں رہنا یا رہنے کی ضد کرنا بھی اچھا نہیں ہو گا کہ شاداب بہت بدتمیز ہے۔

"پلیز گٹ آؤٹ" مجھے کھڑے دیکھ کر وہ دھاڑا تو میں جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی اور جیسے ہی شاداب کے قریب سے گزرنے لگی اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا مارے نفرت اور شدید غصے کے میں نے دوسرا ہاتھ پوری قوت سے اس کے منہ پر رسید کرنا چاہا تو شاداب نے نہ صرف میرا وہ ہاتھ بھی پکڑ لیا بلکہ جواباً اس کے دوسرا ہاتھ میرے چہرے کو چھو بھی چکا تھا۔

میں نے تڑپ کر اس کو دیکھا تو وہ سرد لہجے میں بولا۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا مجھے ہاتھا پائی کرنے والی عورتیں پسند نہیں۔ ویسے بھی مار پیٹ کا حق صرف مرد کے پاس ہوتا ہے باقی یہ تھپڑ ادھار بھی تھا' سو چکا دیا میں نے ٹھیک کیا نا ورنہ ساری زندگی مجھے افسوس رہتا کہ جس کو مارنے کا حق میرا تھا اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا اب جاؤ یہاں سے' آئی سے گٹ آؤ۔" وہ چیخا اور میں جلدی سے آنکھوں میں آنے والے آنسو چھپا کر باہر نکل آئی۔

ہنگامہ مدھم پڑ چکا تھا عورتیں برآمدے کی چق ڈال کر اور زمین پر بستر بچھا کر سو رہی تھیں کچھ اندر کمروں میں تھیں۔ گھر کے باہر اب بھی شور تھا جس کا مطلب تھا لڑکے ابھی بھی باہر باتوں میں مصروف تھے میں صحن میں کھڑے اپنی حالت پر غور کرنے لگی کہ بیٹھنے کے لئے کوئی چیز اب صحن میں موجود نہیں تھی مجھے رقیہ پر غصہ آ رہا تھا۔ کمرے میں سونے سے پہلے میں نے اس کو کہا بھی تھا۔

"شاداب کا بیگ بھی ادھر ہی ہے کہیں وہ رات سونے کے لئے نہ آ جائے مجھے کوئی دوسرا کمرہ دے دیں۔" تب رقیہ نے کہا تھا۔

"باجی وہ ساری رات باہر لڑکوں کے ساتھ بیٹھے گا۔ آپ آرام سے سو جائیں۔" اور چونکہ کل وہ پشاور سے بھی واپس نہ آیا تھا۔ اس لئے میں اطمینان سے سو گئی تھی اور شاید تھکن نے بھی مجھے سونے پر مجبور کر دیا تھا کل رات بھی جاگی تھی۔

لیکن اب اپنی بے عزتی پر میری آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے لیکن میں کوشش کر رہی تھی کہ ایسا نہ ہو' لوگ رونے کا سبب پوچھیں گے تو پھر کیا کروں گی۔

جنوری کا مہینہ تھا دوپٹے میں باہر نکل آئی تھی حالانکہ شال سرہانے پر پڑی ہوئی تھی اور مجھے اب سخت سردی لگ رہی تھی۔

کچھ دیر میں یہ سردی برداشت کرتی رہی پھر جب ناقابل برداشت ہوئی تو میں مجبوراً کمرے میں آئی اور دروازے پر ہی رک گئی میری شال شاداب کے بازوؤں میں تھی وہ اس کو سینے سے لپیٹے آنکھیں بند کئے نجانے کیا کیا بڑبڑا رہا تھا میں جلدی سے باہر آ گئی اور شال مانگنے کا پروگرام موخر کر دیا۔

میں بے چینی سے صحن میں ٹہل رہی تھی کہ اچانک سجاد باہر سے اندر آیا مجھے ٹہلتے دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔

"کیا بات ہے آنٹی' اتنی سخت سردی میں آپ یہاں کھڑی ہیں۔ خیریت؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں سجاد' میں نے اپنی بے بسی پر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میری شال مل نہیں رہی۔" میں نے آہستہ سے کہا اور کہتی بھی کیا۔

"یہ لے لیجئے۔" سجاد نے اپنے اوپر سے گرم چادر اُتار کر مجھے دیتے ہوئے کہا اور میں نے رسمی سا بھی انکار نہ کیا کہ اب مزید سردی برداشت کرنے کی مجھ میں سکت نہیں تھی۔ سجاد کی بڑی سی مردانہ چادر مجھے پاؤں تک آئی تھی اور میرے جسم کو تھوڑی راحت ملی تھی سجاد پھر باہر نکل گیا تھا۔ لیکن فوراً ہی وہ لڑکوں کے ساتھ اندر آیا اس نے خود جلتے کوئلوں کی انگیٹھی اٹھا رکھی تھی۔ جبکہ لڑکوں نے دو کرسیاں۔ لڑکے کرسیاں رکھ کر چلے گئے تو سجاد نے مجھے بیٹھنے کا کہتے ہوئے پوچھا۔

"آنٹی اگر طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر کو بلاؤں؟" وہ میرے لئے پریشان تھا۔

"نہیں بیٹا ٹھیک ہوں۔" میں نے پاؤں آگ کے قریب کرتے ہوئے کہا اتنے میں ایک لڑکا پھر اندر آیا اب اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا سجاد نے

ے مجھے دیتے ہوئے کہا۔

"لیجئے آنٹی پی لیں ہو سکتا طبیعت بہتر ہو جائے۔"

"سجاد! تم میری وجہ سے کیوں پریشان ہو رہے ہو؟" میں نے مگ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ارے آنٹی باہر رات سے مسلسل چائے بن رہی ہے اب اگر آپ کے ئے بن گئی تو کیا ہوا۔" میں چائے پینے لگی اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے میرا دل لانے لگا۔ ابھی میں نے چائے ختم کی ہی تھی کہ موذن اذانیں دینے لگے لیکن ہم بھی وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

☆☆☆

ہم لوگ ابھی شاید اور بیٹھتے کہ اچانک اندر سے سجاد کا ایک دوست باہر یا اور بولا۔

"یار کمرہ سجا دیا ہے اب عورتوں کے اٹھنے سے پہلے ہی تالا یاد سے لگا دینا۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے" سجاد نے کہا اور وہ لڑکا چلا گیا تو میں نے اٹھتے ئے کہا۔ "مجھے نماز پڑھنی ہے ادھر تو کوئی جگہ خالی نظر نہیں آ رہی میں رابعہ کی امی کے گھر چلی جاتی ہوں۔"

"آنٹی میرا کمرہ خالی ہے وہاں پڑھ لیجیے۔" سجاد نے کہا۔

"تم نے سنا نہیں تمہارا دوست کیا کہہ رہا تھا کہ عورتوں کے اٹھنے سے پہلے تالا لگا دینا۔"

"ارے۔" سجاد ہنسنے لگا پھر کہا۔ "اس نے عورتوں کا کہا ہے آپ کا نہیں ل میں اس بے چارے کی شادی پر ہم سب دوستوں نے بڑی محنت سے مل کر کمرہ سجایا تھا لیکن جب عورتوں نے باری باری دیکھنا شروع کیا تو اس کا حلیہ ہی خراب کر دیا، چیزوں کو چھو چھو کر۔ اس لیے وہ مجھے کمرہ بند کرنے کا کہہ رہا تھا۔"

"بس تو پھر تم کمرہ بند کر ہی دو۔" میں نے کہا اور سجاد چلا گیا جبکہ میں خود رابعہ کی امی کے گھر چلی آئی اور نماز پڑھ کر وہیں ان کے ہاں لیٹ گئی کہ طبیعت کچھ بہتر نہیں لگ رہی تھی۔ صبح اس ظالم نے میرا ہاتھ جلایا تھا اور پھر آدھی

رات کو کمرے سے نکال دیا تھا اور وہ بھی کتنا بے عزت کر کے وہ تو سجاد کی باتوں نے میرا دل .بہلا دیا اور دھیان بھی بٹا دیا ور نہ شاداب نے جو کیا تھا وہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔

صبح جب ان لوگوں نے مجھے ناشتے کا کہا تو میں نے انکار کر دیا صرف ایک پیالی چائے پی کر میں پھر لیٹ گئی اور ان سے کہہ دیا کہ رات شور کی وجہ سے میں سو نہیں سکی اس لیے اب سوؤں گی۔ اگر ادھر سے مجھے کوئی بلانے آئے تو جگایئے گا مت۔ اور اس کمرے میں جا کر لیٹ گئی جہاں پہلی بار آنے پر میں لیٹی تھی۔

کہا تو میں نے ان سب سے سونے کا تھا لیکن نیند آنکھوں سے بہت دور تھی۔ ویسے بھی مجھے ہلکی ہلکی حرارت محسوس ہو رہی تھی لیکن میری کوشش تھی طبیعت خراب نہ ہونے پائے خوانخواہ سب پریشان ہوں گے۔

میں یونہی لیٹی سوچتی رہی اور وقت گزرتا رہا پھر میری آنکھ لگی ہی تھی کہ رقیہ ان سب کے روکنے کے باوجود اندر چلی آئی۔ ساتھ رابعہ کی بڑی بھابھی مہ جبیں بھی تھی جو اسے روکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اگر وہ سو رہی ہیں تو جگانا مت۔'' لیکن میں نے آنکھیں کھول دیں تو رقیہ مجھ پر جھکتے ہوئے بولی۔

''باجی اب اُٹھ جاؤ بارات جانے والی ہے سب لوگ تیار ہو چکے ہیں۔''

میں اٹھ گئی رابعہ کی بھابھی باہر چلی گئی تو رقیہ نے کہا۔

''سجاد بتا رہا تھا رات آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی آپ نے مجھے کیوں نہ اٹھا لیا باجی۔''

''ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی بس دل گھبرا رہا تھا اب ٹھیک ہوں آپ ایسا کریں، میرے کپڑوں والا بیگ ادھر بھیج دیں ادھر شور بہت ہے۔''

''مجھے معاف کر دیں باجی آپ ناراض ہیں رات شاید شاداب نے آپ کو کمرے سے نکال دیا تھا کیونکہ صبح اس کمرے میں وہی سو رہا تھا۔ وہ بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔ کسی کا ادب اور لحاظ کرتا ہی نہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ وہ بہت بدل گیا ہے۔''

''نہیں آپا اس نے تو مجھے نہیں نکالا تھا میں تو اس کے آنے سے پہلے ہی آ چکی تھی۔ اپنی خراب طبیعت کی وجہ سے۔'' میں نے اس خیال سے جھوٹ بولا بے چاری شرمندہ نہ ہو اور پھر یہ بات سب میں پھیلتی تو سب ہی پوچھتے کہ اب نے ایسا کیوں کیا؟ اگر نہ بھی پوچھتے تو سوچتے ضرور۔ رقیہ کہہ رہی تھی۔

''باجی غلطی شاداب کی نہیں مینا کی ہے جس نے شاداب سے کہا کہ آپ بیگ اس کمرے میں ہے اور یہاں پر ہی آپ آرام کیجئے گا اور تھوڑی سی غلطی ی بھی ہے میں نے سوچا شاداب تو باہر رہے گا کہ سارے لڑکے رات بھر جاگتے رہے تھے۔''

میں جانتی تھی غلطی رقیہ آپا کی نہیں غلطی صرف شاداب کی ہے۔ اس نے ، اس کمرے سے تیار ہو کر نکلتے اچھی طرح دیکھا تھا پھر غلط فہمی کیسی وہ جان کر میرے کمرے میں آیا تھا مجھے ذلیل کرنے، بہت ناراض تھا مجھ سے اور اب ناراضگی مجھے ذلیل کرنے سے ختم تو نہیں ہو سکتی تھی۔ رقیہ آپا بار بار اظہار ندگی کر رہی تھی۔

''چھوڑیئے آپا آپ خوانخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ شاداب نے ایسا کچھ ں کیا جس کے لیے آپ شرمندہ ہوں۔ میں نے آپ کو بتایا تو ہے میری اپنی طبیعت ٹھیک نہ تھی اصل میں، میں شور کی عادی نہیں ہوں آپ ایسا کریں میرا ۔ ادھر بھیج دیں۔ میں سجاد کی چادر سنبھالتے ہوئے اٹھی تو دروازے میں کھڑے راب پر نظر پڑ گئی وہ نجانے کب سے کھڑا باتیں سن رہا تھا۔ مجھے اپنے طرف ھتے پا کر اسنے رقیہ سے کہا۔

''امی میری بات سنیے۔''

''تم چلو میں آتی ہوں۔'' رقیہ نے کہا۔

''امی بات بہت ضروری ہے جلدی آئیں۔''

''اچھا بابا بتاؤ۔'' رقیہ جانے لگی تو میں نے کہا۔

''آپا میرا بیگ یاد سے بھیج دیجئے گا۔''

رقیہ نے کچھ جواب نہ دیا باہر کھڑی ہو کر شاداب کی باتیں سننے لگی وہ

ماتھے پر بل ڈالے آہستہ آہستہ نجانے کیا کہہ رہا تھا۔ پھر وہ غصے سے منہ بناتا ہ
چلا گیا۔ رقیہ پھر اندر آئی اور کہا۔

''آؤ باجی، ادھر رہنا آپ کا ٹھیک نہیں یہ لوگ کیا سوچیں گے میں آ
کو تین دن بھی نہ رکھ سکی۔''اور میں سجاد کی چادر سنبھالتے ہوئے اٹھ کر اس
ساتھ باہر آئی تو شاداب رابعہ کے بھائیوں کے ساتھ کھڑا ہنس ہنس کر باتیں کر
تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اندر ماں سے باتیں کرتے ہوئے جو بل اس کے ماتھے
تھے وہ مٹ چکے تھے۔ میں جلدی سے رقیہ کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہو
رقیہ مجھے اسی کمرے میں لائی اور کہا۔

''باجی شاداب کا بیگ میں نے ادھر سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں
دیا ہے اور اسکو بتا دیا ہے کہ ادھر باجی رہیں گی۔ اب وہ رات کو تو کیا دن کو
ادھر نہیں آئے گا آپ جلدی سے تیار ہو جائیں۔''

وہ مجھے چھوڑ کر باہر چلی گئی اور میں نے بستر کی طرف دیکھا میری ش
تہہ کر کے تکیے پر رکھی ہوئی تھی۔ سارا بستر شکن آلود تھا جیسے کوئی کروٹیں بدلتا رہا
میں نے بیٹھنے کی بجائے بیگ کھول کر نکل سلک کا پرنٹڈ سوٹ نکالا اور تیار ہو
چلی گئی۔

تیار ہو کر میں باہر نکلی تو رابعہ تاشہ میرے کمرے کی طرف ہی آ رہی تھ
مجھے دیکھتے ہی رابعہ نے کہا۔

''امی بتا رہی تھیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں کیا ہوا آپا۔

''کچھ خاص نہیں بس کبھی کبھی دل گھبرانے لگتا ہے اب تو ٹھیک ہو
''میں نے ان کو مطمئن کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آنٹی! آپ کا تو بھائی ڈاکٹر ہے۔ پاپا کو یاد سے دکھا لیجئے گا۔'' تا
ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اوکے بھئی دکھا لوں گی۔'' میں نے بھی مسکرا کر کہا اور صحن میں
دوسری عورتوں کو دیکھنے لگی چودہ سال پہلے جب میں آئی تھی تو وہ سب اپنے مخصو
لباس میں ملبوس تھیں۔ یعنی فراک اور گھیر دار شلوار لیکن اب زیادہ تر نے شلوار سو

رکھے تھے۔ بارات چلنے کی تیاری مکمل ہو گئی تب ہی رقیہ بھاگی بھاگی میری
ف آئی اور کہا۔

''باجی یہ کیا سادہ سوٹ پہن لیا اب۔ اس پر یہ دوپٹہ لے لیجئے۔'' اس
بھاری کامدار دوپٹہ میری طرف بڑھایا۔

''رقیہ آپا۔ مجھ سے یہ سنبھالا نہیں جائے گا مجھے عادت نہیں۔''میں نے
ر کرتے ہوئے کہا تو تاشہ دوپٹہ کھولتے ہوئے بولی۔

''آنٹی آپ پر بہت اچھا لگے گا۔ اگر آپ سنبھال نہیں سکتیں تو میں پن
دیتی ہوں ٹھیک ہے نا۔'' وہ رقیہ کے ہاتھ سے دوپٹہ پکڑتے ہوئے رابعہ سے
نے لگی۔

میں نہ نہ کرتی رہ گئی مگر وہ دوپٹہ مجھے اوڑھنا پڑا میں ان سب کے ساتھ
آئی تو شاداب اکیلا ایک طرف کھڑا نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ میں رابعہ کے
ان کی کار میں بیٹھ گئی ہم قریب سے گزرے تو شاداب نے ایک نظر ہم پر
پھر گھوم کر دوسری طرف کھڑے ذاکر بھائی سے باتیں کرنے لگا اور جب
ر بھائی گاڑی میں بیٹھے تو وہ بھی اگلی سیٹ پر شہاب کے ساتھ دروازہ کھول کر
گیا۔

مجھے غصہ تو بے حد آیا کمینہ قدم قدم پر میری انسلٹ بھی کر رہا تھا۔ مجھے
ت دے رہا تھا اور میرے ساتھ رہنے کی کوشش بھی کر رہا تھا پھر میں نے سوچا
بار بار ذلیل کرنے کے لیے تو وہ میرے ساتھ رہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب
نے اس وقت کیا بکواس کرے گا افوہ اب تو رابعہ اور ذاکر بھائی ساتھ ہیں۔ میں
پریشانی سے سوچا پھر دعا کی۔''اللہ کرے وہ چپ ہی رہے۔''

''آج کل کہاں ہوتے ہو؟'' ذاکر بھائی پوچھ رہے تھے۔

''ایک ماہ پہلے ہی کوئٹہ ٹرانسفر ہوا ہے'' وہ بتا رہا تھا۔

''پھر تو تم عائشہ سے ملے ہو گے یہ بھی ادھر ہی ہوتی ہے نا'' ذاکر بھائی
کہا۔

''ان کے ایڈریس کا مجھے پتہ نہیں۔ ویسے بھی ہماری مصروف زندگی میں

گنجائش کہاں ہوتی ہے ادھر اُدھر وقت ضائع کرنے کی۔" شاداب نے کچھ ناگواری سے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے لوگوں سے ملنا وقت ضائع کرنا ہے۔" ذاکر بھائی کچھ خفا ہو کر بولے۔

"میرا مطلب یہ نہیں میں تو اپنی مصروفیات کے حوالے سے بات کر رہا ہوں۔" وہ چالاکی سے بات بدلتے ہوئے بولا" اور پھر ساری رہائش چھاؤنی میں ہوتی ہے جو سول ایریا سے بہت دور ہے۔" اس نے مزید وضاحت کی۔

"اچھا یار کبھی گھر آنا گپ شپ رہے گی۔" ذاکر بھائی نے دعوت دی۔

"جی ضرور ذرا شادی سے فارغ ہو جاؤں روز حاضر ہو جایا کروں گا۔" وہ کہہ رہا تھا اور مجھے غصہ آ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا شادی کے بعد مجھے اُدھر رہنا ہے اس لیے اس نے ابھی سے یہ بات ذاکر بھائی سے کہہ دی تھی کہ وہ ضرور آیا کرے گا۔

ہم لوگ بارات سے پہلے لڑکی والوں کے گھر پہنچ گئے تھے۔ بارات ہمارے پیچھے تھی اور خوب فائرنگ ہو رہی تھی۔ ہمارے اترتے ہی ذاکر بھائی گاڑی ایک طرف لے گئے تو شاداب بارات کی طرف بڑھ گیا اور ہم اندر چلے گئے۔

شام کو ہماری واپسی ہوئی تو رابعہ نے کہا۔ "وہ یہاں سے سیدھے اپنے گھر جائیں گے اور اب کل ولیمے پر ہی آئیں گے۔"

یہ بات سن کر میں پریشان ہو گئی رابعہ میری پریشانی نہیں جانتی تھی اس لیے گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔ میں وہیں کھڑی تھی کہ رقیہ نجانے کس طرف سے نکل کر میری طرف آئی اور بولی۔

"باجی! آپ لوگ کسی دوسری گاڑی میں بیٹھ جائیں اس گاڑی میں کچھ خاص لوگ بیٹھیں گے۔"

"کون خاص لوگ؟" میں نے پوچھا اور میں شاداب کا جواب سننے کی بجائے پیچھے آ کر رکنے والی مراد خان کی گاڑی میں بیٹھ گئی...... وہ بار بار مجھے ذلیل کر رہا تھا اور اپنی من مانی بھی۔ جب میں اس کی گاڑی میں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی تو

ی بٹھاتا تھا یا خود وہاں آ بیٹھتا تھا اور اب میں خود رقیہ کے ساتھ اس کی ی طرف بڑھی تھی تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ /

مطلب میری توہین کرنا ہی تو تھا اگر میں نہیں بیٹھنا چاہتی تھی تو وہ بیٹھنے ر دیتا تھا اور اب میں بیٹھنے کے لیے گئی تھی تو اس نے انکار کر دیا تھا۔"

لیل" میں نے دل میں سوچا۔

گھر آتے ہی میں سیدھی اپنے کمرے میں آئی دوپٹہ اتار کر ایک طرف خود جوتا اتار کر بستر پر دراز ہو گئی اور اس مسئلے کا حل سوچنے لگی۔ تب پہلی اپنے غلطی کا احساس ہوا کہ مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ رقیہ ناراض ی تو میرا کیا بگاڑتی مجھے کون سا آئندہ زندگی میں اس کے سامنے آنا تھا۔ وہ ے زیادہ مجھے بے وفا ہی کہتی لیکن وفا تو آج کل اپنے سگے بھی نہیں کرتے۔

پھر سوچا ذاکر بھائی کب سے یہاں آنے کے بارے میں کہہ رہے تھے ا ضد کر رہی تھی اچھا ہے ان لوگوں سے بھی مل لیا ورنہ۔

اچانک دروازہ کھلا اور شاداب اندر داخل ہوا ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی اور رف بڑھا تو میں مارے غصے کے اٹھ بیٹھی اور سوچ لیا۔ اگر اس وقت اس کہا تو بری طرح پیش آؤں گی۔ مگر وہ میری طرف آنے کی بجائے بستر کے پڑی میز سے سجاد کی چادر اٹھا کر سنجیدگی سے مڑا اور اس کے جانے سے رقیہ اندر داخل ہوئی پھر پوچھا۔

"مل گئی تمہاری چادر؟"

"جی مل گئی میں نے دی تو رات سجاد کو تھی مگر ملی یہاں سے ہے۔ وہ مجھ ظر ڈالتے ہوئے باہر نکل گیا تو رقیہ نے کہا۔

"یہ شاداب کی چادر تھی رات جب شاداب سونے کے لیے آیا تو سجاد لی تھی پھر اس نے شاید آپ کو دے دی تھی۔" میں نے سر ہلا دیا منہ سے بولی۔

پھر شاید دولہن آئی تھی کیونکہ فضا میں گولیاں چلنے کی آواز آنے لگی تھی اور پہلے سے زیادہ بڑھ گیا تھا لیکن میں اپنے کمرے میں ہی لیٹی رہی طبیعت

سنبھلی نہیں تھی اور پھر نجانے کب سوگئی۔

صبح نماز کے لیے باہر آئی تو شاداب چادر لپیٹے باہر سے اندر آ رہا ساتھ ایک اور لڑکا بھی تھا وہ دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے اس کمرے طرف جا رہے تھے جہاں ولیمے کا سامان رکھا تھا۔

مجھے دیکھ کر شاداب چونکا پھر بڑی لاپرواہی سے آگے بڑھ گیا میں وا کے اپنے کمرے میں آئی اور جب دوپٹہ اتار کر شال لی تو اس میں سے مخصوص خو آ رہی تھی اس پرفیوم کی جو شاداب استعمال کرتا تھا تب مجھے یاد آیا جب میں شا لینے آئی تو شاداب کے پاس دیکھ کر واپس چلی گئی تھی۔ میں نے وہ شال وہ تہہ کر کے رکھی اور دوسری نکال کر نماز پڑھنے لگی۔

رسم ولیمہ کے بعد جب رابعہ لوگ جانے لگے تو رابعہ نے رقیہ پوچھا۔

"اب تو اجازت ہے عائشہ کو لے جانے کی؟"

"ابھی نہیں ابھی مجھے باجی سے بہت ضروری کام ہے البتہ کل شا شاداب ان کو آپ کے ہاں چھوڑ آئے گا۔"

اور وہ لوگ چلے گئے میں بھی ان کے ساتھ جانا چاہتی تھی کیونکہ معلوم تھا کل شاداب راستے بھر پتہ نہیں کیا کیا بکواس کرے گا مگر رقیہ نے یہ ک میرا منہ بند کر دیا کہ "اس کو مجھ سے کام ہے اور بہت ضروری قسم کا"...... رقیہ کام کی نوعیت تو میں خود بھی کچھ کچھ سمجھتی تھی اس لیے ابھی جانے کی ضد کی مگر کیطرح میری ایک نہ چلی۔ ایک ایک کر کے سب دور نزدیک کے مہمان رخصت ہونے لگے۔ یہاں تک کہ دولہا دلہن بھی چلے گئے اور عورتیں صفائی وغیرہ میں گئیں میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی رقیہ بھی میرے کمرے میں آ گئی اور بستر پر بر قریب ہی بیٹھتے ہوئے بولی۔

"باجی آپ نے دیکھا میری بھابھی بیٹے کی خوشی دیکھ کر کتنی خوش ہے"

"بات ہی خوشی کی ہے تو خوش ہونا اس کا حق ہے۔" میں نے اس

سمجھتے ہوئے کہا۔ مجھے معلوم تھا وہ ایک بار پھر یہ ذمہ داری مجھے سونپے گی کہ شاداب سے کہوں کہ وہ شادی کر لے اور میں نے سوچ لیا تھا کہ میں یہ کہہ کر انکار کر دوں گی کہ شاداب بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔ میری بات کے جواب وہ میری بےعزتی نہ کر دے اس لیے مجھے معاف ہی رکھو۔

"باجی" رقیہ رازداری سے آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "میرا بھائی چاہتا ہے مینا شادی شاداب سے کر دی جائے۔"

"اچھا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں باجی انھوں نے کل رات مجھ سے بات کی تھی کہ اب شاداب کی ادی کر کے ہی اس کو جانے دینا اور میں نے کہا۔ کیسے کر دوں ابھی لڑکی تو کوئی بھی ہی نہیں اور پھر وہ مانتا بھی تو نہیں۔"

"کیوں تمھیں مینا نظر نہیں آتی۔" بھائی نے کہا۔ "اگر تم سنجیدگی سے ت کرو تو وہ ضرور مان جائے گا۔" بھائی نے یہ کہہ کر میرے دل کا بوجھ ہلکا کر یا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے لیکن مینا کی عمر کچھ کم نہیں۔" میں نے وچتے ہوئے کہا۔

"عمر کون دیکھتا ہے۔ باجی مینا شاداب سے چودہ پندرہ برس چھوٹی ہے ر عورت کو چھوٹا ہی ہونا چاہیے۔ میری بھابھی جو پندرہ برس بڑی ہونے کے باوجود برے بھائی کی بیوی بن گئی تھی۔" رقیہ نے کہا۔

"بس تو پھر اس بار شاداب کی شادی کر کے ہی بھیجنا۔" میں نے دل ے کہا اور سوچا کہ اس طرح شاید وہ مجھے بھول جائے۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے باجی لیکن شاداب مانے تب" رقیہ نے پریشانی ے کہا۔

"آپ بھائی کو ساتھ لے کر بات کر کے دیکھیے ہو سکتا ہے وہ مان ہی جائے۔" میں نے مشورہ دیا۔

"اگر اس نے بھائی کے سامنے انکار کیا تو بھائی اور بھی خفا ہوں گے آپ

ایک بار خود بات کر کے دیکھیں۔" رقیہ نے پھر مجھ سے کہا۔

"وہ بہت بدتمیز ہوگیا ہے وہ انکار کردے گا میں نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"نہیں باجی وہ آپ کی بے عزتی نہیں کر سکتا۔ وہ آپ کی بہت عزت کرتا ہے۔" رقیہ بیٹے کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی اور میں دل میں سوچ رہی تھی کہ تمھیں کیا معلوم وہ میری کتنی بے عزتی کر رہا ہے۔

"باجی میری خاطر آپ ایک بار بات کر کے دیکھئے۔" وہ منت کرنے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"آپا بچہ چھوٹا ہوتو اسے سمجھایا جا سکتا ہے وہ تیس سال کا ہے جب وہ خود کچھ نہیں سمجھتا تو پھر میں کیسے سمجھا سکوں گی۔" میں نے پھر ٹالنے کی کوشش کی۔

"آپ کی بات تو وہ مانتا رہا ہے۔" رقیہ نے جلدی سے کہا۔

"وہ وقت اور تھا تب وہ چھوٹا تھا اور میری عزت کرتا تھا۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا تو رقیہ نے کہا۔

"وہ اب بھی آپ کی بہت عزت کرتا ہے۔"

"کاش آپ جان سکتیں وہ میری کتنی عزت کرتا ہے۔" میں نے دل میں سوچا۔

"باجی!" یہ سوٹ اور دوپٹہ آپ کے لیے شاداب ہی تو لایا تھا۔" رقیہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی اور میں حیران سی سن رہی تھی۔

"اس نے مجھ سے کہا تھا امی اللہ کے ہم پر بہت احسان ہیں ان کی وجہ سے آج میں اس مقام پر ہوں۔ آپ کے سوٹوں کے ساتھ میں ان کے لیے بھی یہ ٹشو کا سوٹ اوردوپٹہ لایا ہوں۔ آپ اپنی طرف سے ان کو دے دیجئے گا۔ جب وہ پہلی بار آئیں تھیں تو آپ کو بہت حسرت تھی کہ آپ ان کو کچھ دے نہ سکی تھیں اب یہ سب ان کو اپنی طرف سے دے دیجئے گا لیکن میرا نام مت لیجئے گا۔"

میں دم بخود سن رہی تھی اور اندر ہی اندر غصے سے دانت پیس رہی تھی۔" سوٹ اور دوپٹہ میرے لیے وہ کمینہ لایا تھا۔ وہ قدم قدم پر مجھے ذلیل بھی کر رہا تھا

نی محبت بھی ثابت کرنا چاہتا تھا۔ کاش مجھے پہلے پتہ چل جاتا کہ یہ سب ے لیے وہ لایا ہے مگر تب رقیہ نے بھی پوری بات نہیں بتائی تھی وہ اب بتا رہی ر میں سوچ رہی تھی۔

جبھی جب میں تیار ہو کر کمرے سے باہر آئی تھی وہ دروازے کے قریب ا تھا۔ شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ میں اس کا لایا ہوا لباس پہنتی ہوں یا نہیں ر میرے باہر نکلتے ہی وہ ایک گہری نظر مجھ پر ڈال کر باہر نکل گیا تھا بعد میں ے ظہیر کو بلا کر خود اسکی جگہ بیٹھا اور مجھ سے سرگوشی میں کہا تھا۔" آپ بہت لگ رہی ہیں کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔"

"اوہ ذلیل انسان۔" میں نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔ "آخر وہ چاہتا ہے؟"

"باجی آپ میرا یقین کریں وہ آپ کی بات ضرور مان جائے گا آپ بار بات کر کے تو دیکھیں۔" رقیہ مجھے چھوڑنے کے لیے کسی بھی طرح تیار نہیں

"اچھا دیکھوں گی۔" بالآخر مجھے کہنا پڑا۔

"باجی! ابھی بات کر لیں اس وقت وہ اپنے کمرے میں اکیلا ہے سب میں لگے ہوئے ہیں اور پھر کل تو آپ رابعہ کے ہاں چلی جائیں گی پھر ہوسکتا شاداب بھی آپ کے ہاتھ نہ لگے اس وقت وہ موجود ہے۔"

"کہا نا بات کرلوں گی پھر جلدی کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"ابھی کرلیں تاکہ کل میں بھائی سے بات کرسکوں یہ آپ کے ساتھ ہی شاداب کا کمرہ ہے۔" رقیہ ایک دم پیچھے ہی پڑ گئی تھی مجبوراً مجھے اٹھنا پڑا میں ب کے کمرے کی طرف بڑھی تو رقیہ نے کہا۔

"میں دھیان رکھوں گی کہ ادھر کوئی نہ آئے تو آپ جائیں اور جلدی سے مجھے خوشخبری سنائیں۔"

اور میں اپنی بے بسی پر جھلاتی شاداب کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر ا ہوگئی اور دروازے کے قریب ہی کھڑی ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔

وہ دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھے کمر سے گاؤ تکیہ لگائے بیٹھنے کے انداز میں سیدھا لیٹا ہوا ٹانگ پر ٹانگ رکھے پاؤں ہلا رہا تھا۔ دن کو لیٹنے کے باوجود اس نے پاؤں کو بوٹ کی قید سے آزاد نہیں کیا تھا۔ اسکی آنکھیں بند تھیں مگر ہلتے ہوئے پاؤں بتا رہے تھے کہ وہ سویا ہوا نہیں ہے جاگ رہا ہے میں اسی شش و پنج میں تھی کہ اس کو مخاطب کیسے کروں اور یہ کہ میری بات پر اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔

کہ اچانک اس نے خود ہی شاید میری موجودگی کو محسوس کیا اور آنکھیں کھول کر دیکھا پھر جیسے ہی مجھ پر نظر پڑی چونکتے ہوئے ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے مجھے دیکھنے لگا جیسے میری آمد کا مقصد جاننا چاہتا ہو اور میں سوچ رہی تھی بات کیسے شروع کروں کہیں وہ میری بات سن کر بگڑ نہ جائے حالانکہ بگڑنا تو اسے لازمی تھا۔

کچھ دیر وہ میرے بولنے کا منتظر رہا پھر پوچھا۔

"آپ کی آمد کا مقصد جان سکتا ہوں؟"

میں نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوچا یہ خوامخواہ کی مروت بھی ٹھیک چیز نہیں جو نفع کی بجائے نقصان دے۔

"لگتا ہے آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں فرمایئے۔" وہ مجھے دلچسپی سے دیکھنے لگا تو میں نے اپنی پوری قوت مجتمع کر کے کہنا شروع کیا۔

"سنو شاداب تمہاری امی کہتی ہیں کہ تم شادی......"

"بس" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی غراتے ہوئے اٹھا اور کھڑکی کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہی بات کہنے آپ یہاں تک تشریف لائی ہیں؟"

"ہاں تمہاری امی کہتی تھی۔"

"آپ کون ہوتی ہیں؟ میرے اور میری امی کے درمیان بات کرنے والی؟" وہ ایک بار پھر میری بات کاٹتے ہوئے بولا اور مجھے گھورنے لگا۔

"شاداب میں خود بات کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن......" میں نے پھر کہنا چاہا۔

"چپ رہیے میں کچھ سننا نہیں چاہتا' ماں سے اہم بھلا اور کوئی ہستی ہو
اگر میں اپنی امی کی بات نہیں مان رہا تو آپ کو یہ خوش فہمی کیسے ہو گئی کہ
بات مان لوں گا۔" وہ تمسخرانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"دیکھو شاداب میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ تمھیں اب شادی کر لینی
یں نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ کہتی ہیں؟" وہ گویا تصدیق کرنے والے لہجے میں بولا۔

"ہاں میں کہتی ہوں۔" میں نے ضبط کرتے ہوئے اس کو دیکھا۔

"کیوں کہتی ہیں' حیثیت کیا ہے آپ کی؟" وہ دانت پیسنے لگا۔

"کوئی حیثیت نہیں ہے میری اس کے باوجود میں چاہتی ہوں کہ تم شادی
ں نے ضبط کرتے ہوئے جلدی سے بات مکمل کی۔

"اچھا کر لیتا ہوں۔" شاداب نے اچانک مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ شاداب میں یہی چاہتی ہوں۔" میں نے اطمینان کی گہری سانس
کے اتنی جلدی مان جانے پر مجھے حیرت تھی وہ کچھ دیر مجھ پر نظریں جمائے
ا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"ہاں کر لوں گا میں شادی اگر آپ ہاں کرتی ہیں کیونکہ میں نے قسم کھائی
میرے نکاح میں صرف آپ آئیں گی اب بولیں کریں گی مجھ سے شادی
" وہ پوچھ رہا تھا۔

"شاداب۔" میں نے غصے سے کہا۔

"اگر آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں تو پھر میرے اور میری ماں کے
ان ہی آئیں تو اچھا ہے۔ آپ کو اگر ابھی تک اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی
نکال دیجئے اس کو دل سے۔ میرے لیے اب آپ کی کوئی اہمیت نہیں۔" وہ
ے میں کہہ رہا تھا۔ "ویسے بھی اب مجھے شادی کی کچھ خاص ضرورت نہیں
کے بغیر ہی میرا وقت ٹھیک گزر رہا ہے بہت سی عورتوں اور لڑکیوں سے میری
ہے وہ مجھے شادی کی کمی کا احساس......"

"شاداب! کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں جب شادی کے بغیر کام چل رہا ہو تو پھر......"
"تم ایسے تو نہیں تھے۔" میں نے دکھ سے اس کو دیکھا۔
"ہاں میں ایسا تو نہیں تھا۔ یہ سب تو آپ کی مہربانی سے ہوا میری سب باتوں کی ذمہ دار تو آپ ہیں اس راستے پر آپ نے چلایا ہے مجھے میرے عمل کی ذمہ دار آپ ہیں۔" وہ زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"شاداب" میں نے احتجاج کیا۔ "میں نے جو کچھ بھی کیا تم اصلاح......"

"مت نام لیں میرے سامنے میری اصلاح کا آپ نے میری اص نہیں کی، آپ نے ظلم کیا میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ تخریب کاری کی ہے نے میرے ساتھ اور اب اس کے انجام کی منتظر رہیے؟ دیکھیے تو سہی آپ کے اصلاح شدہ انسان کا کیا حال اور انجام ہوتا ہے بلکہ ہو رہا ہے غور سے دیکھیے اور بتا دیجیے کیا یہ تخریب کاری نہیں؟ میں جو ایک غیرتمند پٹھان تھا جو غ پر قربان ہو جاتے ہیں آپ کی وجہ سے میں ایک قاتل بننے سے تو بچ گیا میں ا تو نہ بن سکا لیکن بے غیرت بن گیا اور یہ بے غیرتی آپ نے دی ہے مجھے راہوں پر میں صرف آپ کی وجہ سے آیا ہوں۔"
"میں نے ...... یہ غلط ہے۔" میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھی ہوئے کہا۔
"ہاں آپ نے...... آپ نے بارہ سال مجھے دھوکے میں رکھا پھر ٹھکر شادی سے انکار کر دیا اور میں آپ کو بھولنے کے لیے خود کو بھول گیا اپنی غیرت کردار کو بھول گیا اپنے خاندانی وقار کو بھول گیا آپ کی وجہ سے میرا کردار داغدا گیا میں جس نے آپ کو پانے کے لیے قبل از وقت دو رینک حاصل کیے میں کے نزدیک صرف آپ کی محبت آپ کی توجہ ہی اہم تھی میری زندگی کی اہم تمنا خوشی آپ کا حصول تھی۔ آپ کو پانا تھا میری اپنی خواہش صرف آپ کی قربت رفاقت تھی لیکن جب آپ نے مجھے اس محبت اس توجہ سے محروم کیا تو میں نے خ بہلانے اور وقت گزارنے کے لیے اپنے ساری نیک نامی داؤ پر لگا دی آپ نے

بننے میں اپنے حلقہ احباب میں کس نام سے مشہور ہوں اور یہ سب آپ کی نی کا نتیجہ ہے۔" وہ زہریلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"شاداب! میں نے تو تمہاری بھلائی......" میں نے کمزور آواز میں کہنا

"دفع کیجیے میری بھلائی کو نہیں چاہیے تھی مجھے ایسی بھلائی میں آپ کو پانا ا ہوں، آپ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں اور جب آپ مجھے نہیں مل سکتیں تو پھر ا جائیں باقی سب کچھ کیونکہ جب آپ مجھے نہیں مل سکتیں تو......" اس نے مجھے را اور ٹھوس لہجے میں کہا "پھر میں بھی کسی کو نہیں مل سکتا۔ یہ مت سمجھیے کہ میں کبھی جاؤں گا یا قسم توڑ دوں گا اور شادی کر لوں گا کبھی نہیں میں آپ کا انتظار کروں پ کی ہاں کا آپ کے ملنے کا خواہ یہ انتظار میری پوری زندگی پر ہی محیط کیوں لیکن میں کروں گا ضرور ہاں ضرور کروں گا۔"
"میری بات سنو شاداب جو بات ناممکن ہے اس کے لیے خود کو ضائع نہ و میں تمھیں کبھی نہیں مل سکتی میں کبھی شادی نہیں کروں گی بہتر ہو گا تم مجھے بھول مجھے معاف کر کے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔ یہی تمھارے حق میں بہتر ہے۔"
"معاف کیجیے آغاز وہاں سے ہو گا جہاں آپ کا ساتھ آپ کی رفاقت ملے گی، باقی نہ تو میں آپ کو بھول سکتا ہوں اور...... نہ ہی معاف کر سکتا ہوں۔ مجرم میں میری اس وقت تک جب تک آپ کفارہ ادا نہیں کرتیں اور مجھے نا ہے ایک دن آپ کفارہ ادا کرنے پر مجبور ہوں گی۔"
"اگر تمہارا یہی پروگرام ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں میں تو محض تمہاری امی جہ......" میں نے ہٹنا چاہا۔
"میری ماں سے مزید ہمدردی کی ضرورت نہیں اتنی ہی بہت ہے جتنی پ کر چکی ہیں۔" وہ غصے سے بولا۔
"او کے نہیں کرتی۔" اب کے میں نے بھی خشک لہجے میں کہا۔ میں جتنا ا ہو رہی تھی وہ اتنا ہی سخت بن رہا تھا۔
"تو پھر اب یہاں کیوں کھڑی ہیں مجھے نفرت ہے آپ سے جایئے

یہاں سے پلیز گٹ لاسٹ۔'' وہ یک دم غصے سے دہاڑا۔ اور میں باہر نکل آئی اپنی بے عزتی پر میرا جی چیخ چیخ کر رونے کو چاہ رہا تھا لیکن میں اپنے کمرے میں آ کر بے سدھ بستر پر گر گئی۔

اب مجھے خود پر بھی ندامت ہو رہی تھی۔ یہ میں نے کیسی تعمیر کی تھی جو تخریب کاری میں بدل گئی تھی میں چاہتی تھی قاتل بننے کی بجائے وہ پڑھ لکھ کر آفیسر بن جائے آفیسر تو بن گیا تھا...... لیکن یہ جو وہ دوسروں کی عزتوں سے کھیل رہا تھا اور یہ سب میری وجہ سے ہو رہا تھا مجھے خود سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

اگرچہ اس میں میرا اتنا قصور نہیں تھا جتنا خود شاداب کی اپنی ضد کا تھا بھلا ضرورت ہی کیا تھی اپنے سے بڑی عورت سے عشق کرنے کی چلو پہلے تو نادانی کی عمر تھی لیکن وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھا۔

''میں ان ہی پریشان سوچوں میں گم تھی کہ رقیہ آئی اور پوچھا۔

''باجی! کیا کہتا ہے شاداب'' تو میں نے کہا۔

''وہ کہتا ہے سوچوں گا۔'' رقیہ کو اس وقت مایوس کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بے چاری بدنصیب عورت نہیں جانتی تھی کہ اس کی خوشی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تو میں خود تھی۔

رقیہ اتنی سی بات سے خوش ہو گئی۔

''باجی میں نے کہا تھا نا کہ وہ آپ کو انکار نہیں کرے گا وہ آپ کی بہت عزت کرتا ہے۔ آپ کے سامنے وہ انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔'' وہ جوش بھرے لہجے میں کہتے ہوئے مجھے عزت اور محبت سے دیکھ رہی تھی اصل حالات سے بے خبر۔

میں چپ رہی تو رقیہ نے پھر کہا۔

''میں آج ہی بھائی کو بتا دوں گی کہ شاداب مان گیا ہے باجی آپ شاداب کی شادی پر آئیں گی نا؟'' وہ خوشی سے کھلتی ہوئی مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

''ضرور'' میں زبردستی مسکرائی مجھے تو معلوم تھا کہ وہ کبھی شادی نہیں کرے گا۔ اس کی نس نس میں میری محبت تھی جو اب نفرت میں بدل گئی تھی رقیہ جانے لگی تو میں نے کہا۔

''آپا! میں صبح جانا چاہتی ہوں ظہیر سے کہیے گا وہ مجھے پشاور چھوڑ آئے یہاں سے میں اسلام آباد چلی جاؤں گی کیونکہ اسلام آباد سے جہاز کا ٹکٹ ہے میرے پاس'' ایک دم سے ہی میں نے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''باجی! کل تو آپ کو رابعہ کے گھر نہیں جانا۔'' رقیہ نے مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں آپا' ایک بہت ضروری کام یاد آ گیا ہے اگر میں نہ گئی تو کالج کا بہت نقصان ہو گا' میں تو رابعہ سے ملنے بھی نہیں جاؤں گی اگر ملنے گئی تو وہ مجھے روک لیں گی' آپ بتا دیجئے گا کہ بہت ضروری کام یاد آنے پر وہ اچانک ہی چلی گئی تھیں۔''

''لیکن باجی وہ تو ناراض ہوں گی مجھ سے''

''آپا! میں نے آپ کے کتنے کام کیے ہیں۔ آپ بھی میرا یہ ایک کام کر دیں تو بہت مہربانی ہو گی' یقین کیجئے بہت مجبوری ہے باقی وہ اگر ناراض ہوں گی تو کوئی بات نہیں میں جب شاداب کی شادی پر آؤں گی تو منا لوں گی'' میں نے رقیہ کو خوش کرنے کے لیے شاداب کی شادی کا ذکر کیا جو کہ کبھی ہونا ہی نہیں تھی۔ وہ آوارہ ہو چکا تھا اور اسے ٹھیک کرنے کے لیے میرا شادی کے لیے رضا مند ہونا ضروری تھا جبکہ میں نے باقی کی تمام عمر شادی نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔

''اچھا'' رقیہ واقعی خوش ہو گئی اور باہر چلی گئی۔

میں گہری سوچ میں ڈوب گئی' اب یہاں رہنا فضول ہی تھا وہ مجھے کبھی اور کسی وقت بھی سب کے سامنے بے عزت کر سکتا تھا' وہ جب سے آیا تھا تب سے ہی ایسی حرکتیں کر رہا تھا۔

پہلے اس نے ماں کے کہنے پر سلام کرنے سے انکار کیا پھر کافی میرے اوپر گرائی اور گاڑی میں میرا دوپٹہ پکڑ لیا اور پرسوں رات اس نے جو کچھ کیا یا کرنا چاہا اور تھپڑ بھی مارا وہ یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ واقعی بہت بدل چکا ہے اب وہی کر رہا تھا جو اس کا دل کہہ رہا تھا اور میری یہاں بہت عزت تھی بات کھلتی تو لوگ کیا سوچتے۔

ساری رات میں سوچتی رہی ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ نہ لگی دو تین دن سے جو ہلکی حرارت تھی وہ گہری ہو رہی تھی۔

صبح میں نے نماز پڑھ کر دعا کی' اے خدا مجھے عزت کے ساتھ یہاں سے کوئٹہ لے جا' دوبارہ میں کبھی یہاں آنے کی غلطی نہیں کروں گی۔ بہت ساری محبتیں مجھے راس آ ہی نہیں سکتی تھیں۔ یہی سوچتے ہوئے میں نے لباس بدلا پھر اپنا سامان بیگ میں رکھنا شروع کیا بیگ بند کر کے اُٹھی ہی تھی جب مینا مجھے بلانے آئی۔

''آنٹی ناشتہ کر لیجیے۔''

میں اس کے ساتھ باہر آئی تو ناشتے پر صرف رقیہ کی بھابی' مینا اور رقیہ تھی میں بیٹھ گئی تو اس کی بھابی نے پوچھا۔

''رقیہ بتا رہی تھی کہ آپ جا رہی ہیں؟''

''جی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''یہ اچانک آپ کو جانے کی کیا سوجھی؟ ابھی تو آج آپ نے رابعہ کے گھر جانا تھا۔'' وہ پوچھ رہی تھیں۔

''مینا ناشتہ۔'' شاداب نے آ کر میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا اس کے ہاتھ میں پشتو کا اخبار تھا جسے وہ پڑھ رہا تھا۔

''بس اچانک ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے اسی لیے جا رہی ہوں۔'' میں نے شاداب کی وجہ سے زیادہ وضاحت نہ کی کہ کہیں وہ کمینہ میری بات نہ کاٹ دے۔

''بھابی' باجی کہتی تھیں جلد ہی شاداب کی شادی پر آؤں گی تو خوب رہوں گی۔'' رقیہ نے خوشی خوشی بتایا۔

پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے شاداب نے ایک خونی نظر مجھ پر ڈالی اور کھانے لگا' کھاتے کھاتے وہ ایک زہر بھری نظر مجھ پر بھی ڈال لیتا تھا مجھے اس سے خوف آنے لگا تھا۔ میں نے ایک دو نوالے لیے پھر ٹکوزی ہٹا کر کپ میں چائے ڈالی اور پینے لگی اور ساتھ چوری چوری شاداب کو بھی دیکھتی رہی جو غصے سے بھ ناشتہ کر رہا تھا اسکی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

خالی مگ رکھ کر میں اُٹھی تو رقیہ نے مزید چائے کا پوچھا لیکن شاداب کی قہر آلود نظروں سے بچنے کے لیے میں باہر نکل آئی اور صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے سوچا۔

''یہ رقیہ آپا بھی بس ایسی ہی ہیں اگر وہ یہ بات شاداب کے سامنے نہ کہتیں تو کیا بگڑ جاتا اب شاداب کا موڈ کتنا خراب ہے۔ خیر اب تو میں جا ہی رہی ہوں۔

اسی وقت شاداب بھی آ کر درخت کے نیچے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اخبار اب بھی اسکے ہاتھ میں تھا اور بظاہر اس نے نظر اخبار پر جما رکھی تھی۔ مینا تھوڑی دیر بعد اس کو آ کر چائے کا مگ دے گئی جسے اس نے کرسی کے قریب زمین پر رکھا اور خود اخبار پڑھنے لگا۔ مجھے لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔

لیکن کافی وقت گزر گیا وہ یونہی اخبار پر نظر جمائے بیٹھا رہا پھر رقیہ آپا بھی آ گئیں تو میں نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔

''آپا ظہیر کہاں ہے اس کو کہیں مجھے پشاور چھوڑ آئے۔''

''پشاور کیوں؟ وہ آپ کو اسلام آباد چھوڑ کر آئے گا۔ آخر آپ ہمارے مہمان ہیں۔'' رقیہ کی بھابی نے اندر سے آتے ہوئے کہا اور پھر باہر نکل گئی شاید کسی کام سے۔ رقیہ نے شاداب کو دیکھا پھر کہا۔

''بیٹا ذرا ظہیر کو دیکھنا تو باہر۔''

''خود دیکھ لیں میں اخبار پڑھ رہا ہوں۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔

''اچھا'' رقیہ اٹھی تو میں بھی اُٹھ گئی مجھے معلوم تھا وہ اب اپنا غصہ مجھ پر نکالنا چاہتا تھا۔ اُٹھتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر اس کی جانب دیکھا وہ مجھے قہرناک نظروں سے دیکھ رہا تھا مگر شکر کہ چپ تھا۔ میں خوفزدہ سی رقیہ کے ساتھ باہر چلی آئی۔ مارے خوف کے میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا میں رقیہ آپا کے ساتھ باہر آئی اور آہستہ سے کہا۔

''آپا! شاداب بہت بگڑ رہا ہے' مزید غفلت نہ کیجئے گا۔ کیسے بھی ہو لیکن اب اس کی شادی کر کے ہی یہاں سے بھیجئے گا۔ اگر آپ اور آپ کے بھائی زور

دیں گے تو وہ انکار نہیں کرے گا اور پھر مینا اتنی پیاری ہے کہ وہ انکار کر ہی نہیں سکتا۔'' اسی دم میری نظر مینا پر پڑی وہ ہمارے پیچھے کھڑی تھی میری بات سن کر شرمائی اور اندر بھاگ گئی تب ہی مراد اپنے گھر سے نکلا تو رقیہ نے پوچھا۔

''مراد تمھیں ظہیر کا کچھ پتہ ہے صبح سے نظر ہی نہیں آ رہا؟''

''وہ تو اپنے ایک دوست کو چھوڑنے نوشہرہ گیا ہے شاید شام کو آئے'' مراد نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا شاید وہ بھی کہیں جا رہا تھا میں نے رقیہ آپا سے کہا۔

''مجھے مراد کے ساتھ بھیج دیں۔'' اور جب یہی بات رقیہ نے مراد سے کہی تو وہ بولا۔

''آپا میں ضرور چھوڑنے جاتا لیکن ایک پارٹی سے ملنے مردان جا رہا ہوں وقت پہلے سے طے ہے آپ شاداب سے کہیں وہ چھوڑ آئے گا۔ وہ تو فارغ ہی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ چلا گیا۔

میں وہیں کھڑی رہی کہ اب کیا کروں رقیہ اندر گئی اور آہستہ سے شاداب شاداب سے میرے بارے میں کچھ کہا تھا کہ وہ اونچی آواز میں بولا۔

''میں نے آپ سے رات بھی کہہ دیا تھا کہ میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے لوگوں پر ضائع کرنے کے لیے میں نہیں جاؤں گا کسی کو چھوڑنے۔''

''اونہہ میں کونسا تمھارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچا۔

''بیٹا باجی کیا کہیں گی؟'' رقیہ آہستہ آہستہ اس کی منت کر رہی تھی۔

''جو بھی کہیں مجھے پرواہ نہیں۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔

''بیٹا میری خاطر۔'' بے چاری رقیہ کہہ رہی تھی۔

''ماں آپ بھی فضول میں پریشان ہوتی ہیں چارسدہ اسٹاپ پر بسیں تو آتی ہیں' تانگے میں بیٹھ کر وہاں چلی جائیں اور وہاں۔''

''بیٹا ماں کی بات مان جاؤ باجی کو اسلام آباد چھوڑ آؤ گے تو کیا بگڑ جائے گا تمھارا' دیکھو ماں کی خاطر یہ کام کر دو۔''

''اونہہ نوکر ہوں نہ میں باجی کا۔'' وہ اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے بولا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رقیہ جلدی سے میری طرف آئی تو میں یوں باہر دیکھنے لگی جیسے ان کی ایک بات بھی نہ سنی ہو۔

''باجی! شاداب خود آپ کو چھوڑنے جا رہا ہے۔'' رقیہ خوشی سے بتا رہی تھی پھر اس کی بھابی بھی آ گئی میں ان سب سے مل کر بیگ اُٹھانے لگی تو رقیہ نے جلدی سے بیگ اٹھا کر اپنے کمرے سے باہر آتے ہوئے شاداب کی طرف بڑھایا تو وہ تیوریاں چڑھا کر بولا۔

''جن کا ہے ان کو دیجئے۔''

رقیہ نے گھور کر دیکھا پھر خود ہی بیگ اٹھا کر باہر آئی۔ میں رابعہ کی امی اور بھابیوں سے ملنے چلی گئی سب ہی اس قدر عجلت میں جانے کی وجہ پوچھ رہے تھے میں نے بتایا۔

''ایک بہت ضروری کام یاد آنے پر جا رہی ہوں' رابعہ سے معذرت کیجئے گا اور کہیے گا بہت جلد اس کی ناراضگی دور کرنے آؤں گی۔'' یہ جھوٹ تھا جو میں بول رہی تھی صرف اپنی عزت کی خاطر کہ میرے اس طرح جانے پر کوئی شک نہ کرے۔ ان سے مل کر میں رقیہ کے ساتھ باہر آئی اور گاڑی کی طرف بڑھی' رقیہ نے اگلا دروازہ کھولنا چاہا تو شاداب جو باہر ہی کھڑا تھا ڈگی کھولتے ہوئے بولا۔

''ان سے کہیے پیچھے بیٹھیں اور بیگ ادھر لائیں۔'' رقیہ نے بیگ اُسے پکڑایا تو میں نے رقیہ کو شاداب سے ذرا الگ لے جا کر ایک بار پھر تاکید کی وہ شاداب کو شادی کے بغیر نہ جانے دیں اور پھر گاڑی کی طرف بڑھی تو ڈگی بند کرتے ہوئے شاداب نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا اور میں رقیہ کو سلام کر کے باقی سب کو ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

شاداب نے دروازہ کھولا اور پھر بیٹھتے ہی پورے زور اور غصے سے بند کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تو گاڑی کی کھڑکی کے قریب کھڑی رقیہ نے کہا۔

''بیٹا باجی کو اسلام آباد چھوڑ کر آنا۔ جہاز میں بٹھا کر اچھی طرح۔''

''دیکھی جائے گی۔'' اس نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا

دی اور اسپیڈ بڑھاتا چلا گیا۔ مطلع بالکل صاف تھا' دھوپ چمک رہی تھی اور میں گاڑی میں بیٹھی سوچ رہی تھی اب اگر شاداب نے کوئی فالتو بکواس کی تو کھل کر جواب دوں گی اب کونسا کوئی یہاں آنا تھا مگر وہ نجانے کیوں چپ تھا۔

جلد ہی وہ چارسدہ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے پشاور جانے والی روڈ پر مڑ گیا وہ خاموشی سے ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کر رہا تھا پھر اس نے ڈیش بورڈ سے کیسٹ نکال کر اسٹریو میں ڈالا اور آواز اونچی کر دی اور کار میں غلام علی کی پُر درد آواز اُبھرنے لگی۔

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارا بنا ڈالا
مری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا

میں دیکھ تو کھڑکی سے باہر رہی تھی لیکن کان غلام علی کی غزل کی طرف لگے ہوئے تھے جو شاید شاداب نے مجھے سنانے کے لیے ہی لگائی تھی۔

میں اس دنیا کو اکثر دیکھ کر حیران ہوتا ہوں
نہ مجھ سے بن سکا چھوٹا سا گھر دن رات روتا ہوں
خدایا تو نے کیسے یہ جہاں سارا بنا ڈالا

اس دم میں نے شاداب کی طرف دیکھا وہ بھی آئینے میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں' سرخ انگارہ ہو رہی تھیں میں نے جلدی سے نظر جھکا لی اور غزل کے اگلے بول سننے لگی جو پہلے سے بھی زیادہ دردناک تھے۔

مرے مالک مرا دل کیوں تڑپتا ہے سلگتا ہے
تری مرضی' تری مرضی پہ کس کا زور چلتا ہے
کسی کو گل کسی کو تو نے انگارہ بنا ڈالا

نہ چاہتے ہوئے بھی میری نظر شاداب کی طرف اُٹھ گئی اب اس کا چہرہ سپاٹ تھا اور وہ کچھ سوچ رہا تھا پھر سے غزل سننے لگی جس کا انتخاب شاداب نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔

یہی آغاز تھا میرا یہی انجام ہونا تھا
مجھے برباد ہونا تھا مجھے ناکام ہونا تھا

مجھے تقدیر نے تقدیر کا مارا بنا ڈالا

غزل ختم ہونے پر شاداب پھر ریوائنڈ کرنے لگا اور پھر ساتھ خود بھی کسی لڑکے کی طرح سیٹی کی دھن میں گاتا رہا' پشاور آنے تک پتہ نہیں کتنی بار اس نے یہ کیسٹ سنا اور مجھے بھی سنوایا کہ کار میں' میں بھی موجود تھی غزل بہت بصورت تھی لیکن شاداب' بہت زیادہ اپ سیٹ ہو رہا تھا۔ شاید میرے اچانک نے کی وجہ سے لیکن وہ تو مجھے روک بھی نہیں سکتا تھا اور روکتا بھی اگر تو مجھے کونسا کی بات ماننی تھی۔

اچانک اس نے گاڑی روک دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ کچھ دیر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھتا رہا پھر میری طرف مڑا اور دروازہ کھولتے ہوئے لا۔

"پشاور آ گیا ہے۔"

"پھر؟" میں نے بیٹھے بیٹھے اس کو دیکھا کہ رقیہ آپا نے کہا تھا باجی کو لام آباد چھوڑ کر آنا۔

"پھر یہ کہ میرے پاس اسلام آباد جانے کے لیے وقت نہیں' یہ جی' ٹی کا ہ ہے آپ کو اسلام آباد جانے کے لیے فلائنگ کوچ اور بس یہاں سے مل سکتی ہے۔"

"اوہ" میں کچھ کہے بغیر باہر نکل آئی' کچھ کہنا فضول ہی تھا میرے باہر لتے ہی شاداب دروازے کو خود بند کرنے آگے بڑھا اور بوٹ میرے پاؤں کے گلے حصے پر رکھ کر پورا وزن ڈال کر جھکتے ہوئے دروازہ بند کیا' ضبط کے باوجود رے منہ سے سسکاری نکل گئی' شاداب نے میرے چہرے کی طرف بغور دیکھا پیچھے ڈگی کے پاس گیا اور کھول کر بیگ نکالا' ڈگی بند کی میری طرف آیا اور ایک ر میرے چہرے پر ڈالی۔

تکلیف کی شدت سے آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو ضبط کرنے لیے میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا رکھا تھا جبکہ میرے پاؤں کی انگلیاں ئد زخمی ہو گئی تھیں اور ان سے خون رسنے لگا تھا۔

شاداب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی جیسے میری حالت دیکھ کر محظوظ ہو رہا ہو۔ اس نے بیگ میری طرف بڑھایا اور جیسے ہی میں نے ہاتھ بڑھایا میرے پکڑنے سے پہلے ہی اس نے بیگ میرے زخمی پاؤں کے اوپر چھوڑ دیا اور میرے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جلدی سے دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی واپس موڑ دی۔

جب تک بیگ اُٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا تو اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل بھی ہو چکی تھی۔ میں کچھ دیر یونہی حیران پریشان کھڑی رہی پھر تکلیف دیتے پاؤں کو دیکھا اور جی چاہا یہاں سڑک کے کنارے بیٹھ کر خوب روؤں مگر کون تھا یہاں جو مجھے دیکھتا اور تسلی دیتا۔

اس وقت مجھے پرویز بھائی بھی بہت یاد آئے' وہ مجھے چھوڑ کر نہ جاتے تو کم از کم یہ شاداب والا سلسلہ تو نہ ہوتا جس نے میرا سکون برباد کر دیا تھا۔ ان چار دنوں میں اس نے مجھے کتنا بے عزت کیا تھا اور وہ کتنا تشدد پسند ہو گیا تھا' کبھی میری آنکھوں کے آنسو اس کے دل پر گرا کرتے تھے لیکن اب وہ اس قدر ظالم ہو گیا تھا کہ اس دن میرے ہاتھ پر گرم گرم کافی گرائی تو برنال بھی نہ لگانے دی اور پھر اسی رات اس نے مجھے تھپڑ مار کر کہا تھا۔

''یہ تو اُدھار تھا جو مجھے چکانا تھا کہ مارنے کا حق صرف مرد کا ہوتا ہے۔''
اور اب کتنی بیدردی سے اس نے اپنا بوٹ والا پاؤں میرے نازک پیر پر رکھ کر سارا وزن ڈالا تھا اور سوری تک کہنا گوارہ نہ کیا تھا۔

میرا دل کسی چھوٹی بچی کی طرح رونے کو مچل رہا تھا' پاؤں سے خون بہہ رہا تھا اور جی' ٹی کا اڈہ سڑک کے دوسری طرف تھا وہ جان بوجھ کر مجھے اس طرف اتار گیا تھا۔ میں کچھ دیر کھڑی رہی اور جب بیگ اٹھا کر چلنے لگی تو پاؤں کے بے تحاشہ درد نے مجھے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

میں سوچنے لگی اب اس پاؤں کا کیا کروں تب ہی ایک موٹر سائیکل سوار لڑکا میرے قریب سے گزرتے ہوئے شاید میری حالت دیکھ کر رکا۔

''آپ کو مدد کی ضرورت تو نہیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا میں نے اس کو دیکھا

اٹھتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! مجھے سڑک کے اس پار چھوڑ دو مجھے اسلام آباد جانا ہے۔''

آ ئیے۔'' وہ بائیک سے اتر کر میری طرف آیا' بیگ پکڑ کر پیچھے اسٹینڈ بڑ پر رکھا اور خود بیٹھتے ہوئے بولا۔

''بیٹھیے..... آنٹی اور میں بیٹھ گئی۔ اس نیک دل لڑکے نے مجھے اسلام آباد جانے والی فلائنگ کوچ پر بٹھایا اور جب بیگ میرے پاؤں کے قریب رکھنے لگا میرے زخمی پیر پر اس کی نظر پڑ گئی۔

''ارے آنٹی! آپ کا پاؤں تو بہت زیادہ زخمی ہے۔'' اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسی لیے تمہاری مدد لی تھی ادھر آنے میں۔'' میں نے مسکرا کر اسے ا۔

''آنٹی یہ رومال باندھ دوں۔'' وہ جیب سے اپنا سفید رومال نکالتے ہوئے بولا۔

''نہیں بیٹا' رومال میرے پاس بھی ہے۔'' میں نے ہینڈ بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

''تو لائیے میں پاؤں صاف کر کے باندھ دوں۔'' اس نے کہا اور میرے جواب دینے سے پہلے ہی ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالی تو میں نے کہا۔

''جاؤ بیٹا' جلدی سے اور دھیان سے اتر جاؤ۔''

''جی اچھا آنٹی' لیکن پاؤں ضرور صاف کر لیجئے گا ورنہ زیادہ خراب ہو جائے گا۔'' وہ مجھے کہتے ہوئے ہاتھ ہلا کر اتر گیا۔ یقیناً کسی نیک ماں باپ کی اولاد تھا۔ گاڑی چل پڑی میں نے کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے سیٹ سے ٹیک لگائی اور شاداب کا رویہ یاد کر کے میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے' جن کو چھپانے کے لیے میں نے سیاہ شیشوں کا چشمہ آنکھوں پر چڑھا لیا اور سوچا۔

اگر شاداب کو مجھ سے محبت ہوتی تو وہ یہ زیادتیاں میرے ساتھ کبھی نہ کرتا اسلام آباد چھوڑنے چلا جاتا تو قیامت آ جاتی' لیکن اس نے ٹھیک کہا تھا کہ

”اب مجھے آپ سے شدید نفرت ہے۔“ اور اپنی اس بھرپور نفرت کا ثبوت اس نے ان چار دنوں میں قدم قدم پر دیا تھا۔

کوچ اسلام آباد کی طرف محو سفر تھی اور میں شاداب کی زیادتیاں یاد کر رہی تھی۔

سارے دن کی آوارگی کے بعد شاداب رات گئے گھر آیا تو رقیہ نے جو اس وقت سونے اپنے کمرے میں جا رہی تھی دیکھتے ہی پوچھا۔

”باجی کو اسلام آباد چھوڑ آئے شاداب؟“

”ہاں چھوڑ آیا ہوں۔“ شاداب نے کہا اور اس کمرے میں داخل ہو گیا جو عائشہ کے استعمال میں رہا تھا کمرے میں داخل ہو کر اس نے ایک طویل سانس لی جیسے عائشہ کی خوشبو محسوس کرنا چاہتا ہو...... یہ سانس اس نے کئی بار لی اور پھر بستر پر گر گیا اوندھا لیٹا وہ بہت دیر تک عائشہ کی خوشبو محسوس کرتا رہا تب ہی مینا اندر آئی اور بیڈ کے قریب کھڑی ہوتے ہوئے پوچھا۔

”کھانا لاؤں آپ کے لیے؟“

”نہیں۔“ شاداب نے بیزاری سے کہا۔

”چائے یا کافی؟“ مینا نے پھر پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں۔“ وہ بمشکل کہہ پایا اور مینا باہر نکل گئی تو شاداب کی آنکھوں میں ہلکی نمی اتر آئی اس نے سوچا۔

”یہ جو کچھ میں نے عائشہ کے ساتھ کیا ہے کیا مجھے کرنا چاہیے تھا میں نے تو زیادتیوں کی حد کر دی کیا محبت اسی کو کہتے ہیں؟ اس دن کافی گرائی تو برنال نہ لگانے دی‘ اس رات کس بیدردی سے میں نے اس کے نرم و نازک گال پر ا بھاری ہاتھ رسید کیا اور آج پاؤں کچل ڈالا۔ اس کی آنکھوں میں کیسی بے بسی اور تھی ضبط کے لیے اس نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا‘ پھر بیگ بھی پاؤں پر گرا اور پھر چھوڑا بھی جان بوجھ کر سڑک کے دوسری طرف تھا‘ نجانے کیسے بوجھ اٹھا کر اس طرف جا پائی ہوگی میں نے تو مڑ کر دیکھا ہی نہیں تھا۔ اگر دیکھتا تو شاید واپ گاؤں نہ آتا جب اس نے سسکی بھری تب دل کتنا تڑپا تھا۔ اسے سینے سے لگا

نے کو اپنی زیادتیوں کی معافی مانگنے کو......“

”اونہہ معافی‘ اچانک وہ غصے سے سوچنے لگا ان سب باتوں کی ذمہ دار ہے یہ چوٹیں تو جسمانی ہیں جو میں نے اس کو دی میں ان کا درد بھی معمولی اس کو کیا معلوم اس جسمانی درد سے زیادہ درد تو میرے دل میں رہتا ہے۔ روح میں رہتا ہے۔ جو درد لازوال اس نے مجھے دیا ہے اس کی دوا تو مجھے نہ مل سکی‘ یہ زخم تو ٹھیک ہو جائیں گے لیکن میرے اندر کا زخم کبھی ٹھیک نہیں بھی نہیں‘ کاش وہ کبھی سنجیدگی سے میری حالت پر غور کرتی تو شاید معاملہ تک نہ پہنچتا۔ لیکن وہ تو یوں بے خبر بنی رہتی تھی جیسے کبھی مجھ سے ملی ہی نہ ہو تعلق ہی نہیں تھا اس کا مجھ سے۔“

اچانک وہ چونک پڑا مینا آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی روازہ بند کر کے وہ بیڈ کے قریب آ کر شاداب کو دیکھنے لگی۔

شاداب کی تصویریں تو اس نے بہت دیکھی تھیں جو وہ ماں کے اصرار پر بھیجتا رہتا تھا لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد ملی پہلی بار بھائی کی شادی پر تھی۔ خوبرو سا شاداب اس کو بہت اچھا لگا تھا اس کی اپنی عمر ہی اس وقت سولہ کے تھی جس میں بندہ خوبصورت نہ بھی ہو تب بھی پیارا لگنے لگتا ہے۔

اور شاداب تو تھا ہی بہت خوبرو شادی پر اس کی جس‘ جس سہیلی نے بھی ب کو دیکھا اس کا پوچھا پھر کہا۔

”مینا تو بہت خوش قسمت ہے جو تیرے کزن نے ابھی تک شادی نہیں اب یہ تمہارا مقدر بنے گا۔ ارے اتنی بڑی پوسٹ لیفٹیننٹ کرنل اور ساتھ اس وجاہت بھی‘ تو واقعی خوش نصیب ہے۔“

سہیلیوں کی باتیں سن کر وہ بہت خوش ہوئی تھی اور پھر اتفاق سے پھپھو عائشہ سے بات کر رہی تھی وہ بھی اس نے سن لی تھی اور یہ جان کر اس کو بہت ہوئی تھی کہ اس کے ابا اور امی بھی اس کی شادی شاداب سے کرنا چاہتے ہیں آج جاتے جاتے جب عائشہ نے کہا تھا۔

”رقیہ آپا‘ اب دیر نہ کرنا شاداب کی شادی کر کے ہی بھیجنا وہ بہت بگڑ گیا

ہے۔" تو وہ بھی خوش ہوئی تھی لفظ بگڑ گیا ہے وہ بالکل بھول چکی تھی۔ بس یہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد وہ شاداب کی بن جائے اب وہ یہ خوشخبری شاداب کو بھی سنانا چاہتی تھی جو صبح کا گیا اب رات گئے آیا تھا جب سب ہی شادی کی تھکن اتارتے ہوئے سو رہے تھے تھکن تو خود مینا کو بھی تھی کہ سب سے زیادہ مصروف وہی رہی تھی لیکن شاداب کی محبت میں یہ تھکن محسوس کم ہوئی تھی اور اس نے شاداب کے انتظار میں جاگنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ایک تو اس نے شاداب کو کھانا دینا تھا جس کی ذمہ داری پھپھو نے سونے سے پہلے اس کے ذمہ لگائی تھی دوسرے وہ شاداب سے جی بھر کر باتیں کرنا چاہتی تھی۔ شادی میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ صرف اُس کو دیکھتی ہی رہی تھی بات کرنے کا موقع کم ہی ملا تھا تاہم مہندی والی شام جب شاداب نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اس سے پڑھائی وغیرہ کا پوچھا تھا تو وہ بہت خوش ہوئی تھی یہ سوچ کر کہ شاداب کو بھی اس سے دلچسپی ہے۔

اور اب وہ کھڑی شاداب کو دیکھ رہی تھی شاداب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر اس کے بولنے کا منتظر رہا پھر پوچھا۔

"کیا بات ہے مینا اب کیوں آئی ہو؟"

"آپ کو نہیں معلوم؟" مینا شرمائی شرمائی سی سرہانے کی طرف چلی آئی۔

"نہیں، مجھے کچھ معلوم نہیں کہ تم یہ بات کس بارے میں کہہ رہی ہو اور کیوں آئی ہو؟" شاداب نے کچھ حیرت سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو معلوم ہے پھپھو آپ کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔" مینا نے دوپٹے کو بل دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"پھر" شاداب نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ کو معلوم ہے آپ کی شادی کس سے ہو رہی ہے؟"

"کس سے شادی ہو رہی ہے" شاداب نے اس کی بات کو حیرت سے دہرایا۔

"جی، بہت جلد آپ کی شادی ہو رہی ہے۔" وہ تھوڑی شوخ ہوگئی۔

"کس کے ساتھ؟" شاداب نے جل کر پوچھا۔

"بھلا بوجھیے تو کس کے ساتھ ہوسکتی ہے؟" مینا نے اٹھلا کر کہا۔

"مینا! جلدی بتاؤ کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟" شاداب نے بے چینی سے

"بتا دوں؟" مینا نے شرماتے ہوئے شاداب کو دیکھا۔

"ہاں، ہاں بتا دو؟" شاداب نے بیتابی سے پوچھا۔

"میرے ساتھ۔" کہہ کر مینا نے نظریں چرا لیں۔

"کیا، تمھارے ساتھ؟" شاداب نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے اس کو

"جی میرے ساتھ۔" وہ پھر شرمائی۔

"تم سے کس نے کہا؟" شاداب نے غصے سے پوچھا۔

"جناب میں نے امی، ابا کی بات بھی سنی تھی اور پھپھو کی بھی، ابا کہہ رہے کہ مینا کی شادی اب شاداب سے ہی ہوگی اور یہ سن کر پھپھو نے کہا یہ ان کے بہت خوشی کی بات ہے۔"

"پھر؟" نہ چاہتے ہوئے بھی شاداب پوچھنے لگا۔

"پھر خاص بات یہ کہ آنٹی عائشہ نے کہا یہ بہت اچھا ہوگا اگر مینا کی شاداب کے ساتھ ہو جائے مینا ہے بھی بہت خوبصورت" بات ختم کر کے وہ مسکرائی اور پیار بھری نظروں سے شاداب کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ تمہاری آنٹی عائشہ نے کہا تھا؟" شاداب کی آنکھوں کے ڈورے ہونے لگے اندر کی آگ زور پکڑنے لگی۔

ایک تو عائشہ خود شادی کے لیے رضا مند نہ ہو رہی تھی دوسرے اس کوشش تھی کہ کسی طرح شاداب کی شادی ہو جائے۔ وہ غصے سے سوچ رہا تھا اور مینا بولنے کا منتظر بھی تھا۔

"جی، انھوں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ اب شاداب کی شادی کر کے ہی بھیجنا کے خیال میں آپ بہت بگڑ گئے ہیں۔" مینا نے یہ بھی بتا دیا۔

"اچھا اور کیا کہا انھوں نے؟" شاداب کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے تھے
"یہی کہ شاداب مانے یا نہ مانے آپ بھائی کے ساتھ مل کر اور زبردستی شادی کی بات کر دیں پھر وہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا اتنی خوبصورت بیوی جو ملے گی۔" باقی کا اضافہ مینا نے اپنی طرف سے کرتے ہوئے کہا۔
"یہ سب انھوں نے کہا تھا۔" شاداب نے جیسے خود سے کہا پھر ایک نظر بیڈ کے بالکل قریب کھڑی مینا پر ڈالی وہ شرمائی شرمائی شاداب کو دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔
"آنٹی نے کچھ غلط تو نہیں کہا۔"
"نہیں انھوں نے صحیح کہا ہے۔" شاداب کی آنکھوں میں خون اترنے لگا وہ چند لمحے قریب کھڑی مینا کو دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر مینا کی کلائی پکڑی اور ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ لیا مینا سیدھی اس کے اوپر جا گری۔
"ارے کیا کرتے ہیں؟" مینا نے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"مجھ سے شادی نہیں کرو گی؟" شاداب نے دونوں بازو اس پر رکھتے ہوئے اسے دبوچ لیا۔
مینا نے شرما کر منہ سینے میں چھپانے کی کوشش کی پھر اچانک ہی شاداب کے ارادے اس کی سمجھ میں آئے تو وہ چلائی۔
"ارے چھوڑ دیجئے مجھے...... یہ کیا کر رہے ہیں آپ......" "پلیز چھوڑ دیجئے۔" وہ سسک رہی تھی مگر شاداب یوں چپ تھا جیسے کان میں آواز ہی نہ آ رہی ہو۔

☆☆☆

ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر کے میں نے کال بیل بجائی اور اپنے زخمی پاؤں کو دیکھنے لگی۔ ٹشو سے اچھی طرح صاف کر کے میں نے اس پر رومال باندھ لیا تھا اور اب رومال بھی ہلکا سرخ ہو رہا تھا۔ اسلام آباد سے مجھے اپنا ٹکٹ دکھا کر آسانی سے سیٹ مل گئی تھی کوئٹہ سے آتے ہوئے میں نے اسلام آباد تک کا ریٹرن ٹکٹ لیا تھا پتہ نہیں کوئٹہ سے کوئی پرواز براہِ راست پشاور جاتی تھی یا نہیں۔

"کون ہے؟" نازیہ نے انٹرکام بیل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اندر ہی سے پوچھا۔
"میں ہوں نازیہ دروازہ کھولو۔" میں نے اپنی سوچوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی جو کبھی کسی حوالے سے میرے ذہن میں آتی رہی تھیں۔ سارا راستہ سوچتی ہی تو آئی تھی۔
"ارے آپ۔ آپ نے تو ایک ماہ وہاں رہنا تھا؟" نازیہ نے اندر سے پوچھا۔
"ارے دروازہ تو کھولو سوال و جواب بعد میں کر لینا۔" میں نے قدرے ...ے سے کہا تو نازیہ کے ہنسنے کی آواز آئی پھر تھوڑی دیر بعد ہی وہ دروازے پر موجود تھی۔
"تشریف لائیے۔" اس نے بیگ میرے ہاتھ سے پکڑتے ہوئے کہا۔
ہم دونوں اندر آئیں سخت سردی تھی اور نازیہ ہیٹر آن کیے شاید کتاب ...ھنے کے ساتھ ساتھ فروٹ کھا رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ سیدھی میرے کمرے ...ا آئی پھر بیگ رکھتے ہوئے پوچھا۔
"اتنی جلدی کیسے چلی آئیں آپ؟"
"بس ڈیئر کچھ نہ پوچھو۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"ارے آپ کا پاؤں زخمی ہے؟" نازیہ کی نظر اچانک میرے پاؤں پر ...ی۔
"پاؤں ہی نہیں میں ساری زخمی ہوں میرا سارا وجود زخمی ہے۔" میں نے ...ہستہ سے کہا۔
"کیوں، کیا ہوا؟" وہ پریشان سی پوچھ رہی تھی۔
"پتہ نہیں کیا کیا ہوا ہے؟ بس یہ سمجھو زندہ بچ کر واپس آ گئی ہوں۔" اور ...بچ بھی تھا ورنہ شاداب نے تو مجھے ذلیل کرنے اور مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ...ی۔
"بتائیے نا کیا ہوا آپ کو۔" نازیہ پوچھ رہی تھی۔

''طبیعت بہت خراب رہی میری۔ اس وجہ سے رکنا مناسب نہ سمجھا اس وقت بھی بخار ہے۔'' میں نے نازیہ کو بتایا۔

''ڈاکٹر کو بلاؤں؟'' نازیہ نے تشویش سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ڈیئر اس کی ضرورت نہیں آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''کیسے ٹھیک ہو جائیں گی پاؤں تو بہت زخمی ہے جب گاڑی گھر میں ہے تو پھر یہ پس و پیش کیسی؟'' وہ ضد کرنے لگی۔

''دیکھو رات ہو چکی ہے کل صبح ضرور چلی جاؤں گی۔'' میں نے جوتا اتارتے ہوئے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''زخمی پاؤں سے زیادہ مجھے تھکن ہے۔''

''اور سنائیں شادی ٹھیک ٹھاک ہوگئی خوب انجوائے کیا ہوگا آپ نے؟''

''ہاں خوب انجوائے کیا میں نے بس آج یہ پاؤں کچل نہ گیا ہوتا تو میں شاید ابھی بھی نہ آتی ویسے بھی شاید تمہاری کچھ عادی ہوگئی ہوں اسی لیے اس بار دل نہ لگا۔''

''شکریہ، مہربانی۔'' نازیہ نے فلاسک سے چائے نکال کر مجھے دی اور بولی ''آپ کو لطف نہیں آیا اور مجھے ساری رات اکیلے ہونے کی وجہ سے ڈر کے مارے نیند نہیں آتی تھی دیکھو عمر اتنی بڑھ گئی ہے پھر بھی رات کو اکیلے میں ڈرلگتا ہے۔ کیا جاتا اللہ میاں کا جو مردوں جیسا دل ہمیں بھی دے دیتا۔''

''اب پتہ چلا جب تم پنجاب جاتی ہو تو میں اکیلی کیسے رہتی ہوں۔'' میں نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''اب جناب آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گی بلکہ ساتھ لے کر جایا کروں گی۔'' نازیہ نے محبت سے کہا۔

''اچھا دیکھی جائے گی یہ بتاؤ پکایا کیا ہے بھوک لگی ہے؟''

''آپ کی پسندیدہ ڈش میٹھی مچھلی پکائی ہے۔''

''پھر تو جلدی سے لے آؤ۔'' میں نے کہا اور نازیہ چلی گئی۔

اگلے روز نازیہ نے کالج سے چھٹی کی تھی کیونکہ بخار کی وجہ سے میں نیم بے ہوش سی تھی۔ نازیہ ڈاکٹر کو گھر لائی تھی بخار تو جلد ہی اتر گیا لیکن پاؤں کی وجہ

سے تکلیف کم نہیں ہوئی تھی نازیہ کی موجودگی میں، میں پہلی بار بیمار ہوئی تھی اور اس نے کسی چھوٹی بہن کی طرح میری تیمارداری کی تھی اور جب ذرا میری طبیعت سنبھلی تو وہ روز مجھے گھمانے لے جانے لگی۔ کوئٹہ میں تفریح کے بہت زیادہ مقام نہیں ہیں پارک یا پھر حنہ جھیل نازیہ مجھے زیادہ تر حنہ جھیل پر لے کر آتی تھی۔

اس دن میں اس کے ساتھ پانی کے کنارے بیٹھی تھی لوگ لانچ میں بیٹھ رہے تھے زیادہ تر خواتین اور بچے ہی تھے جو شاید ہماری طرح سیر کرنے آئے تھے یہ دیکھ کر نازیہ نے کہا۔

''آؤ یار ہم بھی بیٹھتے ہیں۔''

''ابھی میرا پاؤں پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔'' میں نے پاؤں پر بندھی پٹی کی طرف دیکھتے ہوئے نازیہ سے کہا۔

''اچھا۔'' وہ مایوس سی پھر بیٹھ گئی تو میں نے سوچا بچاری کتنے دنوں سے میرا دل بہلانے میں لگی ہوئی ہے مجھے انکار نہیں کرنا چاہیے تھا ویسے بھی موٹر بوٹ میں سیر کرنا نازیہ کو بے حد پسند تھا۔

''چلو نازیہ۔'' میں نے اس کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ کا پاؤں؟'' نازیہ نے مجھے دیکھا۔

''فکر نہ کرو، دو دن پہلے کی بجائے دو دن بعد ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا تو نازیہ بھی ہنس دی۔

پھر ہم دونوں بھی موٹر بوٹ میں بیٹھ گئیں نازیہ نے مجھے سہارا دے کر اٹھنے میں مدد دی پھر جیسے ہی موٹر بوٹ چلی نازیہ کی زبان بھی چلنے لگی۔

''یار کتنا اچھا لگتا ہے پانی پر چلنا ویسے ہونا تو یہ چاہیے کہ بندہ پوری بوٹ کرائے پر لے کر اکیلا سیر کرے پھر زیادہ مزا آتا ہے۔''

''یہ پانی پر چلنا ہے یا......'' میں ہنسنے لگی پھر کہا ''اگر تمہیں اکیلے سیر کرنے کا اتنا شوق تھا تو پہلے بتا دیتیں میں پوری بوٹ کرائے پر لے لیتی۔''

''ارے چھوڑیئے میں نے تو یونہی کہا تھا۔'' نازیہ بولی پھر کچھ دیر آس

پاس کا جائزہ لیتی ہوئی سوچتی رہی۔

''ویسے ہماری زندگی بھی کیا زندگی ہے کالج پڑھانا گھر آ کر کھانا کھا کے سو جانا یا لیکچر کی تیاری کے لیے اسٹڈی کرنا یا پھر کبھی کبھی مٹر گشت کرنا ویسے ایک طرح یہ زندگی بھی اچھی ہے کوئی پابندی نہیں جو جی میں آئے کریں لیکن وہ چپ ہو کر سامنے بیٹھے جوڑے کے بچے کو دیکھنے لگی جو پانی کو چھونا چاہ رہا تھا ماں باپ ہنستے ہوئے اس کو پکڑ رہے تھے نازیہ نے ایک طویل سانس لی پھر پانی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''عورت کی زندگی بچے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی شوہر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔''

''لیکن ہر عورت کی قسمت میں بچہ نہیں ہوتا۔'' میں نے اپنے دکھ کے خیال سے کہا جسے بچہ دے کر خدا نے چھین لیا تھا اور نازیہ بچوں والی اسی زندگی کے لیے ترس رہی تھی کچھ دیر ہم دونوں خاموش رہیں۔

اچانک میرے پاؤں پر کسی کا پاؤں لگا میں نے درد سے کراہ کر نازیہ کو دیکھا تو اس نے بچے کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''ارے آرام سے بچے ان کا پاؤں پہلے ہی زخمی تھا چلو ادھر ہٹ کر بیٹھو۔''

بچہ ماں کی گود میں گھسنے کی کوشش کرنے لگا حالانکہ وہ نو دس سال کا ہوگا اور اس نے مجھے دیکھتے ہوئے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

''سوری ہمیں ادھر آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''لیکن اب تو آ گئے'' میں نے پاؤں دیکھا سفید پٹی سرخ ہونے لگی تھی اور یہ تو میری آزمائی ہوئی بات تھی جب دکھوں کی آمد شروع ہوتی ہے تو وہ آتے ہی چلے جاتے ہیں اور چوٹ پر چوٹ ضرور لگتی ہے اس لیے پشاور سے آنے کے باوجود میرا پاؤں کئی بار دکھا تھا کبھی ٹھوکر لگنے سے اور کبھی کسی اور طرح نازیہ بار بار سوری کر رہی تھی اور بچے کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی آخر تنگ آ کر میں نے کہا۔

''ارے بابا اب جانے بھی دو۔'' مگر وہ باز نہ آئی موٹر بوٹ واپس آئی تو نازیہ نے مجھ سے کہا۔

''پہلے دوسرے لوگوں کو اتر جانے دیں کہیں پھر آپ کا پاؤں کچلا نہ جائے یہاں تو لوگوں کو چلنے کی بھی تمیز نہیں۔''

''اوکے۔ اوکے'' میں نے کہا پھر جب سب اتر گئے صرف ایک دو لوگ بیٹھے تھے تو نازیہ اٹھی پہلے خود اتری پھر میری طرف ہاتھ بڑھایا میرے پاؤں میں شدید درد ہونے لگا تھا نازیہ نے کہا۔

''اب آ بھی چکو۔''

''آتی ہوں۔'' میں نے ابھی پاؤں اٹھایا ہی تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

''میڈم اگر ہیلپ کی ضرورت ہو؟''

آواز سنتے ہی میں تڑپ کر مڑی میرے پیچھے شاداب کھڑا میری بجائے میرے زخمی پاؤں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کمینہ جس کی وجہ سے میری یہ حالت تھی وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا مدد کی ضرورت تو نہیں۔ حالانکہ جب مجھے مدد کی ضرورت تھی تب وہ مجھے بے یارومددگار چھوڑ گیا تھا۔

''جی۔ جی'' نازیہ اس سے کہہ رہی تھی ''ان کا پاؤں زخمی ہے ذرا سہارا دے کر اتار دیجئے مہربانی ہوگی۔''

''نازیہ'' میں نے گھور کر اسے دیکھا مگر وہ لاپرواہی سے بولی۔

''یہ اچھے انسان لگتے ہیں کوئی بات نہیں۔'' نازیہ کی بات سن کر شاداب نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے خشک لہجے میں کہا۔

''جی نہیں شکریہ۔'' اور نازیہ کا ہاتھ پکڑ کر اتر گئی پاؤں نے اس دم جو تکلیف مجھے دی وہ اس تکلیف سے کم تھی جو شاداب کو دیکھ کر مجھے ہوئی تھی وہ اب بھی ہمارے ساتھ ہی چل رہا تھا پھر اس نے نازیہ سے پوچھا۔

''کیا ہوا ان کے پاؤں کو؟''

''جی کچلا گیا تھا۔'' نازیہ نے بتایا۔

''کیسے؟'' وہ انجان بنا پوچھ رہا تھا اور میرے تن بدن میں آگ لگ رہی

تھی جبکہ نازیہ کہہ رہی تھی۔

''ایک شادی کی تقریب میں کچلا گیا آپ کو تو پتہ ہے شادی میں رش تو ہوتا ہے خاص کر کھانے کے وقت لوگ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود کھانا دیکھ کر ساری تمیز بھول جاتے ہیں ندیدے کہیں گے۔''

''جی ہاں وہ تو ہوتا ہے آپ اکیلی ہیں میڈم؟'' وہ نازیہ سے ہی بات کر رہا تھا اور اس کے قریب چل رہا تھا میرا بس نہ چل رہا تھا کہ اسے کھری کھری سنا کر اس کا مزاج درست کرکے رخصت کروں۔

''جی ہاں ہم اکیلی ہیں۔ مطلب اکیلی آئیں تھیں سیر کے لیے۔ اصل میں بہت دنوں سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی آج ذرا بہتر ہوئی تو میں نے سوچا ان کو گھمالایا جائے'' نازیہ نے ساری بات بتائی تو مجھے غصہ آنے لگا بھلا کیا ضرورت تھی یہ باتیں کرنے کی یا وضاحت کرنے کی وہ بھی کسی اجنبی سے نازیہ کے لیے تو وہ اجنبی ہی تھا۔

''آپ کی بہن ہیں؟'' وہ بھی کتنا معصوم بن کر پوچھ رہا تھا اور ہر بات سے بےخبر نازیہ جواب دے رہی تھی۔

''جی بہن ہیں۔'' نازیہ نے کہا میں چپ ہی رہی تھی ہم پھر پارک میں پڑی ایک بینچ پر آکر بیٹھ گئے شاداب ذرا پرے کھڑا ہوگیا پھر پوچھا۔

''جوس لیں گی آپ؟'' وہ اس وقت وردی کی بجائے پینٹ شرٹ میں تھا۔

''نہیں شکریہ۔'' نازیہ نے کہا۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا پی لیجئے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ نازیہ کو دیکھ رہا تھا اس کے اس طرح دیکھنے سے نازیہ کچھ نروس ہوگئی تو میں نے کہا۔

''اب چلتے ہیں نازیہ بہت سیر کرلی۔''

''ہاں۔'' نازیہ چونک کر شاداب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں ڈراپ کردوں؟'' شاداب نازیہ سے پوچھ رہا تھا۔

''جی سواری ہے ہمارے پاس۔'' نازیہ نے کہا اور میرے آگے آگے چلنے

ہیں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خود بھی اس کے ساتھ چلنے لگی جب میں گاڑی میں ہی تھی تب میں نے دیکھا شاداب درخت کے تنے سے ٹیک لگائے میری ں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی جبکہ خود مجھے اسے ر بے حد غصہ آیا تھا بلکہ اب بھی آرہا تھا۔

''کتنا خوبرو اور ہینڈسم تھا یہ شخص۔'' نازیہ گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے اتے ہوئے بولی میں چپ رہی تو نازیہ نے یہی پھر کہا۔

''آپ نے دیکھا وہ مجھے کتنے غور سے دیکھ رہا تھا۔''

اور میں بے ساختہ مسکرا دی۔

''آپ مسکرا رہی ہیں آپ نے دیکھا نہیں وہ مجھے ہی مخاطب کرتا رہا کو ایک بار بھی مخاطب نہیں کیا۔'' نازیہ ایک موڑ کاٹتے ہوئے بولی۔

''تو کونسی قیامت آگئی۔ میں اجنبی لوگوں کو خود بھی مخاطب کرنا نہیں ں۔'' میں نے تلخی سے کہا تو نازیہ جلدی سے بولی۔

''ایسا تو نہ کہیں وہ تو شکل سے ہی شریف لگ رہا تھا۔''

''ہوگا ہمیں کیا؟'' میں نے کہا مگر نازیہ نے کچھ جواب نہ دیا وہ گہری ہیں تھی شاید غلط فہمی کا شکار ہو چکی تھی میں نے اس کو یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ میں اس کو جانتی ہوں اور یہ کہ وہ شاید گھر سے ہی ہمارا تعاقب کرتا وہاں ے پیچھے آیا تھا اچانک نازیہ نے کہا۔

''میرے برابر کا ہی لگ رہا تھا یا پھر تھوڑا بڑا ہوگا۔''

''نہیں بھئی تم سے پانچ سال چھوٹا ہے'' بے خیالی میں میرے منہ سے گیا کہ نازیہ پینتیس کی تھی جبکہ شاداب تیس کا تاہم یہ الگ بات تھی کہ داڑھی کی ے وہ اب اپنی عمر سے بڑا لگا کرتا تھا۔

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے اس کی پیدائشی پرچی آپ نے بنائی ا۔'' نازیہ نے ہنستے ہوئے کہا تو میں مسکرا دی۔

پھر ڈاکٹر کی دکان سے پٹی کروا کر ہم لوگ گھر آگئے۔ نازیہ اب شاداب ہارے میں کچھ نہیں کہہ رہی تھی لیکن میں محسوس کر رہی تھی وہ شاداب سے کچھ

زیادہ ہی امپریس ہوگئی ہے شاید اس لیے کہ وہ تنہا زندگی گزارتے گزارتے اکتا گئی تھی ماں، باپ کو اس کا خیال نہیں تھا لیکن وہ خود تو اپنا خیال کرسکتی تھی لیکن یہ شاداب میری سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیسے پوچھوں وہ شادی کرکے آیا ہے یا کیونکہ اس بار تاکید تو میں نے خوب کی تھی رقیہ کو شاداب کی شادی کی اور ان کا اپنا پروگرام بھی اب جلدی شادی کا تھا اگر شاداب مان جاتا۔

اگلے روز جب میں کالج گئی تو محکمہ ایجوکیشن کا ایک آفیسر مجھ سے ملنے چلا آیا اور بتایا۔

''حکومت نے کینیڈا کی مشہور میک گل یونیورسٹی (مانٹریال) کی اردو چیئر کے لیے آپ کا انتخاب کیا ہے چند روز تک آپ کو باقاعدہ محکمے کی طرف سے اطلاع مل جائے گی اس بارے میں۔''

''جی بہتر۔'' میں نے دل ہی دل میں حیران ہوتے ہوئے کہا۔ آفیسر بہت سی باتیں کرتا رہا اور بتایا۔

''کینیڈا کی یہ اردو چیئر کسمپرسی کا شکار ہے وہاں اس چیئر کو اس کے قابل کوئی استاد کبھی نہ مل سکا ملا بھی تو تھوڑے ہی عرصے بعد چھوڑ گیا اگر آپ کینیڈا جانے کا فیصلہ کرتی ہیں تو یہ اردو کی بہت بڑی خدمت ہوگی'' اس نے ہی مجھے بتا

''کینیڈا میں دنیا کے قریباً نو دس ممالک نے مختلف یونیورسٹیوں میں اپنی اپنی زبان کی کرسیاں رکھوائی ہوئی ہیں اور ان پر بہتر انداز میں کام بھی ہو رہا ہے لیکن ار چیئر ذرا مشکل میں ہے۔''

میں نے وعدہ کیا کہ سوچ کر بتاؤں گی جب تحریری طور پر مجھے اس با کی اطلاع ملے گی تو میں بھی ان کو مطلع کردوں گی اور وہ چائے وغیرہ پی کر رخص ہوگیا تو میں نے سوچا۔

''اگر حکومت نے تحریری طور پر دعوت دی تو کیا قبول کرلوں؟......

خیال آیا اتنی دور اکیلی کیسے رہ پاؤں گی اپنے وطن کی بات تو الگ ہے پنجاب رہوں یا کسی دوسرے صوبے میں تو اپنے ملک میں ہوں کہ یہ سب میرے وطن حصے ہیں مگر کینیڈا اتنی دور جا کر کچھ مناسب نہیں پھر خیال آیا اکیلی ہوں وطن

یا وطن سے باہر میرا مقصد تو زندگی کے دن پورے کرنا ہے اور علم کی پھر خاص کر دیارِ غیر میں اپنی قومی زبان کی خدمت کرنا اردو کی بہت بڑی ت ہے اور اپنے ملک کی بھی تاہم آخری فیصلہ میں نے سوچا اس وقت کروں جب حکومت کی طرف سے باقاعدہ اطلاع مل جائے گی یہی وجہ تھی کہ میں نے کو بھی ابھی اس سلسلے میں کچھ نہ بتایا۔

کالج سے واپسی تین بجے کے قریب ہوئی تھی لباس بدل کر ہم نے کھانا یا اور پھر آرام کرنے اپنے کمرے میں چلی آئی جبکہ نازیہ اپنے کمرے میں چلی ئی کہ یہی ہمارا روز کا معمول تھا لیکن آج ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ خوب اچھی طرح تیار ہو کر میرے کمرے میں آئی تو میں نے حیرت سے اس دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں کی تیاری ہے بھئی؟'' میرے ذہن سے کل کا شاداب نکل چکا تھا شاید نازیہ کے ذہن سے نہیں نکلا تھا اس نے کہا۔

''حنہ جھیل پر چلنے کا پروگرام ہے جلدی سے تیار ہو جائیں۔''

''کیا ضرورت ہے وہاں جانے کی؟'' میں نے عام سے لہجے میں انکار

''میری خاطر چلیئے'' نازیہ نے لاڈ سے کہا۔

''نازیہ'' میں نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا جو خوب اہتمام سے تیار ہوئی

''میرا موڈ نہیں تم اگر جانا چاہتی ہو تو اکیلی ہی چلی جاؤ میں نہ جاسکوں گی۔'' نے پھر انکار کیا۔

نازیہ نے تھوڑی سی ضد کی پھر خود ہی پرس اٹھا کر گاڑی لے کر چلی گئی میں نے دکھ سے سوچا جب والدین خیال نہ کریں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ نازیہ آج وہاں صرف شاداب کی وجہ سے جا رہی ہے اسے یہ بھی ہوگئی تھی کہ شاداب کل چونکہ صرف اسی سے باتیں کرتا رہا تھا اس لیے شاید کی طرف متوجہ ہو چکا ہے جبکہ اندر کی بات تو صرف میں جانتی تھی وہ چونکہ طب نہ کرسکتا تھا اس لیے صرف نازیہ کی طرف متوجہ رہا جس کی وجہ سے

نازیہ غلط فہمی کا شکار ہوگئی تھی جس پر مجھے افسوس تھا تاہم سچویشن ایسی تھی کہ میں وضاحت نہ کرسکتی تھی۔

رات آٹھ بجے کے قریب نازیہ کی واپسی ہوئی اور وہ بہت خوش تھی۔ اس کے چہرے پر یہ خوشی میں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ گاڑی بند کر کے وہ سیدھی میرے کمرے میں آئی لاک کی دو چابیاں تھیں جن میں سے ایک میرے پاس ہوتی تھی اور دوسری نازیہ کے پاس جس کو وہ صرف پنجاب جاتے ہوئے مجھے دے کر جاتی تھی۔

''ہیلو بھئی کیا ہو رہا ہے؟'' نازیہ نے اندر داخل ہوتے ہی مسکرا کر کہا اور میں اس کا چہرہ دیکھنے لگی جو اندر کی خوشی سے انار ہو رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہیں؟'' وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

''بہت خوش نظر آرہی ہو خیریت۔''

''جی بہت، ارے وہ نوجوان جو کل ہمیں ملا تھا اس کا نام شاداب خان ہے اور آپ جانتی ہیں کہ وہ لیفٹیننٹ کرنل ہے۔'' نازیہ بہت خوش ہو کر بتا رہی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟'' میں نے پوچھا حالانکہ یہ تو سیدھی سی بات تھی کہ شاداب اس کو ملا ہوگا مجھے یقین تھا وہ آج پھر وہیں ہوگا، اس لیے تو میں نے خود جانے سے انکار کر دیا تھا مگر مجبوری ایسی تھی کہ نازیہ کو نہ بتا سکی تھی۔ اس کے بارے میں اور نہ جانے سے روک سکی۔

''وہ آج پھر مجھے ملا تھا اور خود ہی میری طرف آ گیا مجھے دیکھ کر بہت حیران ہوا'' اور پوچھا۔

''آج آپ کی بہن نہیں آئیں؟'' تو میں نے بتایا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور پھر پاؤں بھی بہت پریشان کر رہا تھا اس لیے وہ نہ آسکیں'' میری بات سن کر وہ بولا۔

''آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟'' تب اس نے کہا۔

''پہلے آپ بتائیں پھر میں بتاتی ہوں اور جب اس نے اپنا نام اور

بتایا تو میں حیران رہ گئی اور اپنا نام بتا دیا وہ بہت اچھا ہے اس نے موٹر بوٹ لی اور ہم دونوں بہت دیر تک پانی پہ اکیلے ہی سیر کرتے رہے وہ بہت خوبصورت باتیں کرتا ہے دبے دبے لفظوں میں اس نے اتنے خوبصورت انداز میں تعریف کی کہ میں شرما کر رہ گئی۔'' نازیہ اس وقت بھی یہ بات کہتے ہوئے شرما رہی تھی میں نے اس کو دیکھا بہت غور سے دیکھا تو نازیہ نے کہا۔

''آپ یوں کیوں دیکھ رہی ہیں؟''

''نازیہ! ایک ہی ملاقات میں جو بندہ اتنا فری ہو جائے وہ اچھا نہیں ہوتا'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔

''عائشہ جی، وہ اچھا ہے، بہت اچھا ہے اور اچھا نہ بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے ماں باپ کو میرا خیال نہیں اب اگر میں خود کوشش کر کے دیکھ لوں تو اس میں برائی ہی کیا ہے۔''

''یہ کوئی اچھی بات نہیں نازیہ، وہ تمہیں دھوکا بھی دے سکتا ہے۔'' میں نے کہا مگر اس کو یہ بتا ہی نہ سکتی تھی کہ وہ محض میری وجہ سے اس کے قریب ہو رہا ہے۔

''یہ کوئی بری بات بھی نہیں، وہ مجھے دھوکا دے گا تو میں خوشی خوشی کھالوں گی کیونکہ میں بہت ترسی ہوئی ہوں......''

''نازیہ'' میں نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

''آپ جو بھی مجھے سمجھیں لیکن یہ سوچیں میری عمر پینتیس برس ہے اور یہ ساری عمر میں نے تنہا گزاری ہے، اب میں کسی کی محبت پانا چاہتی ہوں چاہے وہ جھوٹی ہی کیوں نہ ہو میں اپنی تعریف سننا چاہتی ہوں خواہ یہ تعریف بھی جھوٹی ہی ہو میں ایک مرد کی توجہ اور محبت چاہتی ہوں جو اب تک مجھے نہیں ملی اور یہ میرا حق ہے چاہے وہ بہت ہی اچھا ہو اور مجھ سے شادی کر لے......''

''اور اگر نہ کرے تو؟'' کیونکہ مجھے معلوم تھا ایسا نہیں ہوگا۔

''تو میں نے کہا نا پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن یہ دن یہ خوبصورت لمحہ جو مجھے ملا ہے میں اس کو ضائع نہیں کروں گی پہلے ہی بہت سا وقت ضائع

کرچکی ہوں حالانکہ اس پر میرا بھی حق تھا اور اب، میں اپنا یہ حق لے کر رہوں گی۔ وہ پرس اٹھا کر مجھے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور میں حیرت سے سوچنے لگی۔

کہتے ہیں بھٹکنے کے لیے ایک مخصوص عمر ہوتی ہے، نہیں، یہ غلط ہے نازیہ کو دیکھ کر میں کہہ سکتی ہوں کہ بندہ ہر عمر میں بھٹک سکتا ہے، میں نے اب مزید اس کو سمجھانے کی بجائے چپ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب بندہ خود اپنے آپ کو برباد کرنے پر تل جائے تو کوئی دوسرا اس کو روک نہیں سکتا اور یہ کہ ہر شعبے، ہر پیشے میں برے لوگ ہوسکتے ہیں مثال نازیہ اور شاداب تھے جن میں سے ایک درسگاہ میں تھی اور دوسرا فوج میں۔

شعبے، فطرت نہیں بدل سکتے ہر انسان کی اپنی فطرت ہوتی ہے اور یہ بھی کہ وقت اور حالات کے مطابق انسان بدلتا رہتا ہے جو آج برا ہے وہ کل اچھا بن سکتا ہے اور جو آج اچھا ہے وہ کل برا بن سکتا ہے۔ جیسے کہ نازیہ کے ایک درس گاہ کی ٹیچر ہونے کے باوجود خیالات کس قدر عامیانہ تھے مجھے اب اس پر حیرت ہو رہی تھی۔

یہ تقریباً شاداب سے ملنے کے ایک ہفتہ بعد کی بات ہے، نازیہ کی طبیعت اس دن ٹھیک نہیں تھی اور اس نے چھٹی کا فیصلہ کیا تھا، میں اکیلی ہی کالج آئی کہ فی الحال اتنی چھٹیاں کرنے کے بعد اور چھٹی کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا، لیکن کالج آنے کے باوجود میرا دھیان نازیہ کی طرف لگا ہوا تھا میرے بیمار ہونے پر اس نے میری بہت تیمارداری کی تھی اور اب اس کی تیمارداری کرنا میرا فرض بنتا تھا۔ یہ سب سوچ کر میں نے جلدی گھر آنے کا فیصلہ کیا تاکہ اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس جاسکوں اور چھٹی سے بہت پہلے ہی گاڑی لے کر نکل پڑی۔

گاڑی گھر کے باہر روک کر میں آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تاکہ اگر نازیہ آرام کر رہی ہو تو ڈسٹرب نہ ہو جائے لیکن جیسے ہی میں نے کے اندر قدم رکھا سلگ اٹھی۔

برآمدے میں رکھی ڈائنگ میز کے پاس نازیہ اور شاداب بیٹھے تھے ناز

خوب شوخ میک اپ کر رکھا تھا اس کے دونوں ہاتھ شاداب کے ہاتھوں میں اور وہ آنکھیں بند کیے مسرور سی بیٹھی تھی جبکہ شاداب اس کو دیکھتے ہوئے آہستہ نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔

میں نے سوچا اب کیا کروں، سامنے کھڑی ہونے کے باوجود ان میں کسی نے بھی میری آمد کو محسوس نہ کیا تھا۔ دل چاہا واپس چلی جاؤں، ہاں یہی ہے۔ میں نے سوچا لیکن قبل اس کے کہ قدم اٹھاتی شاداب کی نظر مجھ پر پڑ گئی اس نے نازیہ کے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔

”آپ کی باجی آئی ہیں......“

نازیہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں پھر مجھے دیکھ کر شرمندہ ہوگئی۔ میں کچھ وہیں کھڑی اس کو دیکھتی رہی پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف تو شاداب نے کہا۔

”ہیلو، کیسی ہیں آپ......؟“

جواباً میں نے ایک غصے بھری نظر اس پر ڈالی اور اس کے چہرے پر اور ہونٹوں پر نازیہ کے چہرے پر کیے گئے میک اپ کی جھلک دیکھ کر میں جل اٹھی شاداب نے مجھے اپنے چہرے کی طرف دیکھتے پایا تو جلدی سے جیب سے رومال نکال کر منہ صاف کرنے لگا جبکہ نازیہ شرمندہ، شرمندہ سی کھڑی تھی شاید اپنی چوری پکڑے جانے پر۔

چہرہ صاف کرنے کے بعد شاداب نے مسکرا کر مجھے دیکھا پھر رومال جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کا پاؤں اب کیسا ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے اندر ہی اندر کھولتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

”ارے آپ بھی بیٹھیے نا۔“ شاداب نے اٹھ کر میرے قریب کھڑے ہوتے ہوئے کہا، اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی جیسے کہہ رہا ہو۔

”دیکھ لو یہ وہی گھر ہے جہاں سے تم نے مجھے دھکے دینے والے انداز

میں نکالا تھا اور آج میں مہمان خاص بن کر یہاں موجود ہوں، تمہاری جرأت ہے تو
اب نکال کر دکھاؤ۔''

''ہاں عائشہ باجی آپ بھی بیٹھیئے نا۔'' نازیہ نے شاداب کے کہنے پر خود
بھی کہا لیکن وہ مجھے دیکھنے سے احتراز کر رہی تھی۔ شاید اپنا جھوٹ پکڑے جانے کی
وجہ سے جبکہ شاداب مسلسل مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہا تھا اور میرا جی چاہ رہا تھا
اس کے ہونٹوں کی یہ مسکراہٹ چھین لوں اور دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دوں
مگر وہ نازیہ کا مہمان تھا اور اس گھر کا کرایہ ہم دونوں مل کر ادا کرتی تھیں نازیہ نے
جب مجھے بیٹھنے کا کہا تو میں نے غصے سے کہا۔

''میرا خیال ہے صرف تم ہی بیٹھو۔ ویسے تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' میں
نے طنزیہ لہجے میں پوچھا اس مکار لڑکی پر اب مجھے بہت شدید غصہ آ رہا تھا اگر اسے
شاداب کو بلانا ہی تھا تو مجھے بتا دیتی میں کالج سے جلدی نہ آتی اور میرے آنے
سے پہلے شاداب دفع ہو جاتا۔

''اب تو ٹھیک ہے۔'' نازیہ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے
ہوئے کہا اور میں اپنے کمرے میں چلی آئی پھر زور سے دروازہ بند کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی میرے کمرے کا دروازہ کھول کر نازیہ اندر داخل ہوئی
اور ندامت بھرے چہرے کے ساتھ مجھے دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''سوری، میں نے آپ سے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا......''

''مہمان چلا گیا تمہارا؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''جی وہ چلا گیا ہے بس وہ جانے ہی والا تھا کہ آپ آ گئیں۔'' میں چپ
رہی کہتی بھی تو کیا نازیہ نے ہی دوبارہ کہا۔

''میں نے آپ کو شاداب کے آنے کا اس لیے نہ بتایا کہ آپ خفا ہوں
گی، بس یہی بات تھی ورنہ میں نے کبھی کوئی بات آپ سے نہیں چھپائی۔''

''کوئی بات نہیں نازیہ، یہ تمہارا ذاتی فعل اور مسئلہ ہے لیکن میں تم سے
دس برس بڑی ہوں، تمہیں سمجھانا اپنا فرض سمجھتی ہوں اس طرح ملنے والے مرد

ے کے قابل نہیں ہوتے ان کا کام صرف دل بہلانا ہوتا ہے۔''

''آپ کو ایک بات بتاؤں؟'' نازیہ شاید مجھے خوش کرنے کے لیے بولی۔
اداب کہہ رہا تھا یہ آپ کی چھوٹی بہن ہیں جب میں نے بتایا نہیں مجھ سے
سال بڑی ہیں تو وہ بہت حیران ہوا۔''

شاداب کی ان مکارانہ باتوں پر میں نے دل ہی دل میں دانت پیسے،
ے کچھ نہ کہا نازیہ پھر کہنے لگی۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں نا اور اگر ہیں تو پلیز معاف کر دیں۔''

''نہیں، لیکن پھر بھی یہ کہتی ہوں یہ مرد بھروسے کے قابل نہیں ہوتے،
یں محتاط رہنا چاہیے۔'' میں نے ایک بار پھر سرزنش کی۔

''حالانکہ آپ کی زندگی میں جو دو مرد آئے ایاز اور فیروز وہ دونوں
ے کے قابل تھے، ان دونوں نے آپ سے بہت محبت کی۔'' نازیہ مجھ سے
رہی تھی۔

اور میں سوچ رہی تھی میری زندگی میں جو تیسرا مرد آنے کی کوشش کر رہا
وہ بھی بھروسے کے قابل ہے، بہت محبت ہے اس کو مجھ سے، لیکن اب میرے
نئے نئے دکھوں کا اہتمام کرتا ہے، مجھے جلانے کے لیے وہ ہر بری سے بری
ری ہوئی حرکت کر رہا ہے جبکہ نازیہ کہہ رہی تھی۔

''ہوسکتا ہے آپ کے ایاز اور فیروز کی طرح میرا یہ شاداب بھی بھروسے
قابل ہو۔''

مجھے اس کے ''میرا شاداب'' کہنے پر بے ساختہ ہنسی آ گئی کیونکہ میں جانتی
وہ خود کو صرف میرا سمجھتا ہے اس نے میری ہی قسم کھا کر کہا تھا۔ ''میں آپ کو
نکاح میں لا کر چھوڑوں گا۔''

''اونہہ نکاح اور مجھ سے۔'' میں نے نفرت سے سوچا۔

''کیا ہوا؟'' نازیہ پوچھنے لگی۔

''تم نے اس سے یہ تو پوچھا ہوتا کہ وہ شادی شدہ ہے یا......''

''اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی، یہ بات اس نے خود مجھے بتائی ہے۔

"نازیہ نے خاصے جوش سے مجھے بتایا۔

"تمہارا کیا خیال ہے وہ تم سے شادی کرے گا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی اس بارے میں اس نے کچھ کہا تو نہیں لیکن......" نازیہ با
ادھوری چھوڑ کر سوچنے لگی تو میں نے گھور کر اس کو دیکھا پھر کہا۔

"اس کے باوجود تمہاری یہ بے تکلفی، کچھ خیال کرو نازیہ اپنی عمر کا، کو
چھوٹی لڑکی ہوتی تو میں اس کو سمجھاتے ہوئے اچھی بھی لگتی مگر تم۔"

"عمر سے کیا ہوتا ہے عائشہ جی، مجھے شاداب کو دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ
ابھی سولہ سال کی ہوں، ویسے بھی جب تک شادی نہ ہو جائے کنواری لڑکی سا
سال کی بھی ہو جائے تو لڑکی ہی کہلاتی ہے، عورت تو وہ شادی کے بعد بنتی ہے،
بھی لڑکی ہوں۔" نازیہ نے کہا اور باہر نکل گئی اور میں خود گہری سوچ میں ڈو
گئی۔

پہلے سوچا شاداب کو سمجھاؤں کہ وہ نازیہ کا پیچھا چھوڑ دے نازیہ ایک ا
لڑکی تھی لیکن فائدہ، جب اسے میری بات ماننا ہی نہیں اور نازیہ کو سمجھا کر میں د
چکی تھی وہ شاداب کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی، جب والدین اپنی ذمہ دار
کو نظر انداز کرتے ہیں تو انجام یہی ہوتا ہے جو نازیہ کا ہونے والا تھا اور مجھے
کے انجام کا ابھی سے دکھ ہونے لگتا تھا۔

"اونہہ دونوں جائیں جہنم میں مجھے کیا پڑی ہے فکر کرنے کی، جب
نازیہ کو ہی پرواہ نہیں میں نے جھنجھلا کر سوچا پھر حکومت کی طرف سے آنے وال
کا سوچنے لگی اور بہت سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کوئٹہ چھوڑ کر
چلے جانا چاہیے۔ شاداب پتہ نہیں ابھی اور کتنا عرصہ یہاں رہے گا اور کیا
ذلالتیں کرے گا، محض مجھے جلانے کے لیے بہتر یہی ہے کہ میں یہ شہر چھوڑ د
جب میں نہ رہی تو ہوسکتا ہے وہ بھی اپنی حرکتیں چھوڑ دے ہاں یہی ٹھیک ہے؟"
جب حکومت کی طرف سے تحریری دعوت ملے گی تو میں ہاں کر دوں گی۔ میں
سوچا اور پرسکون ہوگئی۔

پھر مجھے پرویز بھائی کا خیال آیا وہ بھی کینیڈا میں ہی تھے میں نے

وہاں جا کر ان سے بھی مل لوں گی اور اس خیال سے میرے اندر باہر خوشی پھیل گئی، میں یہ بھی بھول گئی کہ محض میری وجہ سے وہ واپس نہیں آئے تھے، تب میں نے سوچا، نہیں آئے تو کیا ہوا میں ان کی جدائی میں مر تو نہیں گئی اب بھی میں صرف ان سے ملنے جایا کروں گی۔

مجھے کون سا ان کے ساتھ اب رہنا ہے، رہائش مجھے یونیورسٹی کی طرف سے ملتی، بہت عرصہ بعد میں محبت سے پرویز بھائی کے بارے میں سوچ رہی تھی وہ بدل گئے تھے تو کیا ہوا وہ بھائی تھے اور میں بہن جو ہر حال میں بھائیوں سے محبت کرتی جبکہ بھائی بھی ایک ہی ہو۔

شاداب اس کے بعد ہمارے گھر نہیں آیا تھا کیونکہ میں نے نازیہ کو منع کر دیا تھا کہ شاداب کو گھر نہ لائے، باہر جہاں چاہے اس سے ملتی رہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں اور نازیہ مان گئی تھی اب وہ روز شاداب سے ملنے جانے لگی تھی مجھے اس کا جانا بہت برا لگتا تھا لیکن چپ رہنے پر مجبور تھی کہ نازیہ کی اپنی زندگی تھی اس کو سمجھانا میرا فرض تھا جو میں پورا کرچکی تھی، شاداب روز سہ پہر کے وقت اس کو لینے آتا وہ ہارن دیتا تو نازیہ کسی نوعمر لڑکی کی طرح مسکراتی بھاگتی ہوئی پرس پکڑ کر باہر نکل جاتی۔

ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھے بتایا۔

"شاداب پوچھتا تھا تمہاری بہن کو تمہارا مجھ سے ملنا برا تو نہیں لگتا۔"

"پھر تم نے کیا کہا؟" میں پوچھنے لگی۔

"میں نے کہا انہوں نے مجھے سمجھایا تھا کہ میرا آپ سے ملنا ٹھیک نہیں لیکن جب میں نے یہ بتایا کہ آپ بہت اچھے ہیں تو وہ چپ ہوگئیں۔" اور نازیہ کی بات سن کر واقعی میں چپ ہی رہی تھی۔

ایک دن شاداب نازیہ کو ڈراپ کرکے گیا وہ اندر آئی تو بہت خوش تھی میرے پوچھے بغیر ہی کہنے لگی۔

"کل میں اور شاداب زیارت جا رہے ہیں۔"

"کیوں؟" میں نے ورڈز ورتھ کی رومانی شاعری پڑھتے ہوئے سر اٹھا کر

اس کو دیکھا۔

''شاداب کہتا ہے وہاں موسم بہت زیادہ خوبصورت ہو رہا ہے۔'' نازیہ نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا۔ ''ہمارا ایک ہفتہ ادھر رہنے کا پروگرام ہے۔'' وہ بہت خوش ہو کر بتا رہی تھی۔ ''آج ہم نے سارا وقت پروگرام طے کرنے میں لگایا۔''

''نازیہ!'' میں نے پہلی بار اس کو سخت لہجے میں پکارا۔

''جی'' نازیہ نے اپنے خوش کن خیالوں میں میرے لہجے پر حیران ہو کر دیکھا۔

''وہ مجھے اچھا انسان نہیں لگتا، ویسے بھی ایک کنواری لڑکی کا کسی غیر محرم مرد کے ساتھ ایک ہفتے اکیلے رہنا کسی بھی طرح ٹھیک نہیں، اس لیے تم شاداب کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔''

''آپ خواہ مخواہ شاداب پر شک کرتی ہیں وہ بہت اچھا ہے۔'' نازیہ نے شاداب کی وکالت کرنی چاہی۔

''اس کے باوجود میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دوں گی۔'' میں نے بدستور سخت لہجے میں کہا۔

''یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے، میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں اس لیے آپ میری بات میں نہ ہی بولیں تو اچھا ہے۔ نازیہ نے ہلکی سی ناگواری سے کہا۔

''دیکھو نازیہ تمہیں سمجھانا میرا فرض ہے۔'' میں نے کہنا چاہا۔

''میں بچی نہیں ہوں اور پھر یہ فرض آپ کئی بار ادا کر چکی ہیں مگر میرا دل آپ کی بجائے شاداب کی بات مانتا ہے آپ اب اپنے فرض کو بھول جائیں میں مزید کوئی نصیحت سننا نہیں چاہتی۔'' اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔

''بہر حال تم اس کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔'' میں نے پھر وہی بات کی۔

''کیوں نہیں جاؤں گی؟'' نازیہ نے غصے سے پوچھا۔

''اگر تم شاداب کے ساتھ گئیں تو میں تمہارے گھر اطلاع کر دوں گی۔'' میں نے دھمکی دینے والے لہجے میں کہا۔

''ایک بار نہیں ہزار بار کریں۔ جب ان کو میرا خیال نہیں تو میں کیوں ان

کی پرواہ کروں، وہ سب مجھے بھول کر چھوٹوں کی شادی بیاہ میں لگے ہوئے ہیں ان کو میں نظر نہیں آتی، میرا بھی دل چاہتا ہے اپنا گھر آباد کرنے کو، رہا شاداب تو وہ بہت اچھا ہے میں شاداب کے ساتھ ضرور جاؤں گی اس زندگی پر میرا بھی حق ہے میں اس کا ہر رنگ دیکھنا چاہتی ہوں، بہت عرصہ میں نے خود کو ضائع کرتے ہوئے گزارا ہے لیکن اب جو خوشیاں مجھے مل رہی ہیں ان کو حاصل کرنا میرا حق ہے، شاداب کے بدل جانے کا ڈر آپ کو ہے مجھے نہیں وہ بدل بھی جائے تو کیا ہے لیکن محبت کے یہ لمحے جو مجھے مل رہے ہیں میرے لیے یہی بہت ہیں، میں محبت کو بہت ترسی ہوں۔ اب اگر یہ مجھے مل رہی ہے تو میں اس کو چھوڑ نہیں سکتی۔'' اس کی باتیں بہت عامیانہ تھیں۔

میں نے حیران ہو کر نازیہ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا وہ شاداب کے ساتھ ضرور جائے گی اور شاداب، اس کا تو اب کام ہی لڑکیوں سے کھیلنا رہ گیا تھا میں نے شادی میں بھی نوٹ کیا تھا وہ باہر کھڑا ہر آنے جانے والی لڑکی کو گھور رہا تھا۔ میں نازیہ کو شاداب سے بچانا چاہتی تھی کہ وہ بہت سالوں سے لاہور ہی سے میرے ساتھ تھی اور اس کا کردار ہمیشہ بے داغ رہا تھا اور اب محض اس چانس میں وہ شاداب کے ساتھ جا رہی تھی کہ ہو سکتا ہے وہ اس سے شادی کر ہی لے۔

جبکہ میں اچھی طرح جانتی تھی شاداب صرف اس کو برباد کرے گا۔ مجھے جلانے اور بتانے کے لیے کہ وہ واقعی بہت بگڑ چکا ہے، مجھے چھوڑنے جب وہ پشاور آیا تھا اور جو غزل بار بار سن رہا تھا میں اس کی اپنی بے راہ روی کی ہی کہانی تھی جو وہ مجھے سنا رہا تھا۔

میں نے بہت سوچنے کے بعد فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ ''نازیہ میری بات غور سے سنو تم شاداب کے ساتھ نہیں جاؤ گی یہ میرا فیصلہ ہے۔''

''اگر میں آپ کا فیصلہ نہ مانوں۔'' نازیہ نے سخت غصے کے عالم میں کہا۔

''پہلے میری پوری بات سن لو پھر اپنی کہنا، میرا فیصلہ تو تمہیں ماننا ہی ہو گا۔ تم شاداب کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی اور اگر میرے اس فیصلے کے باوجود تم نے شاداب کے ساتھ جانے کی غلطی کی تو پھر میرے کالج میں نہ پڑھا سکو گی، میں

تمہیں کالج سے نکال باہر کروں گی، جب استاد کا اپنا یہ حال ہے تو وہ طلبہ کی بہبود پر کیسے توجہ دے سکتی ہے، اب یہ فیصلہ تمہیں خود کرنا ہے کہ تم شاداب کے ساتھ جاؤ گی یا کالج میں پڑھاؤ گی۔'' میں نے سخت لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا۔

نازیہ چند لمحے مجھے دیکھتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

''عائشہ جی! یہ بھی تو ہوسکتا ہے وہ مجھ سے شادی کرلے، آپ پلیز میری راہ میں رکاوٹ کھڑی نہ کریں، میری مجبوری کو سمجھیں۔'' وہ اکڑنے کی بجائے اب جھک گئی تھی لیکن میں نرم نہ ہوئی۔ میرے سخت رہنے میں ہی نازیہ کی بہتری تھی۔

''سوری نازیہ، میں نے جو کہا ہے وہی ہوگا اب تم جاؤ اور فیصلہ کرو'' میں نے خشک لہجے میں کہتے ہوئے پھر نظر کتاب پر جما دی۔ نازیہ کچھ دیر کھڑی مجھے بغور دیکھتی رہی شاید اس کو مجھ سے اس رویے کی امید نہیں تھی، پھر ہونٹ کاٹتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس کے بعد صبح تک وہ میرے سامنے نہ آئی تھی شاید غصے کی وجہ سے میں خود بھی اس کے سامنے نہ گئی تھی۔

صبح نماز پڑھنے کے بعد میں نے ایک کپ چائے بنا کر پیا پھر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی جب باہر سے گاڑی کا ہارن سنائی دیا میں نے کچھ خیال نہ کیا لیکن جب ہارن مسلسل بجنے لگا تو میں سمجھ گئی شاداب نازیہ کو لینے آیا ہے کہ انہیں صبح ہی صبح زیارت جانا تھا، میں نے نازیہ کے کمرے کی طرف دیکھا دروازہ بند تھا وہ مجھ سے ناراض تھی۔

''اونہہ خود ہی اٹھ کر بات کرے گی۔'' میں اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو شاداب بیل پش کر چکا تھا۔ بہت دیر بیل بجتی رہی تو میں باہر آئی اور نازیہ کے دروازے پر دستک دی کچھ دیر بعد ہی نازیہ نے دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا رونے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''باہر شاید شاداب تمہیں لینے آیا ہے، اس کو بتا دو تم اس کے ساتھ نہیں جاسکتیں۔'' میں نے اس کی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''آپ خود انکار کردیں، کہہ دیں نازیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ نہیں جاسکے

گی۔'' نازیہ نے مجھ سے کہا اور جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ مجبوراً میں باہر آئی دروازہ کھولا تو سامنے شاداب کھڑا تھا۔ بلیک پینٹ اور سفید شرٹ پر اس نے سیاہ جیکٹ پہن رکھی تھی اور اپنے دراز قد اور خوبرو سراپے کی وجہ سے بہت جچ رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہوئے میں نے سوچا بچاری نازیہ تو اس کی وجاہت پر مرمٹی ہے، اس کو کیا معلوم اس خوبصورت شخصیت کے پیچھے کس قدر ظالم انسان چھپا ہوا ہے۔'' شاداب نے مجھے مسلسل اپنی طرف دیکھتے پایا تو مسکرایا پھر کچھ کہنے کے لیے لبوں کو جنبش دی ہی تھی لیکن میں نے اس کے بولنے سے پہلے ہی خشک لہجے میں بتایا۔

''نازیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں، وہ کہتی ہے آپ کے ساتھ نہ جاسکے گی سوری۔''

''کیا ہوا اس کو رات تک تو بالکل ٹھیک تھی۔'' شاداب مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ اس کی خوبصورت آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

میں نے جواب دینے کی بجائے دروازہ بند کرنا چاہا تو شاداب بیچ میں تے ہوئے بولا۔ ''آپ نے بتایا نہیں کیا ہوا اس کو؟''

''کچھ بھی ہو آپ سے مطلب جب میں نے کہہ دیا کہ وہ آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی تو اب آپ جاسکتے ہیں۔'' میں نے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں آپ زیادتی کر رہی ہیں وہ میری دوست ہے، میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں پلیز۔'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

میں کوئی سخت جواب دے کر دروازہ بند کرنا ہی چاہتی تھی کہ پیچھے سے زیہ کی آواز آئی ''آنے دیں ان کو اندر'' میں نے مڑ کر نازیہ کو دیکھا تو وہ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی مجھے اپنی طرف دیکھتے پا کر منہ پھیر کر اندر چلی ئی تو میں نے پلٹ کر شاداب کو دیکھا اس کے ہونٹوں پر طنزیہ ہنسی تھی جیسے کہہ رہا

''آپ کون ہوتی ہیں روکنے والی جب ملنے والی کو اعتراض نہیں'' نازیہ کی ما حرکت پر مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کرتے ہوئے میں نے راستہ چھوڑ دیا ر شاداب سیدھا نازیہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ میں اپنے کمرے میں جانے

کی بجائے نازیہ کے کمرے کی طرف آئی کہ کہیں وہ اس کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ نہ لے جائے اور دروازے میں ہی رک گئی، بلکہ سائیڈ پر ہٹ کر کھڑی ہوگئی، نازیہ شاداب سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"وہ میری بہن نہیں ہے بس ہمارے کالج کی پرنسپل ہے، اس نے مجھے آپ کے ساتھ جانے سے منع کیا ہے وہ کہتی ہے آپ اچھے انسان نہیں ہیں، آپ مجھے برباد کر دیں گے۔ وہ کہتی ہے اگر میں آپ کے ساتھ زیارت گئی تو وہ مجھے کالج سے نکال دے گی اور وہ نکالنے کی طاقت بھی رکھتی ہے، اب بتاؤ مجھے کہ میں کیا کروں، میں تو جانا چاہتی ہوں مگر وہ اجازت دے تب نا۔ نازیہ کی حالت کسی نوعمر لڑکی جیسی ہو رہی تھی، مجھے افسوس ہوا مگر میں شاداب کا جواب سننا چاہتی تھی مگر شاداب چپ تھا جواب میں اس کی آواز نہ آئی تھی۔ نازیہ کچھ دیر روتی رہی پھر بولی۔

"آپ خود بات کریں نا اس چڑیل سے۔" نازیہ غصے میں سارا ادب آداب بھول گئی تھی۔

"نازیہ" شاداب نے غرا کر کہا۔

جواباً نازیہ نے شاید حیرت سے شاداب کو دیکھا ہوگا کیونکہ شاداب نے آہستہ سے کہا۔

"تم کیسی عورت ہو نازیہ وہ تمہارے بھلے کے لیے تمہیں روک رہی ہے اور تم اس کو گالی دے رہی ہو، تمہیں تو اس کا احسان مند ہونا چاہیے۔"

"یہ بھلائی ہے، وہ مجھے آپ کے ساتھ جانے نہیں دے رہی آپ اس کو بتا دیں آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"شادی؟" شاداب نے حیرت سے کہا۔ "کیا ان گزرے دنوں میں میں نے تم سے کبھی شادی کے حوالے سے بات کی؟"

"نہیں لیکن آپ مجھ سے محبت تو کرتے ہیں۔" نازیہ نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں میں نے یہ کب کہا تم سے کہ تم سے محبت کرتا ہوں میری تو تم

سے صرف دوستی ہے، میں ذرا آزاد خیال آدمی ہوں اس لیے تمہیں زیارت ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی۔"

"آپ کا مطلب ہے آپ کو مجھ سے محبت؟" نازیہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"محبت" شاداب اتنا کہہ کر چپ ہوگیا پھر گہری سانس لے کر بولا "محبت میں تم سے کیسے کرسکتا ہوں وہ تو میں چودہ سال سے ایک اور ہستی سے کر رہا ہوں، اس کے بعد مجھے کوئی ایسی عورت ملی ہی نہیں جو مجھے بدل سکتی، میری محبت، میری توجہ حاصل کرسکتی ویسے بھی محبت صرف ایک بار ہوتی ہے بار بار نہیں اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک محبت تو میں اسی سے کروں گا اور ہو سکا تو شادی بھی کہ مجھے اپنے قابل صرف وہی ایک ہستی لگتی ہے۔ اس کو ہر حال میں پانا میری تمنا ہے۔"

"تو پھر یہاں کیا لینے آئے ہو؟" نازیہ حلق پھاڑ کر چلائی۔

"دل بہلانے۔" شاداب نے کہا اور شاید کھڑا ہوگیا۔

"چلے جاؤ یہاں سے میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی، جاؤ" نازیہ غصے سے چیخی اور شاداب باہر نکل آیا مجھے صحن میں کھڑے دیکھا تو میرے قریب آکر رک گیا۔ میں سپاٹ چہرہ لیے کھڑی رہی۔ شاداب کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے کہا۔

ترا عشق ہے مری آرزو، ترا عشق ہے مری آبرو
ترا عشق کیسے میں چھوڑ دوں، مری عمر بھر کی تلاش ہے

اور جلدی سے باہر نکل گیا۔ میں کچھ دیر گم صم کھڑی رہی، پھر دروازہ بند کرنے آئی تو وہ جیپ میں بیٹھا تھا، مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور جیپ آگے بڑھا دی میں نے دروازہ بند کیا اور بے جان قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

نازیہ کے کمرے میں جانا میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا تھا، میں تو شاداب کے بارے میں سوچ رہی تھی وہ کسی طرح بھی مجھے بھول نہیں پا رہا تھا۔ جو شعر مجھے وہ سنا کر گیا تھا وہ بار بار میرے ذہن میں گونج رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کیا واقعی وہ مجھے کبھی فراموش نہیں کرسکے گا، ایسا نہیں ہونا چاہیے اس کو مجھے

بھول جانا چاہیے۔ میں ایسا کیا کروں جو شاداب مجھے بھول جائے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

رات نازیہ خود میرے کمرے میں آئی تھی اور اس نے معافی مانگتے ہوئے کہا۔

"آپ نے سچ کہا تھا، وہ کوئی اچھا انسان نہیں۔" اور رودی میں نے اس کو پیار سے چپ کرا دیا پھر کہا۔ "میں خود تمہاری امی سے تمہاری شادی کی بات کروں گی۔" اور نازیہ چپ رہی۔

لیکن بات کرنے کی نوبت ہی نہ آئی مارچ کے شروع میں نازیہ کے گھر سے فون آیا کہ اس کو لڑکے والے دیکھنا چاہتے ہیں فوراً چھٹی لے کر لاہور پہنچ اور نازیہ ہنستی مسکراتی میرا شکریہ ادا کرتی کہ میں نے اس کو شاداب جیسے آوارہ سے بچایا تھا۔ وہ شاداب کو خوب برا بھلا کہتی، بدعائیں اور کوسنے دیتی لاہور روانہ ہوگئی اور میں اس کو شاداب کو برا کہنے سے روک بھی نہ سکی جبکہ شاداب اس کے منہ سے نکلا لفظ "چڑیل" سن کر ہی ساری مروت بھول گیا تھا کہ وہ خود مجھ سے جو بھی سلوک کرے کسی دوسرے کے منہ سے وہ میرے خلاف ایک لفظ بھی نہ سن سکتا تھا آخر محبت کرتا تھا مجھ سے......

نازیہ کے جانے کے بعد وہی بور اور تنہا زندگی تھی اور میں تھی شاداب پھر نہ آیا تھا اور نہ ہی اس نے مجھ سے ملنے کی کوشش کی تھی کبھی کسی راہ میں بھی نہ کھڑا ہوا تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئٹہ میں ہی نہیں حالانکہ وہ کوئٹہ میں ہی موجود تھا۔

پھر حکومت کی طرف سے مجھے تحریری طور پر کینیڈا جانے کی آفر مل گئی اور میں نے اثبات میں جواب لکھ دیا چند روز تک مجھے ضروری کاغذات مکمل کرکے وفاقی حکومت کو بھیجنے کے آرڈر ملے تو میں نے کاغذات مکمل کرکے بھیج دیے۔ بہت دن تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور اور جب مارچ ختم ہو رہا تھا تب مجھے اطلاع ملی کہ "چھبیس (۲۶) اپریل تک مجھے کراچی پہنچ جانا ہے کیونکہ ۲۶، اپریل کو میری کراچی سے کینیڈا تک کی سیٹ حاصل کرلی گئی تھی۔ جو بہت جلد مجھے بھیج دی جائے گی۔"

میں نے خوشی، خوشی ساری تیاری شروع کر دی تھیں۔ نازیہ ابھی تک نہ تھی بس کالج اس کا فون آیا تھا کہ لڑکے والوں نے اسے پسند کرلیا ہے اور جلد ی پر زور دے رہے ہیں اور امی وغیرہ کا بھی خیال ہے کہ اب مزید دیر کرنا ب نہیں ہوگا اس کے علاوہ نازیہ نے یہ بھی لکھا تھا کہ لڑکے کی عمر چالیس کے ب ہے اور وہ واپڈا میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ نازیہ نے مزید چھٹیوں کا تھا جو میں نے خوشی، خوشی منظور کرلی تھیں......

مجھے خوشی تھی میں نے نازیہ کو شاداب سے برباد ہونے سے بچالیا تھا اور میں نے سوچا تھا جانے سے پہلے شاداب کے نام ایک خط لکھ جاؤں گی کہ "وہ تمام بری حرکتیں چھوڑ کر شادی کرلے کہ میں پاکستان چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے جارہی ہوں۔" پوری امید تو نہیں تھی لیکن ہلکا سا یقین تھا کہ ہوسکتا ہے وہ میری مان ہی جائے کہ میں ہمیشہ کے لیے یہاں سے جا رہی تھی۔

....

اپریل شروع ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کالج میں کانووکیشن کی ں تو کئی روز سے ہو رہی تھیں جن کی وجہ سے میں بہت مصروف تھی لیکن آج ا فائنل ریہرسل تھی جس میں تمام طالبات اور ٹیچرز شامل تھیں میں خود بھی بے روف تھی مہمان خصوصی صوبے کے وزیراعلیٰ تھے ریہرسل کے اختتام پر میں تھک گئی تھی لیکن گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا میں ہفتہ بھر کی خریداری کرتی تھی اور اس کو ختم ہوئے دو دن ہوچکے تھے کالج میں مصروف ہونے کی ے روز اتنا تھک جاتی تھی کہ مارکیٹ جانے کا ہوش ہی نہیں رہتا تھا۔

لیکن آج میں نے سوچ لیا تھا خواہ کچھ بھی ہو جائے مارکیٹ ضرور جاؤں دو دن سے میں ڈبل روٹی اور آملیٹ کھا کھا کر تنگ آ چکی تھی یہی وجہ تھی ہونے کے باوجود میں مارکیٹ چلی آئی ہفتے بھر کی خریداری کی، پھر گھر کی روانہ ہوگئی گھر پہنچی تو گیٹ کے باہر بنے تھڑے پر رقیہ اور مینا بیٹھی تھیں میں روک کر اتری پہلے ان سے ملی اور حیرت سے پوچھا کہ وہ اچانک کیسے چلی بغیر اطلاع کے۔

جواب میں وہ دونوں چپ ہی رہیں نجانے کب سے بیٹھی تھیں میرے انتظار میں۔ میں نے گیٹ کھول کر ان دونوں کو اندر جانے کا کہا، پھر خود گاڑی میں آ بیٹھی گاڑی اندر لاکر میں نے سارا سامان نکال کر کچن میں پہنچایا جبکہ رقیہ اور مینا شاید بہت تھکی ہوئی تھیں اس لیے برآمدے میں رکھی کرسیوں پر جا بیٹھیں میں نے سوچا وہ کیا لینے آئی ہیں......؟

اچانک مجھے خیال آیا شاداب بھی ادھر ہی ہوتا ہے اس سے ملنے آئی ہوں گی۔ سامان رکھ کر میں ان کے پاس آئی اور کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے ان کو اندر آنے کا کہا۔

وہ دونوں اندر آئیں تب میں نے پہلی بار مینا کو دیکھا وہ پہلے سے بہت کمزور ہوگئی تھی چہرہ بھی بجھا سا تھا میں نے ان کو بیٹھنے کا کہتے ہوئے رقیہ سے پوچھا۔

"یہ مینا کو کیا ہوا، بہت کمزور ہو رہی ہے، بیمار تھی کیا......؟"

"ہاں باجی، جب سے سجاد کی شادی ہوئی ہے تب ہی سے بیمار ہے شادی میں شاید کسی کی نظر لگی تھی جو ٹھیک ہونے میں ہی نہیں آتی۔" رقیہ پیار سے مینا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپ لوگ شاداب سے ملنے آئے ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں باجی، اسٹیشن سے سیدھے آپ کا گھر تلاش کرتے ہوئے آئے ہیں۔" رقیہ نے ہی بتایا مینا تو چپ تھی۔

"شاداب آپ سے ملنے آیا ہے؟" رقیہ نے نجانے کس لیے پوچھا۔

"نہیں تو، ایک بار بھی وہ ادھر نہیں آیا۔" میں نے بتایا اور یہ سچ بھی تھا ادھر اگر وہ دوبار آیا تھا تو صرف نازیہ کی وجہ سے۔

"آئے گا بھی نہیں وہ بہت بدل گیا ہے، بہت بگڑ چکا ہے جس دن آپ آئیں تھیں اس کی اگلی صبح وہ بھی واپس چلا گیا تھا بغیر کسی سے ملے ہوئے، صبح صبح گھر سے نکل گیا تھا۔" رقیہ شدید غصے اور دکھ سے کہہ رہی تھی......

"آپ نے شادی کی بات نہیں کی تھی؟" میں نے ایک بار پھر مینا کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور سوچا جب میں نہ رہی تو وہ کیسے رہ سکتا تھا۔ مجنوں کا حا

جبکہ رقیہ کہہ رہی تھی۔

"بات کرنے کا اس نے وقت ہی کب دیا ہے آپ کو اسلام آباد چھوڑ کر گئے گھر آیا تو میں شادی کی تھکن کی وجہ سے سونے جا رہی تھی اس کو دیکھ کر نے آپ کا پوچھا بولا "چھوڑ آیا ہوں ان کو اسلام آباد۔" اور کمرے میں چلا گیا۔

اور میں رقیہ کو یہ بھی نہ بتا سکی کہ اس کمینے نے مجھے اسلام آباد کی بجائے چھوڑا تھا اور میرا کیا حال کر کے چھوڑا تھا لیکن میں رقیہ کی سن رہی تھی۔

"صبح جب میں نماز کے لیے اٹھی اور اس کے کمرے میں گئی تو وہ جا چکا

رقیہ بات ختم کر کے چپ ہوگئی اس کے چہرے پر تفکرات نے ڈیرے جما تھے وہ بہت زیادہ پریشان لگ رہی تھی۔

"اچھا بھئی میں ذرا چائے بنا کر لاتی ہوں۔" کہہ کر میں باہر نکل آئی نے نہ تو مجھے چائے بنانے سے روکا اور نہ ہی میری مدد کو میرے پیچھے آئی جیسے کی عادت تھی۔ کچن میں آ کر میں نے سوچا کھانے کا ٹائم ہے اس وقت دینا اچھی بات نہیں۔ چائے کھانے کے بعد دوں گی، یہ سوچ کر میں چائے ئے کھانا بنانے لگی۔

ایک گھنٹے میں میں نے مرغی کا قورمہ بنا کر ساتھ ہی دوسرے چولہے پر بنالی تھیں، پھر کھانا باہر میز پر لگا کر میں اندر آئی تو رقیہ صوفے پر ہی بیٹھی جبکہ مینا میرے بیڈ پر لیٹ چکی تھی۔ میں نے کھانے کے لیے ان کو اٹھنے کا رقیہ اٹھ گئی جبکہ مینا نے کہا۔

"آنٹی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں مجھے صرف کچھ پینے کو دے دیں......"

"چائے یا کافی؟" میں نے پوچھا۔

"نہ باجی، چائے، کافی اس حالت میں اچھی نہیں ہوتی، جوس وغیرہ ہو تو دیں۔" رقیہ نے جلدی سے کہا۔ میں نے حیران ہو کر اس کو دیکھا اور اس نے جھکالیں تو میں بجائے کچھ پوچھنے کے خاموشی سے باہر چلی آئی۔ سیب تو کے سارے پاکستان میں بہترین مشہور ہیں اور کوئٹہ میں تو پھر ملتا بھی سستا نکالنے مینا کے لیے سیب کا جوس نکالا اور جب کچن سے باہر آئی تو رقیہ

کھانے کی میز پر بیٹھی تھی، چپ چاپ سی میں نے مینا کو جوس دیا پھر باہر رقیہ
ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پوچھا......

"یہ مینا کو کیا ہوا آپا کچھ زیادہ ہی بیمار لگتی ہے؟"

"پتہ نہیں باجی کچھ بتاتی ہی نہیں اور نہ ہی ڈاکٹر کے پاس جاتی ہے چ
روز سے آپ سے ملنے کے لیے ضد کر رہی تھی سو آج مجبور ہو کر میں لے آئی
رقیہ نے کھانا کھاتے ہوئے بتایا پھر کھانے سے فارغ ہوتے ہی بولی۔ "باجی میر
اپنی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں آرام کرنا چاہتی ہوں۔" میں نے چائے کا پوچھا لیکن
انہوں نے انکار کر دیا اور میں ان کو ساتھ لے کر نازیہ کے کمرے میں آئی پھر ا
کو وہاں چھوڑ کر باہر آ کر برتن اٹھائے اور کچن میں چلی گئی اس کام سے فارغ
کر میں اندر آئی تو مینا لیٹی ہوئی تھی مجھے دیکھتے ہی پوچھا......

"پھپھو کہاں ہیں آنٹی جی......؟"

"وہ آرام کرنے چلی گئی ہیں تم بھی آرام کرو۔" میں نے پیار سے کہا۔

"میری قسمت میں آرام کہاں آنٹی۔" مینا نے کہا اور رونے لگی۔

"کیا ہوا مینا کیوں ایسی ہوگئی ہو؟ کیوں رو رہی ہو؟" میں اس کے قریب
چلی آئی۔

"آنٹی میں...... میں آپ سے کچھ کہنا۔" وہ بات مکمل نہ کر سکی اور رو
چلی گئی اور میں حیران ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔ مجھے کچھ کچھ شک والی بات نظر آئی۔

"مینا کیا بات ہے؟" میں نے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

مینا کے منہ سے صرف آنٹی، آنٹی ہی نکلتا اور کوئی بات نہیں نکل رہی
وہ مسلسل رو رہی تھی اور میں حیرت سے اس کو دیکھ رہی تھی اچانک وہ ابکائی
ہوئے اٹھی اور مجھ سے غسل خانے کا پوچھا۔

میرا اپنا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا اور ذہن سائیں، سائیں کرنے لگا،
میرا جواب سنے بغیر ہی باہر نکل گئی تھی میں ابھی اس کی حالت کے بارے میں ٹھیک
سے سوچ بھی نہ پائی تھی کہ وہ تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے اندر آئی ا
میرے قریب نظریں جھکا کر بیٹھ گئی۔

"مینا یہ سب کیا ہے؟" میں نے ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر کرتے
ہوئے پوچھا۔

"آنٹی۔" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہونٹ پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

"کیا بات ہے مینا مجھے بتاؤ پلیز؟" میں نے بے چینی اور بے تابی سے پوچھا۔

"شاداب نے مجھے برباد کر دیا آنٹی۔" وہ سسک کر بولی۔

"اوہ نو۔" میں نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

چند لمحے قبرستان کی سی خاموشی چھا گئی۔

"آنٹی۔" مینا مجھے اپنے لٹنے کی داستان سنا رہی تھی آخر میں بولی۔ "میں
گناہ ہوں آنٹی، میں تو صرف اس کو یہ بتانے گئی تھی کہ میری شادی اس کے
ہو گی اور اس نے...... اور اس نے......"

"مینا۔" میں نے اس کو کھینچ کر سینے سے لگا کر بھینچ لیا اور میری اپنی
آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"میری جان تم اتنی چھوٹی عمر میں لٹ گئیں تم۔" مارے کرب کے میں
بول ہی نہ سکی۔ مجھے لگا اس کا مجرم شاداب نہیں میں ہوں، میرے ٹھکرانے
کی وجہ سے ہی وہ ان راہوں پر چل نکلا تھا اور یہ بات اس نے خود مجھ سے کہی تھی، مینا
میرے سینے سے لگی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آنٹی وہ آپ کی بات مانتا ہے پھپھو بتا رہی تھیں کہ وہ آپ کی بات
ٹالا نہیں کرے گا آنٹی آپ اس کو کہیئے وہ مجھ سے شادی کر لے، اگر اس نے
مجھ سے شادی نہ کی تو میں رسوا ہو جاؤں گی، میں زندہ نہ رہ سکوں گی میں مرجاؤں
گی آنٹی پلیز کچھ کریں۔" وہ روتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"مینا، تمہاری پھپھو کو ان سب باتوں کا علم ہے؟" میں نے پیار سے اس
کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

"ہاں گھر میں صرف ابھی ان کو ہی بتایا ہے میں نے لیکن پھپھو بہت
اچھی ہیں وہ کہتی ہیں باجی کو نہ بتانا کہ میں شاداب کی اس ذلیل حرکت کے
بارے میں جانتی ہوں وہ خود ہی تو مجھے آپ کے پاس لے کر آئی ہیں کہ آپ

ضرور شاداب کو رضا مند کرلیں گی۔''

''لیکن یہ سب ہوا کب؟'' میں پوچھ رہی تھی۔

''آنٹی اس دن آپ کو اسلام آباد چھوڑ کر آنے تو سیدھے آپ کمرے میں چلے گئے میں ان کو دیکھ کر ان کے پیچھے اندر گئی تو وہ کمرے کے میں کھڑے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے، پھر وہ بستر پر گر گئے تو میں کھا پوچھنے گئی اور......اور......''

بہت دیر کے لیے سکوت چھا گیا مینا روتی رہی اور میں سوچتی رہی شاد کی اس ذلالت کے بارے میں، مینا کے صرف یہ کہنے پر کہ آنٹی اس کی شاد تاکید کرکے گئی ہیں اس نے مارنے انتقام کے مینا کو بے آبرو کردیا غصہ مجھ اور نکال دیا بے گناہ عورتوں پر۔

محبت اس نے مجھ سے کی تھی اور شاید اپنی تمام شدتوں سے کی تھی، میں نے تو اس سے محبت نہ کی تھی۔ میں نے تو صرف رقیہ آپا کی ہمدردی میں کی اصلاح کی تھی اس کی تعمیر کی تھی جو اب تخریب کاری بن گئی تھی مجھے خود بھی رہا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ نیکی نہیں بدی کی تھی، مجھے اس کو دھوکے میں رکھنا چاہیے تھا لیکن بات پھر وہی، میں سمجھتی تھی بڑا ہو کر وہ اپنی اس حماقت کو جائے گا مگر وہ بھولنے کی بجائے اور بھی شدت سے چاہنے لگا تھا مجھے، تو پھر میں کیا کرتی۔

لیکن اب کیا ہوسکتا تھا میں نے مینا کو دیکھا وہ روتے ہوئے کہہ رہی

''آنٹی! میں مانتی ہوں اس میں میری بھی غلطی ہے مجھے رات کے اس کے پاس نہیں جانا چاہیے تھا لیکن یہ ایسی غلطی بھی نہیں تھی جس کی وہ مجھے بڑی سزا دیتا......''

''تم نے اپنی امی کو نہیں بتایا جان۔''

''نہیں اگر امی کو پتہ چل گیا تو وہ ابو اور بھائیوں کو بھی بتا دیں گی تو ہوسکتا ہے کچھ ضبط کرجائیں لیکن بھائی اس کو قتل کردیں گے اور شاید مجھے جان سے مار دیں، میں اس کی موت نہیں چاہتی آنٹی مجھے محبت ہوگئی ہے شا

میں اس کی موت نہیں چاہتی۔''

''پھر کیا چاہتی ہو ایسے بندے کو تو جان سے مار دینا چاہیے۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''ایسا نہ کہیں آنٹی، آپ اس کو کہیں وہ مجھ سے شادی کرلے، اس طرح نہ صرف اس کی جان بچ جائے گی بلکہ میری اور میرے بچے......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ پھر رونے لگی......

میں چپ تھی اور سوچ رہی تھی اگر میں نازیہ کو اس کے ساتھ جانے سے نہ روکتی تو پھر اس کا حال بھی شاید مینا جیسا ہوتا۔

''آنٹی آپ شاداب سے بات کریں گی نا؟'' مینا پوچھ رہی تھی۔

''ہاں چندا میں تمہارے لیے بات کروں گی، بات کیا میں اس کو تم سے شادی کرنے پر مجبور کردوں گی۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''سچ آنٹی۔'' اس کی بھیگی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

''سچ میری جان۔'' میں نے اس کا منہ چوم لیا اور پھر اس کو آرام کرنے کا کہہ کر خود باہر نکل آئی۔

☆☆☆

کوئٹہ کی یہ رات بہت صاف اور شفاف تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے چند دنوں کا چھوٹا سا چاند بھی ان کے سنگ تھا لیکن خود میں بے چین سی صحن میں ٹہل رہی تھی۔ میں سوچنا چاہتی تھی، شاداب سے کیسے بات کروں گی اور کیا وہ مان جائے گا؟ ''اس کو ماننا ہی ہوگا'' میں طیش سے سوچ رہی تھی، حد ہوتی ہے ہر بات کی لیکن وہ تو ہر حد پھلانگ چکا تھا۔

میں ٹہل ٹہل کر اس کے بارے میں سوچتی رہی اور رات دھیرے دھیرے گزرتی رہی۔

اگلی صبح وہ دونوں جانے کے لیے تیار تھیں۔ میں نے روکا مگر وہ نہ رکیں اور تیار ہو کر ان کو اسٹیشن چھوڑ کر سیدھی کالج چلی آئی آج کانووکیشن تھا ورنہ جی تو چاہ رہا تھا کالج کی بجائے شاداب کے پاس جاؤں اور پوچھوں ''ذلیل انسان، محبت

میں لوگ یہی کچھ کرتے ہیں جو تم کر رہے ہو؟'' لیکن آج میرے پاس ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں تھی جاتے ہوئے، مینا نے مجھ سے گلے ملتے ہوئے سرگوشی میں کہا تھا۔

''آنٹی، آپ شاداب کو اپنے ساتھ لے کر جتنی جلدی ہوسکے آنے کی کوشش کیجیئے گا۔ ضائع کرنے کے لیے میرے پاس مزید وقت نہیں ہے۔ آپ سمجھی ہیں نا میری بات کو؟''

''تم فکر نہ کرو، میں بہت جلد اس کو ساتھ لے کر تمہارے پاس آؤں گی۔'' میں نے اس کو یقین دلایا تھا اور وہ دونوں چلی گئیں۔

کالج میں کانووکیشن کی وجہ سے میں دوپہر تک بے حد مصروف رہی۔ مصروف وقت گزارنے کے باوجود میرا خیال بار بار مینا کی طرف جا رہا تھا اور اسی پریشانی میں بہت سی بدحواسیاں بھی مجھ سے سرزد ہوئیں لیکن میں کسی کو کچھ بتا نہیں سکتی تھی ٹیچرز بھی بے حد حیران ہو رہی تھیں اور وائس پرنسپل زینب نے تو باقاعدہ پوچھا تھا۔

''آخر آپ اتنی اپ سیٹ کیوں ہیں؟''

''ویسے ہی اتنے دن کی مصروفیات نے تھکا ڈالا ہے'' میں نے کہا۔

پھر مہمان خصوصی کے جاتے ہی میں بھی ایک ضروری کام کا کہہ کر اپنی ذمہ داریاں وائس پرنسپل مسز زینب کو سونپ کر گھر چلی آئی۔ دراصل میں آج ہی شاداب سے بات کرنا چاہتی تھی کہ مینا نے کہا تھا ''آنٹی ضائع کرنے کے لیے میرے پاس مزید وقت نہیں'' گھر آتے ہی میں فون لے کر بیٹھ گئی شاداب کا نمبر مجھے مینا دے گئی تھی اور اس نے بتایا تھا۔

''آنٹی پھپھو کو میں نے اس لیے پہلے نہیں بتایا کہ نانا کے گھر پشاور جا کر سب سے چھپ کر میں خود شاداب کو فون کرتی تھی۔ میرا خیال تھا میری حالت کا سن کر وہ فوراً شادی کے لیے رضامند ہو جائے گا لیکن شاداب نے میری بات سننے کے بعد انتہائی خشک لہجے میں کہا۔

''یہ تمہاری اپنی غلطی کا نتیجہ ہے اب بھگتو، میں تم سے شادی نہیں کروں گا میں تم سے شادی کر ہی نہیں سکتا۔ میں نے جو قسم کھائی ہے وہ ایسی نہیں کہ توڑ

تم کسی بھی لیڈی ڈاکٹر سے مل کر اس قصے کو ختم کر سکتی ہو۔ اگر اس سلسلے میں تعاون کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں گا مگر شادی ناممکن ہے شادی ت بھول جاؤ۔''

اور پھر جب مینا بار بار فون کرنے لگی تو اس نے فون اٹھانا ہی چھوڑ دیا، یا کوئی دوسرا آفیسر فون اٹھاتا اور کہتا ''کرنل شاداب موجود نہیں ہیں۔'' ب کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد جب مینا کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو بنا نے پھپھو سے بات کرنے کا فیصلہ کیا ورنہ پہلے اس کا خیال تھا اگر شاداب کے لیے رضامند ہو جاتا ہے تو پھر اس کے بارے میں لوگوں کو بتانے کی ت ہی کیا ہے۔ وہ شاداب کی عزت رکھنا چاہتی تھی۔ محبت جو کرنے لگی تھی ب سے مگر وہ کمینہ اس قابل کب تھا کہ کوئی اب اس سے محبت کرتا۔ مجبور ہو کر نے رقیہ کو سب کچھ بتا دیا اور رقیہ کو ہمیشہ کی طرح میں ہی قربانی کا بکرا نظر آئی ور وہ مینا کو لے کر سیدھی میرے پاس چلی آئی تھی اور شاید یہ اچھا بھی ہوا تھا اداب کے ساتھ ساتھ شاید میں بھی مینا کی مجرم تھی کہ میری وجہ سے وہ ایسا تھا۔

میں نے شاداب کے آفس کے نمبر ملائے اس امید پر کہ ہوسکتا ہے وہ مل ئے پھر ریسیور اٹھانے کا انتظار کرنے لگی۔ رنگ جا رہی تھی لیکن کوئی اٹھا نہیں ا۔ تاہم کچھ دیر بعد ریسیور اٹھالیا گیا۔

''یس سر'' ریسیور اٹھاتے ہی آواز آئی۔ ہیلو کی جگہ یس سر کہا گیا تھا اور ھی شاداب کی نہیں تھی۔

''کرنل شاداب خان آفریدی سے بات کراؤ۔'' میں نے منہ بنا کر ر کو دیکھتے ہوئے کہا اور دل میں سوچا میرے منہ سے مینا کے بارے میں سن ِعمل کیا ہوگا شاداب کا۔ کیا وہ شرمندہ ہوگا کہ مجھے اس کی اس ذلیل حرکت چل چکا ہے۔

''آپ کون ہیں؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''تم بات کراؤ۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''میڈم نام بتائیں؟'' مودبانہ انداز میں کہا گیا۔

''عائشہ'' میں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''جی کرنل صاحب تو چھٹی کر چکے ہیں'' اس نے بتایا۔

''جھوٹ مت بولو اگر وہ موجود نہیں تھے تو تم نے نام کیوں پوچھا، صاف جواب نہیں دے سکتے تھے کہ وہ نہیں ہیں'' میں نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''میڈم کرنل صاحب کا حکم ہے اگر ان کی عدم موجودگی میں ان کا فون آئے تو نام ضرور پوچھا جائے'' اس نے پھر مودبانہ انداز میں کہتے ہوئے فون بند کرنا چاہا تو میں نے جلدی سے پوچھا۔

''اب ان سے کب بات ہوسکے گی؟'' اور دل میں جتنی بھی گالیاں یاد تھیں سب شاداب کو دے ڈالیں۔

''کل صبح نو بجے'' کہہ کر فون بند کردیا گیا اور میں مارے غصے کے دانت پیسنے لگی۔

اگلے روز میں نے کالج سے چھٹی کی اور نو بجتے ہی شاداب کے آفس فون کیا اٹھایا پھر کسی دوسرے نے اور نام پوچھا۔

''عائشہ۔'' میں نے سخت غصے کے عالم میں کہا کہ کل شاداب کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ تاہم اب مجھے اپنے سخت رویے کا احساس ہوا تو میں نے سوچا یہ غصہ تو مجھے شاداب پر ہے نام پوچھنے والے کا کیا قصور وہ تو یہ سب شاداب کے کہنے پر کرتا ہے۔ ویسے مجھے شاداب سے بھی محبت اور نرمی سے بات کرنی چاہیے، ہوسکتا ہے وہ مان ہی جائے ہاں یہی بہتر ہے مینا کے حق میں بھی، اب میں نرمی سے ہی بات کروں گی۔

''ہیلو'' ماؤتھ پیس سے شاداب کی آواز ابھری اور مجھے غصہ آ گیا۔ مینا کو برباد کرنے کے باوجود کس قدر ڈھٹائی سے نازیہ سے تعلقات جوڑ رہا تھا۔ ذرا سی بھی پریشانی یا ندامت اس کے چہرے پر نہیں تھی حالانکہ وہ جان چکا تھا کہ مینا اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ کیا واقعی وہ اس قدر گر چکا ہے۔ مینا کو دیکھنے کے بعد اب شک کی گنجائش ہی کہاں رہ گئی تھی اس کی ذلالت میں۔

''ہیلو...... ہیلو بھئی اگر فون کیا ہے تو بات کریں نا'' شاداب نے میری خاموشی سے تنگ آ کر کہا۔

''شاداب! میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔'' میں نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

''ارے واقعی یہ آپ ہیں؟'' اس نے بے یقین لہجے میں پوچھا۔

''ہاں میں ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں دانت پیستے ہوئے کہا میرے بس میں ہوتا تو اس جرم میں کھڑے کھڑے اس کو سنگسار کرنے کی سزا سنا دیتی لیکن مینا کی وجہ سے مجھے نرم رہنا تھا۔

''یقین نہیں آتا'' وہ حیرت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''یقین کر ہی لو'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''کیا اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرلی آپ نے؟'' وہ محبت سے چور لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی شاید یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ مینا مجھے مل سکتی ہے یا اس کی اس ذلیل حرکت کا مجھے پتہ چل چکا ہے۔

''کب ملو گے...... اور کہاں؟'' میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

''جب حکم کریں اور جس جگہ کا کہیں بندہ وہاں حاضر ہو جائے گا'' وہ مسرور سا بولا۔

''ایسا کرو گھر ہی چلے آؤ'' میں نے یہ سوچ کر کہا کہ ایسی بات گھر پر ہی ٹھیک طریقے سے ہوسکتی ہے۔ ہوٹل یا پارک میں نہیں۔

''کیوں آج آپ کالج نہیں گئیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''نہیں بہت ضروری کام تھا تم سے اس لیے چھٹی کرلی۔''

''پوچھ سکتا ہوں کیا کام ہے حالانکہ پوچھنا تو نہیں چاہیے کہ آپ کا بلانا ہی بہت بڑی بات ہے۔'' وہ خوشامدی لہجے میں لگاوٹ سے بولا۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے جب یہاں آؤ گے تو پتا چل جائے گا'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور فون بند کر دیا۔ پھر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

میں سوچ رہی تھی جب اس کو پتا چلے گا کہ مینا اور رقیہ مجھ سے ملنے آئی تھیں تب

اس کی حالت کیا ہوگی؟

''اونہہ آئے تو سہی حالت تو ایسی کروں گی میں اس کی کہ ساری عمر یاد رکھے گا۔'' میں نے غصے سے سوچا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد باہر جیپ رکنے کی آواز آئی میں نے جلدی سے جاکر دروازہ کھولا شاداب ابھی جیپ سے نکل رہا تھا وہ اس وقت فل یونیفارم میں تھا۔ جیپ لاک کرکے وہ میری طرف مڑا اور مجھے بیتابی سے دروازہ کھولتے دیکھ کر شوخی سے مسکرایا جواباً میں بھی مسکرا دی مینا کی خاطر ورنہ جی تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی نوچ لینے کو چاہا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ لپک کر میری طرف آیا اور دیوانوں کی طرح مجھے دیکھنے لگا۔

''ٹھیک ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کو ساتھ لیے کمرے میں چلی آئی۔

''آپ اکیلی ہیں یا وہ آپ کی؟'' شاداب بات ادھوری چھوڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔

''کیوں ڈرتے ہو اس سے کہ وہ تمہیں میرے ساتھ نہ دیکھ لے؟'' میں نے چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

شاداب نے سر سے کیپ اتار کر صوفے کے سامنے پڑی میز پر رکھی اور بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ اس کی اہمیت ہی کیا ہے لیکن؟'' وہ رکا شوخی سے میری طرف دیکھا اور ہنس کر کہا ''لیکن آپ سے بہت ڈرتا ہوں میں۔''

''حالانکہ یہ ڈرنے کا حق تو میرا ہے عورت ہوں نا۔'' میں نے یہ سوچ کر کہا کہ اس رات میرے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے شاداب نے کہا تھا۔ ''مارنے کا حق صرف مرد کا ہوتا ہے۔'' شاداب بھی شاید میری بات کا مطلب سمجھ گیا تھا تڑپ کر اٹھتے ہوئے بولا۔

''جانتا ہوں بہت زیادتیاں کی ہیں میں نے آپ کے ساتھ لیکن۔''

''دفع کرو ان فضول باتوں کو اور بیٹھو'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا،

شاداب نے چونک کر مجھے دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا ہی رہا۔

''ارے بیٹھو گے یا۔'' میں نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔

''جی لیجئے بیٹھ گیا۔'' شاداب نے میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''شاداب۔'' میں نے وقت ضائع کیے بغیر اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''جی فرمائیے۔'' وہ پوری توجہ مجھ پر دیتے ہوئے بولا۔

''مینا کے ساتھ تم نے جو کیا...... کیا وہ تمہیں کرنا چاہیے تھا؟'' میں نے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ نے مجھے یہ بات کرنے کے لیے بلایا تھا؟'' شاداب کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور اس کے چہرے پر چند لمحے پہلے جو شادمانی تھی اس کی جگہ ناگواری پھیل گئی مگر میں نے پروا نہ کی۔

''آرام سے میری بات سنو وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہے۔''

''پھر؟'' شاداب نے میری بات کاٹتے ہوئے سکون سے کہا۔

''میں تمہیں اس حرکت پر کچھ کہنا نہیں چاہتی لیکن۔''

''بس تو پھر اس بات کو چھوڑ کر وہ بات کریں جس کے لیے آپ نے مجھے بلایا ہے'' وہ بے پرواہی سے بولا۔

''میں نے تمہیں مینا کی بات کے لیے ہی بلایا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے اور وہ بہت پریشان ہے تمہیں اس کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ اگر یہ حرکت کر ہی چکے تھے تو یہ بات اتنی چھوٹی اور عام نہیں تھی جس کو جاننے کے باوجود تم نظرانداز کر دیتے۔''

''میں مینا کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا'' شاداب نے میری بات کاٹتے ہوئے غصے سے کہا۔

''میں بہت کچھ کہنا بھی نہیں چاہتی شاداب! لیکن جو کچھ تم مینا کے ساتھ کر چکے ہو قبل اس کے کہ یہ بات بگڑ کر پھیل جائے اور تمہاری رسوائی کا سبب بنے

اب اس کو سمیٹ لو ابھی وقت ہے تم مینا سے شادی کر کے یہ بات چھپا سکتے ہو لیکن بعد میں۔"

شادی! واٹ نانسینس شادی...... کیا آپ نہیں جانتیں شادی تو میں صرف آپ سے کروں گا قسم کھائی تھی آپ کی میں نے اور اپنی قسم ابھی تک مجھے یاد ہے اور آپ بھی یاد رکھیں میں قسم توڑا نہیں کرتا۔" اس نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"لیکن مینا، اس کا سوچو کیا ہوگا؟" میں نے اس کو احساس دلانا چاہا۔

"مت نام لیں مینا کا میں یہاں مینا کا ذکر سننے نہیں آیا۔ صرف آپ سے ملنے آیا ہوں اور آپ کے منہ سے اپنی اور آپ کی باتیں سننا چاہتا ہوں، ایروں غیروں کی نہیں" اس نے پھر بگڑے ہوئے لہجے میں مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"شرم تو نہیں آتی ایسا کہتے ہوئے۔" میں نے گھور کر کہا۔

"ہاں نہیں آتی۔" شاداب نے ڈھٹائی سے کہا۔

"میں نہیں جانتی تھی تم اتنا گر بھی سکتے ہو۔" میں نے غصے سے لال ہوتے ہوئے کہا۔ اب نرمی سے بات کرنا ہی فضول تھا۔

"اب تو جان لیا۔" شاداب پرسکون تھا۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" میں نے پھر اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

شاداب چپ تھا۔

"اب سوچو مینا کا کیا ہوگا اگر کسی کو پتہ چل گیا تو؟"

"آپ نے سوچا تھا آپ کے ٹھکرانے کے بعد شاداب کا کیا ہوگا اگر آپ نے میرا سوچا ہوتا تو میں آج مینا کا ضرور سوچتا لیکن یہاں سب اپنا سوچتے ہیں میں بھی اپنا ہی۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ مجھے مینا کا بتاؤ میں نہیں جانتی تھی تم اس قدر ذلیل حرکت کر سکتے ہو وہ تمہاری کزن تھی۔ تمہیں کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا۔ میں نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا اس کا بدلہ تم مجھ سے لیتے دوسروں کو کیوں نشانہ بنا رہے ہو اور پھر میں نے ایسا کیا برا کیا تھا تمہارے ساتھ، تمہیں برباد ہونے سے بچایا تھا میں نے اور اگر زیادتی بھی کی تھی تمہارے ساتھ تو وہ ایسی زیادتی نہیں تھی جو تم نے

ے ساتھ کی ہے۔ تم مرد تھے مینا عورت تھی عورت سے زیادتی کرنا ویسے ہی
ں بات ہے اور پھر غصہ تمہیں مجھ پر ہے اور نکال رہے ہو باہر بے گناہ عورتوں پر،
ھ خیال کرو کچھ شرم کرو۔ جو کہنا ہے مجھ سے کہو دوسروں کو کیوں برباد کر رہے
؟"

"آپ پر غصہ نہیں نکال سکتا تھا چاہنے کے باوجود لیکن باہر" شاداب پتہ
ں کیا کہنا چاہتا تھا مگر میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"دیکھو مینا سے شادی کر کے تم اس گناہ کا کفارہ ادا کر سکتے ہو اور ابھی
فارے کا وقت ہے بھی" میں نے مشورہ دیا۔

"مت نام لیں کسی اور کے ساتھ میری شادی کا آپ سے کرنی ہے مجھے
ادی صرف آپ سے...... اور آپ نے کفارہ ادا کیا تھا مجھے اور میری محبت کو
کرانے کا جو اس بات کا مشورہ مجھے دے رہی ہیں میں مینا سے کبھی شادی نہیں
روں گا میری شادی ہوگی تو صرف آپ سے، سمجھیں آپ۔" وہ غصے سے مجھے
یکھنے لگا۔

"میں تم سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔ تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں
گی۔ ہمیشہ ادھوری رہے گی کتنی بار یہ بات کہوں کہ تمہیں یقین آ جائے۔" میں
ے غصے سے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

وہ اتنی بڑی حرکت کرنے کے باوجود ذرا سا بھی شرمندہ نہیں تھا بلکہ جواز
ش کر رہا تھا اس لیے میں نے ایک بار پھر کھل کر انکار کر دیا صاف صاف بلکہ کرنا
روری سمجھا۔

"بس تو پھر بات ختم۔" وہ کیپ اٹھا کر جانے کو اٹھا۔

"پلیز شاداب۔" میں نے اس کو روکنا چاہا لیکن وہ میرا ہاتھ جھٹک کر
ہر نکل گیا۔ پھر یہ جا وہ جا۔ اس کے جانے کے آدھا گھنٹہ بعد میں نے نمبر ملائے
پتہ چلا صاحب نہیں ہیں اب پتہ نہیں وہ آفس گیا ہی نہیں تھا یا جان بوجھ کر
ات نہ کی تھی۔

اگلے روز میں پھر کالج نہیں گئی تھی شاداب کا آفس شروع ہوتے ہی فون

کیا۔

''لیس کرنل شاداب'' اس نے فون خود ریسیو کیا۔

''دیکھو شاداب۔'' میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔

''معاف کریں فون پر صرف سن سکتا ہوں۔ دکھ نہیں سکتا۔'' اس کی آواز میں شوخی تھی یعنی وہ کل والی ناراضگی بھول چکا تھا۔

''اچھا سنو بینا میرے پاس آئی تھی ساتھ تمہاری امی تھیں۔''

''امی بھی جانتی ہیں اس بات کو؟'' اس نے اچانک حیرانی سے پوچھا۔

''کیا یہ بات ایسی ہے کہ بینا اس کو اکیلی چھپا سکے؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

شاداب چپ رہا شاید اپنی امی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے پھر کہا۔

''شاداب! میں نے بینا سے وعدہ کیا تھا کہ تم ضرور بینا سے شادی کرلو گے۔''

''وعدہ آپ نے کیا تھا میں نے نہیں۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن برباد تو اس کو تم نے کیا ہے۔'' میں مارے غصے کے چیخی۔

''میں نے؟ نہیں وہ خود آئی تھی میرے پاس آدھی رات کو کسی غیر محرم کے پاس جانے کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

''تو تم نہیں کرو گے اس کے ساتھ شادی۔'' میں نرمی سے غصے کی طرف آتے ہوئے بولی۔

''جی قطعی نہیں کیونکہ اگر مجھے خود سے پندرہ برس بڑی عورت سے شادی کرنے کا حق نہیں تو اپنے سے پندرہ برس چھوٹی لڑکی سے بھی میں شادی نہیں کروں گا۔'' اس نے نہایت خشک لہجے میں کہا۔

''اپنے سے پندرہ برس چھوٹی لڑکی کو پامال کرنے کا حق تھا تمہیں۔'' میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔ اب میرا ضبط جواب دے رہا تھا۔

''میں نے کہا نا وہ خود آئی تھی میں اس کے کمرے میں نہیں گیا تھا۔''

''اپنی بے غیرتی اس کے سر تھوپنے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے ڈانٹ کر

''اور یہ بے غیرتی آپ نے مجھے عطا کی ہے ٹھیک ہے۔ نا میں نے تو ے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میرے ان سب اعمال کی ذمہ دار آپ ہوں گی

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا
پہلے تیرا نام لکھا تھا......
تو نے کیوں مرا ہاتھ نہ پکڑا
میں جب رستے سے بھٹکا تھا

''اوہ شاداب پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہیں اب بینا سے ضرور شادی کرنا رنہ وہ بیچاری دیکھو میری عزت کا سوال ہے میں نے وعدہ کیا تھا کہ تم بینا سے شادی کرلو گے۔''

''جی نہیں کوئی مجھے زبردستی بینا سے شادی پر مجبور نہیں کرسکتا سمجھیں ۔'' شاداب نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے پھر نمبر ملائے اور ادھر سے بھی شاداب نے خود تھا میں نے کہا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو دیکھو سچویشن بہت گھمبیر ہے تمہاری لاپرواہی خود ے لیے بھی خطرناک ہوسکتی ہے۔''

''میں۔'' شاداب ہنس پڑا پھر بولا۔ ''قبر میں لیٹے ہوئے میر کو اگر ٹ نہ ہوتو میں یہ کہنا چاہوں گا۔

وصل آپ کا خدا نصیب کرے
شاداب بھی اور چاہتا کیا ہے

''تم اس بات کو بھول نہیں سکتے؟'' میں نے ایک بار پھر نرمی کا سہارا لیا۔

''بھول سکتا تو یہاں تک کبھی نہ آتا محبت کی ہے میں نے آپ سے اور زندگی کی آخری سانسوں تک کروں گا۔ یہ دردِ محبت کیا ہوتا ہے صرف میں جانتا آپ نے تو کھیل کھیلا تھا، آپ کو کیا معلوم میں جدائی کی اس آگ میں کیسے

جل رہا ہوں آپ کے بغیر یہ وقت کیسے گزار رہا ہوں۔" اس کی آواز میں غم شا
ہوگیا لیکن مجھے ترس نہ آیا کہ اب وہ کمینہ ترس کھانے کے قابل ہی نہیں تھا۔

"روز نئی نئی لڑکیوں سے ملتے ہو اس کے باوجود یہ کہتے ہوئے شرم نہ
آتی۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"ملتا ہوں بہت ساری لڑکیوں سے مجھے کب انکار ہے اس بات
لیکن اس کی ذمہ دار بھی تو آپ ہیں۔ آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔" میں کسی ب
عورت کو حاصل نہ کرسکوں گا۔" اور دیکھ لیجئے میں ہر عورت کو حاصل کرنے کے ب
خود چھوڑ دیتا ہوں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک آپ مجھے نہ
اپناتیں جب تک آپ خود شادی کے لیے رضامند نہیں ہوتیں۔" اس نے دھم
دینے والے لہجے میں کہا۔

"شاداب! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ سب کچھ میں نے تمہار
اصلاح کے لیے کیا تھا، تمہاری بھلائی کے لیے کیا تھا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"تو پھر دیکھ لیا اپنی اصلاح کا انجام...... اب اگر پھر آپ میری اصلا
احوال کا کوئی پروگرام بنا رہی ہیں تو اس پروگرام کو اب مؤخر کر دیجئے۔ اتنی ہی بہ
ہے جو آپ نے میری اصلاح کر دی اب اگر اصلاح کرنی ہے تو میری بجائے اپ
اصلاح کا پروگرام اپنی درسگاہوں کی طرف رکھیں جہاں اسٹوڈینٹس تعلیم کی بجا
کلاشنکوف کلچر سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ بجا
ڈگریوں کے کلاشنکوف لے کر نکل رہے ہیں۔ بہت ہوچکی میری اصلاح اب ا
دھیان اپنے کالج کی طرف کریں۔" وہ ایک ہی سانس میں زہر اگلتے ہوئے چپ
ہوگیا۔

اپنی اس توہین پر دل چاہا فون بند کردوں مینا جانے یا اس کے گھر والے
لیکن پھر مینا کی بے بسی کا سوچتے ہوئے میں نے سوچو۔"

"اس میں سوچنے والی کیا بات ہے آج کے سائنسی دور میں بچے کی آمد
روکنے کے بہت سے طریقے ہیں مینا ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرسکتی ہے۔"

"شاداب! وہ تمہارا بھی ہے اور تم اتنی بے رحمی۔"

"میں نے آپ کو بہت پہلے ہی کہا تھا مجھے اولاد کی خواہش نہیں تب شاید
کو یقین نہیں آیا تھا لیکن اب ضرور آجائے گا۔"

"تم اس قدر ظالم ہو؟"

"آپ سے پھر بھی کم۔"

"شاداب وہ بات الگ ہے یہ ایک معصوم زندگی کا سوال ہے تم سوچو
" مگر اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی فون بند کر دیا۔ میں نے
ر ملائے مگر بیل ہونے کے باوجود کسی نے نہ اٹھایا۔

اگلے روز مجھے پھر کالج سے چھٹی کرنا پڑی۔ شاداب کا آفس ٹائم شروع
تے ہی میں نے نمبر ملائے ادھر سے شاداب نے اٹھایا اور کہا۔

"کیسے بھی سہی لیکن میرے لیے یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ ہر روز آپ
وبصورت آواز سننے کو ملتی ہے کاش صورت بھی دیکھنے کو مل سکتی۔" اس نے
ی سانس لی۔

"شاداب اپنی اس ضد کا انجام جانتے ہو۔" میں نے دوٹوک بات کرنے
لہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں آپ جانتی ہیں تو بتا دیں۔" اس کے لہجے میں بے پرواہی
تھی۔

"دیکھو شاداب، اب تک بات صرف مینا کی ذات تک محدود ہے لیکن
رہے یہ ایسی بات نہیں جس کو انسان اپنی مرضی سے جب تک چاہے چھپا سکے
تمہارے ماموں یا مینا کے بھائیوں کو پتہ چل گیا تو وہ تمہیں قتل کر ڈالیں گے پھر
ہیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے جبکہ میں نہیں چاہتی کہ تمہارا یہ انجام ہو۔"

"ارے تو آپ اس وجہ سے پریشان ہیں کہ یہ مینا والا سلسلہ میری جان
لے لے۔" وہ طنزیہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"شاداب فضول باتیں مت کرو۔" میں نے ڈانٹ کر کہا۔

"ارے گھبرائیے مت ایسا کچھ نہیں ہوگا کہ جان جیسی سستی چیز کی حفاظت
تو اب تک بڑی محنت سے کرتا آیا ہوں اور کرتا رہوں گا تا کہ آپ مجھے یہ نہ

کہہ سکیں کہ میں نے آپ کی محبت میں سستی چیز دے دی تھی ورنہ جب آپ نے مجھے خود سے جدا کیا تھا، نوچ کر پھینکا تھا کیا میں زندہ رہ سکتا تھا کبھی نہیں لیکن میں یہ جان جیسی سستی چیز آپ کی نذر کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے آپ کی محبت کو دل سے لگا کر درد جدائی کا کرب سہتے ہوئے یہ مشکل زندگی گزار رہا ہوں۔ لوگ تو صرف اس چیز کو دیکھتے ہیں جو نظر آتی ہے، انسان کے اندر کیا ہے اس کو کوئی نہیں جانتا۔ کاش آپ صرف آپ ہی میرے اندر جھانک سکتیں جہاں صرف آپ کو پانے کی تمنا ہے۔"

"اوہ شاداب، اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ میں بہت مجبور ہوں وعدہ کرچکی ہوں مینا سے اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا تو سوچو کیا ہوگا۔ پلیز مان جاؤ مینا سے شادی کرلو۔" میرا لہجہ بھیگ گیا۔

"اچھا کرلیتا ہوں مینا سے شادی۔" شاداب نے اچانک کہا۔

"سچی۔" میں نے بے ساختہ خوشی سے کہا۔

"سچی میں مینا سے شادی کرلوں گا۔" شاداب نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے۔"

"کیا، بتاؤ جلدی سے میں تمہاری ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔" میں نے بے تابی سے کہا۔

"تو ٹھیک ہے آپ پہلے مجھ سے شادی کرلیں بعد میں مینا سے شادی کرلوں گا۔ اب مینا سے شادی کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے اگر آپ مینا سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا چاہتی ہیں اور یہ بھی میں صرف آپ کی وجہ سے کروں گا ورنہ۔"

"شاداب، یہ کیا کہہ رہے ہو؟" میں غصے سے چلائی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ سنجیدگی سے میری بات پر غور کریں۔ میں سمجھ نہیں سکا آخر آپ کو اس بات پر اتنا غصہ کیوں آتا ہے۔ کیا بگڑ جائے گا آپ کا اگر آپ شادی کرلیں گی ویسے بھی مذہب چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے میں دو کرلوں گا لیکن پہلا نکاح میرا آپ سے ہوگا۔ پہلے آپ کو میرے نکاح میں آنا ہوگا پھر آپ کی خاطر میں مینا کے بچے کو اپنا نام اپنی شناخت بھی

دوں گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ تمہارا بچہ ہے۔" میں نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اوکے وہ میرا بچہ ہے میں اپنے بچے کو اپنا نام اور اپنی شناخت دے ‌ا اگر آپ شادی کے لیے تیار ہوں تو۔"

"شاداب تم اس بات کو بھول نہیں سکتے؟" یہ کہتے ہوئے مجھے اپنی بے خیال آیا۔

"جی نہیں، بھول سکتا تو بدنامی کے اس مقام پر نہ ہوتا۔" شاداب کے ں نجانے کیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں تمہاری بات مان لوں گی۔" میں نے سوچتے ہوئے

"سچ عاشی......تم...... میرا مطلب ہے آپ"...... مارے خوشی کے شاداب دہ ہوگیا اور میں حیران سی رہ گئی۔ اس نے ہمیشہ مجھے آپ کہہ کر مخاطب کیا تھا میرا نام نہیں لیا تھا لیکن میری رضامندی سنتے ہی وہ "آپ" بھول کر "تم" پر نے لگا تھا اور پھر پہلی بار نام بھی لیا تو عائشہ کی بجائے عاشی کہہ کر۔

"کیا واقعی وہ مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے؟" میں نے اچانک سوچا۔

"آپ چپ کیوں ہیں بولیے نا؟" شاداب شاید یہ سمجھا کہ میں شادی کی کرکے شرما رہی ہوں حالانکہ میری یہ عمر نہ تو شادی کی تھی اور نہ ہی شرمانے

"پلیز بولیے نا۔" شاداب بیقیراری سے کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے شاداب میں تم سے نکاح کرلوں گی لیکن پہلے تم مینا سے نکاح ا......" میں نے دل میں سوچے ہوئے پروگرام کے مطابق کہا۔

"جی نہیں، پہلا نکاح آپ سے ہوگا دوسرا مینا سے۔"

"ہر بات میں ضد کیوں کرتے ہو؟"

"کیونکہ آپ کو اچھی طرح جان چکا ہوں یہ بھی تو ہوسکتا ہے جب میں ے شادی کرلوا ،تو آ . انکار کردیں۔" شاداب نے کہا اور یہ سچ بھی تھا میرا

پروگرام یہی تھا۔

''ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے دل ہی دل میں اس کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔

''تو پھر پہلے نکاح پر اعتراض کیسا؟'' وہ جرح کرنے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''تمہیں دوسرے پر اعتراض کیوں ہے؟'' میں نے کچھ غصے سے کہا۔

''اس لیے کہ آپ نے پہلے بھی میرے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ اب میں آپ کی چال میں نہیں آؤں گا۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں مینا سے شادی کروں تو پہلے آپ کو مجھ سے شادی کرنا ہوگی۔ اس کے علاوہ میں مینا سے کسی صورت بھی شادی نہیں کروں گا اگر آپ کو واقعی مینا عزیز ہے تو پھر خوب اچھی طرح سوچ کر بتا دیجئے گا۔'' شاداب نے فون بند کر دیا۔

اور میں بیٹھی رہ گئی۔ شاداب پر بے حد غصہ آرہا تھا اور خود پر بھی، میں نے کہا تھا۔ ''جلدی کیجئے گا اب ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں۔'' اور ظاہر ہے یہ بات اور کتنی دیر چھپائی جاسکتی تھی کہ یہ چھپانے والی بات ہی نہیں تھی۔ مینا کتنی بھی کوشش کرتی لیکن ان دنوں جسم کی جو ساخت بدل جاتی ہے اس کی وجہ سے لوگ خود سمجھ سکتے تھے۔

جبکہ شاداب لگتا ہی نہیں تھا کہ میری بات مان جائے گا مجھے اس پر اس قدر غصہ آرہا تھا کہ جی چاہتا تھا اسے خود جا کر گولی سے اڑادوں، مینا کے بھائی تو نجانے کب مارتے اس کمینے کو لیکن میں ابھی مار دینا چاہتی تھی جو بجائے اپنے اس فعل پر شرمندہ ہونے کے فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھا۔

اس کے بعد تو میں روز شاداب کو فون کرتی تھی اور وہ انکار کر دیتا اور جب میرا اصرار حد سے بڑھا تو اس نے فون اٹھانا ہی چھوڑ دیا۔ چند روز یونہی گزر گئے اور شاید میں کچھ روز اور ضائع کرتی کہ اچانک مجھے اطلاع ملی کہ کینیڈا کے لیے میری چھبیس اپریل کی ٹکٹ اوکے ہوگئی ہے اور مجھے چھبیس اپریل کی شام سات بجے کراچی ائیرپورٹ پر موجود ہونا تھا۔

یہ اطلاع ملنے کے بعد میں نے شاداب کو فون کیا اور جب وہ نہ ملا تو وچ کر اس کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا کہ باقی چھ روز رہ گئے تھے میں نے بغیر کسی کے لکھا۔

''شاداب! آخری بار تمہیں کہہ رہی ہوں مینا سے شادی کرلو اگر تم نے مینا ادی نہ کی تو یاد رکھنا میں جان دے دوں گی میں خودکشی کرلوں گی میں نے مینا عدہ کیا تھا تم ضرور اس سے شادی کرو گے لیکن تم انکار کرتے رہے اور اب ن بھی چھوڑ دیا ہے۔ یاد رکھو اگر تم نے پچیس اپریل تک مینا سے شادی نہ کی ں اپریل کی رات ٹھیک بارہ بجے میں خودکشی کرلوں گی۔ یہ دھمکی نہیں حقیقت میں تمہیں لکھ رہی ہوں اور سنو خط پڑھ کر میری طرف مت بھاگتے آنا اگر تم غلطی کی تو پھر میں پچیس اپریل کی رات کا بھی انتظار نہیں کروں گی۔ اسی مہارے سامنے جان دے دوں گی ماضی میں جو ہوا سو ہوا لیکن اب اگر تمہیں ے محبت ہے تو مینا سے شادی کر کے پچیس اپریل کی رات بارہ بجے سے پہلے ے اطلاع کرنا اگر تم نے مینا سے شادی نہ کی تو پھر مجھے ہمیشہ کے لیے کھو دو ب بار پھر تاکید کر رہی ہوں خط پڑھ کر میری طرف مت آنا''۔

خط پوسٹ کرنے کے بعد میں نے سوچا اب دیکھو وہ میری بات مانتا ہے ، خیر مجھے کیا فرق پڑتا ہے اگر وہ میری بات مان لے گا تو میں چھبیس کی صبح روانہ ہو جاؤں گی اور اگر نہ مانا تو پھر؟

پھر پچیس کی رات دنیا سے روانہ ہو جاؤں گی کہ سفر تو میری قسمت میں دیا گیا ہے اب یہ پتہ نہیں دنیا سے جاؤں گی یا کینیڈا، خیر اب جو بھی ہو نے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسٹیشن جا کر اپنے لیے ایک پورا سلیپر بک کیونکہ مجھے یقین تھا اگر شاداب نے میری بات مان لی تو پھر یہ سفر خوشی اور گزرے گا اور میں نہیں چاہتی تھی ایسے غم کے لمحوں میں کوئی مجھے ڈسٹرب ے۔

میں نے محکمے کے دفتر سے وفاقی حکومت کی طرف سے آنے والے ت وصول کر کے سنبھال کر رکھ لیے تھے اور لاہور نازیہ کو اطلاع کر دی تھی کہ

میں کینیڈا جا رہی ہوں اس کے لیے شادی کے تحفے کے طور پر اپنی گاڑی چھوڑ کر جا رہی ہوں جسے وہ جب یہاں آئے گی تو لے سکتی ہے۔

پھر میں نے دن گننا شروع کر دیئے۔ روز لگتا جیسے ابھی شاداب آئے گا اور کہے گا۔ ''آپ نے یہ کیا کہہ دیا میں آپ کی موت برداشت نہیں کر سکتا میں آپ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔

اور پھر پچیس اپریل بھی آ پہنچی لیکن شاداب نہ آیا میں نے اس کے آفس اب فون کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ آج پچیس اپریل کو کالج کے اسٹاف کی طرف سے میرے کینیڈا جانے پر الوداعی پارٹی تھی میں ساری پریشانی بھول کر معمول سے ہٹ کر خوب اچھی طرح تیار ہوئی۔ یہ سوچ کر کہ ہو سکتا یہ میری زندگی کی آخری تیاری ہو پھر اچھی طرح میک اپ کیا اور کالج چلی آئی۔ پارٹی کے دوران میں نے ایک بار بھی شاداب کے بارے میں نہ سوچا خوب اچھی طرح انجوائے کیا پھر سب سے فرداً فرداً مل کر واپس گھر آ گئی وائس پرنسپل مسز زینب نے کہا تھا کہ وہ سب کل مجھے اسٹیشن سی آف کرنے آئیں گی لیکن میں نے منع کر دیا یہ سوچ کر کہ کیا معلوم میں اسٹیشن جاؤں گی یا......

گھر آ کر میں نے لباس بدلا، پھر کافی بنائی اور آرام سے باہر چھوٹے سے لان میں بیٹھ کر پینے لگی بلکہ ساتھ سوچنے بھی لگی۔

صبح مجھے سفر پر روانہ ہونا تھا اس صورت میں اگر شاداب آ جاتا جبکہ اب اس کے آنے کی دور دور تک کوئی اُمید نہ تھی اور اس کے نہ آنے کی صورت میں مجھے اس دنیا کو خیرباد کہہ دینا تھا اور ان دونوں سفروں کی تیاری میں نے بڑے اہتمام سے کی تھی۔

صوفے کے سامنے پڑی میز پر ایک طرف میں نے کینیڈا جانے کے لیے اپنا سفری بیگ تیار کر کے رکھا تھا اور ساتھ ہی چھوٹے پرس میں سفر کے تمام ضروری کاغذات ٹکٹ پاسپورٹ وغیرہ اور ان سے ذرا ہٹ کر سلیپنگ پلز کی بھری ہوئی شیشی بھی پڑی تھی جو میں آج ہی بازار سے خرید کر لائی تھی جس کے بارے میں خریدتے وقت میرا خیال تھا کہ شاید اس کی ضرورت نہ ہی پڑے، لیکن اب یوں

یوں وقت گزر رہا تھا میری پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اپنی موت کی وجہ سے نہیں مینا کی رسوائی کے ڈر سے۔ دو دن سے میں ٹھیک سے کچھ کھا نہیں پا رہی تھی۔ صرف چائے اور کافی پر انحصار کر رہی تھی کہ ان سوز لمحوں میں کافی سے اچھا کوئی مشروب نہیں، سب سے زیادہ افسوس تو مجھے اس بات کا تھا کہ میری موت بھی مینا کا مسئلہ حل نہ کر سکے گی اور مجبور ہو کر شاید اس کو موت کو گلے لگانا پڑے، سیانے کہتے ہیں۔ ''موت کسی بھی مسئلے کا حل نہیں'' لیکن شاید بعض دفعہ یہ حل ہی سب سے بہتر لگتا ہے اور ضروری بھی ہوتا ہے۔

اسی پریشانی میں دن ڈوب گیا۔ گو کہ اپریل کا مہینہ تھا لیکن کوئٹہ کی ہواؤں میں ابھی خنکی موجود تھی۔ بہار کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ ہر طرف پھول کھلتے نظر آتے تھے اور بہت اچھے لگتے تھے، وادیٔ کوئٹہ میں جگہ جگہ پھولوں کے بہت سے باغات ہیں جو کوئٹہ کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ کرتے ہیں۔

جب سورج غروب ہوا تو پہلی بار میں نے سوچا شاید اب شاداب نہیں آئے گا لیکن پھر یہ خیال آیا ہو سکتا ہے آ ہی جائے۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا مگر شاداب کو نہ آنا تھا اور نہ ہی وہ آیا۔

کلاک نے جب بارہ گھنٹے بجانے شروع کیے تو میں نے سلیپنگ پلز کی شیشی پکڑتے ہوئے دکھ سے سوچا۔

میں بھی کتنی پاگل تھی جو اتنے دنوں سے شاداب کا انتظار کرتی رہی، حد ہوتی ہے حماقت کی کہ جب شاداب نے مجھ سے کہا تھا۔ ''اگر آپ نے مجھے ٹھکرایا تو یاد رکھیں میں جان دے دوں گا۔'' تب میں نے کس قدر سفاک لہجے میں کہا تھا۔

''تم میری محبت میں جان دینے کی بات کرتے ہو، بہت سستی چیز دینے کی بات کرتے ہو، جان سے زیادہ سستی چیز بھی ہے اس دنیا میں، تم جب چاہو یہ جان دے سکتے ہو۔''

اور میری حماقت ہی تو تھی کہ اب اُسی جان کی دھمکی دے کر میں شاداب سے اپنی بات منوانا چاہتی تھی۔ ہے نا حماقت، اگر شاداب کی جان سستی تھی تو پھر

میری جان شاداب کے لیے کیسے مہنگی ہوسکتی تھی، جبکہ میں نے اس کی جان دینے والی بات کی پرواہ نہ کی تھی تو پھر شاداب کو اس بات سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی کہ میں زندہ رہوں یا کہ مر جاؤں۔"

اپنی اس سوچ پر میری آنکھیں بھیگ گئیں اور میں نے سوچا۔

"اگر یہی انجام ہونا تھا میرا، اگر مجھے حرام موت ہی مرنا تھا تو پھر ایک طویل عرصہ زندہ کیوں رہی، اپنے دکھوں کی آگ میں کیوں جلی...... کاش مجھے پہلے ہی سے پتہ چل جاتا کہ میں ایسی موت مروں گی تو پھر جب ایاز مرا تھا تب میں بھی مرجاتی یا پھر قدیر جس کی موت ایاز سے بھی زیادہ میرے لیے دکھ کا باعث بنی تھی اس کی پھانسی کے ساتھ ساتھ میں بھی موت کو گلے لگا لیتی۔

نہیں تو جب فیروز چھوڑ گئے تھے۔ میرا بچہ چل بسا تھا اور جب عذرا نے مجھ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا تب ہی خودکشی کر لیتی۔ اگر یہ پتا ہوتا کہ ان سب دکھوں کو جھیلنے کے باوجود خودکشی ہی میرا مقدر بنے گی لیکن یہ بھی ایک ایسی چیز ہے جو خدا نے مکمل طور پر اپنے پاس رکھی تھی جس کی وجہ سے میں آج بہت لیٹ جان دے رہی تھی۔

اس لمحے جب میں نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا تو...... تو ایک، ایک کر کے سب پیارے سب میرے اپنے یاد آئے تو میری آنکھیں بھیگنے لگیں، میں نے آخری نظر کلاک پر ڈالی بارہ سے اوپر ہی کچھ منٹ ہو چکے تھے، جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے میں نے سوچا کتنی دردناک موت ہے، نجانے کب تک میری لاش اس گھر میں پڑی خراب ہوگی کہ کالج والوں کو میں نے اسٹیشن آنے سے منع کر دیا تھا، وہ سب یہی سمجھیں گے کہ میں جا چکی ہوں لیکن جب لاہور سے نازیہ آئے گی تب سب کو پتا چلے گا کہ میں تو کینیڈا کی بجائے دنیا سے ہی جا چکی ہوں۔"

اپنی موت کا یہ انجام سوچ کر مجھے اور بھی دکھ ہوا تاہم میں نے سوچا ہوسکتا ہے میرے کراچی نہ پہنچنے پر محکمہ ایجوکیشن کا کوئی افسر پتا کرنے آئے تو میت خراب ہونے سے بچ جائے۔ خیر جو بھی ہو، میں نے سوچا جب مرنا ہی ضروری ہے تو پھر ادھر اُدھر کی باتیں سوچنے کا فائدہ۔

پھر میں نے سلیپنگ پلز کی شیشی کھول کر ساری گولیاں نکال کر ہتھیلی پر رکھ
ِ نظر ان کو دیکھا پھر گلاس پکڑ کر منہ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ بیل

ہاتھ منہ تک لے جاتے لے جاتے میں حیران ہو کر رک گئی اور بیل کے
ی دروازہ بھی زور زور سے پیٹا جانے لگا تو میں نے سوچا ہوسکتا ہے شاداب
ہو لیکن جب کلاک کی طرف دیکھا تو بارہ بج کر پانچ منٹ ہو رہے تھے،
ِ کو آنا ہوتا تو وہ بارہ بجے سے پہلے آتا۔ کون ہوسکتا ہے یہ؟ میں نے گلاس
میز پر رکھا اور گولیاں یونہی ہاتھ میں لیے باہر آئی، پہلے صحن کی لائیٹ آن کی
ازہ کھولا تو سامنے ہی مینا اور شاداب کھڑے تھے۔

میں نے حیران ہو کر مینا کو دیکھا اس نے سرخ سوٹ پہن رکھا تھا جیسے
ل دلہن بنی ہو جبکہ شاداب اس وقت بھی فل وردی میں تھا اور بہت پریشان
کے ساتھ سنجیدہ بھی۔

"آنٹی۔" مجھے دیکھتے ہی مینا بھاگ کر مجھ سے لپٹ گئی وہ بہت خوش تھی۔
جوش اور محبت کے میں نے مینا کو بھینچ لیا اور اس دم سلیپنگ پلز کی ساری
ا میرے ہاتھ سے گر گئیں کہ اب ان کی ضرورت ختم ہو چکی تھی۔

شاداب نے چونک کر زمین پر گرتی ہوئی گولیوں کو دیکھا پھر ایک طویل
ا بھینچ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں سمجھ گئی تھی اس وقت وہ کس کیفیت سے گزرا
ل مینا کو ساتھ لیے اندر آئی پھر آہستہ سے پوچھا۔

"باقاعدہ نکاح ہوا ہے یا شاداب ویسے ہی۔" میری بات کا مطلب تھا وہ
امیری وجہ سے مجھے دھوکا دینے کے لیے تو تمہیں سرخ لباس نہیں پہنا لایا کہ
ب سے کچھ بھی بعید نہ تھا وہ کسی بھی لمحے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

میری بات سنتے ہی شاداب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نکاح نامہ نکال کر
یا، منہ سے کچھ نہ بولا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور وہ میز پر رکھے
گھور رہا تھا۔ میں نے نکاح نامہ دیکھا جس پر آج ہی کی ڈیٹ تھی۔ اطمینان
یک گہری سانس لے کر میں نے نکاح نامہ شاداب کو دیا اور پہلی بار اس کو غور

سے دیکھا۔

اس کی آنکھوں کے ڈورے جو سرخی مائل تھے اس وقت گہرے سرخ ہو رہے تھے جیسے کئی دن وہ سو نہ سکا ہو، اس کی یہ حالت دیکھ کر پہلی بار میرے دل پر چوٹ پڑی لیکن میں خود کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے اٹھ کر باہر آتے ہوئے بولی۔

''تم بیٹھو مینا، میں تم لوگوں کے لیے چائے بناتی ہوں۔ میں باہر کچن میں آئی تو مینا بھی میرے پیچھے چلی آئی میں نے کیتلی صاف کرنی شروع کی تو مینا نے پوچھا۔

''آنٹی شاداب سے آپ نے کہا تھا نا شادی کرنے کو؟''

''ہاں میری جان تمہارے لیے میں نے اس کو بہت مجبور کیا، تم بتاؤ کب گیا تھا شاداب چارسدہ؟'' میں نے کیتلی میں پانی ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی! آج صبح ہی آئے تھے اسی طرح فوجی وردی میں۔ بہت پریشان تھے آتے ہی پھپھو کو لے کر کمرے میں چلے گئے اس وقت ابو اور سجاد بھائی بھی گھر پر تھے تھوڑی دیر بعد پھپھو کمرے سے باہر آئیں اور کہا۔

''شاداب مینا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''ابو نے کہا ٹھیک ہے کردیں گے یہ تو ہماری خواہش ہے'' تب پھپھو نے بتایا۔

''وہ آج ابھی اور اسی وقت نکاح کرنا چاہتا ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' سجاد بھائی نے کہا تو پھپھو نے کہا۔

''ہونے کو سب کچھ ہوسکتا ہے'' لیکن ابو اور بھائی نہ مانے تب پھپھو۔ شاداب کو سمجھانے کی کوششیں کی تو وہ بگڑ گیا اور کہا۔

''امی اگر آپ چاہتی ہیں میں مینا سے شادی کروں تو یہ شادی آج ہوگی ورنہ پھر کبھی نہیں ہوگی۔'' تب پھپھو باہر آئیں اور نجانے کیسے رو رو کر امی کو راضی کیا اور پھر اسی وقت تیاریاں شروع ہوگئیں جبکہ شاداب خود تو کمرے بند ہوگئے تھے۔ دو بجے تک نکاح کی تیاراں مکمل ہوچکی تھیں جلدی میں صرف قر احباب کو ہی بلایا جاسکا تھا نکاح سے پہلے پھپھو نے ان سے کہا۔

''بیٹا! جلدی سے وردی اُتار کر سوٹ پہن لو۔''

''کیوں؟'' انہوں نے کرخت لہجے میں کہا۔

''کیوں؟ اب نکاح اس وردی میں کرو گے؟'' پھپھو نے غصے سے کہا۔

''کہاں لکھا ہے کہ وردی پہن کر نکاح نہیں ہوسکتا؟'' شاداب نے بھی غصے سے جواب دیا۔

''بیٹا ایک چیز شگون بھی ہوتا ہے تمہاری خاطر سجاد ابھی سوٹ تیار کروا کر ہے۔'' تب شاداب نے جھنجھلا کر کہا۔

''آپ کو یہاں شگون کی پڑی ہے اور مجھے اپنی جان کی۔'' تو پھپھو نے ن ہو کر پوچھا۔

''کیوں شاداب تمہیں کیا ہوا؟'' تب وہ کرب سے ہونٹ کاٹ کر لے۔

''مجھے کچھ نہیں ہوا امی لیکن شاداب کی جان کو کچھ ہونے والا ہے آپ لیات میں پڑنے کی بجائے جلدی کریں۔'' اور پھپھو باہر آگئیں ان کو شاداب صہ تو بہت آیا لیکن میرا سوچ کر چپ رہیں کہ شکر ہے وہ شادی پر ہی رضامند یا اور پھر نکاح ہوتے ہی انہوں نے یہ کہہ کر سب کو حیران کر دیا کہ وہ ابھی مجھے ھ لے کر کوئٹہ جائیں گے اس بات کے لیے دل سے کوئی بھی تیار نہیں تھا کہ اداب نے نکاح سے پہلے ایسی کوئی بات کی ہی نہ تھی اس لیے گھر والوں کا خیال ا چلو نکاح اب سادگی سے کر دیتے ہیں مگر رخصتی دھوم دھام سے ہوگی مگر اب داب کے سامنے کسی کی ایک نہ چلی اور پھپھو بھی جو اندر کی بات سمجھتی تھیں وہ بھی داب کے ساتھ تھیں اس لیے سب کو رضامند ہونا پڑا۔

پھر سجاد اور ظہیر بھائی خود ہم دونوں کو پشاور ائرپورٹ پر چھوڑ کر گئے وہاں ے اسلام آباد آتے ہی شاداب کا ایک دوست کوئٹہ کے دو ٹکٹ لیے کھڑا تھا، لیکن م خراب ہونے کی وجہ سے فلائیٹ لیٹ تھی۔ بہت دیر ہمیں ویٹنگ روم میں بیٹھنا ا شاداب بار بار کوئٹہ میں نجانے کس کے نمبر ملا رہے تھے لیکن نمبر مل نہیں رہا تھا ر وہ بہت پریشان تھے۔ میں مارے ڈر کے کچھ پوچھ بھی نہ رہی تھی کہ انہوں نے

اپنے ساتھ لانے کے باوجود ایک بار بھی مجھے مخاطب نہ کیا تھا وہ بہت پریشان تھے۔ پھر خدا خدا کر کے فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہوا اور ہم جہاز میں بیٹھ گئے کوئٹہ ائرپورٹ سے ٹیکسی پکڑ کر ہم سیدھے آپ کی طرف آئے ہیں۔'' مینا چپ ہوگئی اور میں بھی چپ چاپ چائے لے کر اس کے ساتھ اندر چلی آئی ابھی میں شاداب کے بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی ہم کمرے میں آئے تو شاداب دونوں ہاتھ جوڑے ان پر ٹھوڑی ٹکائے نجانے کیا سوچ رہا تھا میں نے پہلے مینا چائے دی پھر شاداب کی طرف کپ بڑھایا۔

شاداب نے چونک کر مجھے دیکھا کچھ دیر دیکھتا رہا پھر کپ پکڑ لیا او نظریں میری بجائے کپ پر جما دیں۔

''آنٹی آپ نہیں لیں گی؟'' مینا نے پوچھا۔

''نہیں بھئی، دو دن سے یہ چائے کافی پی پی کر میں تنگ آ چکی ہوں اب تم لوگ پیئو۔''

''کیوں آنٹی آپ زیادہ کیوں پیتی ہیں؟'' مینا نے پھر پوچھا۔

''میں تمہارے لیے بہت پریشان تھی مینا، بہت زیادہ پریشان تھی۔'' میری بات پر شاداب نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر کسی سوچ میں گم ہوگیا۔ وہ جب سے آیا تھا تب سے چپ تھا۔

''آپ بہت اچھی ہیں آنٹی۔'' مینا نے کہا تو شاداب نے سپ لیتے ہوئے اسے دیکھا اور وہ شرما گئی تب میں نے دیکھا شاداب نے کپ میز پر پٹخ د اور اٹھتے ہوئے بولا۔

''چلو مینا اب چلتے ہیں۔''

''ارے اب آئے ہو تو بیٹھو صبح چلے جانا۔'' میں نے کلاک پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا ایک بج رہا تھا۔

''نہیں چلتے ہیں۔'' شاداب نے مینا کو دیکھتے ہوئے کہا تو مجھے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ آج ان کی سہاگ رات تھی وہ تو ائرپورٹ سے سیدھا اد لیے ادھر آیا تھا کہ میں نے خودکشی کی دھمکی دی تھی۔ پھر وہ دونوں جانے لگے تو مد

نے اپنی گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

''اس وقت سواری کے لیے کہاں پریشان ہوتے پھرو گے میری گاڑی لے جاؤ۔'' اور شاداب نے چپ چاپ چابی پکڑ لی۔ مینا نے جاتے ہوئے مجھے ام کیا لیکن شاداب بہت چپ سا تھا۔ ویسے ہی چلا گیا ان کے جانے کے بعد اندر کمرے میں آئی اور ایک طویل سانس لیتے ہوئے بیٹھ گئی۔

بہت دیر بیٹھی میں شاداب کے رویے کو یاد کرتی رہی اور میری آنکھیں تی رہیں، مینا کی شادی ہو جانے کے بعد میرے ذہن سے ایک بوجھ ہٹ گیا تھا شاداب کی اس وقت جو حالت تھی وہ مجھے پریشان کر رہی تھی۔ میں بیٹھی اس بارے میں سوچتی رہی کہ اب باقی رات مجھے نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہ ۔ ویسے بھی دو دن سے چائے، کافی پی رہی تھی اس لیے نیند آنے کا تو سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ بہت دیر میں صوفے پر بیٹھی اپنے سفر کے بارے میں سوچتی رہی پر مجھے صبح روانہ ہونا تھا مجھے خوشی تھی کہ میں حرام موت مرنے سے بچ گئی پھر پر لیٹنے کے ارادے سے اٹھی ہی تھی کہ بیل ہوئی۔

''اب کون ہوسکتا ہے؟'' سوچتے ہوئے میں نے ریسیور اُتار کر پوچھا۔

''کون ہے؟''

''پلیز دروازہ کھولئے'' شاداب کی آواز آئی۔

میں جلدی سے اٹھی کہ پتا نہیں کیا بات ہوگئی ہے جو وہ لوگ واپس آئے باہر آئی تو شاداب اکیلا کھڑا تھا میرے گیٹ کی کھڑکی کھلتے ہی اس نے اندر پورا گیٹ کھول دیا پھر گاڑی لاکر اندر کھڑی کی اور گیٹ بند کر کے مجھ سے کچھ کہے بغیر اندر میرے کمرے میں چلا گیا۔

ایک ہی لمحے میں ہزاروں خیال میرے ذہن میں آئے میں جلدی سے ئی شاداب صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

''مینا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا جواب میں شاداب چپ رہا وہ کسی سوچ میں تھا۔

''مینا کو کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''آفیسرز میس میں ملے ہوئے اپنے کمرے میں'' شاداب نے آہستہ سے
کہا اور پھر سوچ میں گم ہوگیا۔
''اس وقت آنے کا مطلب؟'' میں نے کچھ گھور کر کہا شاداب چپ ہی
رہا تو میں نے پھر کہا۔
''کیوں آئے ہو اس وقت، یہ وقت تمہیں مینا کو دینا چاہیے تھا۔''
شاداب نے تڑپ کر مجھے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں
وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر کہا۔
''میری وجہ سے یہ جو تین چار دن آپ کو ذہنی ٹینشن ہوئی اس کے لیے
معافی چاہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا مینا کے لیے آپ اس حد تک جا سکتی ہیں
دراصل کور کمانڈرز کانفرنس کی شرکت کے لیے میں چار روز کے لیے راولپنڈی گیا ہوا
تھا کل رات ہی واپس کوئٹہ آیا تھا اور صبح آفس جاتے ہی آپ کا خط ملا۔'' وہ
خاموش ہو کر تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر کہا۔ ''اور میرا خیال ہے خط وقت پر ہی مل
گیا یہ آپ جس طرح مینا کے لیے پریشان تھیں کاش کبھی میرے لیے بھی پریشان
ہوتیں تو معاملہ یہاں تک کبھی نہ کرتا۔ کاش اس طرح کی توجہ آپ کبھی مجھے دے
پاتیں۔'' وہ حسرت زدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔
میں چپ بیٹھی سن رہی تھی اور شاداب کہہ رہا تھا۔
''خط ملتے ہی میں آپ کی طرف آیا حالانکہ آپ نے مجھے آنے سے منع
کیا تھا لیکن میں پھر بھی چلا آیا۔ آنے سے پہلے میں نے فون بھی کیا تھا مگر آپ
نے نہ اٹھایا مجبوراً مجھے آنا پڑا میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ دور کا مسئلہ ہے ہوسکتا
ہے دیر ہو جائے آنے میں لیکن جب میں یہاں آیا تو آپ نہیں ملیں اور میں نے
یہ سوچ کر آپ کا انتظار نہیں کیا کہ پتہ نہیں آپ کہیں گئی ہیں کب واپس ہوں گی
فوراً پہلی بار اپنی فوجی زندگی کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا لیکن اتفاق سے ایک ہیلی
کاپٹر پشاور جا رہا تھا۔ میں بھی اسی ہیلی کاپٹر میں چلا گیا اور پھر وہاں سے ایک
دوست مجھے چارسدہ چھوڑ آیا۔ میں بہت جلد آپ کے پاس واپس آنا چاہتا تھا
لیکن اسلام آباد میں موسم خراب ہونے کی وجہ سے فلائیٹ لیٹ ہوگئی پھر آپ سے

رابطہ کرنا چاہا وہ بھی نہ ہوسکا۔'' وہ چپ ہوگیا پھر تھوڑی دیر بعد مجھے دیکھتے
ے بولا۔
''یہ گزرتے لمحے مجھ پر جس طرح گزرے ہیں ان کی اذیت میں بیان
کرسکتا، ادھر آپ بھی پریشان تھیں لیکن آپ سے زیادہ میں پریشان تھا، بے
تھا۔ آپ تو صرف یہ دکھ ساتھ لے کر جاتیں کہ شاداب نے آپ کی بات
مانی اور میں...... ساری زندگی شاید آپ کی آخری آرام گاہ پر بیٹھ کر روتے
ے گزار دیتا کہ میری جان میرے اپنے ہی ہاتھوں ضائع ہوگئی۔''
میں نے حیرت سے شاداب کو دیکھا اور وہ بولا۔
''آپ حیران تو ہوں گی کہ جب میں نے آپ کے سامنے جان دینے
بات کی تھی تو وہ بہت سستی چیز تھی اور پھر اس سستی چیز کی آپ نے مجھے دھمکی
ے ڈالی ہے نا۔ حیرت کی بات اگر میری جان کی اہمیت آپ کے نزدیک نہیں تھی
آپ کی جان کی اہمیت میرے نزدیک کیا ہوسکتی تھی لیکن نہیں شاداب کی اپنی
بت نہیں تھی مگر آپ تو...... ہاں شاداب کی جان تو آپ تھیں اور اسی جان کی
بت اور قدر و قیمت صرف شاداب ہی جانتا ہے۔ آپ کے دل میں میرے لیے
ت نہ جاگ سکی کوئی نرم جذبہ پیدا نہ ہوسکا نجانے کیوں لیکن میری حالت تو آج
ا دیوانوں جیسی ہے۔ میں شاداب خان آفریدی جس نے سولہ سال کی عمر میں
پ سے محبت کی اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک کرے گا وہ یہ کیسے گوارہ
رسکتا تھا کہ محض اس کی وجہ سے اس کی اپنی جان چلی جائے۔ اس کو دائمی جدائی
ے کر، سو میں نے اپنی قسم توڑ دی میں سب کچھ بھول گیا۔'' شاداب نے کرب
ے آنکھیں بند کرلیں اور نمناک لہجے میں کہا۔ ''اس لیے کہ میری قسم کا تعلق آپ
ا زندگی سے تھا جب آپ نہ رہتیں تو پھر اس قسم کا کیا ہوتا۔ میں آپ کی جدائی
داشت کرسکتا ہوں، آپ سے دور رہ سکتا ہوں لیکن آپ کی موت میرے لیے
اقابل برداشت تھی اور میں نے محبت کی ہے۔ آپ نے کچھ بھی کیا ہو لیکن یہ محبت
یرے دل سے نہیں نکلتی یہ درد میرے دل سے جدا ہونے کو تیار نہیں حالانکہ اس درد
و ختم کرنے کے لیے میں نے بہت سی عورتوں سے دوستی کی، بہت چاہا آپ کو

بھول جاؤں مگر آپ کو بھولنا اب میرے اختیار میں۔ نہیں میں جتنا آپ کو بھولنے کی کوشش کرتا ہوں آپ اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ مجھے یاد آتی ہیں میں آپ کو نہیں بھول سکتا اور آپ سے نفرت نہیں کرسکتا آپ یقین کریں اس معاملے میں بہت مجبور ہوں بہت مجبور" شاداب دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر صوفے کی پشت سے ٹک گیا وہ کچھ زیادہ ہی بے تاب تھا۔

میں اس کو دیکھتی رہی پہلی بار مجھے اس پر ترس آیا اور پھر اچانک ہی وہ جذبہ میرے دل میں جاگ اٹھا جسے بہت پہلے جاگنا چاہیے تھا۔ میں نے شاداب کی طرف دیکھا اور ابھی تک ویسے ہی بیٹھا تھا۔ مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا اور پھر بے ساختہ اس پر ڈھیروں پیار آ گیا۔ وہی پیار جو ایک عورت اپنے مرد سے کرتی ہے۔ تھی نا حیرت کی بات لیکن اس وقت سامنے بیٹھا یہ دکھی، دکھی سا شاداب اب اپنی تمام تر محبت کے ساتھ میرے دل میں اتر رہا تھا۔ اور میں بنا پلکیں جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

"میں نے اس کو کتنا ذلیل کیا تھا، کتنا برا کہا تھا یہاں تک کہ جب اس نے مرنے کی دھمکی دی تو میں نے پروا نہ کی لیکن وہ میری موت برداشت نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس نے اپنی قسم بھی توڑ دی تھی۔ اس نے مینا یا دوسری عورتوں کے ساتھ جو کچھ بھی کیا محض میری ضد میں۔ مجھے جلانے کے لیے کہ شاید اس طرح میں مان جاؤں مگر میں عمر کے فرق کو بھولتی تو اپنا بانجھ پن یاد آجاتا اس کو بھولتی تو اپنی نحوست یاد آجاتی پھر ایسے میں، میں کرتی بھی تو کیا، شاداب نے کہا تھا کاش مینا کی طرح آپ کبھی میرے لیے بھی پریشان ہوتیں اور اس وقت میں اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔

وہ میرے سامنے اجڑا اجڑا بیٹھا تھا اور میں، میرا دل چاہ رہا تھا اسے کسی بچے کی طرح سینے سے لگا کر پیار کروں اور بتاؤں تمہاری محبت رائگاں نہیں گئی۔ دیکھو میرے دل میں اس وقت تمہارے لیے محبت جاگ اٹھی ہے آؤ اور بیٹھو میرے پاس تاکہ میں تمہاری یہ ساری تھکن سارا درد اپنی محبت سے دور کردوں یا اپنے اندر اتارلوں۔ تم کہتے ہو یہ درد تمہارے دل سے جدا نہیں ہوتا، لاؤ میں اس کو اپنے اندر

لیتی ہوں اور دیکھو اس وقت میں تمہارے لیے پریشان ہوں۔ تم کہتے ہو دل میں تمہارے لیے محبت نہ جاگ سکی کوئی جذبہ پیدا نہ ہوسکا اگر دیکھ سکتے دیکھو اب جب تم مینا کے ہو چکے ہو تو میرے دل میں نجانے کیوں یہ جذبہ ہوگیا ہے محبت کا چاہت کا۔

مگر نہیں مجھے چپ رہنا تھا۔ دل میں یہ جذبہ جاگنے کے باوجود کہ داب اب شادی کرچکا تھا اور میری بدنصیبی تو ہر وقت میرے ساتھ رہتی تھی اچھا جو شاداب نے شادی کرلی ورنہ ہوسکتا تھا مجھ سے شادی کے بعد وہ بھی اپنی ن سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

تاہم اس کے باوجود میں اس کے چہرے پر نظر جمائے سوچ رہی تھی یہ بھی کتنی ظالم اور خودسر ہے جب شاداب میری محبت کے لیے تڑپتا تھا تب یہ کی ہزار منت سماجت کے باوجود میرے دل میں پیدا نہ ہوسکی اور اب جب وہ ادی کرچکا تھا تب یہ بغیر کچھ سوچے سمجھے بغیر کچھ جانے اپنی خودسری دکھاتے ئے میرے دل کا در کھول کر اندر داخل ہوگئی تھی شاید اسی لیے محبت کو اندھی کہتے ہا۔

اچانک شاداب نے سر اٹھا کر آنکھیں کھولتے ہوئے مجھے دیکھا اور اپنی رف دیکھتے پا کر تھوڑا حیران ہوا پھر پوچھا۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

میں چپ رہی یہ سوچتی کہ بتاؤں یا نہ۔

"آپ کینیڈا جا رہی ہیں" میری خاموشی پر شاداب نے کہا میں نے ٹھٹک کر اس کو دیکھا اور شاداب نے کہا۔

"جب آپ چائے بنانے گئی تھیں تو میں نے کاغذات دیکھے تھے۔"

"اچھا" میں نے طویل سانس لی پھر کہا۔ "ہاں صبح کینیڈا کے لیے روانہ ہو جاؤں گی۔"

"کیوں؟" شاداب نے مجھے دیکھا۔

"اس لیے کہ حکومت بھیج رہی ہے۔" میں نے مختصر بات کی اب میں خود

کو سنبھال چکی تھی اور اس جذباتی کیفیت سے باہر نکل آئی تھی۔

''آپ انکار کرسکتی ہیں۔'' شاداب نے گویا مشورہ دیا۔

''کیوں انکار کروں؟'' میں نے پوچھا۔

''شاداب نے خاموشی سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو ''میرے لیے۔''

''دیکھو شاداب اب تو جانے کے سارے انتظامات بھی مکمل ہو چکے ہیں'' میں نے اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوششیں کرتے ہوئے کہا کہ دل بھی اس کی بات منوانے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا تھا۔ ''نہ جاؤ جانے کی ضرورت ہی کیا'' مگر میں شاداب اور دل کی بات ماننے والی نہیں تھی۔

''پلیز آپ نہ جائیں'' شاداب نے بے چینی سے مجھے دیکھا۔

''میرے نہ جانے سے تمہیں کیا فرق پڑے گا میری موت تمہاری برداشت سے باہر ہے جدائی تو'' شاداب نے مجھے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

''ہاں جدائی تو شاید عمر بھر کے لیے میرا مقدر ہے لیکن'' شاداب ہاتھ ملتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا پھر دیوار کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا۔

''دیکھیے میں نے آپ کی بات مان لی ہے۔ میں نے قسم توڑ دی ہے۔ میں جھک گیا ہوں ہار گیا ہوں ٹوٹ گیا ہوں لیکن...... لیکن اب مجھے بکھرنے تو نہ دیں۔ مجھے منتشر مت کریں پلیز رک جائیں اگر آپ میری وجہ سے جا رہی ہیں تو میں اب آپ سے کبھی نہیں ملوں گا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں آپ کے سامنے کبھی نہیں آؤں گا، میں ان راستوں پر جہاں سے آپ کو گزرنا ہوگا وہاں سے گزرنا تو دور کی بات ہے نظر اٹھا کر بھی ان راہوں کی طرف نہیں دیکھوں گا۔ میں آپ کی ہر رہ گزر چھوڑ دوں گا۔ میں اس بے قرار دل کو سمجھا لوں گا۔'' وہ جذبات کی شدت سے چپ ہوگیا پھر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

''لیکن آپ اس شہر کی ہوا میں شامل اپنے وجود کی خوشبو سے تو مجھے محروم نہ کریں۔ کوئی ایک بات تو آپ بھی مان لیجیے میری تاکہ میں دل کو سمجھا سکوں کہ آپ نے زیادہ نہیں تو تھوڑی سی اہمیت مجھے دی تھی میری کوئی بات آپ نے بھی

ی۔ پلیز مان جائیے میری یہ بات۔ اکیلی اتنی دور نہ جائیں۔ آپ کی تنہائی کا کر میں پریشان اور بے چین رہوں گا۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کیجیے۔'' وہ جذبات بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تنہائی تو میرا مقدر ہے شاداب، ویسے بھی اب تم صرف مینا کا سوچنا وشکایت کا موقع نہ دینا۔ تم پر اب صرف مینا کا حق ہے۔'' میں نے دل کا درد تے ہوئے اس کو دیکھا۔

''مان لوں گا آپ کی ہر بات...... آپ بھی میری یہ بات مان لیں۔'' اب نے کہا۔

''یہ اب ممکن نہیں شاداب۔'' میں نے نرمی سے پھر انکار کیا۔

''ممکن تو ہر بات ہے۔ ویسے ہی جیسے میں نے مینا سے شادی کر لی۔'' داب کے چہرے پر کرب چھا گیا اور اس کے دکھ پر میرا دل بھی اندر سے دکھ یا۔ میں بہت دیر اس کو دیکھتی رہی۔ وہ بے حد نڈھال ہو رہا تھا۔ اچانک اس کا ھ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''شاداب جانتی ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں تمہیں یشہ دکھ دینے کا باعث بنی رہی۔ تمہاری ہر بات ماننے سے انکار کرتی رہی ہوں لیکن شاداب میں نے جو کچھ بھی کیا صرف تمہاری بھلائی کے لیے کیا، تمہاری صلاح کے لیے کیا میرا مقصد کبھی بھی تمہیں دکھ دینا نہیں تھا، اپنی طرف سے میں نے جو کچھ بھی کیا تمہاری بہتری سمجھ کر کیا یہ الگ بات ہے کہ وہ سب تمہارے لیے دکھ کا باعث بنا۔

''پلیز، ایسا نہ کہیں میں جانتا ہوں آپ نے میرا برا کبھی نہیں چاہا میں ہی اپنا راہ سے بھٹک گیا تھا۔''

''ہاں میں نے تمہارا کبھی برا نہیں چاہا۔ اسی لیے تمہاری یہ شادی والی بات نہ مانی کیونکہ میں تو ایک ایسی منحوس عورت ہوں جس کے قریب جو بھی آتا ہے اپنی جان سے گزر جاتا ہے جبکہ میں...... تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔ ویسے بھی عمر میں بھی تم سے بڑی تھی بدنصیب عورت بھی تھی۔ بچے کے بغیر میں بہت ترسی

ہوں شاداب۔ بہت تڑپی ہوں۔ بے اولاد ہونے کا دکھ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اپنا بچہ نہ ہو تو دوسرے آپ کا اپنے بچے کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اسی لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ کل تم بھی اس محرومی کے دکھ کو محسوس کرو کہ میں تمہاری بھلائی چاہتی تھی۔ تم چھوٹے تھے جذباتی تھے لیکن میں تو اپنے دکھوں کو اپنی محرومیوں کو سمجھتی تھی۔ یہ زندگی جو میں نے گزاری ہے میں نہیں چاہتی تھی تم بھی یہی زندگی گزارو۔ میں تو تمہیں آباد اور شاد دیکھنا چاہتی تھی۔ جبکہ میرے ساتھ رہ کر تم آباد نہیں ہوسکتے تھے کبھی نہیں۔''

ضبط کے باوجود میرے آنسو بہہ نکلے، پتہ نہیں کیوں اس وقت جی چاہ رہا تھا شاداب کا ہاتھ تھام کر کسی ایسی جگہ چلی جاؤں جہاں کسی محرومی کسی دکھ کا احساس مجھے نہ ہو یا پھر اس کے کاندھے پر سر رکھ کر اتنا روؤں کہ باقی کی عمر رونے کی خواہش نہ رہے۔

''پلیز، شاداب نے جیب سے رومال نکال کر خود میرے آنسو پونچھے اور مدھم آواز میں کہا۔ ''آپ روئیں مت، آپ کا رونا مجھے...... پلیز۔'' وہ کرب سے ہونٹ کاٹ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

شاداب ان آخری لمحوں میں کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گے پلیز، میری اب تک کی کی جانے والی زیادتیاں مجھے معاف کردو۔ میری مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے کہ میں تمہاری مجرم ہوں۔'' میں نے دکھی لہجے میں کہا۔

''مت کریں ایسی باتیں میرے ساتھ۔'' وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر کھڑا ہوگیا پھر کہا۔ ''آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کے لیے معافی طلب کریں۔ ہاں ہوسکے تو مجھے معاف کردیجئے گا بہت پریشان کرتا رہا ہوں آپ کو بہت برا تھا نا میں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں شاداب، تم بہت اچھے تھے اور ہو۔ میرا زندہ رہنا اس بات کا ثبوت ہے۔'' میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''بس تو معافی جیسی کوئی بات نہ کریں۔'' شاداب نے کہا۔

''اچھا نہیں کرتی۔'' میں ضبط کرتے ہوئے مسکرائی تب میری نظر کلاک پر پڑی پانچ بج رہے تھے۔ جبکہ ساڑھے چھ بجے گاڑی کو چلنا تھا۔ میں نے شاداب کو

ادہ پھر صوفے پر بیٹھ چکا تھا اور بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔

''جانے کا ٹائم ہوگیا ہے۔'' میں نے شاداب سے کہا۔ پھر جلدی سے ے کمرے میں جا کر لباس بدلا اور جب باہر آئی تو شاداب برآمدے میں کھڑا

''تو آپ رکیں گی نہیں۔'' اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

''سمجھنے کی کوشش کرو شاداب، اب یہ ممکن نہیں۔'' میں نے اپنے کمرے ں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا واپس کب آئیں گی۔ یہ تو بتا دیجئے۔'' وہ میرے پیچھے کمرے میں تے ہوئے بولا۔

''شاید کبھی نہیں۔'' میں نے دل میں سوچا اور شاداب سے کہا۔ ''دیکھو ب واپسی ہوتی ہے کچھ پتہ نہیں۔''

''اچھا اپنا ایڈریس تو بھیج دیں گی نا۔'' شاداب پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' میں نے صاف صاف کہہ دیا۔

''کیوں؟'' شاداب کچھ زیادہ بے چین ہو رہا تھا۔

''اسی لیے کہ اب تم ایک شادی شدہ آدمی ہو۔ مجھے نہ بھی بھول سکے تو اس درد کو صرف اپنے دل میں رکھنا اور مینا کو پوری توجہ دینا۔ اب تم پر صرف مینا کا حق ہے اپنے گھر بیوی اور بچے پر توجہ دو گے تو میرا خیال خود ہی کم آئے گا۔''

''مطلب آپ ایڈریس نہیں دیں گی۔''

''نہیں، کیونکہ اب یہ بات مناسب ہی نہیں معلوم ہوتی، پہلے کی بات اور تھی۔ تم اکیلے تھے لیکن اب تمہاری بیوی ہوگی بچہ ہوگا تم پر سب سے زیادہ حق ان کا ہوگا اور پھر تم میری فکر کیوں کرتے ہو۔ وہاں میرے پرویز بھائی بھی تو ہیں۔''

''بھائی جس نے چودہ سال سے پلٹ کر آپ کی خبر نہیں لی۔'' شاداب نے غصے سے کہا۔

''پھر بھی تو وہ بھائی ہی ہے۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''یعنی آپ کسی صورت بھی اپنا ایڈریس نہیں دیں گی۔'' اس نے سنجیدگی

سے کہا۔

"اچھی بات ہے اگر آپ کا آخری فیصلہ ہے تو میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مینا کی کامیاب ازدواجی زندگی کا دارومدار آپ کے رویے پر ہوگا۔" شاداب نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔" میں نے حیران ہو کر اس کو دیکھا۔

"مطلب جب میرا اپنا دل بے قرار ہوا، جب میں خود بے سکون رہوں گا تو دوسرے کو قرار و سکون کیسے دے سکوں گا۔ اب فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے آپ مینا کو خوش دیکھنا چاہتی ہیں یا"...... وہ بے رخی سے مجھے دیکھنے لگا ایک منٹ میں وہ بدل گیا تھا۔

"شاداب یہ غلط ہے۔"

"غلط ہو یا صحیح میں نے جو کہا ہے وہ سچ ہے اب فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

مجبوراً مجھے ہاں کرنا پڑی صرف مینا کی خوشیوں کی وجہ سے۔

"اوکے، میں تمہیں اپنا ایڈریس بھیج دوں گی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم کبھی میرے تعاقب میں نہیں آؤ گے۔"

شاداب چپ رہا تو میں نے پھر کہا۔

"بولو کہ نہیں آؤ گے۔"

"نہیں آؤں گا۔" شاداب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اور پہلے کی طرح سال میں صرف ایک بار ہی خط لکھو گے۔" میں نے وعدہ لینے والے الفاظ میں کہا۔

"ٹھیک ہے یہ بھی مان لیتا ہوں۔"

"پھر صحیح ہے میں تمہیں ایڈریس بھیج دوں گی۔"

"شکریہ۔" شاداب نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا اب چلو مجھے اسٹیشن چھوڑ دو۔ میرا جانے کا ٹائم ہو گیا ہے۔" میں نے کلائی والی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"چلیے۔" شاداب نے بیگ اٹھالیا۔ میں نے تالا لگایا اور ہم باہر نکل آئے۔

سارا راستہ شاداب خاموش رہا میں نے اس کو گاڑی واپس گھر کھڑی کر کے چابی صبح کالج میں مسز زینب کو دے آنے کا کہا۔ پھر اسٹیشن آگیا شاداب بہت سنجیدہ بیگ اٹھائے میرے ساتھ سلیپر میں آیا اور پھر بیگ ایک طرف رکھ کر کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر مجھے دیکھنے لگا جبکہ میں دانستہ طور پر اس کو دیکھنے سے احتراز کر رہی تھی کہ جو حالت اس کی تھی وہی اندر سے میری بھی تھی مگر میں بظاہر آرام سے سلیپر میں لگے بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

شاداب کچھ دیر بغور پلکیں جھپکے بغیر مجھے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے میرے قریب آیا اور میرے پاس بستر پر بیٹھنے کی بجائے وہ سلیپر کے فرش پر میرے سامنے بیٹھ کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر میرے جس پاؤں کو اس نے بیدردی سے بوٹ تلے کچلا تھا اس پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں آپ کو دکھ دے کر میں بہت خوش ہوتا تھا...... کبھی نہیں آپ سے زیادہ دکھ تو میں خود محسوس کرتا تھا لیکن جب یہ خیال آتا کہ آپ نے کس قدر بیدردی اور بے رحمی سے مجھے ٹھکرایا ہے تب میں سب بھول جاتا تھا۔ لیکن بعد میں میری یہ حرکتیں مجھے جو اذیت دیتی تھیں وہ میں ہی جانتا ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ پاؤں پر رکھتے ہوئے پاؤں دبایا تو میں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

شاداب نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر خود بھی کھڑا ہو گیا۔ چند ساعتیں مجھے دیکھتا رہا پھر جس ہاتھ پر گرم گرم کافی گرائی تھی اسے پکڑ کر لبوں سے لگا لیا۔

ضبط کرنا میرے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا میں رونا چاہتی تھی لیکن بمشکل ضبط کیے کھڑی تھی اچانک شاداب نے مجھے کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے پوری شدت سے بھینچ لیا میں تب بھی چپ رہی کہ میں جانتی تھی یہ ہماری آخری ملاقات ہے اور اس آخری ملاقات کے آخری لمحوں میں، میں اس کو روک ٹوک نہیں کرنا چاہتی تھی۔

شاداب نے جھک کر میرے چہرے کی طرف دیکھا شاید میرا ردعمل جاننے کے لیے لیکن میں اس وقت کوئی ردعمل دینا نہیں چاہتی تھی۔ نہ سخت نہ نرم

حالانکہ میرا دل نرم ہو رہا تھا۔ میرا جی چاہا اس کو بتا دوں میں تنہا نہیں جا رہی۔ تمہاری محبت بھی اب اس سفر میں میرے ساتھ شامل ہے لیکن میں چپ رہی اور شاداب شاید حیران، وہ چہرہ جھکائے بغور مجھے دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی اور خود میری آنکھیں بھی گیلی ہو رہی تھیں۔ یہ سوچ کر کہ ابھی جب گاڑی چلے گی تو اس کہانی کا اختتام ہو جائے گا ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاؤں گی۔

معاً گاڑی نے رینگنا شروع کیا تو شاداب نے میرے جس گال پر بھرپور ہاتھ رسید کیا تھا اس پر پیار سے ہاتھ رکھا پھر وہ دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ بھر کر دیکھنے لگا۔ جبکہ گاڑی اسپیڈ پکڑ رہی تھی۔ اچانک شاداب میرے چہرے پر جھکا اور میری بھیگی آنکھوں پر اپنی محبت ثبت کرتے ہوئے گھوما اور دروازے سے باہر پلیٹ فارم پر چھلانگ لگا دی۔

میں تڑپ کر اس کے پیچھے آئی کہ گاڑی بہت اسپیڈ پکڑ چکی تھی۔ دروازہ پکڑ کر باہر دیکھا تو شاداب پلیٹ فارم پر کھڑا جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔ میں جواباً ہاتھ بھی نہ ہلا سکی چپ چاپ گم صم سی آ کر بستر پر بیٹھ گئی اور سوچا۔

میں سفر میں ہوں مرے ساتھ جدائی ہے تری
ہم سفر غم ہیں تو پھر کس کو جدا کس سے کریں

اور میں بے ساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ اب میں شاداب سے کبھی نہیں مل سکوں گی کیونکہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک ختم نہیں ہو جاتا تب تک۔

”ارے مریں شاداب کے دشمن۔“ ہاں میں نے صرف یہ سوچا تھا اب جب تک میں مر نہیں جاتی تب تک میری واپسی نہیں ہوگی۔ میں اس دھرتی سے چل کر جا رہی ہوں لیکن جب آؤں گی تو کاندھوں پر سوار ہو کر کہ اب یہی میرے اور شاداب کے حق میں بہتر تھا۔

میں سوچتی رہی گاڑی بھاگتی رہی اور آنسو چھم چھم میری آنکھوں سے گرتے رہے۔ کیونکہ میں جانتی تھی اب ایک ایسی شام ہجراں شروع ہوگئی ہے جس

کبھی سحر نہیں ہوگی۔ ہاں اس شام ہجراں کی کبھی سحر نہ ہوگی کہ یہ محبت مجھے شاداب سے ہوئی بھی تو کس وقت جب ہم ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے تھے۔ اور محبت کا مقدر تو ہمیشہ جدائی ہی ہوتا ہے اور میں اس جدائی کے بارے میں سوچ رہی تھی جبکہ گاڑی تیزی سے کراچی کی طرف بھاگ رہی تھی۔

☆☆☆

کچھ نشے ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی ان کے سحر سے نکلنے کے بعد بھی ڈوبا رہتا ہے۔ اک عجب سا خمار ذہن و دل پر چھایا رہتا ہے اور کبھی کبھی کوئی آگے چلا جاتا ہے لیکن اس کے آنے کا انتظار رہتا ہے، کبھی انسان دیارِ غیر میں بھی اپنائیت سی محسوس کرتا ہے اور کبھی اپنے دیار میں بھی اجنبیت کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے کبھی شام ہوتے ہی دل کا چراغ جل اٹھتا ہے اور ذرا سی ہوا چلنے پر شہرِ غم کے سارے دروازے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کبھی جس کو سن رہے ہوتے ہیں وہ سنائی نہیں دیتا اور جس کو دیکھ رہے ہوتے ہیں وہ دکھائی نہیں دیتا کبھی سب خاموش ہو جاتے ہیں اور دل دہائی دیتا ہے اور کبھی دل پر سکتہ اور ہونٹ سر بمہر ہو جاتے ہیں، کبھی گرمی دل کو چھپانے کی کوششیں اڑی رنگت کے چھینٹوں سے ہویدا ہو کر رہتی ہے۔

کبھی ایک مسافت ختم ہوتی ہے تو دوسرے دشت کی ویرانی سے گزرنا ہوتا ہے، کبھی جو آنکھ کے سامنے بھی ہو اسے آنکھ کا دھوکا سمجھنا پڑتا ہے اور ان نظاروں کو سدا خواب کی صورت میں دیکھنا پڑتا ہے۔

یہی حال آج کل میرا تھا جب شاداب میرے سامنے ہوتا تو خود کو میرا لگتا تھا۔ تب وہ مجھے دکھائی نہیں دیتا تھا وہ تڑپتا تھا سلگتا تھا مگر مجھے کچھ بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن اب جبکہ میں اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی تھی تو میرے ہاتھ کی پشت پر میری آنکھوں پر اس کا آخری پیار مجھے بیقرار رکھتا تھا۔ میری آنکھیں اس کو پھر سے دیکھنا چاہتی تھیں، میں اکثر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنی آنکھیں دیکھا کرتی تھی اور اس آخری ملاقات کے آخری لمحے مجھے بھولتے ہی نہ تھے۔ جب شاداب دونوں ہاتھوں میں میرا چہرہ بھر کر دیکھتا رہا تھا جیسے ہمیشہ کے لیے

آنکھوں میں جذب کرنا چاہتا۔ ہو شاداب جب مجھے اسٹیشن چھوڑنے آیا تھا تب میں نے راستے میں کہا تھا۔

"شاداب، مجھ سے وعدہ کرو اب تم عورتوں سے دوستی نہیں کرو گے؟"

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے شاداب نے ایک نظر مجھے دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "آج کے بعد کوئی عورت میری زندگی میں نہیں آئے گی اب شاداب پھر سے پہلے والا شاداب بن جائے گا وہ کبھی کسی پر ایک نظر بھی غلط نہیں ڈالے گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" اور اس کی یہی باتیں اب مجھے بیتاب رکھتی تھیں۔

اگرچہ مجھے کینیڈا آئے ہوئے پورے پندرہ روز ہو چکے تھے لیکن طبیعت کچھ بے چین سی تھی میں نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا لیکن ابھی باقاعدگی سے کلاسیں لینا شروع نہ کی تھیں۔ میری رہائش ایک شاپنگ سینٹر کے اوپر بنے ہوئے ایک فلیٹ میں تھی۔

یہاں آنے کے فوراً بعد میں نے پرویز بھائی کی تلاش کا کام شروع کر دیا تھا اور اب مجھے پتا چلا تھا کہ پرویز بھائی کو کینیڈا چھوڑ کر گئے پانچ سال ہو چکے ہیں۔ مجھے یہ سن کر بہت حیرت ہوئی تھی۔ وطن واپسی کی تو عذرا ان کو اجازت ہی نہیں دے سکتی تھی، کہیں امریکہ وغیرہ نہ چلے گئے ہوں۔ میں نے سوچا اور کینیڈا آتے ہوئے جو تھوڑی بہت خوشی مجھے یہ سوچ کر ہوئی تھی کہ پرویز بھائی سے ملوں گی اور بچوں سے بھی کہ دو بیٹے تھے پرویز بھائی کے تب جب وہ مجھے خط لکھا کرتے تھے۔ اب ہو سکتا ہے اور بھی ہو چکے ہوں لیکن یہ ساری خوشی اپنی موت آپ مر گئی پرویز بھائی نے مجھے واقعی مردہ سمجھ لیا تھا جو رہائشیں بدلنے کی بھی اطلاع نہ کی تھی ان کا نہ ملنا مجھے دکھ دے رہا تھا اور شاداب کی یاد اس دکھ میں مزید اضافہ کرتی تھی۔

تاہم چند روز بعد جب میں نے کلاسیں لینا شروع کیں تو یہ دکھ کم ہونے لگا کہ یونیورسٹی کی مصروف زندگی نے مجھے پوری طرح اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ طالب علم بہت عزت اور احترام سے پیش آتے ان کا رویہ بہت مودبانہ اور دوستانہ تھا اردو کی یہ کرسی جو بہت عرصہ ایک قابل استاد سے محروم رہی تھی اب میری کوشش

ی کہ اپنی محنت سے اس کو ایک مقام دلا دوں۔

کبھی مجھ سے کوئٹہ کی سردی برداشت نہیں ہوتی تھی جبکہ اب میں کینیڈا کی ردی کو برداشت کرنے کی عادت ڈال رہی تھی۔ کیونکہ اب مجھے اپنی زندگی کی خری سانس تک یہیں رہنا تھا۔

زندگی سست رفتار سے آگے بڑھنے لگی تھی۔ یونیورسٹی کی مصروفیات کے جو فارغ وقت ملتا وہ کبھی اسٹڈی میں گزر جاتا اور کبھی کسی پارک میں واک کے چلی جاتی خاص کر علی الصبح میں یہاں واک کرنے ضرور جانے لگی تھی کہ صبح کی صحت کے لیے ویسے بھی اچھی ہوتی ہے یوں بھی یہاں ہر کوئی اپنے آپ میں ن تھا۔

شام کے لیے میں نے ایک قریبی کلب کی ممبر شپ حاصل کر لی تھی تاہم بھی کبھار ہی تھی خاصی بور زندگی تھی میرے لیے کہ فی الحال کوئی دوست اور ا بھی نہیں تھا۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ میں اس زندگی کی عادی ہو گئی اور زیادہ توجہ وکی بہتری کے لیے دینے لگی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کبھی کبھار دوسری یونیورسٹی سے لیکچر دینے کی دعوت ملنے لگی یوں زندگی مصروف ہوتی گئی......

تاہم اب بھی کبھی کبھی شاداب کی یاد ستانے لگتی اور اکثر مینا کا بھی خیال کہ وہ کیسی ہو گی؟ یہاں رہائش ملتے ہی میں نے وعدے کے مطابق شاداب کو یں بھیج دیا تھا لیکن چونکہ میں نے شاداب سے وعدہ لیا تھا کہ وہ صرف سال ایک بار ہی خط لکھے گا اس لیے نئے سال سے پہلے اس کا خط نہیں آ سکتا تھا۔

اس دن میں شاپنگ کے لیے مارکیٹ گئی تھی۔ یہاں بھی میری عادت تھی ہفتے بھر کا خورد و نوش کا سامان خرید کر رکھتی۔ میں سبزی لے رہی تھی جب ل پیچھے سے کسی نے مجھے پکارا۔

"عائشہ آپ اور یہاں؟"

میں آواز نہ پہچان سکی تھی لیکن جب مڑ کر دیکھا تو شکل جانی پہچانی تھی۔ ے سامنے آذر کھڑا تھا اور حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا میں نے خود بھی حیران ے ہوئے کہا۔

"ارے آذر آپ بھی یہاں ہوتے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔" میں مسکرائی بہت برس پہلے کی یہ بات یاد کر کے کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا مجھے سہارا دینے کے لیے لیکن جب یہ پتہ چلا کہ میں اس کو اولاد کی خوشی نہ دے سکوں گی تو راستہ بدل لیا اور تب کے بعد میں نے اس کو اب دیکھا تھا اور اب وہ پہلے والا آذر تھا۔

"آپ یہاں کیسے اور کب آئیں؟" آذر پوچھ رہا تھا۔

"میک گل یونیورسٹی میں اردو کی کرسی کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔" میں نے بتایا تب ہی ایک بارہ برس کا لڑکا آذر کی طرف آیا اور ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"پاپا مما کہتی ہیں اب چلیں"

میں نے چونک کر بچے کو دیکھا تو آذر نے مسکرا کر کہا۔

"میرا بیٹا ہے۔"

"اچھا آپ کی وائف کہاں ہے؟" میں نے پوچھا اور دل میں سوچا آذر نے بہت اچھا کیا جو مجھ سے شادی نہ کی اگر وہ مجھ سے شادی کرتا تو یہ خوشی جو اس وقت میرا بیٹا کہتے ہوئے اس کے چہرے پر تھی پھر کبھی نہ ہوتی۔

"وہ سامنے گاڑی میں ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" آذر مجھے ساتھ لیے گاڑی کے قریب آیا تو وہاں ایک دس سال کا اور لڑکا بھی تھا۔

"یہ میرا دوسرا بیٹا۔" آذر نے کہا پھر اپنی بیوی سے تعارف کروایا وہ بھی خوش اخلاقی سے ملی۔ پھر آذر مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے ہوئے رخصت ہو گیا۔

لیکن میں اس کے گھر نہ جا سکی تھی ابھی مجھے یہاں کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ خوبصورت لمبی چوڑی صاف و شفاف سڑکیں لیکن میں یہاں اجنبی تھی۔

پھر اس دن میں ابھی کلاس لے رہی تھی جب مجھے آذر کے آنے کی اطلاع ملی۔ میں باہر آئی اور آذر کو لیے یونیورسٹی کے وی۔ آئی۔ پی کیفے ٹیریا میں چلی آئی جہاں صرف اساتذہ اور مہمان ہی آ سکتے تھے ویٹر کو چائے کا کہتے ہوئے

میں نے آذر کو دیکھا اس کا اس وقت یونیورسٹی آنا مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔

"آپ تو آئیں ہی نہیں اس لیے میں نے سوچا میں ہی مل آؤں۔" آذر شکوہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"سوری بس یہاں کے بارے میں ابھی کچھ زیادہ نہیں جانتی ہوں اس لیے نہ آ سکی۔" میں نے معذرت کی

"میں بھی یہی سوچ کر آیا ہوں کہ ابھی آپ کو گھر کی تلاش میں پریشانی ہو گی سوچا آپ کو ساتھ لے جاؤں۔"

"آج تو نہیں لیکن پھر کبھی سہی۔" میں نے پھر معذرت کی۔

"اچھا اور سنائیں وہاں پاکستان میں سب ٹھیک ہے؟" آذر نے پوچھا اتنے میں ویٹر نے چائے سرو کرنا شروع کر دی تھی۔

"سب ٹھیک ہیں چند ماہ پہلے رقیہ کے بھتیجے کی شادی میں شرکت کے لیے میں چارسدہ گئی تھی سب لوگ ٹھیک ہیں۔" میں نے تفصیل سے بتایا۔

"اور آپ کیسی ہیں؟" آذر نے بغور مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں، بس ٹھیک ہوں۔" میں مسکرائی۔

"ابھی تک اکیلی ہیں یا؟" آذر نے نجانے کیا سوچ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ بہت گہری سنجیدگی سے مجھے دیکھ رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی۔

اے ادا اور سنائیں بھی تو کیا حال اپنا
عمر کا لمبا سفر طے کیا تنہا ہم نے

"اکیلی تھی میرے بھائی اور اکیلی ہی رہوں گی" میں نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کے بھائی لوٹ کر نہیں آئے تھے؟"

"وہ یہاں کینیڈا ہی میں ہوتے تھے اب یہاں آئی ہوں تو معلوم ہوا ہے پانچ سال پہلے کینیڈا سے چلے گئے تھے۔" میں نے نارمل لہجے میں بتایا کہ اس کے سامنے اپنے دکھ کھولنے کا فائدہ۔

"اچھا تو پھر کس دن آپ آئیں گی بتا دیں میں خود آ کر آپ کو لے

جاؤں گا؟'' چائے پینے کے بعد آذر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارا نمبر ہے میرے پاس جب وقت ملا تو فون کر کے کہہ دوں گی۔'' میں نے کہا اور واپس کلاس میں چلی آئی۔

پھر کبھی کبھار جب موڈ ہوتا تو میں آذر کو فون کر دیتی اور وہ مجھے آ کر اپنے گھر لے جاتا وقت ایسے ہی گزر رہا تھا۔

نیا سال شروع ہونے میں ابھی پورا مہینہ تھا یعنی ابھی دسمبر کی یکم تھی جب اچانک مجھے شاداب کی طرف سے خط ملا خط دیکھ کر میں بہت حیران ہوئی کہ شاداب کا خط ہمیشہ نیا سال شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے ہی ملتا تھا لیکن ابھی تو آج یکم دسمبر تھی جلدی سے کھول کر دیکھا شاداب نے خط کی پیشانی پر شعر لکھ کر آغاز کیا تھا اس نے لکھا تھا۔

کہاں فلک کہاں زمیں ملیں گے ہم یقیں نہیں
یہ پیار کی ہے انتہا کہ پھر بھی تیری آس ہے

نیچے اس نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا تھا۔

ڈیر عائشہ جی! سلام خلوص، یقین ہے کہ آپ اچھی ہوں گی۔

آپ میرا خط دیکھ کر حیران تو ہوں گی اور ہوسکتا ہے ناراض بھی ہوں لیکن خوشی اتنی بڑی تھی کہ میں آپ سے شیئر کرنا چاہتا تھا اور امید ہے اس خوشی کی وجہ سے آپ میری اس وعدہ خلافی کو نظر انداز کر دیں گی۔

اب سنیئے وہ خوشخبری........ خدا نے آپ کو بیٹا دیا ہے بیٹا مبارک ہو۔ کیا میں امید رکھوں کہ آپ بیٹے کو دیکھنے آئیں گی۔ ویسے میں نے خود بھی ابھی اس کو نہیں دیکھا۔ آج ہی امی کے دو خط ایک ساتھ ملے تھے ان کو پڑھنے کے بعد سب سے پہلے آپ کو خط لکھ رہا ہوں خط پوسٹ کر کے میں چارسدہ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا باقی یہ ضرور بتائیں پرویز بھائی ملے آپ کو۔ ویسے مجھے تو امید نہیں ان کے ملنے کی۔

خط کے آخر میں اس نے پھر شعر لکھا تھا۔

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لیے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ

خط پڑھ کر جہاں مجھے خوشی ہوئی وہاں میں نے نم آنکھوں سے یہ بھی سوچا شاداب اگر تم مجھ سے شادی کرتے تو پھر یہ اتنی بڑی خوشی تمہارا مقدر کیسے بنتی۔ دیر تک میں خط ہاتھ میں لیے اس پر نظر ڈالتی رہی یہاں تک کہ وہ مجھے ازبر ہوگیا لیکن مجھے حیرت تھی شاداب نے بجائے یہ لکھنے کے کہ خدا نے مجھے بیٹا دیا ہے لکھا تھا خدا نے آپ کو بیٹا دیا ہے۔ یہ تو خیر ایسی کوئی بات نہیں تھی غلطی سے میرے بجائے آپ لکھا گیا ہوگا۔ مینا کے بارے میں اس نے کچھ نہیں لکھا تھا وہ کیسی ہے۔ اچھی ہی ہوگی جو شاداب نے اس کے بارے میں نہیں لکھا۔

خط پڑھ کر میں بہت دیر تک سوچتی رہی کہ کیا مجھے اس خط کا جواب دینا چاہئے؟ شاداب نے لکھا تھا'' ایک امید کروں کہ آپ بیٹا دیکھنے آئیں گی۔'' میرا جانا تو ناممکن تھا لیکن ہاں خط کا جواب دینے کے بارے میں سوچا جاسکتا تھا۔

چند روز اسی کشمکش میں گزر گئے کہ خط لکھوں یا نہ لکھوں لیکن پھر میں نے یہ سوچ کر خط لکھنے کا فیصلہ کیا کہ اس نے اتنی چاہت سے مجھے اپنے بیٹے کا لکھا ہے میں جا تو خیر کسی طرح بھی نہیں سکتی تھی لیکن مبارکباد کا خط تو لکھ سکتی ہوں اور جب خط لکھنے بیٹھی تو بہت دیر تک سوچتی رہی مخاطب کیسے کروں وہ ہمیشہ مجھے ڈیر عائشہ جی لکھتا تھا کیا میں اس کو ڈیر شاداب؟'' نہیں، میں نے صرف شاداب لکھنے کا فیصلہ کیا اور لکھا۔

شاداب دعائیں!

امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے۔

تمہارا ارسال کردہ خط ملا خوشی واقعی اتنی بڑی اور اتنی اہم تھی کہ میں بالکل ناراض نہیں ہوئی۔ خدا نے تمہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے مبارک ہو۔ یہ نعمت خداوندی ہے۔ اگر میں تمہاری زندگی میں شامل ہوتی تو پھر یہ تحفہ کبھی تمہارا مقدر نہ بنتا۔ میری طرف سے مینا اور اپنی امی کو مبارکباد کہنا اور بچے کا نام کیا رکھا ہے؟ مینا کی صحت کیسی ہے اس کے بارے میں تم نے کچھ نہیں لکھا۔ مینا کا خاص خیال رکھنا

باقی میں خیریت سے ہوں میری فکر نہ کرنا...... اور ہاں میری طرف سے منے کو بہت زیادہ پیار کرنا خدا اس کی زندگی دراز کرے اور وہ تمہارا فرماں بردار ثابت ہو۔ باقی تم نے پرویز بھائی کا پوچھا ہے یہاں آنے پر پتا چلا کہ وہ لوگ پانچ سال پہلے کینیڈا چھوڑ کر چلے گئے تھے کہاں؟ یہ ابھی معلوم نہیں ہوسکا اور نہ ہی شاید کبھی ہو۔

والسلام

نیک تمناؤں کے ساتھ عائشہ

خط پوسٹ کرنے کے بعد میں پھر اپنی روز مرہ زندگی میں مصروف ہوگئی لیکن کبھی کبھی شاداب شدت سے یاد آتا یہ دردِ محبت بھی کیا چیز ہے شاداب نے کتنی بے بسی سے کہا تھا۔ ''یہ درد ہوتا نہیں میرے دل سے جدا بتائیں میں کیا کروں؟'' اور یہاں آ کر مجھے لگا تھا اس درد نے میرے دل سے بھی دوستی کرلی ہے۔ ہے نا حیرت کی بات اس عمر میں جب میں پینتالیس کی ہو رہی تھی مجھے شاداب کی یاد ستانے لگی تھی مجھے خود پر غصہ بھی آتا لیکن اس دن جب میں سورہ یوسف کا ترجمہ دیکھ رہی تھی تو حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زلیخا کا قصہ پڑھتے ہوئے میرا دل جو بے تاب اور بیقرار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی اس حرکت اور سوچ پر پریشان بھی رہتا تھا مطمئن ہوگیا کہ محبت کے لیے عمر کی قید نہیں ہوتی ویسے بھی محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے۔

ایاز میرا منگیتر تھا اس لیے نوعمری میں ہی مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی پھر جب فیروز سے شادی ہوئی اور شادی کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ مجھ سے محبت کرتے تھے تو میں بھی ان سے محبت کرنے لگی تھی لیکن ان کی موت کے ساتھ ہی جیسے سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔

اور اب شاداب تھا جب وہ مجھ سے محبت کرتا تھا مجھے پانا چاہتا تھا تب میرے دل میں اس کی ہزار منتوں کے باوجود کوئی جذبہ نہیں جاگا تھا۔ لیکن جب وہ شادی کرکے غم سے نڈھال محض میری زندگی کے لیے اپنی قسم توڑ کر میرے سامنے آیا تو پہلی بار میرے دل نے اس کے درد کو محسوس کیا لیکن اب کچھ بھی میرے ہاتھ میں نہیں تھا اور شاید یہ بہتر بھی تھا۔

لیکن اب شاداب کے بیٹے کا پڑھ کر پہلی بار مجھے چچی کی بے رحمی یاد آئی ے اولاد کی نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم کرنے والی چچی ہی تھی تب میں نے یال نہ کیا تھا۔ لیکن آج میں سوچ رہی تھی اگر میں شاداب کو اولاد کی خوشی دے تی نوعمر کا فرق شاید خود بھی بھول جاتی رقیہ کی بھابی موٹی بھدی ہونے کے باوجود پ اپنے شوہر کی پیاری تھی میں تو پھر اس سے ہزار درجے خوبصورت اور اسمارٹ ی اپنی عمر سے ہمیشہ چھوٹی ہی لگا کرتی تھی اور بڑی بات یہ تھی کہ شاداب مجھے ہتا تھا میں اس کی محبت تھی۔

میں نجانے کب تک ان ہی سوچوں میں گم بیٹھی رہتی کہ میری ایک ڈنٹ ماریہ چلی آئی وہ بہت شوق اور لگن سے اردو سیکھ رہی تھی اور میرے ساتھ لے فلیٹ میں رہتی تھی۔

دسمبر کی بیس کو میں چھ ہفتے کے مطالعاتی دورے پر امریکہ چلی گئی جہاں ے امریکہ کی مختلف یونیورسٹیز میں لیکچر دینے تھے اور ان چھ ہفتوں میں، میں اس ر مصروف رہی کہ سوچنے کے لیے ذرا سی بھی تنہائی نہ ملی مصروف زندگی میں ال وقت کی بہت قدر تھی جہاں آج بھی اساتذہ کا احترام کیا جاتا ہے وہاں کے ب علم کی سوچ میں آج بھی محنت اور دیانت شامل ہے میں نے جس جس نیورٹی میں لیکچر دیا طلبہ نے بڑے انہماک سے سنا۔ اہم بات یہ تھی کہ میں تو لیکچر ا تیاری میں جو محنت کرتی تھی سو کرتی تھی لیکن طلبہ شاید مجھ سے بھی زیادہ محنت رتے تھے میرا لیکچر ختم ہوتے ہی طلبہ جس طرح میرے بولے جانے والے ضوع پر ڈسکشن کرتے جو سوال پوچھتے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کو تعلیم سے ئی دلچسپی ہے اور وہ کتنی محنت کرتے ہیں۔

مجھے ان کا رویہ بہت اچھا لگا جو کہ شاید اپنے ملک میں، میں نے اپنے ری دور میں کم ہی دیکھا تھا۔

چھ ہفتوں کے بعد میں مسرور اور مطمئن واپس آئی تو پاکستان سے اب کا کارڈ اور ساتھ ایک خط میری عدم موجودگی میں آیا ہوا تھا میں نے لفافہ لولا شاداب نے اپنے بیٹے کی درجن بھر تصویریں بھیجی تھیں میں نے ایک نظر ان

تصویروں کو دیکھا پھر خط نکال کر ایک طرف رکھا اور پہلے کارڈ دیکھا کارڈ کے باہر صرف پھولوں کا گلدستہ بنا تھا لیکن جب کھول کر دیکھا تو اندر ایک طویل نظم تھی یہ میں نے سجاد کی شادی میں بھی دیکھا تھا کہ شاداب کا شعری ذوق کچھ زیادہ ہی اچ ہوگیا تھا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

ہے میری تمنا خط لکھوں
تجھے پیار کہوں چاہت لکھوں
تری سندرتا کا ذکر کروں
پر ہرجائی تجھے مت لکھوں
پھر اس سپنے سے کیا حاصل
پھر خط لکھنے سے کیا حاصل
کروں ذکر میں اپنے زخموں کا
کروں گنتی اپنی آہوں کی
تری چاہت کا دم بھرتا ہوں
نہ ہو پرسش تیرے گناہوں کی
پھر یوں جلنے سے کیا حاصل
پھر خط لکھنے سے کیا حاصل
جب تجھ کو مجھے ملنا ہی نہیں
زخموں کو کبھی سلنا ہی نہیں
جب پیار کے سونے آنگن میں
پھولوں کو کبھی کھلنا ہی نہیں
پھر دن گننے سے کیا حاصل
پھر خط لکھنے سے کیا حاصل
جب چاہ نہیں ہے آنکھوں میں

جب پیار نہیں ہے باتوں میں
جب مہر و وفا کے پھولوں کی
مہکار نہیں ہے راتوں میں
پھر جاں کہنے سے کیا حاصل
پھر خط لکھنے سے کیا حاصل
جب لفظوں میں تاثیر نہیں
جب خوابوں میں تعبیر نہیں
جب میں تیرا ایمان نہیں
جب تو میری تقدیر نہیں
پھر مرمٹنے سے کیا حاصل
پھر خط لکھنے سے کیا حاصل
میں پھر بھی تجھے خط لکھوں گا
سب دل کی چاہت لکھوں گا
تجھے اپنا جاناں جانوں گا
تجھے اپنی محبت لکھوں گا
پھر چھل کرنے سے کیا حاصل
پھر خط لکھنے سے کیا حاصل

نظم پڑھنے کے بعد میں نے کارڈ رکھ کر خط اٹھایا۔ شاداب نے لکھا تھا۔

ڈیر عائشہ جی! یقین ہے کہ آپ اچھی ہوں گی۔

آپ کا ارسال کردہ خط ملا بالکل ناگہانی طور پر کتنی دیر خط ہاتھ میں لئے یقین کرتا رہا کہ کیا واقعی آپ نے مجھے اس قابل جانا کہ چند حرف اس ناچیز کو اہمیت دینے کا شکریہ آپ نے مبارکباد لکھی میرے خیال میں تو سب سے زیادہ حقدار آپ تھیں امی کو ابھی میں آپ کی مبارکباد دینے نہیں

جاسکا کہ وہ مامی کی خراب طبیعت کی وجہ سے ابھی چارسدہ میں ہی ہیں بہرحال ا
وہاں جانا ہوا یا امی یہاں آئیں تو میں آپ کا یہ پیغام انہ کو ضرور دے دوں گا۔

آپ نے بیٹے کا نام پوچھا ہے امی نے اپنی پسند سے فواد رکھا ورنہ میر
آپ سے پوچھ کر رکھنا چاہتا تھا لیکن اطلاع ملنے پر جب میں چارسدہ گیا تو نام
جاچکا تھا امی کو بہت خواہش تھی پوتے کی اب پوتا پاکر بہت خوش ہیں لیکن فی ال
مامی کی خراب طبیعت کی وجہ سے وہ اس کو کھلانے کی خواہش پوری نہیں کرسکیں
پوتا ان کا یہاں میرے پاس کوئٹہ میں ہوتا ہے جبکہ امی وہاں چارسدہ میں ہیں ف
کی چند تصویریں بھیج رہا ہوں دیکھئے اور بتایئے کیسا بچہ ہے گھر والوں کا خیال
سارا مجھ پر گیا ہے اور میں، میری دعا ہے اس کا مقدر مجھ پر نہ جائے کسی کی د
جدائی خدا نہ کرے فواد کا بھی مقدر بنے۔

ویسے فواد ایک اچھا اور صابر بچہ ہے تنگ بالکل نہیں کرتا مینا سے زیادہ ا
کی دیکھ بھال میں خود کرتا ہوں اور آپ نے اپنی مصروفیات کا نہیں لکھا کیسے وق
گزرتا ہے کیا مشاغل ہیں؟ خط ختم کرنے کو جی تو نہیں چاہتا کہ باتیں میرے پا
اتنی ہیں کہ روز بھی ایک خط لکھوں تو پوری نہ ہوں گی مگر پھر وہی آپ کی خفگی کا ڈ

اب اجازت وال

آپ کا اپنا شاداب خان آفرید

خط پڑھنے کے بعد میں نے شاداب کی باتوں پر غور کیا اس نے ہمیش
طرح آپ کا اپنا شاداب خان آفریدی لکھا تھا پھر اس نے لکھا تھا خدا نہ کرے
کسی کی دائمی جدائی فواد کا مقدر بنے یہ تو خیر کی بات نہ تھی لیکن میں نے مینا
خیریت کا پوچھا تھا جبکہ شاداب نے اس کی خیریت کے بارے میں کچھ بھی نہ
تھا لیکن میں مینا کے لیے پریشان اس لیے نہیں تھی کہ شاداب نے لکھا تھا۔ ”مینا
زیادہ فواد کی دیکھ بھال میں خود کرتا ہوں“ ظاہر ہے اس کو مینا کا خیال ہی تھا تو
فواد کی ذمہ داریوں میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے بیوی اور بچے پر توجہ دینا شروع کر دی تھی
راہِ راست پر آ گیا تھا۔

خط ایک طرف رکھ کر میں نے پھر تصویریں دیکھیں چھوٹا سا روئی جیسا منا سا وجود لیکن شاداب جیسے تیکھے نقش ابھی سے نمایاں نظر آ رہے تھے۔ میں کتنی دیر تک تصویریں دیکھتی رہی اور سوچتی رہی کیا جاتا خدا کا اگر یہ منا سا وجود میرا اپنا ہوتا پھر خط کا جواب دینے کا سوچا لیکن یہ خیال آتے ہی کہ پھر تو خط آنے جانے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا شاداب کو تو بہانہ چاہئے خط لکھنے کا میں نے خط نہ لکھنے کا فیصلہ کیا اب وہ ایک بچے کا باپ اور مینا کا شوہر تھا۔

فواد کی ایک تصویر میں نے بڑی کروا کر اپنے کمرے میں لگائی تھی اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے مجھے یہی خیال ہوتا جیسے فواد حقیقت میں میرے سامنے موجود مجھے دیکھ رہا ہے اور میں مسکرا پڑتی۔ وقت یونہی مصروف گزرتا رہا لیکن اس کے باوجود شاداب کا خیال مجھے اکثر آتا میرا جی چاہتا وہ میری لگائی پابندی بھول کر مجھے خط لکھے مگر اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سال میں صرف ایک بار لکھے گا اس لیے نیا سال آنے سے پہلے اس کا خط آنا ممکن نہ تھا۔

!کتوبر کا مہینہ شروع ہوا تو میں نے سوچا کیا مجھے فواد کی سالگرہ پر گفٹ بھیجنا چاہئے فواد کی پیدائش پچیس اکتوبر تھی بہت زیادہ سوچنے کی بجائے میں نے فواد کو گفٹ بھیجنے کا فیصلہ کیا اور فوراً شاپنگ کے لیے اٹھ گئی۔ میں نے اس کی عمر کے لحاظ سے درجنوں لباس اس کے لیے خریدے اور کچھ کھلونے بھی پھر گھر چلی آئی گھر آ کر میں نے خود اس کے لیے ایک سادہ سا کارڈ بنایا اور اس پر لکھا۔

عزیز از جان فواد

سدا   خوش   رہو
پھول   بن   کر   مہکو
ستاراہ   بن   کر   چمکو
اپنے   پاپا   کی   طرح
بڑے   آدمی   بنو

امین

فقط تیرے لیے

نیک تمناؤں کے ساتھ تمہاری مم۔

اپنی روانی میں، میں نے عائشہ کی بجائے۔ ’’مم‘‘ لکھ دیا۔ پھر اس پر لائن کھینچ کر عائشہ لکھا۔ دو دن لگا کر میں نے بڑی محنت سے اس سامان کو پیک کیا اور چوبیس اکتوبر کو پی آئی اے کارگو کے ذریعے بھیج دیا جس کی سروس چوبیس گھنٹے کے اندر ڈلیوری کرتی تھی گفٹ بھیج کر میں اس بات کی منتظر رہی کہ شاداب اس بارے میں اپنا کیا ردِعمل لکھتا ہے مگر نومبر بھی پورا گزر گیا اور پھر دسمبر بھی لیکن شاداب کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ تاہم اکتیس دسمبر کو پی آئی اے کی معرفت بھیجی گئی میرے، نام رجسٹری مجھے ملی جو کہ شاداب نے تیس دسمبر کو بک کروائی تھی۔ میں نے بے تابی سے رجسٹری ڈالا لفافہ کھولا اندر کارڈ ایک خط اور درجن بھر فواد کی کلر تصویریں تھیں میں نے سب سے پہلے تصویریں دیکھنا شروع کیں۔ مختلف پوز تھے لیکن فواد اکیلا نہ تھا۔ کچھ تصویروں میں شاداب بھی اس کے ساتھ تھا ایک جگہ فواد اس کے سینے پر لیٹا ہوا تھا ایک جگہ گود میں بیٹھا ہوا تھا دو تصویریں لان کی تھیں دونوں باپ بیٹا گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے اور قریب ہی وہ سارے کھلونے بھی بکھرے ہوئے تھے جو میں نے فواد کے لیے بھیجے تھے تب میں نے پہلی بار دیکھا ساری تصویریں ان لباسوں میں اتاری گئی تھیں جو میں نے سالگرہ پر بھیجے تھے بہت دیر تک میں تصویریں دیکھتی رہی پھر خط کھول کر پڑھا شاداب نے لکھا تھا۔

ڈیر عائشہ جی، یقین ہے کہ آپ اچھی ہوں گی

فواد کی سالگرہ والے دن اچانک آپ کا گفٹ پیک ملا دیکھ کر حیران ہوا اور خوش بھی کہ مجھے نہ سہی مگر فواد کو تو آپ نے قابلِ توجہ جانا اس کی سالگرہ آپ کو یاد رہی گفٹ کھول کر دیکھا تو پتہ چلا آپ نے کتنی محبت سے اس کی خریداری کی ہے ہمارے لیے آپ نے کبھی بھی کچھ خریدنے کی زحمت گوارا نہ کی بہرحال اب مجھے یقین ہے کہ فواد کا مقدر مجھ جیسا نہیں ہوگا اگر آپ نے اس کو اتنی محبت اتنی اہمیت دی ہے تو باقی کوئی اس کو نظر انداز کر ہی نہیں سکتا۔

فواد آپ کیطرف سے ملنے والے گفٹ خاص کر کھلونے دیکھ کر بہت خوش

اس نے نو ماہ کی عمر میں چلنا شروع کر دیا تھا تاہم مکمل طور پر چلنا اب شروع ہے اور بولنے کی کوشش بھی اس نے بہت پہلے شروع کر دی تھی لیکن وہ جو بولتا ہے اس کو سمجھنے میں کافی دقت ہوتی ہے تاہم لفظ ’’مم‘‘ وہ بڑی صاف میں ادا کرتا ہے اور دن میں کئی بار بولتا ہے یہ تو تھیں فواد کی باتیں...... اب اپنی سنائیں آپ کیسی ہیں؟ واپسی کا پروگرام کب ہے؟ صحت کیسی ہے؟ اور کیسے گزرتا ہے؟ کینیڈا کی سردی تو کوئٹہ سے بھی زیادہ شدید ہے اس کا مقابلہ نے کے لیے چائے یا کافی کا سہارا نہ لیجئے گا کافی کم پیاء کیجئے گا اور چائے کا ال بھی کم رکھیئے گا۔

خط کے آخر میں اس نے پھر لکھا تھا کہ خط ختم کرنے کو دل تو نہیں چاہتا

اب اجازت

والسلام

آپ کا اپنا شاداب خان آفریدی

نیچے شعر لکھا تھا۔

اک بار چلے آؤ پھر آ کے چلے جانا
پھر تم کو بلائیں تو تم شوق سے مت آنا

خط پڑھ کر میں نے ایک نظر کارڈ پر ڈالی جہاں ڈھیروں دعاؤں کے علاوہ ب نے لکھا تھا۔

یہ سال بھی بیتے گا صدیوں کی طلب بن کر
اس سال بھی آئے گی تیری نہ خبر جاناں
آنکھیں تجھے ڈھونڈیں گی پھولوں کے نظاروں میں
پر دل کے تڑپنے کی تجھے ہوگی نہ خبر جاناں

خط اور کارڈ پڑھ کر میں بہت دیر تک تصویریں دیکھتی رہی پھر ان میں دو تصویروں کا انتخاب کر کے میں گاڑی کی چابی پکڑ کر فلیٹ سے نکل آئی ان روں کو بڑا کروانے کے لیے جن میں فواد کے ساتھ شاداب بھی تھا۔

انسان دکھی ہو یا سکھی وقت کبھی نہیں رکتا وہ اپنی مخصوص رفتار سے چلتا ہی رہتا ہے۔ مجھے بھی کینیڈا آئے ہوئے پورے چھ سال ہو چکے تھے چھ سال ایک لمبا عرصہ ہوتا ہے جو میں گزار چکی تھی۔ میری زندگی بس ٹھیک ہی گزر رہی تھی سارا سال میں شاداب کی طرف سے نئے سال پر ملنے والے کارڈ کا انتظار کرتی جس کے ساتھ خط کے علاوہ فواد کی درجن بھر تصویریں بھی ہوتی تھیں جن میں دو چار جگہ شاداب خود بھی موجود ہوتا تھا ہر سال میں ان تصویروں میں سے دو تصویروں کا انتخاب کر کے ان کو بڑا کروا کر اپنے کمرے کی دیوار پر لگا لیتی میرا فلیٹ تھا تو ایک کمرے کا لیکن کمرہ خاصا بڑا تھا۔

''جب سے میں نے اپنے کمرے میں فواد اور شاداب کی تصویریں لگائی تھیں تب سے میں نے آذر سے ملنا کم کر دیا تھا کہ وہ تو شاداب کو جانتا تھا اس لیے میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ میرے کمرے میں ان تصویروں کی موجودگی کی وجہ مجھ سے دریافت کرے۔

لیکن دو سال قبل جب سے آذر واپس پاکستان چلا گیا تھا تب سے میں ہر طرف سے لاپرواہ تھی۔ اب مجھے کسی کا خوف نہیں تھا کمرے میں لگی یہ تصویریں ہی میری زندگی کی خوشی تھیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر مجھے لگا کرتا تھا جیسے فواد اور شاداب میرے پاس ہی موجود ہیں ان تصویروں کی موجودگی میں اب میں خود کو اکیلی ہرگز تصور نہیں کرتی تھی میں چلتے پھرتے ان تصویروں میں فواد اور شاداب کو مخاطب کرتی رہتی تھی مسکرا کر ان کو دیکھتی رہتی یا پھر فواد کی سالگرہ کی تیاری کرتی کیک لا کر میں خود کاٹا کرتی تھی اور فواد کو ہر سال ڈھیروں کھلونے اور ڈریس بھیجا کرتی تھی تھوڑی بہت شاپنگ اب میں شاداب کے لیے بھی کیا کرتی تھی۔ جینز، جیکٹ، شرٹس وغیرہ یہ سب میں ہر سال بھیجا کرتی۔ ساتھ مینا کے لیے بھی ایک دو سوٹ اور ساتھ خط۔ اس خط کا جواب مجھے نئے سال پر ملنے والے خط میں ملا کرتا تھا۔ فواد کی تصویریں ہمیشہ میرے بھیجے گئے ڈریسز میں ہی آتی تھیں اور اب ہر تصویر میں شاداب فواد کے ساتھ ہوتا تھا کہیں وہ باپ کے ساتھ کیرم کھیل رہا ہوتا کہیں بیڈمنٹ کبھی کرکٹ یا پھر لان میں کتاب لے کر بیٹھے ہوئے۔ فواد کی تصویر کا

ہر پوز خوبصورت ہوتا تھا۔

میں کینیڈا کی زندگی کی عادی ہو چکی تھی جبکہ اب ادھر دو سال سے شاداب کے خطوط میں اس بات کا مطالبہ ہوتا تھا کہ ''اب واپسی کی تیاری شروع کر دیں بہت رہ لیا آپ نے تنہا اب فواد آپ کو دیکھنا چاہتا ہے اور میں خود بھی آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' جواب میں، میں نے لکھا تھا۔

''شاداب میں یہاں تنہا نہیں ہوں اگر تم یہاں ہوتے تو دیکھتے میرے کمرے کی ہر دیوار پر تمہاری اور فواد کی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی ہیں میں چلتے پھرتے ان سے باتیں کرتی رہتی ہوں مجھے اب کبھی تنہائی کا احساس نہیں ہوتا کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں میرے پاس موجود ہو۔''

لیکن اس کے باوجود شاداب نے اپنا مطالبہ ترک نہیں کیا تھا اس گزرتے سال پر ملنے والے خط میں اس نے مجھے دھمکی دی تھی۔ اگر میں نے جلد واپسی کا پروگرام نہ بنایا تو وہ خود مجھے لینے آئے گا۔''اس کی دھمکی پڑھ کر میں ڈر گئی تھی تاہم میں اب بھی اس بات پر قائم تھی کہ میری واپسی میرے مرنے کے بعد ہوگی۔

آج کل اگرچہ کینیڈا کا موسم بہت خوبصورت ہو رہا تھا لیکن نجانے کیوں خود میری طبیعت میں چند روز سے بوجھل پن شامل ہو رہا تھا۔ ایک نامعلوم سی اداسی میرے وجود کو اپنے حصار میں لے رہی تھی دل بنا بات کے ہی اداس ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی موڈ بھی آف ہونے لگتا اور رونے کو جی چاہتا ہے اپنی یہ حالت خود میری سمجھ میں نہ آ رہی تھی میں یونیورسٹی تو باقاعدگی سے جا رہی تھی لیکن عدم دلچسپی سے کلاسیں لے رہی تھی۔

یہ کیفیت مجھ پر طاری تھی کہ اس دن جب میں کالج سے واپس آئی تو طبیعت روز سے کچھ زیادہ ہی اداس تھی جی چاہا کافی پیوں شاید کچھ سکون ملے لیکن یونیورسٹی میں آج چونکہ میں نے بہت زیادہ کافی پی تھی اس لیے سوچا سونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کھانا میں نے یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں کھایا تھا جو کہ صرف مختلف سبزیوں کی سلاد ہی تھی ابلے ہوئے مٹر، آلو کے کٹلس، دہی کا رائتہ اور چند کچی سبزیاں یہی وجہ ہے میں نے اب سونے کا ارادہ کیا کہ آج طبیعت روز سے

کچھ زیادہ ہی بوجھل ہو رہی تھی۔

لیکن جب باوجود کوشش کے نیند نہ آئی تو میں اٹھ بیٹھی کچھ دیر بے چینی سے تھوڑی سی چہل قدمی کمرے ہی میں کی پھر باہر جانے کا سوچا گاڑی کی چابی لے کر باہر نکلی تو پوسٹ مین لیٹر بکس میں خط ڈالنے کی کوشش میں مصروف تھا میں نے خط اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے سوچا۔

''خدا خیر کرے۔ یہ کونسا موقع ہے شاداب کا خط آنے کا یہ جون کا مہینہ تھا ابھی چھ ماہ پہلے تو نئے سال پر شاداب کی طرف سے کارڈ خط اور تصویریں ملی تھیں میں لفافہ ہاتھ میں لیے اپنے کمرے میں آئی چشمہ نکال کر لگایا اور خط کھول کر پڑھنا شروع کیا تو چونک پڑی۔ لکھائی شاداب کی نہیں تھی پھر میں نے لفافے پر لکھا ہوا ایڈریس دیکھا وہ بھی شاداب کے ہاتھ کا نہیں تھا۔ میں نے حیران ہوتے ہوئے خط پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا یہ خط مینا نے لکھا ہے یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی اور میں نے پڑھنا شروع کیا مینا نے لکھا تھا۔''

مائی ڈیئر آنٹی عائشہ السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ خیرت سے ہوں گی۔

آپ میرا خط دیکھ کر حیران ہوں گی لیکن کیا کروں مجبوری تھی اس لیے آپ کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا کہ یہ خط لکھنا بہت ضروری تھا دراصل یہ خط میں آپ کو ایک اطلاع دینے کے لیے لکھ رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ اطلاع آپ کے لیے بہت ہی اہم ہو لیکن میرے لیے چونکہ وہ غیر اہم ہے اس لیے اس کا ذکر آخر میں کروں گی۔

آنٹی میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں کیونکہ صرف آپ کی وجہ سے میں بہت بڑی رسوائی سے بچ گئی۔ آپ کی وجہ سے شاداب نے مجھ سے شادی کی اور میرے بچے بلکہ اپنے بچے کو قبول کیا۔ آپ سوچیں گی یہ میں کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہوں تو آنٹی جی ایک آپ ہی تو ہیں جن سے میں دل کی بات کہہ سکتی ہوں جبکہ بات کا تعلق بھی آپ کی اپنی ذات سے ہو۔

آنٹی سب سے پہلے میں آپ کو اپنی اب تک گزاری جانے والی زندگی

کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں اس لیے بات وہیں سے شروع کرتی ہوں جہاں آپ سے مل کر ہم دونوں رخصت ہوئے...... شاداب مجھے لے کر سیدھے میس میں ملے ہوئے اپنے کمرے میں آئے تھے۔ جبکہ میرا خیال تھا وہ اسی وقت مجھے لے کر کسی اچھے سے ہوٹل میں جائیں گے مگر ایسا نہ ہوا۔ خیر میں ان کے ساتھ کمرے تک آئی شاداب نے دروازہ کھولا اور بولے۔

''مینا تم اندر چل کر آرام کرو میں ایک ضروری کام سے جارہا ہوں دروازہ اچھی طرح بند کر لینا۔''

میں پوچھنا چاہتی تھی کہ اس وقت اپنی دولہن سے بھی زیادہ ضروری کام کون سا ہے لیکن وہ تو بات ختم کرتے ہی مڑ گئے تھے۔ اگر کھڑے بھی رہتے تو میں ان سے یہ پوچھنے کی جرأت کر ہی نہیں سکتی تھی ایک تو اس لیے کہ وہ مجھ سے بڑے تھے دوسرے پہلے ہی دن کی دولہن مارے شرم کے کم ہی بولتی ہے جبکہ ابھی رونمائی بھی نہ ہوئی ہو۔ میں نے ان کے حکم کے مطابق کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگی دریچے کے قریب سنگل بیڈ تھا بیڈ سے ذرا ہٹ کر دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور کچھ دوسری چیزیں لیکن اکیلے مرد کا کمرہ ہونے کے باوجود صفائی اور ترتیب نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں جوتا اتار کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

نکاح ہوتے ہی شاداب جلدی میں مجھے لے کر چل پڑے تھے انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ مجھے وہاں سادہ کپڑوں کی ضرورت پڑے گی مگر ان کو تو نجانے کس بات کی جلدی تھی جو انہوں نے ہر کام میں افراتفری مچائی تھی اور اب یہاں آتے ہی مجھے چھوڑ کر خود چلے گئے تھے میں نے ایک نظر خود کو دیکھا میرے بالوں اور ہاتھوں میں گلاب کے پھولوں کے گجرے تھے جو میری ایک سہیلی نے خود بنا کر لگائے تھے۔ اگرچہ کلائیوں میں ایک طرف بارہ چوڑیاں تھیں اور دوسری طرف دو کڑے مگر پھر بھی میری سہیلی نے گجرے پہنا دیئے تھے۔ گلے میں دو طلائی سیٹ تھے جبکہ نتھ اور ٹیکا تو شاداب کے حکم پر اتار دیا گیا تھا کیونکہ جب میں بڑی سی چادر لے کر پوری دُلہن بنی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوئی تھی تو انہوں نے ایک تنقیدی نظر مجھ پر ڈالی اور برا سا منہ بنا کر بولے۔

''ان فضولیات کو لادنے کی کیا ضرورت ہے اتارو سارا زیور''

''یہ کیا کہہ رہے ہو دلہن ہے؟'' پھپھو نے ان کو گھورتے ہوئے کہا۔

''لیکن ہمیں سفر کرنا ہے۔'' وہ بدستور اسی لہجے میں بولے۔

''سفر کرنا ہے تو پھر کیا ہوا؟'' پھپھو نے بحث کی تو وہ بجائے پھپھو کو جواب دینے کے مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''مینا اتارو ان سب کو جلدی کرو۔''

میں نے فوراً ماتھے اور ناک کو زیور سے آزاد کیا لیکن اس کے علاوہ پھپھو نے مجھے کچھ اتارنے ہی نہ دیا اور شاداب کو وہ جھاڑ پلائی کہ وہ اپنی ضد چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

لیٹنے کو تو میں بیڈ پر لیٹ چکی تھی مگر نیند بالکل مجھے نہیں آئی تھی کہ نجانے وہ کب واپس آجائیں یہی وجہ ہے میں سوئی نہیں لیکن ساری رات گزر گئی وہ نہیں آئے۔

صبح میں نے دریچے کا پردہ ہٹا کر دیکھا سب لوگ تیار ہو کر جا رہے تھے۔ میں پھر لیٹ گئی تھوڑی دیر بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا سامنے شاداب کھڑے تھے ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں میں جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی سیدھے بیڈ کی طرف بڑھے اور بیڈ پر نظر پڑتے ہی رک گئے کچھ دیر کھڑے نجانے کیا سوچتے رہے پھر میری طرف مڑتے ہوئے بولے۔

''چلو بیڈ کی چادر بدل دو۔''

میں نے حیران ہو کر چادر کی طرف دیکھا بالکل صاف تھی البتہ میرے ہاتھوں اور بالوں میں لگائے گئے گجروں کے پھولوں کی پتیاں اس پر جا بجا بکھری ہوئی تھیں۔ میں کہنا چاہتی تھی چادر تو بالکل صاف ہے چادر کو کیا ہوا؟ لیکن اتنے میں وہ خود ہی بولے۔

''تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔ الماری سے نئی بیڈ شیٹ نکالو۔''

اور پھر خود ہی آگے بڑھ کر بیڈ کی چادر نوچ پھینکی میں نے جلدی جلدی نئی بیڈ شیٹ

...ھا کر بچھائی تو وہ دونوں بازو آنکھوں پر رکھتے ہوئے لیٹ گئے جیسے میری صورت ...دیکھنا چاہتے ہوں۔ میں کچھ دیر کھڑی رہی پھر فرش پر گری بیڈ شیڈ، اٹھا کر ...جھاڑتے ہوئے ایک طرف میز پر رکھی اور یونہی چھوٹی بڑی چیزیں سنبھال کر میز پر ...رکھتے ہوئے میں خود بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ لیٹے رہے اور میں بیٹھی رہی پتہ نہیں کتنا وقت گزرا تھا اور شاید اس ...ان میں مزید وقت گزر جاتا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

میں نے سوچا ان کے اٹھنے کا انتظار کروں یا۔ لیکن ابھی میں فیصلہ بھی نہ ...کر پائی تھی کہ انہوں نے بازو ہٹا کر مجھے دیکھا اور خود اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

''پیچھے ہٹو یار۔'' کوئی ان سے کہتا ہوا خود ہی زبردستی کمرے میں داخل ...ہوا ''ارے یعنی یہ اطلاع سچ ہی تھی جو مجھے ملی کہ تم شادی کر کے آئے ہو۔''

''کس نے اطلاع دی؟'' شاداب نے پوچھا۔

''ظاہر ہے تمہارے پڑوس میں سے ہی کسی نے دی ہوگی یہ خبر پھیل چکی ...ہے کہ کرنل رات اپنی دُلہن کے......''

''بکواس بند کرو۔'' شاداب نے ایک طرف بیٹھی مینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے شاداب تم تو پریشان لگ رہے ہو؟'' ضیاء نے پہلی بار ...ان کی کیفیت کو محسوس کیا تو وہ طویل سانس لے کر بولے۔

''ایسی کوئی بات نہیں تم چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

''یوں نکال رہے ہو۔'' ضیاء نے آنکھیں دکھائیں۔

''ہاں کیونکہ اس وقت تمہاری ضرورت نہیں۔'' شاداب نے خشک لہجے ...میں کہا۔

''ارے، اچھا اچھا'' اس نے شرارتی لہجے میں کہا اور مجھے آداب کہہ کر ...نکلنے سے پہلے بولا'' ولیمے کی دعوت کب دے رہے ہو؟'' مگر شاداب نے ...جواب دینے کی بجائے دروازہ بند کیا چند لمحے وہیں کھڑے نجانے کیا سوچتے رہے ...الماری کی طرف مڑے اور سوٹ لے کر باتھ روم میں چلے گئے۔

میری طبیعت خراب ہو رہی تھی کل دوپہر سے میں نے کچھ نہیں کھایا تھا

صرف رات آپ کے گھر میں ایک کپ چائے پی تھی جبکہ اس حالت میں مجھے زیادہ خوراک کی ضرورت تھی اس وقت تین بج رہے تھے۔ یعنی چوبیں گھنٹے سے میں نے کچھ کھایا نہیں تھا وہ نہا کر لباس پہن کر باہر آئے تو میں بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی انہوں نے کچھ نوٹس نہ لیا۔ تولیے سے بال خشک کر کے دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر برش کرنے لگے جبکہ مجھے متلی سی ہو رہی تھی میں خود کو سنبھالتی غسل خانے میں گئی مگر کچھ کھایا ہوتا تو نکلتا بھی یہ صورتحال میرے لیے اور بھی تکلیف دہ تھی اب تو مارے تکلیف اور بھوک کے علاوہ ان کی بے رخی دیکھتے ہوئے میرا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔ مجھ سے دو قدم بھی چلا نہیں جا رہا تھا بمشکل چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر آئی وہ اب بھی آئینے کے سامنے کھڑے تھے میں نے صاف سنا وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

وہ صبح خواب ہوا شب کو پاس کتنا تھا
بچھڑ کے اس سے مرا دل اداس کتنا تھا

"بلکہ ہے۔"

میں نے حیران ہو کر سوچا کون بچھڑ گیا ہے ان سے اور دیوار کا سہارا لیے ہوئی بیڈ کی طرف بڑھی اور لڑکھڑاتی ہوئی بمشکل بیڈ کے قریب پہنچ پائی پھر سیدھا لیٹ گئی انہوں نے شاید آئینے میں یہ حالت دیکھ لی تھی ایک دم میری طرف مڑتے ہوئے بولے۔

"کیا بات ہے مینا؟"

"میں نے نظر اٹھا کر ان کو دیکھا اور آنسو میری آنکھوں سے بہہ نکلے مگر منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

"کیا ہوا مینا؟" وہ میرے قریب چلے آئے تو میں نے اور بھی شدت سے رونا شروع کر دیا میں سمجھ گئی تھی کہ وہ مجھ سے سخت خفا ہیں کہ میں نے آپ سے کہہ کر ان کو شادی کے لیے مجبور کیا اور اب میں ان کو منانا چاہتی تھی مگر وہ شاید زیادہ ہی خفا تھے۔

"رونے کی بجائے مجھے اپنی تکلیف بتا دو۔" وہ میرے رونے کا اثر لیے

بولے۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں بھوک لگی ہے پلیز کھانے کو نہیں تو پینے کو دے دیں۔" میں روتے ہوئے بمشکل کہہ پائی۔

"ارے" انہوں نے چونکتے ہوئے پہلی بار میری حالت کا جائزہ لیا پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "سوری مینا تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔ صبح جب میں آیا تھا تو تب ہی تمہیں مجھے بتا دینا چاہئے۔ تھا۔" پھر وہ جلدی باہر نکل گئے۔

دس منٹ بعد ہی وہ ایک لڑکے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے لڑکے نے ٹرے اٹھا رکھا تھا۔ شاداب نے اس کو ٹرے میرے سامنے رکھنے کا کہہ کر جانے کا اشارہ کیا اور لڑکے کے باہر جاتے ہی بولے۔

"چلو بھئی اب جلدی سے ناشتہ کرلو۔"

میں نے ٹرے کو ہٹا کر دیکھا سیب کا جوس تھا سلائیس، مکھن جیم، ہاف بوائل اور نجانے کیا کچھ تھا۔ میں نے سب سے پہلے ایک گلاس جوس پیا پھر سلائیس جوس میں ڈبو کر کھانے لگی کہ انڈے سے نجانے کیوں ان دنوں مجھے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ اب میرے سامنے کرسی پر بیٹھے تھے اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے جوس میں بھگو کر سلائیس کھاتے دیکھ کر انہوں نے کہا۔

"آملیٹ نہیں ہے کیا؟"

"آج کل مجھے انڈا اچھا نہیں لگتا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں آج کل انڈے کو کیا ہوا؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"وہ میری طبیعت انڈا کھا کر زیادہ خراب ہوتی ہے" میں مارے شرم کے وضاحت نہ کر سکی۔ انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر میز پر پڑا میگزین اٹھا کر چہرے کے سامنے کرلیا۔ میرے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی بولے۔

"اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"میرے پاس تو کوئی دوسرا سوٹ نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے اب پھر تمہیں اسی لباس میں لے کر جانا ہوگا۔ گھر

سے آتے ہوئے اپنے کپڑے ساتھ کیوں نہیں لائیں۔'' وہ کچھ کچھ خفا لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''آپ نے جلدی تو مچا رکھی تھی۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''اچھا، اچھا ٹھیک ہے'' انہوں نے تیزی سے کہا اور مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا میں اٹھی اور جھک کر جوتا پہننے لگی تو سب کھایا پیا باہر آنے لگا تو جلدی سے بھاگ کر غسل خانے میں چلی گئی شاداب نے مجھے حیران ہو کر دیکھا پھر دریچے سے باہر دیکھتے ہوئے نجانے کیا سوچنے لگے۔ بہت دیر بعد میں باتھ روم سے باہر آئی اور بیڈ پر لیٹ گئی کہ اب مزید کھڑا رہنے کی مجھ میں سکت نہیں تھی۔

''طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کو بلاؤں؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''اس کی ضرورت نہیں ایسی حالت تو میری اکثر رہتی ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا تو وہ بولے۔

''اوکے جیسے تمہاری مرضی'' انہوں نے اتنا نہیں کیا کہ میرے پاس بیٹھ کر مجھے حوصلہ یا تسلی دیتے کہ میری یہ حالت ان کی بنائی ہوئی تھی بہت دیر بعد کہیں شام کے قریب میری طبیعت ذرا بہتر ہوئی تو وہ مجھے ساتھ لے کر ایئرپورٹ چلے آئے۔

جہاز میں بھی میری طبیعت خراب ہی رہی ایسے میں مجھے اونگھ آئی تو میں نے سر ان کے کندھے پر رکھ لیا کہ وہ اگر ناراض ہونے کی وجہ سے دور دور تھے تو کیا ہوا میں خود پاس ہو کر یہ دوری ختم کر سکتی تھی لیکن جیسے ہی میرا سر ان کے کاندھے سے لگا وہ یوں اچھلے جیسے کوئی لڑکی کسی غیر مرد کا سر اپنے کندھے پر دیکھ کر اچھلتی ہے۔ میں حیرانی سے ان کو دیکھنے لگی تو وہ ہلکی سی ناگواری سے بولے۔

''پیچھے ہٹ کر بیٹھو جہاز میں اور لوگ بھی ہیں۔ یہ بیڈ روم نہیں'' ان کے منہ سے یہ بات سن کر میرا جی چاہا کہہ دوں۔

''بیڈ روم میں کون سا آپ نے مجھے اپنی قربت یا رفاقت بخشی تھی ساری رات آپ نجانے کون سے ضروری کام میں مصروف رہے اور صبح آتے ہی یوں منہ بنا کر لیٹ گئے جیسے کسی کو دفن کر کے سیدھے قبرستان سے آئے ہوں۔ لوگ پہلے

ی دلہن کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں جو آپ نے میرے ساتھ کیا.....'' مگر تو کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی ان کا یہ احسان ہی کیا کم تھا کہ انہوں مجھ سے شادی کر لی تھی۔

اسلام آباد ایئرپورٹ پر وہ ایک دوسرے جہاز کے ٹکٹ لائے جو پشاور ا تھا اور پشاور سے انہوں نے ایک پرائیوٹ کار کرائے پر لی اور ہم چارسدہ ہ ہو گئے۔

گھر والے اتنی جلدی واپسی پر بہت حیران ہوئے پھر پھپھو شاداب کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ بہت دیر وہ پھپھو کے کمرے میں بھی نہ جلد ہی باہر آئے اور سب کو سلام کرتے ہوئے رخصت ہو گئے ابو اور سجاد بھائی پوچھا۔

''کل تمہیں مینا کو ساتھ لے جانے کی جلدی تھی آج واپس بھی لے آئے ات ہے؟'' اس پر وہ بغیر رکے بولے۔

''جلدی میں ہوں وضاحت نہیں کر سکتا۔ آپ امی سے پوچھ لیجئے گا میں ان کو بتا دیا ہے'' اور باہر نکل گئے کچھ دیر بعد ہی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز اور میرے آنسو ضبط کے باوجود بہہ نکلے امی نے حیران ہو کر مجھے دیکھا پھر سے پوچھا۔

''کیا کہہ کر گیا ہے شاداب اور اتنی جلدی کیوں چلا گیا؟''

''بھابی! شاداب کہہ رہا تھا یہاں سے جاتے ہی اس کو نئے ڈیوٹی آرڈر ہیں۔ شاداب کی ڈیوٹی اچانک کوئٹہ سے باہر لگائی گئی ہے جہاں چند باغی قبائل ت کے خلاف برسرِ پیکار ہیں شاداب کہتا تھا وہاں سنگلاخ چٹانوں اور ویرانوں ا وہ کچھ بھی نہیں۔ ویسے بھی وہاں فلمیں ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں کہ جو حکومت سے ناراض ہو کر پہاڑوں پر چڑھ گئے ہیں بار بار فوج پر حملے ے ہیں تاہم وہ کہتا ہے جیسے ہی اس کی ڈیوٹی پھر سے چھاؤنی کے علاقے میں ی وہ فوراً آ کر مینا کو لے جائے گا۔''

پھپھو کی وضاحت کے بعد کوئی کچھ نہ بولا اور میں اپنے کمرے میں آ گئی

تب پھپھو میرے پاس آئیں اور شاداب کے رویے کا پوچھا میں نے ان کو دکھی کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا۔

"ان کا رویہ بہت اچھا تھا۔" مگر پھپھو مطمئن نہ ہوئیں تاہم انہوں نے مزید کچھ نہ پوچھا۔

شاداب ایسے گئے تھے جیسے کبھی نہ لوٹ کر آنے کے لیے گئے ہوں۔ نہ ان کا فون آتا تھا اور نہ خط جبکہ میں ان کو باقاعدگی سے شروع کے دو تین مہینے خط لکھتی رہی تھی لیکن جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو خود بھی خط لکھنا چھوڑ دیا۔

شاداب کے ٹھیک سات ماہ بعد جب میں نے فواد کو جنم دیا تو سب ہی حیران تھے۔ سوائے پھپھو کے لیکن شک پھر بھی کوئی نہ کرسکا مجھ پر کہ اپنی کمزور صحت کی وجہ سے فواد سات ماہ کا ہی لگتا تھا کہ۔ شاداب کی بے رخی کا دکھ سہتے ہوئے میں خود بھی بہت کمزور ہوگئی تھی نہ وقت پر کھایا نہ پیا پھر بچہ کیسے صحت مند ہوسکتا تھا۔

فواد کے پیدا ہوتے ہی پھپھو نے شاداب کو خط لکھوایا کہ "جلدی سے چلے آؤ......" لیکن مجھے یقین تھا وہ نہیں آئیں گے پہلے تو انہوں نے کوئٹہ سے باہر لگائی جانے والی ڈیوٹی کا بہانہ کیا تھا اور آجکل تو وہ تھے ہی جنگی مشقوں میں مصروف، اب تو ان کے پاس نہ آنے کے لیے معقول بہانہ تھا اور اب مجھے ان کا انتظار بھی نہیں تھا تخلیق کے ان پر درد اور کرب آمیز لمحوں میں جب انہیں میرے پاس ہونا چاہئے تھا تاکہ مجھے کچھ سکون ملتا کچھ حوصلہ ہوتا لیکن جب یہ لمحے ان کے بغیر گزر گئے تھے تو اب وہ آتے یا نہ آتے کیا فرق پڑتا۔ یہی کیا کم تھا کہ گناہ کو اس رات کو انہوں نے مجھ سے نکاح کرکے ثواب میں بدل دیا تھا۔ فواد پندرہ دن کا ہوچکا تھا مگر شاداب کو لکھے جانے والے خط کا نہ تو جواب آیا اور نہ ہی وہ خود آئے تھے اگرچہ مجھے یقین تھا وہ نہیں آئیں گے اس کے باوجود جب بھی دروازے پر کوئی گاڑی رکتی یا کسی کی آہٹ سنائی دیتی تو میں حسرت بھری نظروں سے باہر دیکھنے لگ جاتی پھپھو میری یہ حالت دیکھتیں تو کہتیں۔

"بس ایک بار مینا، صرف ایک بار شاداب آجائے تو پھر میں اس کو سیدھا ے رکھ دوں گی۔" جواب میں، میں اکثر چپ رہتی یا پھر کہہ دیتی۔

"پھپھو، وہ کبھی نہیں ملیں گے، یہ شادی تو انہوں نے عائشہ آنٹی کے کہنے ی ہے۔" تب پھپھو پھر خط لکھوانے بیٹھ جاتیں۔

فواد اس دن ایک ماہ کا ہوا تھا پھپھو نے اس کو نہلا کر تولیے میں لپیٹ کر ے پہلو میں لٹایا اور پھر پانی والا ٹب اٹھانے ہی لگی تھیں کہ اچانک بغیر کوئی ٹ کیے شاداب میرے کمرے میں داخل ہوئے وہ سب سے پہلے پھپھو کی ف بڑھے لیکن پھپھو مارے غصے کے ان کے ہاتھ جھٹک کر پانی کا ٹب اٹھا کر ہر نکل گئیں۔

وہ کچھ دیر وہیں کھڑے رہے۔ پھر میری طرف مڑے کچھ دیر مجھے دیکھتے ے پھر میرے پہلو میں پڑے منے پر نظر پڑتے ہی ان کے چہرے پر نجانے کیسی ی پھیل گئی، ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی انہوں نے جھک کر فواد کو اٹھایا دیر اس کے معصوم چہرے کو دیکھتے رہے پھر بے ساختہ جھک کر اس کا منہ نے لگے میں حیرت سے ان کو دیکھنے لگی جو دیوانوں کی طرح فواد کو پیار کر رہے اور یہ زیادہ پیار پا کر فواد رونے لگا شاید شاداب کی داڑھی کے بال اس کی ملائم میں چبھ گئے تھے اور وہ یہ چبھن برداشت نہ کرسکا تھا شاداب نے پہلے تو اس کو پ کروانے کی کوشش کی پھر میرے پہلو میں لٹا دیا میں نے تھپکی دے کر اس کو پ کروایا تو شاداب میرے بستر کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئے پھر میرا ہاتھ اپنے وں میں لیتے ہوئے بولے۔

"بہت بہت شکریہ مینا اس قدر نایاب اور قیمتی تحفہ دینے کا۔"

اور اس لمحے میں سات مہینوں کی اذیت سات سیکنڈ سے بھی پہلے بھول کر رادی کہ ان کا یہ کہنا ہی میرے لیے بہت بڑی بات تھی تاہم اس کے ساتھ یری آنکھوں میں آنسو بھی چمک رہے تھے کہ اچانک پھپھو اندر داخل ہوئیں شاداب میرے ہاتھ چھوڑ کر ان کو دیکھنے لگے پھر آہستہ سے کہا۔

"مبارک ہو امی آپ کو بہت خواہش تھی پوتے کی۔"

''ہاں تھی مجھے پوتے کی خواہش، لیکن اب بھی آنے کی کیا ضرورت تھی یہاں ہم زندہ رہیں یا مرجائیں تمہیں تو کوئی پرواہ نہیں، نہ خط کا جواب نہ فون پر ملتے ہو۔فواد کے پیدا ہوتے ہی میں نے تمہیں خط لکھا تھا اور تم......'' پھپھو سخت غصے میں تھیں۔

''سوری امی، جنگی مشقوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے ڈاک وقت پر مجھ تک نہ پہنچ سکی یہ تو واپسی پر ہی آپ کے دونوں خط ایک ساتھ دیکھے اور......''

''بہانے بازی میں تو تمہارا کوئی ثانی نہیں، تمہارے پاس ہر بات کا جواز ہوتا ہے۔ پتا نہیں میں نے ایسا کونسا گناہ کیا تھا جو تمہاری شکل میں سزا ملی ایسی اولاد سے بے اولاد ہی ہوتی تو اچھا تھا اولاد پا کر میں نے کون سے سکھ پا لیے۔ بے اولاد لوگ اچھے ہیں ان کو صرف اولاد نہ ہونے کا دکھ ہوتا ہے اور اولاد نافرمان نکل آئے تو اولاد والے کی جان عذاب میں رہتی ہے مجھ سے اچھی زندگی تو عائشہ باجی کی ہے اُن کو صرف ایک دکھ ہے اپنوں کی بے رخی کا اور تم ......''

وہ ایک ہی سانس میں بولتے ہوئے رکیں گھور کر شاداب کو دیکھا پھر کہا۔

''تمہاری وجہ سے میری زندگی اور بھی مشکل ہوگئی ہے اگر خدا نے میری قسمت میں سکھ کا ایک لمحہ بھی نہیں لکھا تھا تو مجھے پیدا ہی کیوں کیا اور اگر پیدا کیا تھا تو موت کیوں نہیں دیتا میں اب اور یہ زندگی جینا نہیں چاہتی۔''

''امی پلیز۔'' شاداب نے اٹھ کر ان کو بانہوں میں لے لیا۔

''ہٹو پیچھے امی ہوتی میں تمہاری تو تمہیں میری پریشانیوں کا احساس ہوتا تم پلٹ کر میری خبر لیتے۔''

''پلیز امی، صرف ایک بار معاف کردیں صرف ایک بار۔'' وہ کہہ رہے تھے لیکن پھپھو چپ تھیں تب میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی کہ ''پھپھو بہت ہوچکی اب معاف کردیں۔'' اور پھپھو نے میرے کہنے پر شاداب کو معاف کردیا پھر میرے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے شاداب نے پوچھا۔

''امی نام کیا رکھیں گے؟''

''نام میں نے رکھ دیا ہے فواد خان۔'' پھپھو نے بتایا۔

''بہت پیارا ہے حماد لالہ کے بیٹے جواد خان کے نام سے ملتا جلتا۔''

''اس وقت حماد کا ذکر کیسا۔'' پھپھو نے تھوڑی ناگواری سے کہا۔

''امی، حماد لالہ فواد کا تایا ہے اور جواد اس کا کزن۔'' شاداب نے کہا۔ وہ ب میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ امی، بھابی اور سجاد بھائی اندر داخل ہوئے۔ امی کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلے مجھے دیکھا اور میرے چہرے پر شاداب کی ت سے پھیلنے والی خوشی دیکھ کر خود بھی خوش ہوگئیں پھر وہ شاداب سے نہ آنے لوہ کرتے ہوئے مبارکباد دینے لگیں سجاد بھائی اور بھابی نے بھی مبارکباد دی۔

شاداب مسکرا مسکرا کر ان سب سے مبارکباد وصول کرتے رہے اور ساتھ، ہ اپنے جلدی نہ آنے کی وضاحت کہ جنگی مشقوں میں مصروف ہونے کی وجہ وقت نہ ملا۔

اور میں مسرور سی پہلو میں پڑے بچے کو دیکھتی اور سوچتی رہی، لوگ ٹھیک کہتے ہیں اولاد ماں، باپ کے درمیان ایک مضبوط تعلق کی بنیاد اور علامت بن ہے۔ شاداب زبردستی کی اس شادی پر خفا تھے سات مہینے انہوں نے پلٹ کر خبر نہ لی تھی لیکن فواد کا سن کر نہ صرف وہ ناراضگی بھول گئے تھے بلکہ خوش بھی تھے، بہت دیر سب ہمارے کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر وہ سب گئے جبکہ پھپھو اور شاداب اب بھی میرے پاس تھے لیکن تھوڑی دیر بعد کھانے لیے بھابی بلانے آئی تو شاداب مجھے دیکھتے ہوئے اٹھ گئے۔

رات شاداب میرے کمرے میں ہی سونا چاہتے تھے لیکن پھپھو نے کہا۔

''یہ بات مناسب نہیں یہ مینا کا میکہ ہے تم دوسرے کمرے میں سو جاؤ۔''

''امی فواد۔'' شاداب پتا نہیں کیا کہنا چاہتے تھے کہ پھپھو نے کہا۔

''مینا اور فواد کے پاس میں ہوں ناں......''

شاداب کچھ دیر میرے قریب کھڑے فواد کو دیکھتے رہے پھر اپنے کمرے چلے گئے اور میں نے سکون سے آنکھیں موند لیں تو پھپھو نے خفا لہجے میں

''مینا اس نے تمہیں بہت ستایا تھا، اتنی جلدی معاف کرنے کی کیا

ضرورت تھی اس کو معافی تو مانگنے دینا تھی......''

پھپھو کی بات سن کر میں چپ رہی حالانکہ میں کہنا چاہتی تھی، وہ اپنی غلطی کو محسوس کر چکے ہیں تو میں کیوں ان کو شرمندہ کروں ویسے بھی مجھے تو ان سے محبت تھی ان کی زیادتیوں کے باوجود میرے دل میں ان کے لیے صرف شکوہ تھا نفرت نہیں اور جب انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔'' بہت بہت شکریہ مینا اس نایاب اور قیمتی تحفے کا۔'' تو باقی کیا بچتا تھا میں تو صرف ان کی محبت چاہتی تھی اور وہ شاید اب مجھے ملنے والی تھی۔

فواد ایک ماہ کا تھا جب وہ آئے تھے اور اب جب فواد چالیس دن کا ہوگیا اور میں چلہ نہائی تو شاداب نے مجھ سے کہا......

''مینا، صبح ہم لوگ کوئٹہ چل رہے ہیں ضروری تیاری کر لینا پھر وہاں جا کر نہ کہنا کہ میں نے جلدی مچائی تھی۔''

''صبح کیوں ابھی یہاں رک جائیے نا چند روز۔'' میں نے اس خیال سے کہا کہ مجھ اکیلی سے فواد ابھی سنبھالا نہ جاتا کہ وہ ابھی بہت کمزور اور مریل سا بچہ تھا۔

''دس چھٹیاں کر چکا ہوں مزید نہیں کر سکتا تمہیں میرے ساتھ جانے پر اگر اعتراض ہے تو بتا دو۔'' انہوں نے تھوڑی بے رخی سے کہا۔

''نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں لیکن...... لیکن فواد کو میں اکیلی نہیں سنبھال سکتی یہاں تو پھپھو ہیں مگر وہاں۔'' میں نے اپنی مجبوری بتائی۔

''امی ہمارے ساتھ چلیں گی۔'' شاداب نے کہا پھر خود ہی چونکتے ہوئے بولے۔'' لیکن ابھی تو گھر ملنے میں کچھ وقت لگے گا اور میس کے ایک ہی کمرے میں......اچھا خیر میں کوشش کروں گا چھاؤنی ایریا میں نہیں تو سول ایریا میں ہی گھر مل جائے پھر امی کو بلا لیں گے لیکن صبح چلنا ضروری ہے باقی فواد کی تم فکر نہ کرو میں خود اس کو سنبھال لیا کروں گا۔''

''آپ کیسے سنبھال سکتے ہیں؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''ویسے ہی جیسے امی سنبھالتی ہیں۔'' انہوں نے سوئے فواد کے گال پر اپنی

انگلی پھیری اتنے میں پھپھو اندر آئیں شاداب نے ان سے بات کی تو وہ بولیں۔

''فواد چھوٹا اور کمزور ہے تم دونوں اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکو گے ابھی چند روز اور رک جاؤ تو اچھا ہے۔''

''امی، میں رک نہیں سکتا آپ اجازت دے دیں فواد کی فکر نہ کریں میں بہت اچھے طریقے سے اس کی دیکھ بھال خود کروں گا۔''

''دیکھا مینا اپنے بیٹے کی جدائی اس کو گوارہ نہیں جبکہ مجھے میرے بیٹے سے اس نے ہمیشہ دور رکھا۔'' پھپھو نے محبت بھرا شکوہ کیا۔

''مائی ڈیر امی جان، اب آپ بھی ہمیشہ اپنے بیٹے کے پاس ہی رہیں گی فکر نہ کریں۔''

شاداب نے مسکرا کر کہا تو پھپھو بھی مسکرا دیں پھر امی سے بھی بات ہوئی وہ ابھی میرے جانے کے حق میں نہیں تھیں لیکن شاداب کی ضد دیکھ کر سب کو چپ ہونا پڑا یوں ہم اگلی صبح روانہ ہوگئے۔

ظہیر ہمیں پشاور ایئر پورٹ پر چھوڑ کر گیا تھا وہاں سے جہاز میں بیٹھنے تک فواد شاداب کی گود میں رہا اور جب ہم جہاز میں اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے تب میں نے فواد کو ان سے لے لیا۔

اسلام آباد ایئرپورٹ پر جہاز رکتے ہی انہوں نے فواد کو پھر خود اٹھا لیا اور کوئٹہ کی فلائیٹ چلنے تک فواد ان کی گود میں ہی رہا لیکن جہاز میں بیٹھتے ہی جب میں نے فواد کو گود میں لیا تو اس نے تھوڑی دیر بعد ہی رونا شروع کر دیا تھا شاداب نے اس کو مجھ سے لیا اور کھڑے ہو کر بہلانے لگے مگر فواد چپ نہ ہوا شاداب نے اس کو بہلانے کی بہت کوششیں کیں مگر جب وہ چپ ہونے میں نہ آیا تو میری گود میں ڈالتے ہوئے بولے۔

''یہ رو کیوں رہا ہے چپ کیوں نہیں ہوتا......؟''

''بھوک لگی ہے اس کو۔'' میں نے فواد کو پیار سے چپ کروانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''بھوک لگی ہے تو جلدی سے دودھ دو۔'' وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے میرے

قریب اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''یہاں کیسے فیڈ کروں؟'' میں نے آہستہ سے کہا انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر ''اوہ'' کہتے ہوئے سامنے کھڑی ایئر ہوسٹس کو دیکھنے لگے۔

بڑی مشکل سے میں فواد کو بہلانے اور سلانے میں کامیاب ہوئی..... پھر اس کی آنکھ کوئٹہ ایئرپورٹ پر ہی کھلی تھی شاداب نے اس کو گود میں لے لیا تھا وہ بھوک سے بیتاب ہو رہا تھا میس پہنچتے ہی میں نے شاداب سے کہا۔

''لائیے فواد کو مجھے دیجئے میں اس کو فیڈ کردوں۔''

شاداب نے بغیر مجھے دیکھے اور بغیر کچھ کہے فوالادمیری گود میں ڈال دیا اور خود باہر نکل گئے۔

دس منٹ بعد وہ آئے تو فواد لیٹ دودھ ملنے پر ہضم نہ کرسکا تھا اور اب قے کر رہا تھا شاداب نے پریشان ہو کر فواد کو دیکھا پھر کہا۔

''کیا ہوا اس کو.........کیا ہوا؟''

''پتا نہیں۔'' فواد کی خراب حالت دیکھ کر میرے آنسو نکل پڑے شاداب نے جھک کر فواد کو دیکھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔

''اے خدا اگر تم نے یہ نعمت مجھے دی ہے تو میرے پاس ہی رہنے دینا اس کی جدائی بھی میرا مقدر نہ بنا دینا۔'' پھر انہوں نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر فواد کو میری گود سے لیا اور باہر نکل گئے ان کا ارادہ سمجھ کر میں بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔

وہ رات ہم نے میس کے کمرے کی بجائے سی، ایم، ایچ کوئٹہ ہوسپٹل میں گزاری شاداب مجھ سے زیادہ پریشان تھے۔ تین دن ان لوگوں نے فواد کو ہوسپٹل میں رکھا پھر گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔ میری جان میں جان آئی ہوسپٹل کے اس پرائیویٹ کمرے سے فواد کو اٹھاتے ہوئے شاداب نے پیار سے فواد کو تکتے ہوئے کہا۔

''یار تم نے تو میری جان ہی نکال کر رکھ دی تھی۔ بیٹا ابھی سے اتنا تنگ کر رہے ہو تو آگے چل کر کیا کرو گے؟'' ان کی بات سن کر میں مسکرا دی ہم کمرے سے باہر آئے تو سامنے سے آتی ہوئی ایک ڈاکٹر نے شاداب کو روک لیا۔

''ہیلو شاداب۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہیلو ڈاکٹر۔'' شاداب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''شادی کرلی تم نے؟'' وہ پوچھ رہی تھیں۔

''جی۔'' شاداب کا جواب مختصر تھا۔

''یہ تمہارا بیٹا ہے؟'' وہ حیرت بھری نظروں سے فواد کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''جی میرا بیٹا ہے فواد خان۔'' شاداب نے پھر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''بہت پیارا بیٹا ہے۔'' انہوں نے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ میں شاداب کی دوست ہوں ڈاکٹر ثریا۔ چند روز بہت گرم جوش تی رہی ہے ہماری لیکن صرف چند روز۔'' انہوں نے ایک حسرت بھری نظر شاداب پر ڈالی تو وہ بولے۔

''چلو بینا۔'' اور ہم ڈاکٹر ثریا کو وہیں چھوڑ کر میس واپس آگئے۔ شاداب نے فواد کو بیڈ پر ڈالا اور خود بھی اس کے قریب لیٹتے ہوئے اردلی جو ہماری غیر موجودگی میں آچکا تھا سے کہا۔

''میس کینٹین سے کھانا لے آؤ۔'' اور وہ چلا گیا جبکہ میں نے الماری سے ٹ نکالا اور نہانے چلی گئی۔ سوچا کھانے سے پہلے نہالوں تین دن سے لباس نہ ل سکی تھی جبکہ شاداب روز آ کر کپڑے بدل جاتے تھے۔''

میں نہا کر کمرے میں آئی تو شاداب کافی پی رہے تھے جبکہ میز پر کھانے الی ٹرے پڑی تھی ان کا موڈ شاید کھانے کا نہیں تھا لیکن انہوں نے مجھ سے یہ ت ضرور کہی۔

''جلدی سے کھانا کھالو ابھی بیٹ مین برتن لینے آئے گا۔'' اور میں کرسی جا بیٹھی پھر پوچھا۔

''آپ نہیں کھائیں گے؟''

''نہیں۔'' انہوں نے کہا اور سائیڈ میز پر کافی کا کپ رکھ کر فواد کے پاس ٹھا ہو کر کمر کے بل لیٹتے ہوئے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر وہ فواد کو دیکھتے ہوئے نجانے

کیا سوچنے لگے تھے۔

میں نے کھانا کھالیا تو اردلی برتن لے لیا۔ شام کا ملگجا اندھیرا گہرا ہونے لگا اور شاداب کی قربت کا تصور کرکے میرے دل کو بھی کچھ کچھ ہونے لگا۔ میں نے شاداب کو دیکھا وہ اب آنکھیں بند کیے سیدھے لیٹے تھے جبکہ فواد اب مزے سے پڑا سو رہا تھا۔

میں کرسی پر بیٹھی رہی یہ سوچ کر کہ کب وہ مجھے پکارتے ہیں مگر وہ شاید سو گئے تھے۔ تین دن اور تین راتیں تو فواد کے لیے جاگتے رہے تھے۔ کلاک نے دس بجنے کا اعلان کیا تو میں خود ہی اٹھ کر بیڈ کے قریب آئی ابھی میں بیڈ پر بیٹھی ہی تھی کہ شاداب نے آنکھیں کھول کر گہری نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں شرما گئی اور نظریں نیچی کرلیں۔

☆☆☆

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے اور میں شرماتی رہی اچانک انہوں نے کہا۔

''کیا تم بھی اسی بیڈ پر لیٹو گی؟''

میں نے حیران ہوکر ان کو دیکھا اور سوچا میں یہاں نہیں لیٹوں گی تو پھر کہاں لیٹوں گی لیکن میں چپ رہی اور بیٹھی حیرت سے ان کو دیکھ رہی تھی جو کچھ پریشان نظر آنے لگے تھے۔ وہ کچھ دیر نجانے کیا سوچتے رہے پھر طویل سانس کھینچ کر بولے۔

''ٹھیک ہے لیٹ جاؤ''

اور میں کسی معمول کی طرح لیٹ گئی۔ وہ کچھ دیر بیٹھے نہ جانے کن سوچوں میں گم رہے پھر نہ صرف اٹھ گئے بلکہ دروازہ کھول کر باہر بھی نکل گئے۔ میں حیران سی ان کے اس سرد رویے کے بارے میں سوچتے ہوئے سو گئی ان کی واپسی نامعلوم کب ہوئی تھی۔

لیکن صبح جب میری آنکھ کھلی تو وہ فرش پر بچھے قالین پر چادر بچھا کر تکیے بازوؤں میں دابے سو رہے تھے میں کتنی دیر کھڑی ان کو دیکھتی رہی پھر ان کے رات والے رویے کا سوچتے ہوئے باتھ روم کی طرف بڑھی ہی تھی کہ ان کی آواز سن کر رک گئی۔

''اوہ جان۔'' انہوں نے پکارا تھا میں فوراً مڑی مگر جب ان کو دیکھا تو وہ آنکھیں بند کیے سو رہے تھے۔ میں حیران تھی کیا وہ سوتے میں بڑبڑاتے تھے اور پھر میں چلی گئی۔ باہر آئی وہ تب بھی سو رہے تھے میں پھر ان کو دیکھنے لگی میری یہ حیرت اس وقت دور ہوگئی جب انہوں نے کروٹ بدلتے ہوئے پھر کہا۔ ''اوہ جان پلیز'' اب مجھے پتہ چل گیا تھا وہ سوتے میں بڑبڑا رہے ہیں۔ میں بغور ان کو دیکھنے لگی کہ اچانک فواد نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا اور فواد کے رونے کی آواز سن کر شاداب کی آنکھ بھی کھل گئی اور وہ فوراً اٹھ بیٹھے۔

میں نے فواد کی نیپی بدلی جو گیلی ہورہی تھی۔ اس کا منہ دھلانے میں انہوں نے میری مدد کی پھر اردلی آگیا شاداب کی استری کی ہوئی کلف لگی وردی لے کر وہ تیار ہوئے۔ جاتے ہوئے فواد کو پیار کیا مجھ سے کہا۔

''جس چیز کی ضرورت ہو اختر سے کہہ دینا'' (اردلی کا نام اختر تھا) اور چلے گئے میں نے اختر سے ناشتے کا کہا اور خود شاداب کے بارے میں سوچنے لگی مگر کچھ سمجھ نہ آئی۔ دوپہر میں وہ لدے پھندے واپس آئے تھے فواد کا جھولا، اس کے بہت سارے سوٹ اور فواد کے لئے کھلونے بھی حالانکہ ابھی اس کی عمر کھیلنے کی نہ تھی۔ اس کے علاوہ ڈھیروں انگریزی میگزین اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ لائے تھے وہ۔

''لو بھئی سنبھالو ان سب کو'' انہوں نے مجھ سے کہا اور خود یونیفارم بدلنے چلے گئے۔ میں نے اختر کو کھانا لانے کا کہا اور میگزین دیکھنے لگی جن میں صرف بچوں اور عورتوں کی تصویریں تھیں شاداب باہر آئے تو میں نے پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے؟''

''میگزین ہیں'' شاداب نے فواد کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''کس لئے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس میں بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے بارے میں لکھا ہے'' وہ سوئے ہوئے فواد کے پاس ہی خود بھی لیٹتے ہوئے بولے۔

''لیکن مجھے تو انگریزی نہیں آتی۔'' میں نے مسکرا کر ان کو بتایا۔

''یہ میں تمہارے لئے نہیں اپنے لئے لایا ہوں ان کو میں پڑھوں گا اور فواد کی پرورش کروں گا ٹھیک ہے نا؟'' انہوں نے شفقت بھری مسکراہٹ سے فواد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک ہے۔'' میں مسکرادی یہ سوچ کر کہ ان کو میرا کتنا خیال ہے وہ فواد کی دیکھ بھال خود کرنا چاہتے ہیں۔ تب میں یہ بالکل نہ سمجھ سکی تھی کہ وہ سب فواد کو مجھ سے چھیننے کے لئے کرر ہے ہیں۔ اتنے میں اردلی کھانا لے کر آگیا میں نے کھانا میز پر لگایا اور کہا۔

''اٹھیے جناب اب پہلے کھانا کھا لیجئے پھر فواد کو دیکھیئے گا۔''

''میں نے تو آفس میں لنچ کرلیا تھا اب صرف تم کھاؤ۔'' انہوں نے کہا اور میگزین کھول کر دیکھنے لگے۔ میرا دل بجھ کر رہ گیا۔ کل بھی انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا صرف کافی پی تھی لیکن آج وہ لنچ آفس میں ہی کر آئے تھے میں نے بجھے دل سے کھانا کھایا اور پھر اردلی کو برتن لے جانے کا اشارہ کیا۔

''یہاں آؤ مینا میرے پاس۔''

میرا دل دھڑک اٹھا میں نظریں جھکائے شرمائی سی ان کے پاس آئی اور بیڈ پر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''مینا! اگر میں فواد کو کسی کو دے دوں تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟'' انہوں نے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے حیران ہوکر ان کو دیکھا۔

''بھئی صاف بات ہے اگر میں فواد کو تم سے لے کر کسی اور کو دے دوں تو تم کیا کروگی؟''

''کس کو دیں گے آپ؟''

''ظاہر ہے کسی اپنی ہی کو دوں گا'' شاداب نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''آپ فواد کے بغیر رہ لیں گے۔'' میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرر ہے ہیں۔

''ہاں میں رہ لوں گا کیونکہ مجھ سے زیادہ فواد کی ضرورت اس کو ہے''

انہوں نے آنکھیں بند کر کے نجانے کس کو دیکھا یا سوچا۔

میں سمجھی وہ فواد کو چارسدہ اپنی امی کے پاس بھیجنے کی بات کرر ہے ہیں اس لئے مسکرا کر کہا۔

''آپ کا بیٹا ہے جس کو جی چاہے دے دیجئے میں کون ہوتی ہوں منع کرنے والی۔''

''شکریہ مینا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا اور لیٹ کر نجانے کیا سوچنے لگے جبکہ میں وہیں بیٹھی تھی اچانک میری نظر دودھ کے ڈبے پر پڑی اور میں نے ڈبے کو دیکھتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''یہ آپ دودھ کا ڈبہ کیوں لائے ہیں؟''

''فواد کے لئے اب وہ ڈبے کا دودھ پیا کرے گا۔''

''کیوں؟'' میں نے حیران ہوکر ان کو دیکھا۔

''تم نے دیکھا نہیں جہاز میں وہ بھوک سے بلکتا رہا اور یہاں آکر جب دودھ ملا تو لیٹ ملنے کی وجہ وہ ہضم نہ کرسکا۔ ڈبے کا دودھ پیئے گا تو آئندہ اس قسم کی صورتحال تو پیش نہیں آئے گی۔ میں اس صورت حال کو دوبارہ فیس نہیں کرسکوں گا۔''

''لیکن پھپھو کہتی تھیں بچے کے لئے ماں کا دودھ سب سے بہتر غذا ہے'' میں نے کہا تو وہ تلخی سے بولے۔

''کوئی ضرورت نہیں پھپھو کا کہنا ماننے کی۔ میں نے جو کہا ہے وہی کرو۔'' ان کی تیز آواز سن کر فواد بھی اٹھ گیا تو انہوں نے مجھے تحکمانہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''چلو اٹھو دودھ بناؤ۔'' پھر انہوں نے دودھ بنانے کی ترکیب بتائی اور فواد کو دیکھنے لگے۔ میں نے جب دودھ بنا کر فواد کو لینا چاہا تو وہ بولے۔

''لاؤ فیڈر مجھے دو میں خود پلاتا ہوں'' اور میں نے فیڈر پکڑا دیا اور خود کرسی پر آبیٹھی۔ میری سمجھ میں ان کا رویہ نہیں آرہا تھا انہوں نے نپل فواد کے منہ کو دیا تو اس نے فوراً منہ سے نکال دیا۔ انہوں نے پھر نپل منہ میں ڈالا فواد نے

پھر نکال دیا انہوں نے تیسری بار نپل فواد کے منہ میں ڈالا تو اس نے برا سامنہ بنایا شاید اس کو ڈبے کا دودھ اچھا نہیں لگا تھا۔ پھر وہ اپنی ننھی منی آواز میں رونے لگا شاداب نے بے بسی سے مجھے دیکھا اور میں بے ساختہ ہنس پڑی۔ پھر اٹھ کر فواد کو گود میں لے لیا تو شاداب بولے۔

''یہ فیڈر کیوں نہیں لیتا مینا؟''

''جناب!'' اس کو ڈبے کا دودھ پسند نہیں آیا۔'' میں نے کچھ شوخی اور فخر سے کہا۔

''یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ میں فواد کو پھر اسی حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔'' انہوں نے پریشان لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا فواد کو ہمیں کونسا روز روز سفر کرنا ہے'' میں نے بیڈ پر بیٹھے ہوئے کہا اور جیسے ہی فواد کو گود میں لٹایا شاداب فوراً ہی بیڈ سے اٹھ گئے نہ صرف بیڈ سے اٹھے بلکہ چپل پہن کر کمرے سے باہر نکل گئے نجانے کیوں؟

جب وہ واپس آئے تو فواد کھیل رہا تھا وہ کچھ دیر فواد کو دیکھتے رہے پھر مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''مینا! دن میں ایک دوبار اس کو فیڈر دے کر دیکھنا ہوسکتا ہے پینے لگے'' اور پھر گیم کے لئے چلے گئے۔

رات آٹھ بجے میس ویٹر کھانا لے کر آ گیا۔

''ابھی کیوں لے کر آئے ہو؟'' میں نے کہا۔

''جی کرنل صاحب نے یہی ٹائم دیا تھا۔''

''اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' میں نے کہا پھر اٹھ کر کھانا دیکھا وہ صرف ایک آدمی کا تھا میں نے پھر بھی ان کا انتظار کرنا مناسب سمجھا اور نو بجے جب وہ آئے تو کہا۔

''اب جلدی سے کھانے کے لئے آجائیں ویٹر آٹھ بجے کھانا دے گیا تھا۔''

''میں تو ڈنر کر کے آیا ہوں تم کھالو'' انہوں نے کہا اور سلیپنگ سوٹ

ر کر باتھ روم میں چلے گئے۔ میں بغیر کھانا کھائے فواد کے پاس بیڈ پر لیٹ چکی انہوں نے ایک نظر مجھ پر اور دوسری فواد پر ڈالی پھر کتاب اٹھا کر اسٹڈی ٹیبل پا بیٹھے۔ کمرے کی لائٹ آف کی اور لیمپ آن کر لیا اور ہر چیز سے بے خبر ہو کر لعہ میں محو ہوگئے۔

میں بیڈ پر لیٹی سوچتی رہی آخر وہ کیا چاہتے ہیں مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا اور نے کب میری آنکھ لگ گئی۔

ایک ہفتہ اسی طرح گزرا پھر ایک دن آفس سے واپسی پر انہوں نے آتے بتایا۔

''بنگلہ مل گیا ہے اب کل ہم لوگ وہاں شفٹ ہوجائیں گے میں نے کچھ پر بننے دیا تھا وہ بھی کل وہیں پہنچ جائے گا۔''

لیکن آپ تو کہتے تھے کہ ویٹنگ لسٹ پر آپ کا نمبر بہت دیر بعد آئے '' میں بات کرنے کے لئے بولی۔

''میرا نمبر ابھی نہیں آیا یہ بنگلہ تو ایک دوست کو ملنے والا تھا میری پریشانی تے ہوئے انہوں نے مجھے دے دیا۔''

شکر ہے اب اس ایک کمرے سے جان چھوٹ جائے گی'' میں نے نہ سے کہا۔

''وہ تو ہے'' انہوں نے فواد کو پیار کرتے ہوئے کہا اور فواد کے پاس ہی گئے۔

اگلے روز آفس جاتے ہوئے ہمیں یعنی مجھے اور فواد کو بنگلے پر چھوڑ کر ہی گئے تھے جبکہ سامان وغیرہ لانے کی ذمہ داری اردلی کی تھی اور اردلی نہ صرف ٹرک میں سامان لایا بلکہ نیا فرنیچر بھی آگیا اور میں نے اردلی کے ساتھ مل ارا سامان سیٹ بھی کر دیا۔ بنگلے میں تین بیڈروم تھے، ڈرائنگ، ڈائننگ الگ تھے اس کے علاوہ ٹی وی لاؤنج اور دونوں طرف خوبصورت لان۔ بہت ورت گھر تھا مجھے اپنی قسمت پر خود ہی رشک آرہا تھا۔ شوہر ملا تو خوبرو اعلیٰ رخدا نے بیٹا دیا تو خوبصورت اور اب گھر بھی بہت خوبصورت مل گیا تھا۔ میں

یہ سب پا کر بہت خوش تھی اور شاداب کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ آ کر میری اس پھرتی کی تعریف کریں گے کہ میں نے کتنی جلدی سامان سیٹ کر دیا۔

شاداب دو بجے آفس سے آ جایا کرتے تھے لیکن آج چار بج گئے تھے اور وہ ابھی تک نہیں آئے تھے اردلی کھانا آج بھی اسی وقت لایا تھا تاہم میں نے اس کو سامان کی لسٹ دے دی تھی اور کہا تھا۔ ''کرنل صاحب کے آتے ہی تم جا کر یونٹ سے راشن لے آنا۔'' کیونکہ اب میں خود کھانا پکانا چاہتی تھی اگرچہ فواد چھوٹا تھا لیکن وہ بہت صبر کرنے والا تھا۔ روتا بالکل نہیں تھا۔ میری کوشش ہوتی تھی کہ اس کو وقت پر فیڈ کر دوں لیکن اگر کبھی دیر ہوتی تو وہ پہلے تو صبر کرنے کی کوشش کرتا جب ضبط نہ ہوتا تب وہ رو کر مجھے پکارتا اور ابھی تک ایسا صرف ایک دوبار ہی ہوا تھا زیادہ تر میں خود ہی اس کی ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔

شاداب پانچ بجے آئے تھے اور آتے ہی مجھ سے فواد کا پوچھا۔ میں نے ان کو بتایا وہ بیڈ روم میں ہے تو فوراً اندر چلے گئے۔ میں خود بھی ان کے پیچھے آئی تو وہ سوتے ہوئے فواد پر جھک رہے تھے یہ دیکھ کر میں نے کہا۔

''ارے ابھی کھیلتا ہوا سویا ہے کچی نیند سے مت جگائیں۔''

مگر انہوں نے میری بات سنی ان سنی کر دی اور فواد کو اٹھا کر بے تحاشہ پیار کرنے لگے میں ان کو اس حالت میں چھوڑ کر باہر نکلی اور دروازے پر ہی رک گئی۔

فواد زور زور سے رونے لگا تھا ایک تو اس لئے کہ شاداب نے اسے کچی نیند سے اٹھا دیا تھا دوسرے شاداب دیوانوں کی طرح اسے چوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

''یار رومت دیکھو تمہاری مم نے تمہارے لئے اتنی دور سے پیار بھیجا ہے بیٹا بہت خوش نصیب ہو تم جو تمہیں اس کا پیار ملا ہے۔''

میں حیران سی کھانا لینے چلی گئی۔ تاہم شاداب کی بات میری سمجھ میں نہ آئی تھی کونسی مم ہے جس نے اتنی دور سے پیار بھیجا ہے؟ میں سوچتی رہی لیکن ابھی تک ان کی کوئی بات بھی میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔

میں کھانا لے کر کمرے میں آئی تو فواد پھر سے سونے کی کوشش میں

ا، جبکہ شاداب اس کے پاس لیٹے نجانے کیا سوچ رہے تھے۔ اب وہ یونیفارم ل چکے تھے۔

''کھانا۔'' میں نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ شاداب نے چونک کر ھے دیکھا پھر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم کھالو اور سنو کھانے پر میرا انتظار نہ کیا کرو۔ ہرا کچھ پتہ نہیں کب آؤں جبکہ فواد کی وجہ سے تمہیں کھانا وقت پر کھانا چاہیے۔'' پتہ ہیں یہ بات وہ میرے خیال سے کہہ رہے تھے یا اپنے فائدے کے لئے۔

''جی۔'' میں نے ایک نظر ان کو دیکھا پھر پوچھا۔

''کیا ہوا آپ کو؟''

''پتہ نہیں کیا، کیا ہوا ہے تم ایسا کرو کھانے کے بعد مجھے ایک کپ کافی ادو بلکہ اختر سے کہہ دو وہ بنا دے گا۔''

''جی۔'' کہتے ہوئے میں نے ٹرے اٹھایا تو وہ بولے۔

''تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔ تم کھانا کھاؤ اختر سے کافی کا کہہ و۔'' میں نے اردلی کو کافی کا کہا اور خود بیدلی سے کھانا کھانے لگی۔

ایک ہفتہ ہم میس میں رہے تھے وہاں بھی انہوں نے میرے ساتھ بیٹھ کر یک بار بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ صبح ناشتے کے بغیر جاتے اور لنچ آفس سے کر کے آتے جبکہ ڈنر وہ گیمز کے لئے جاتے تو باہر سے ہی کر کے آتے تھے میں ابھی تک ان کا رویہ نہ سمجھ سکی تھی۔ وہ مجھ سے نرم لہجے میں بات کرتے تھے فواد کو بے حد پیار کرتے تھے لیکن مجھ سے دور دور بھی رہتے تھے آخر کیوں؟ میں سمجھنا چاہتی تھی لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

میں کھانے سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ اختر کافی بنا کر لے آیا میں نے کپ اس کے ہاتھ سے لے کر اس کو ٹرے اٹھانے کا اشارہ کیا پھر شاداب کے پاس آئی، وہ شاید سو گئے تھے۔ میں نے آہستہ سے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور میں چونک پڑی ان کا جسم گرم تھا ان کو سخت بخار تھا آنکھوں کے سرخی مائل ڈورے اس وقت گہرے سرخ ہو رہے تھے۔

"کافی۔" میں نے ان کو اپنی طرف دیکھتے پا کر کہا۔

"اب رہنے دو۔" انہوں نے سستی سے کہا اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔

"آپ کو بخار ہے؟" میں نے پوچھنا چاہا۔

"ہوں۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر؟"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے آرام کرنے دو۔" اب کے انہوں نے خشک لہجے میں کہا اور میں کمرے سے باہر نکل آئی۔

رات آٹھ بجے میں دوبارہ کمرے میں گئی تو فواد ابھی تک سو رہا تھا جبکہ شاداب کی آنکھیں بھی بند تھیں اچانک وہ بڑبڑائے۔

"او ہ جان، یہ کیا کہہ دیا تم نے کہ اگر تم میری زندگی میں ہوتیں تو فواد میرا مقدر نہ بنتا...... مجھے فواد کی نہیں تمہاری۔" وہ نجانے کیا کہتے کہتے چپ ہوگئے میں دم بخود ان کی طرف دیکھتی رہی تھوڑی دیر بعد وہ پھر بڑبڑائے مگر کیا یہ میں نہ سمجھ سکی۔ بیڈ کے سامنے پڑی کرسیوں مں سے ایک پر میں بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔

"یہ جان کون ہے؟" میس کے اس کمرے میں میں نے اکثر سوتے میں ان کے منہ سے "جان" لفظ سنا تھا تب میں نے اس بات کو کچھ اہمیت نہ دی تھی۔ لیکن آج پہلے انہوں نے فواد سے کہا تھا تمہاری مم نے تمہارے لئے پیار بھیجا ہے اور اب وہ کہہ رہے تھے یہ تم نے کیا کہہ دیا جان کہ اگر تم میری زندگی میں ہوتیں تو فواد میرا مقدر نہ بنتا اور یہ کہ مجھے فواد کی نہیں تمہاری...... گو کہ ان کی بات ادھوری رہی تھی لیکن میں اس کو پورا سمجھ گئی تھی گویا وہ کہنا چاہتے تھے مجھے فواد کی نہیں تمہاری ضرورت تھی۔

مجھے حیرت تھی وہ ہستی کون تھی جس کو وہ سوتے جاگتے پکارتے تھے؟ فواد کی آواز سن کر میں چونکی اور اس خیال سے کہ شاداب ڈسٹرب نہ ہوں میں فواد کو لے کر باہر آگئی۔ دودھ پی کر فواد کھیلنے لگا اور میں گم صم سی شاداب کے بارے میں سوچتی رہی بلکہ اس ہستی کے بارے میں سوچتی رہی جو شاداب کے فواد سے بھی

زیادہ عزیز تھی۔

رات گئے میں فواد کو لئے بیڈ روم میں آئی اور اس کو لٹا کر خود بھی دوسری طرف لیٹ گئی جبکہ شاداب بے خبر سو رہے تھے اور پتہ نہیں کب میری بھی آنکھ لگ گئی۔

دوبارہ آنکھ پھر فواد کے رونے پر کھلی میں نے جلدی سے پکڑ کر اسے فیڈ کیا اور وہ پھر سو گیا۔ میں نے اٹھ کر شاداب کو دیکھا ان کی آنکھیں بند تھیں میں نے پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ آگ کی طرح تپ رہی تھی۔ میں گھبرا گئی ایک دوبار ان کو پکارا اور ان کے نہ بولنے پر میں بے ساختہ رونے لگی وہ نجانے کب سے بے ہوش تھے اور مجھے پتہ نہ چلا میں بھاگی بھاگی باہر آئی اور اختر کو پکارا وہ فوراً چلا آیا اور میں نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔

"کرنل صاحب بے ہوش ہیں ڈاکٹر کو فوراً بلاؤ۔"

"کیا ہوا ان کو؟" اختر حیران تھا۔

"پتہ نہیں تم جلدی جاؤ۔" میں نے روتے ہوئے کہا اختر نے خود جانے کی بجائے ہاسپٹل ڈاکٹر کو فون کیا اور آدھے گھنٹے بعد ہی ڈاکٹر موجود تھا اس نے شاداب کی اچھی طرح چیک کیا اور پھر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خطرے کی کوئی بات نہیں صرف بخار ہے آپ بچے کو ان کے پاس نہ لٹائیں۔"

میں نے فواد کو اٹھا کر جھولے میں ڈالا ڈاکٹر نے شاداب کو انجکشن دئے اور اختر کو مزید دوائیاں دینے کے لئے ساتھ لے گئے جبکہ میں پریشان سی کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

ڈاکٹر نے صرف بخار بتایا تھا مگر یہ بخار ہی لمبا ہوگیا گھبرا کر میں نے صبح چارسدہ فون کردیا پھپھو نے سنا تو کہا "وہ لوگ ابھی کوئٹہ کے لئے روانہ ہوجائیں گے میں کسی قسم کی فکر نہ کروں۔" اور میں فون بند کرکے پھر ان کے پاس چلی آئی۔

اختر ان کے پاس تھا اور وہ نیم بے ہوش پڑے تھے کبھی کبھی ان کے منہ سے صرف جان نکلتا اور اختر حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگتا۔ دوپہر میں اچانک ان کے

دوست ضیاء آئے مجھے سلام کیا اور پوچھا۔

"شاداب کو یہ اچانک کیا ہوا آفس میں تو کل ٹھیک تھے؟"

"مجھے نہیں معلوم" کہہ کر میں رو دی۔ ضیاء نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر کہا۔

فکر نہ کریں بھابی میں یہاں ان کے پاس ہوں کچھ نہیں ہوگا اسے۔" اور شاداب کے بیڈروم میں چلے گئے۔

رات جب تک شاداب کو مکمل ہوش آیا تو چارسدہ سے پھپھو میری امی سجاد بھائی اور ظہیر بھائی آچکے تھے......شاداب نے ان سب کو حیران ہوکر دیکھا اور پھپھوان کو بے تحاشہ پیار کرتے ہوئے رو دی تھیں آنسو تو میری آنکھوں میں بھی تھے شاداب نے بغور مجھے دیکھا پھر نحیف آواز میں پوچھا۔

"فواد کہاں ہے بیٹا؟"

"وہ سو رہا ہے" میں نے بتایا۔

"اس کو میرے پاس لاؤ۔"

"ڈاکٹر نے اسکو آپ کے پاس لٹانے سے منع کیا تھا۔" میں نے ان کو بتایا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں ڈاکٹر نے میرے اور ضیا کے سوا باقی سب لوگوں کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا پھر مجھ سے پوچھا۔

"ان کی یہ حالت کب سے تھی مسز شاداب؟"

"جی کل صبح آفس گئے تھے تو ٹھیک تھے واپس آئے تو طبیعت خراب تھی۔" میں جتنا جانتی تھی اتنا بتادیا۔

"کوئی خاص بات اگر آپ دونوں کے درمیان یا ویسے کوئی اور ہوئی ہو تو مجھے بتادیں میں ان کا ڈاکٹر ہوں۔"

"جی مجھے تو معلوم نہیں میرے سامنے تو جب آفس گئے تھے تو ٹھیک ٹھاک تھے" میں نے ڈاکٹر کی تسلی دی۔

"اچھا۔" میری بات سن کر ڈاکٹر نے ضیاء کو دیکھا اور کہا۔

"ان کو اٹیک کا خطرہ ہے اور مجھے لگتا ہے ان کو کوئی شاک لگا ہے کوئی صدمہ پہنچا ہے۔"

"جی صدمہ، کیسا صدمہ؟" میں نے آنکھیں پھاڑ کر ڈاکٹر کو دیکھا تو شاداب نے شاید ساری باتیں سن لی تھیں آنکھیں کھولتے ہوئے بولے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوگا ڈاکٹر پلیز آپ ان کو پریشان نہ کریں۔ اب میں ٹھیک ہوں اور صبح تک مزید بہتر ہوجاؤں گا۔" کہہ کر انہوں نے ہم سب کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا اور آنکھیں بند کرلیں اور ہم سب باہر نکل آئے۔

انہوں نے ٹھیک کہا تھا۔ اگلی صبح ان کی طبیعت کافی بہتر تھی اور شام تک مزید بہتر ہوگئی تو میں فواد کو ان کے پاس لے آئی انہوں نے مسکرا کر فواد کو دیکھا مگر گود میں نہیں لیا شاید اپنی بیماری کی وجہ سے۔

دو دن بعد وہ بالکل ہشاش بشاش تھے اور ہنس ہنس کر سب سے باتیں کررہے تھے۔ اب فواد ان کی گود میں تھا ہم سب ان میں بیٹھے تھے وہ باتیں کرتے کرتے کبھی فواد کے ہاتھ چومتے کبھی منہ اور کبھی پاؤں ان کا یہ رویہ دیکھ کر پھپھو اور امی مسکرانے لگیں تو شاداب نے کہا۔

"امی پتہ نہیں کیا بات ہے فواد پر مجھے بہت پیار آتا ہے جی چاہتا ہے جاب، واب چھوڑ کر اسی کے پاس بیٹھا رہوں۔"

"اب پتہ چلا اولاد کی محبت کیا ہوتی ہے۔" پھپھو نے کہا تو وہ فواد کو میری گود میں ڈالتے ہوئے خود پھپھو کی گود میں سر رکھ کر بیٹھ گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولے۔

"امی آپ کو میں نے بہت دکھ دیے ہیں۔ بہت پریشان کیا ہے لیکن خوشیاں میں نے بھی کب پائی ہیں۔" وہ خلا میں دیکھتے ہوئے نجانے کیا سوچنے لگے پھر نم آنکھوں سے کہا۔" پلیز امی اب آپ سچے دل سے مجھے معاف کردیں اب میں کبھی آپ کو دکھ نہیں دوں گا۔ اب میں ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھوں گا آپ کی ہر خواہش کا احترام کروں گا۔" ان کی آواز میں بھی نمی شامل ہوگئی تو پھپھو

کے ساتھ ساتھ میں بھی تڑپ اٹھی۔

''ارے ارے اولاد تو پریشان کرتی ہی ہے لیکن اب میں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں۔'' پھپھو نے جھک کر شاداب کا سر اور منہ چوم لیا ادھر اُدھر کی ڈھیروں باتیں ہونے لگیں تو اچانک آپ کا ذکر نکل آیا۔ پھپھو نے کہا۔

''شاداب! اگر تم ٹھیک ہو تو ہمیں عائشہ باجی کے گھر چھوڑ آؤ۔'' تب میں نے دیکھا باتیں کرتے کرتے وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے اور آہستہ سے کہا۔

''امی میں نہیں جا سکتا۔ ظہیر کو راستہ سمجھا دیتا ہوں آپ ان کے ساتھ چلی جائیں۔'' پھر انہوں نے ظہیر بھائی کو ایڈریس سمجھا دیا اور خود اٹھتے ہوئے بولے۔'' مینا میں اب آرام کروں گا کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔'' اور بیڈروم میں چلے گئے جبکہ امی پھپھو سجاد اور ظہیر بھائی گاڑی لے کر آپ کی طرف نکل گئے۔

کچھ دیر بعد کھیلتے کھیلتے فواد بھی سو گیا میں اس کو لٹانے بیڈروم میں آئی۔ دروازہ آہستہ سے کھول کر کمرے میں داخل ہوئی تو وہ سو رہے تھے میں فواد کو کھاٹ میں لٹا کر مڑی ہی تھی کہ وہ بولے۔

''عائشہ میری جان کہاں......کہاں ہو تم؟''

میں جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی پلٹ کر ان کی طرف دیکھا ان کی آنکھیں بند تھیں۔

اس بیماری کے دوران آپ کا نام دو تین بار میں نے ان کے منہ سے سنا تھا اسی طرح مگر تب میں نے سوچا تھا چونکہ آپ نے ان کو مجھ سے شادی کے لئے مجبور کیا ہے اسی لئے وہ غصے میں آپ کا نام لیتے ہیں۔ تاہم آج انہوں نے ساتھ جان بھی لگایا تھا میں الجھی الجھی باہر آئی تو وہ سب لوگ بھی چلے آئے ان کو دیکھ کر میں نے پوچھا۔

''آپ سب اتنی جلدی چلے آئے؟''

''عائشہ نہیں ملی۔'' امی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں کیا وہ گھر پر نہیں تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں بھئی ان کی کولیگ نازیہ تھی وہ بتا رہی تھی کہ عائشہ آٹھ مہینے پہلے

کینیڈا چلی گئی تھی۔ دیکھو کتنی بے وفا ہے نہ جانے کی اطلاع کی نہ وہاں جا کر خط لکھا۔'' امی کہہ رہی تھیں۔

''کوئی مجبوری ہو گئی ہو گی بھابی ورنہ باجی ایسی نہیں۔'' پھپھو نے فوراً صفائی پیش کی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' امی نے کہا اور بات ختم ہو گئی۔

اگلی صبح امی سجاد اور ظہیر بھائی واپس چلے گئے جبکہ پھپھو کو اب ہمارے ساتھ ہی رہنا تھا شاداب نے مزید ایک مہینے کی چھٹی لی اور ہمیں لے کر زیارت آگئے جہاں کا موسم پورا سال ہی خوشگوار رہتا ہے۔ اوراس خوشگوار موسم اور خوبصورت جگہ پر ایک مہینہ ہنستے مسکراتے گزرا۔

گو کہ شاداب کی طبیعت ٹھیک ہی تھی لیکن رات کو وہ نیند کی گولیاں کھا کر سوتے تھے۔ ایک ماہ بعد ہم واپس کوئٹہ آئے اور اگلے ہی روز انہوں نے ڈیوٹی جوائن کر لی سہ پہر وہ آفس سے واپس آئے تو میں نے کھانا میز پر لگا دیا۔ ہم سب نے مل کر کھانا کھایا اور کھانے کے بعد وہ آرام کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے......پانچ بجے وہ اٹھے اور تیار ہو کر گیمز کے لئے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اختر سے کہا وہ کپڑے دھوبی کو دے آئے وہ کپڑے گن کر باندھنے لگا تو میں نے کہا۔

''رکو صبح جمعہ ہے صاحب کا یونیفارم بھی لے جاؤ میں کمرے میں آئی وردی نکال کر جیبیں چیک کیں تو ان کا بٹوا جیب میں ہی تھا بٹوہ نکال کر وردی اختر کو دی پھر یونہی بٹوہ کھول کر دیکھا مگر زیادہ دیکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑی بٹوہ کھلتے ہی خانے میں لگی ہوئی آپ کی تصویر نظر آئی۔ مارے حیرت کے میں بہت دیر تک تصویر دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔

شاداب نے یہ تصویر اپنے بٹوے میں کیوں رکھی ہے؟ اور آہستہ آہستہ میں سب کچھ سمجھ گئی۔ ساری حقیقت مجھ پر آشکار ہو گئی ہر الجھن میرے ذہن سے نکل گئی۔ میں سمجھ گئی شاداب آپ کو پسند کرتا تھا آپ سے محبت کرتا تھا گو کہ یہ میرے لئے بہت حیرت کی بات تھی کیونکہ سب جانتے تھے کہ آپ شاداب سے پندرہ برس

بڑی ہیں اس کے باوجود شاداب کی یہ محبت کچھ حیران کرنے والی ہی تو تھی۔

اب مجھے یاد آیا امی نے بتایا تھا کہ آپ کینیڈا جاچکی ہیں تو وہ آپ ہی تھیں جن کا پیار فواد کے لئے اتنی دور سے آیا تھا۔ وہ آپ ہی تھیں جن کو سوتے جاگتے میں وہ جان کہہ کر پکارتے تھے وہ آپ ہی تھیں جن کا خط ملنے کے بعدوہ بیمار ہوئے تھے کیونکہ آپ کا وہ خط بھی اس بٹوے میں موجود تھا جس کے بعد میں، نے پڑھ لیا مجھے آپ سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ بلکہ ہم سب تو آپ کو بہت شریف سمجھتے تھے جبکہ آپ نے اپنے سے پندرہ برس چھوٹے لڑکے کو اپنے پیار کے جال میں پھانس لیا۔ گوکہ میری امی بھی میرے ابا سے پندرہ برس بڑی تھیں مگر ان کی شادی ماں باپ کی پسند پر ہوئی تھی جبکہ آپ......

میں نے اختر سے وردی لے کر بٹوہ اس میں ڈال کر پھر واپس الماری میں ٹانگ دیا اور خود باہر چلی آئی۔ مارے غصے کے میرا برا حال ہورہا تھا۔ لیکن یہ غصہ مجھے آپ پر تھا شاداب پر نہیں کیونکہ وہ آپ ہی تھیں جن کی وجہ سے انہوں نے ابھی تک میرے حقوق نہ دیئے تھے۔ میس کے اس ایک کمرے میں وہ زمین پر سوتے تھے اور اس گھر میں آتے ہی وہ بیمار ہوگئے صحت مند ہونے پر وہ ہمیں زیارت لے گئے مگر وہاں بھی انہوں نے الگ الگ بیڈ روم رکھا تھا۔ اب میں سمجھ گئی وہ کیوں مجھ سے دور دور رہتے تھے۔

میں نے سوچا کیا آپ کے یہ کرتوت پھپھو کو بتاؤں جو آپ کو پتہ نہیں اپنے دل میں کیا کیا سمجھتی تھیں کیونکہ بقول ان کے آپ کی وجہ سے شاداب راہ راست پر آگیا تھا۔ میں ان کو بتانا چاہتی تھی شاداب جو آپ کی ہر بات مانتا ہے اس کی وجہ کیا ہے مگر میں ان کو کچھ نہ بتاسکی۔ صرف اس خیال سے کہ کہیں شاداب مجھ سے ناراض نہ ہوجائے۔ تاہم میں نے سوچ لیا تھا یہ دوری جو آپ کی وجہ سے میرے اور ان کے درمیان حائل ہے میں خود اس کو دور کروں گی۔ میں ان کی بیوی تھی جبکہ آپ اگر کبھی کچھ تھیں بھی تو اب بہت دور جاچکی تھیں۔ رات ان کے آنے سے پہلے میں نے ایک بھاری کامدار سوٹ نکال کر پہنا خوب اچھی طرح میک اپ کیا اور مسکراتے گنگناتے ہوئے شاداب کا انتظار کرنے لگی۔ پھپھو نے مجھے تیار

ہوتے اور مسکراتے ہوئے دیکھا تو کہا۔

''بینا ہم عائشہ باجی کو جتنی بھی دعائیں دیں کم ہی ہیں۔ ان کیوجہ سے شاداب شادی پر رضا مند ہوا اگر وہ نہ ہوتیں تو تمہارا کیا ہوتا۔ یہ سوچ کر میں آج بھی کانپ جاتی ہوں بہت نیک عورت تھی یہ عائشہ باجی کی تقدیر نے نہ جانے ان کے ساتھ اتنے ظلم کیوں کیے؟''

''اونہہ نیک'' میں نے دل میں سوچا منہ سے کچھ نہ بولی پھپھو کچھ دیر باتیں کرتی رہیں پھر جیپ رکنے کی آواز آئی تو میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''پھپھو میرا موڈ کھانے کا نہیں مجھے نہ بلایئے گا۔'' اور ان کے اندر آنے سے پہلے ہی بیڈروم میں آگئی۔

انہوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا کہ بینا کیوں نہیں کھانا کھایا؟ ان کو مجھ سے محبت ہوتی تو وہ پوچھتے یہ شادی تو انہوں نے آپ کے مجبور کرنے پر ہی کی تھی۔ یہی وجہ ہے پہلے روز سے لے کر وہ اب تک مجھے نظرانداز کرتے رہے۔ کھانے کے بعد وہ بہت دیر تک وہاں پھپھو کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر فواد کو کھاٹ سے اٹھانے لگے تو پھپھو نے کہا۔

''یہ آج سے میرے ساتھ سوئے گا۔''

''کیوں امی؟'' انہوں نے حیران ہوکر پوچھا۔

''کیوں میرا اس پر کوئی حق نہیں؟'' پھپھو نے بگڑ کر کہا۔

''یہ بات نہیں امی اس کے دودھ کا مسئلہ ہے۔ یہ ڈبے کا دودھ پیتا نہیں حالانکہ میں چاہتا ہوں اس کو ڈبے کے دودھ کی بھی عادت ہوجائے مگر یہ پسند کرے تو بات بنے۔''

''بیٹا بچے کے لئے ماں کے دودھ سے بڑھ کر کوئی دودھ اچھا نہیں۔ مجھے خود بھی ڈبے کا دودھ پسند نہیں تم فواد کی فکر نہ کرو جب اس کو بھوک لگے گی میں بینا کو بلوالیا کروں گی۔''

''امی! بینا کو بھی آپ اپنے کمرے میں سلالیجے گا آدھی رات کو کہاں پریشان ہوں گی۔''

شاداب کو مجھ سے نجات کا گویا راستہ مل گیا پھپھو سمجھیں وہ سب ان کی محبت میں کہہ رہے ہیں۔ محبت سے ان کا منہ چوم کر بولیں۔

''کوئی پریشانی نہیں ہوگی مجھے تمہارے لئے بھی تو جاگا کرتی تھی آدھی رات کو اور یہ تو مجھے تم سے زیادہ پیارا ہے۔''

''یہ واقعی بہت خوش قسمت ہے وہ لوگ جو مجھ سے پیار نہ کرسکے وہ بھی اس کو پیار کرتے ہیں اور مجھ سے زیادہ، کیوں بیٹا؟'' انہوں نے جھک کر فواد کا رخسار چوما اور پھپھو فواد کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ شاداب کچھ دیر وہیں کھڑے سوچتے رہے پھر اپنے کمرے میں آئے میں صوفے پر بیٹھی ان کے لائے ہوئے میگزین کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا سیدھے سلیپنگ سوٹ لے کر ڈریسنگ روم میں چلے گئے تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آئے نائٹ گاؤن نکال کر پہنا پھر اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

میں مارے غصے کے کھولنے لگی کیونکہ اب میں ان کے بے رخی کی وجہ جان چکی تھی زیارت سے واپس آنے کے بعد کل رات بھی انہوں نے یہی ڈرامہ کیا تھا۔ میں فواد کو ساتھ لے کر بیڈ پر سونے کی بجائے وہ صوفے پر لیٹ گئے تھے میس کے کمرے میں تو چلو سنگل بیڈ تھا۔ یہ ڈبل بیڈ تو نیا بنوایا تھا انہوں نے جب وہ بیمار تھے تب دو تین دن اس بیڈ پر میں سوگئی تھی لیکن بعد میں انہوں نے خود ہی صوفے پر لیٹنا شروع کردیا تھا۔ پتہ نہیں کیا سمجھتے تھے خود کو شاید آج کا مجنوں۔ مارے نفرت اور غصے کے میں بہت دیر تک کمرے میں ٹہلتی رہی پھر جب گھڑی نے بارہ بجنے کا اعلان کیا تو میں بیڈ پر لیٹ گئی مگر سوئی نہیں کیونکہ آج میں ان سے صاف صاف بات کرنا چاہتی تھی۔ بارہ بجنے کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ کمرے میں آئے اور سیدھے صوفے کی طرف بڑھے تو میں نے لیمپ آن کردیا۔ انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر صوفے پر بیٹھ گئے میں اٹھی اور کمرے کی لائیٹ آن کر کے ان کے قریب چلی آئی انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر پوچھا۔

''کیا بات ہے سوئی کیوں نہیں؟''

''نیند نہیں آئی تو سو کیسے جاتی۔'' میں ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی

انہوں نے گھوم کر مجھے دیکھا پھر دور ہوتے ہوئے بولے۔

''کوشش کرو تو نیند آجائے گی۔''

''بہت کوششیں کرچکی ہوں مگر نہیں آئی۔'' میں نے مسکرا کر ان کو دیکھا تو وہ کچھ پریشان ہوئے پھر اٹھے اور سائیڈ میز کی دراز سے سلیپنگ پلز کی شیشی نکالی۔ مگر میں نے شیشی ان کے ہاتھ سے چھین لی۔ یہ آخری حربہ تھا ان کا مجھ سے بچنے کا اور میں آج ان کو گھیرنے کا سوچ چکی تھی۔

''مینا'' انہوں نے غصے سے صرف اتنا کہا۔

''مجھے نیند نہیں آرہی اور آپ سونا چاہتے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم بھی ایک ٹیبلٹ کھاؤ تو نیند آجائے گی۔'' انہوں نے فوراً مشورہ دیا۔

''لیکن میں سونا نہیں چاہتی۔'' اب کے میں نے مسکرا کر نشیلی آنکھوں سے اُن کو دیکھا۔

''کیا چاہتی ہو؟'' انہوں نے گھورنے والے انداز میں پوچھا۔

''کیا آپ نہیں سمجھتے؟'' میں نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالنا چاہیں مگر انہوں نے میرے بازو جھٹک دیئے اور سخت لہجے میں کہا۔

''مینا میری طبیعت ٹھیک نہیں مجھے سونے دو پریشان مت کرو۔''

''یہ طبیعت آخر کب تک خراب رہے گی؟'' میں نے طنزیہ لہجہ میں پوچھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' انہوں نے غصے سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ مجھ سے دور رہنے کا اچھا بہانہ ڈھونڈا ہے آپ نے۔'' میں نے تیزی سے کہا وہ کچھ دیر میری طرف دیکھتے رہے پھر صوفے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

''تم جو بھی سمجھو مجھے پروا نہیں۔''

''مگر مجھے ہے میں آپ کی بیوی ہوں۔'' میں نے تنگ آکر کہا پھپھو کی گھر میں موجودگی مجھے حوصلہ دیئے ہوئے تھی۔

''پھر؟'' انہوں نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔

''پھر یہ کہ مجھے میرے حقوق چاہئیں۔''

"کیسے حقوق؟" انہوں نے غصے سے پوچھا میں چپ رہی تو انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔ "کیا نہیں دیا میں نے تمہیں؟ کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس جو یہ بکواس کر رہی ہو؟"

"آپ کی کمی ہے، میرا شوہر اب تک نہیں ملا مجھے، میرے ازدواجی حقوق چاہئیے ہیں، مجھے میرا شوہر چاہیے جس کا پیار میں ابھی تک نہیں پا سکی۔" میں نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"اور شاید کبھی ملے گا بھی نہیں۔" انہوں نے گو آہستہ کہا تھا مگر میں نے سن لیا لیکن ابھی جواب بھی نہ دیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور پھپھو کی آواز آئی، شاداب نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور فواد کو ان کی گود سے لیتے ہوئے بولے۔

"امی جان! میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا آپ ڈسٹرب ہونگی اس کی وجہ سے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں مینا سے کہنا دودھ پلا کر مجھے دے آئے۔"

"امی! آپ آرام کریں فواد یہیں سو جائے گا۔" انہوں نے کہا تو پھپھو چلی گئیں تو انہوں نے فواد کو بیڈ پر لٹاتے ہوئے مجھے دیکھا اور خود تکیہ اُٹھا کر صوفے پر لیٹ گئے۔

اگلی رات وہ آرٹلری میس میں ہونے والے ایک فنکشن میں شرکت کے بعد رات دیر سے آئے ان کے آنے سے پہلے ہی میں صوفے پر لیٹ چکی تھی انہوں نے اس بات کا کوئی نوٹس نہ لیا جب وہ لباس بدل کر بیڈ پر لیٹے تو میں چپکے سے اٹھی اور بیڈ پر ان کے قریب لیٹ کر جیسے ہی بازو اُن کے اوپر رکھنے چاہے۔ وہ میرے بازو جھٹکتے ہوئے نہ صرف بیٹھے بلکہ کھڑے ہو گئے پھر مجھے گھورتے ہوئے انہوں نے سخت غصے سے کہا۔

"اگر بیڈ پر ہی سونا تھا تو پھر صوفے پر لیٹنے کا ڈرامہ کیوں کیا؟"

"میری موجودگی میں آپ بیڈ پر جو نہیں لیٹتے۔" میں نے مسکرا کر اُن کو دیکھا پھر خود بھی اٹھ بیٹھی مگر وہ میرے اُٹھنے کا نوٹس لئے بغیر تکیہ اٹھانے لگے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا......شاداب نے جلدی سے ہاتھ چھڑایا تو میں نے بھیگی

ہوئی آواز میں پوچھا۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں لیکن کیوں میری خطا، میرا جرم تو بتایئے؟"

"فضول باتیں نہ کرو تکیہ مجھے دو۔" وہ خلاف توقع نرم لہجے میں بولے۔

"پھر مجھ سے دور دور کیوں رہتے ہیں، میں آپ کی دوری برداشت نہیں کر سکتی، مجھے آپ کا پیار چاہیے پلیز مجھے معاف کر دیں اور اگر قاضی کے سامنے قبول کیا ہے تو دل سے بھی قبول کر لیں کیوں مجھ سے دور رہتے ہیں کیا کوئی اور؟"

"پلیز مینا چپ ہو جاؤ" انہوں نے ناگواری سے کہا اور بہت دیر کچھ سوچتے رہے پھر طویل سانس لیتے ہوئے بولے۔

"سنو مینا، میں نے قسم کھائی تھی کسی کی کہ میں اُس کے سوا کبھی کسی اور سے شادی نہیں کرونگا اُس کے علاوہ کوئی عورت قانونی اور شرعی طور پر میری بیوی بن کر میرے پاس نہیں آئے گی۔" وہ چپ ہو کر کچھ سوچنے لگے تھوڑی دیر بعد بولے۔

"تم سے شادی مجبوری تھی اگر میں تم سے شادی نہ کرتا تو......تو خیر میں نے اپنی قسم توڑ دی کیوں کہ آدھی قسم کا تعلق اس کی زندگی سے تھا لیکن باقی آدھی قسم کا تعلق میری ذات سے ہے جسے میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک نبھاؤں گا۔ صاف صاف سن لو میں تمہیں تمہارے ازدواجی حقوق کبھی ادا نہ کر سکوں گا نہ آج نہ آنے والے کل میں آئندہ مجھے ڈسٹرب مت کرنا تمہارا مسئلہ فواد تھا وہ حل ہو چکا ہے۔ تم پوری عزت و آبرو کے ساتھ یہاں رہ رہی ہو۔ یہی میں تمہیں دے سکتا تھا اور کچھ نہیں، میری تمنا کبھی نہ کرنا، میں تمہیں کبھی نہیں مل سکتا کہ میں صرف اُس کا ہوں جو مجھے نہ مل سکی۔"

وہ چپ ہوئے تو میں ایک لفظ بھی نہ بول سکی یہ بھی نہیں کہہ سکی کیا وہ کوئی عائشہ ہے جس کی وجہ سے آپ مجھے میرے حقوق نہیں دیں گے؟

"اور سنو" وہ تکیہ پکڑتے ہوئے بولے۔" ان باتوں کی خبر امی کو نہیں ہونی چاہیے کسی بھی حال میں، اگر تم نے ان کو پریشان کرنے کی کوشش کی تو پھر بحال نہیں رہ سکو گی، پھر وہ جا کر صوفے پر لیٹ گئے اور جلد ہی سو بھی گئے مگر میں

ساری رات جاگتی رہی۔

اُس کے بعد نہ انہوں نے کبھی مجھے کچھ کہا اور نہ ہی میں نے خودفری ہونے کی کوشش کی۔ وقت یونہی گزرنے لگا وہ آرام سے بیڈ پر سوجاتے کیونکہ ان کے آنے سے پہلے ہی میں صوفے پر لیٹ چکی ہوتی تھی۔ بظاہر ہم سب بہت خوش تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ خوش صرف پھپھو تھیں جن کو بہت طویل عرصے بعد خدا نے حقیقی خوشیوں سے نوازا تھا۔ ان کو بہت شوق تھا بیٹے کے پاس رہنے کا، بہوکا، پوتے کو گود میں کھلانے کا اور یہ سب کچھ ان کو حاصل تھا۔ شاداب آفس سے آنے کے بعد ان کے ہاتھ کا بنا کھانا کھاتے، پھران کو بلکہ ہم سب کو گھمانے لیجاتے سارا راستہ وہ، ہنس ہنس کر اور کبھی مسکرا مسکرا کر پھپھو سے باتیں کرتے اور کبھی مجھے بھی مخاطب کرنے کی زحمت کر لیتے اور فواد تو ان کی جان تھا۔

وقت یونہی گزر رہا تھا۔

فواد پانچ ماہ کا ہورہا تھا پھپھو کو ہمارے ہاں آئے ہوئے چوتھا ماہ ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ ایک دوپہر اچانک چارسدہ سے فون آیا میری امی کی طبیعت بہت سخت خراب تھی۔ فون ابو نے کیا تھا اور ہمیں فوراً چارسدہ آنے کو کہا تھا۔

مگر شاداب نے صرف پھپھو کو جہاز میں بھیج دیا یہ کہتے ہوئے کہ مجھے فی الحال چھٹی نہیں مل سکی۔ پھپھو نے بہت کہا مینا کو ہی بھیج دو مگر انہوں نے کہا ......''وہ فواد کے بغیر نہیں رہ سکتے اور یہ کہ جلد ہی وہ مامی کو دیکھنے آئیں گے۔''

پھپھو ہم تینوں کو بے تحاشہ پیار کرتے ہوئے رخصت ہوگئیں۔

اگلے روز پھپھو کا فون آیا انہوں نے روتے ہوئے بتایا۔ میری امی پر فالج کا شدید حملہ ہوا ہے اُن کی حالت سخت خراب ہے ہم فوراً آئیں۔ میں نے فوراً آفس فون کر کے اطلاع کی، ساری بات سن کر بولے۔

''گھر آنے کا انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔'' اور فون بند کر دیا مارے غصے کے میرا برا حال ہوگیا۔ میری ماں کی بیماری ان کے لئے اہمیت نہیں رکھتی تھی اور خود اپنی ماں کو پریشان بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اس لئے مجھے اُن سے کوئی بات کرنے سے منع کر دیا تھا۔

وہ آفس سے واپس آئے میں نے کھانا لگایا اور وہ فواد کو پیار کر کے ینفارم بدل کر آئے اور خاموشی سے کھانے لگے۔ مجھ سے ایک بار بھی کھانے کا نہ کہا اور نہ ہی امی کا پوچھا کھانے سے فارغ ہو کر وہ اٹھے تو میں نے کہا۔

''امی کی طبیعت ٹھیک نہیں، اُن کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔'' اور رونے لگی انہوں نے رک کر مجھے دیکھا پھر کہا۔

''دیکھو حالات کچھ اچھے نہیں۔ چھٹی ملتے ہی میں تمہیں خود لے کر جاؤں گا۔''

''تب تک امی چاہے فوت ہوجائیں آپ نہیں جانا چاہتے تو نہ سہی مگر مجھے بھیج دیجئے۔'' میں نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

''تمہیں؟'' انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ''مگر فواد۔''

''فواد ظاہر ہے میرے ساتھ ہی جائے گا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''نہیں، میں اُس کے بغیر ایک لمحہ بھی۔'' انہوں نے نفی میں سرہلاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''مگر مجھے جانا ہے۔'' میں نے منت کرنے والے انداز میں کہا۔

''نہیں، تم ابھی نہیں جاسکتیں۔'' انہوں نے کہا پھر اختر کو آواز دی۔ وہ فواد کو لے کر آیا تو شاداب اُس کو اپنے ساتھ لے کر سیر کے لیے نکل گئے آج انہوں نے مجھے ساتھ لے جانا ضروری نہیں سمجھا تھا اور پہلے بھی شاید پھپھو کی وجہ سے ساتھ لے کر جاتے تھے۔

اُن کے جانے کے بعد سجاد بھائی کا فون آیا کہ ''ہم کب آرہے ہیں؟'' ں نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

''وہ کسی ضروری کام سے شہر سے باہر گئے ہیں جیسے ہی واپس آئے خود ان کروں گی۔'' اور سجاد بھائی نے امی کی خراب حالت کے پیش نظر جلد آنے کا کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور میں بے چینی سے صحن میں ٹہلنے لگی چھ بجے کے قریب رف اختر فواد کو ساتھ لئے واپس آیا۔

''صاحب کہاں ہیں؟'' میں نے اس کو دیکھتے ہی تیز لہجے میں کہا۔

"جی وہ گیم کے لئے چلے گئے تھے۔" اختر نے کہا اور فواد کو لے کر لان میں بیٹھ گیا اور میں مارے غصے کے دانت پیسنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ رات گئے آئے تو میں غصے سے بھری بیٹھی تھی انہوں نے ہمیشہ کی طرح مجھے نظر انداز کرتے ہوئے وارڈروب کھول کر نائٹ سوٹ نکالا تو میں نے ضبط کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"امی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔"

"سن چکا ہوں صبح، اب کیا کوئی نئی بات ہوگئی؟" انہوں نے ہلکی سی ناگواری سے کہا اور ڈرائینگ روم میں چلے گئے۔

مارے غصے کے میں تپ اٹھی میرا دل ماں کو ایک نظر دیکھنے کے لئے تڑپ رہا تھا یہی وجہ تھی جب وہ نائٹ سوٹ پہن کر بیڈ روم میں واپس آئے تو میں نے دوٹوک فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں فوراً امی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ سجاد بھائی کا فون آیا تھا۔ کہ ان کی طبیعت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے بچنے کی کوئی امید نہیں آپ پلیز کچھ کریں۔"

"کیا کروں تم خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو، فضول ضد کرنے سے فائدہ یہ وقت جانے کا نہیں صبح دیکھی جائے گی۔" انہوں نے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے آہستہ سے کہا اور میں غصے میں سب کچھ بھول گئی ساری مروت، سارا احترام، سارا ڈر اور خوف اور شادی کے بعد آج پہلی بار میں نے چیخ کر بدتمیزی سے کہا۔

"یہ وقت جانے کا نہیں کیوں کہ بات میری امی کی جان کی ہے ورنہ جب عائشہ کی جان کا سوال تھا تب تو آپ کو سوائے ان کے کسی بات کا ہوش نہیں تھا آپ نے کوئی شگون بھی پورا نہ کرنے دیا، آپ نے طوفانی موسم کی بھی پرواہ نہ کی اپنی نئی نویلی دلہن کی پرواہ نہ کی کیونکہ تب تو عائشہ کی جان کا سوال تھا۔ اس کی جان جاتے آپ نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ وہ تو آپ کی محبوبہ تھی اور اب بات میری امی کی ہے اس لئے آپ کو وقت مناسب نہیں لگا جانے کا حالانکہ جب پھپھو جا رہی تھیں تب تو وقت مناسب تھا آج دوپہر جب آپ آئے تب بھی وقت تھا۔" میں

ایک ہی سانس میں رکے بغیر بات مکمل کی اور ہانپنے لگی۔

شاداب جو بیڈ پر لیٹ چکے تھے میری بات سن کر اٹھ بیٹھے۔ کتنی دیر حیرت مجھے دیکھتے رہے۔ سوچ رہے ہوں گے جس راز کو وہ صرف اپنی ذات تک د سمجھتے تھے وہ مجھ تک کیسے پہنچ گیا؟ کچھ وقت اسی کیفیت میں کٹا پھر یکدم ان خوبصورت چہرے پر نفرت پھیل گئی۔ وہ بیڈ سے اترے چپل پہن کر نائٹ گاؤن ھوں پر ڈالا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ مجھ سے ایک لفظ بھی انہوں نے ا تھا اور نہ ہی یہ پوچھا تھا کہ مجھے ان باتوں کا کب اور کیسے پتہ چلا۔

اور نہ ہی پھر میں اُن کو کچھ کہہ سکی، مارے خوف کے، یہ اتنی بات بھی جو غصے میں کہہ چکی تھی اب ان کا غصہ دیکھ کر دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی اور اس میں امی کو بھی بھول گئی تھی۔ بہت دیر گزر گئی نہ وہ اندر آئے نہ میں باہر گئی جب کلاک نے بارہ بجنے کا اعلان کیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھی، دریچے کا پردہ کر دیکھا وہ بے چین سے لان میں ٹہل رہے تھے، گاؤن اب بھی ان کے ھے پر تھا۔

پورے چاند کی رات تھی گو کہ اپریل شروع ہو چکا تھا مگر کوئٹہ کی ہواؤں ابھی خنکی باقی تھی ان کو یوں پریشان دیکھ کر مجھے اپنی زبان درازی پر افسوس میرا دل ان کی اس حالت پر تڑپنے لگا کہ آخر مجھے ان سے محبت تھی وہ مجھ سے نہ کرتے تھے تو کیا ہوا، مجھے تو اُن سے محبت تھی یہی وجہ تھی کہ میں نے کچھ زید ضبط کرنے کی کوشش کی پھر خود بھی شال اوڑھ کر باہر آگئی۔ میری موجودگی سوس کر کے بھی وہ ٹہلتے رہے میں کچھ دیر کھڑی رہی اور ان کو دیکھتی رہی۔

"پلیز نا دیکھیے نا کتنی سردی ہے۔" میں نے اُن کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر وہ میرا جھٹک کر دوسری طرف مڑ گئے۔ میں پھر ان کے پاس آئی لیکن میرے کچھ کہنے پہلے ہی فواد کے رونے کی آواز آئی۔ وہ چونکے اور پھر مجھ سے بھی پہلے کمرے چلے آئے۔ جب میں اندر داخل ہوئی تب وہ فواد کو اٹھائے بے تحاشہ پیار ہے تھے جبکہ وہ رونے میں مصروف تھا۔

"لائیے، مجھے دیجئے فواد کو بھوک لگی ہے۔" میں نے ہاتھ پھیلایا اور

انہوں نے بغیر کچھ کہے فواد کو میرے ہاتھوں میں دے دیا جب وہ فواد کو مجھے دے رہے تھے میں نے دیکھا اُن کی آنکھوں میں ہلکی نمی تھی۔ فواد کو میرے حوالے کر کے وہ اسٹڈی میں چلے گئے۔

فواد دودھ پی کر پھر سوگیا تھا مگر وہ کمرے میں نہ آئے تھے اور میں صوفے پر لیٹی ایک بار پھر امی کے بارے میں سوچ رہی تھی اور کبھی کبھی ان کے بارے می بھی سوچنے لگتی، پھرنجانے کب آنکھ لگ گئی کھلی تو فون کی بیل سن کر میں جلدی سے اُٹھی مگر مجھ سے پہلے ہی باتھ روم سے باہر نکلتے ہوئے شاداب نے ریسیور اٹھالیا۔ وہ ایک ہاتھ سے ٹاول کے ساتھ بال خشک کررہے تھے اور دوسرے ہاتھ سے ریسیور کان سے لگائے بات سن رہے تھے خود وہ کم ہی بولے اس لئے مجھے پتہ نہیں چل سکا دوسری طرف کون تھا لیکن فون یہ چارسدہ سے ہی آیا تھاانہوں نے فون بند کیا اور ایک نظر مجھ پر ڈالی اور کہا۔

''پیکنگ کرو ہم کچھ دیر بعد چارسدہ کے لئے روانہ ہوجائیں گے۔''

''پھپھو کا فون تھا؟''میں نے مارے خوشی کے اٹھتے ہوئے پوچھا اور اپنی بدتمیزی اور زبان درازی پر افسوس بھی ہوا، انہوں نے جواب دینا گوارہ نہ کیا اور باہر نکل کر اختر کو پکارنے لگے۔

پشاور ائیر پورٹ سے ہم سیدھے ہاسپٹل آئے تھے کہ میری امی پشاور کے ہی ایک ہاسپٹل میں ایڈمیٹ تھیں یہ بات سجاد بتاچکا تھا۔ امی کے لئے ان لوگوں نے پرائیوٹ روم لیا تھا۔ہم لوگوں کو ہاسپٹل کے گیٹ پر ہی سجاد بھائی مل گئے ان کے ساتھ جب ہم امی کے روم میں آئے تو اپنی ماں کی حالت دیکھ کر میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ نیم بے ہوش بیڈ پر پڑی تھیں قریب ہی دو ڈاکٹر اور پھپھو کھڑی تھیں مجھے دیکھ کر پھپھو آگے بڑھیں شاید گلے لگانے کے لئے مگر میں سیدھی امی کی طرف آئی اور ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کررونے لگی۔

یہ رونا مجھے امی کے علاوہ شاید اپنی قسمت پر بھی آرہاتھا۔ میری ماں کچھ زیادہ خوبصورت نہیں تھی اس کے علاوہ موٹی بھی تھی اور میرے باپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں شاید اسی لئے ساری زندگی ابو کی محبت کو ترستی رہیں اور اب

زی عمر میں ابو کی محبت ملی بھی تو۔

جبکہ میں خوبصورت تھی، اپنے شوہر سے پندرہ برس چھوٹی تھی، اس کے جود ان کی محبت مجھے حاصل نہ تھی، ماں کی طرح شاید میری قسمت میں بھی شوہر محبت نہ تھی حالانکہ ماں تو بدصورت تھی اور میں بہت خوبصورت لیکن اس کے جود شاید میرا مقدر پھر بھی میری ماں پر چلا گیا تھا۔

اچانک امی نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا پھر ان کی آنکھوں سے بھی بہہ نکلا تب شاداب بیڈ کے قریب آئے اور مجھے پرے کرتے ہوئے امی کا بے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر تسلی دیتے ہوئے بولے۔

''روئیں نہیں مامی آپ بہت جلد اچھی ہوجائیں گی۔'' مگر امی روتی رہیں نکہ وہ خود بھی جانتی تھیں وہ اب کبھی اچھی نہیں ہوں گی۔ اُن کے جسم کے دائیں پر فالج کا شدید حملہ ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ نہ صرف چلنے پھرنے سے معذور تھیں بلکہ بولنے سے بھی گئی تھیں۔

رات تک ہم وہاں رہے اگرچہ پھپھو نے کہا تھا ہم تھکے ہوئے آرام کے لئے گھر چلے جائیں، مگر میں نہیں مانی تھی، جس کی وجہ سے شاداب ی رکنا پڑا، مجھے تو فواد کا بھی ہوش نہیں تھا وہ تو شکر ہے شاداب، اختر کو ساتھ ے تھے جس کی وجہ سے فواد کوئی مسئلہ نہ بنا تھا کہ وہ اب میرے دودھ کے علاوہ جوس، دلیہ اور دوسری کئی چیزیں کھالیتا تھا جس کی وجہ سے دن میں وہ میرے کی ضرورت کم ہی محسوس کرتا تھامگر رات کو لازمی پیتا تھا۔تاہم دن میں مجھ زیادہ اختر اس کی دیکھ بھال کرتا تھا یا پھر شاداب آفس سے آنے کے بعد اُس یادہ تر اپنے پاس ہی رکھتے تھے۔

ہمیں پشاور آئے ہوئے ایک ہفتہ ہوا تو شاداب نے مجھ سے کہا۔

''صبح ہم لوگ واپس جائیں گے۔''

''اتنی جلدی؟''میں نے اپنی چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''جلدی کہاں ایک ہفتہ تو ہوچکا ہے۔''انہوں نے اپنے مخصوص مدھم لہجے

ہا

''لیکن ابھی امی کی طبیعت نہیں سنبھلی۔''

''ان کی حالت تو اب یونہی رہنی ہے تم چلنے کی تیاری کرو۔''

''مگر میں مزید نہیں رک سکتا۔'' انہوں نے خشک لہجے میں کہا اور آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئے جبکہ میں اٹھ کر باہر آئی اور ہاسپٹل فون پر پھپھو سے بات کی اور اُن کو سمجھایا کہ وہ کسی بھی طرح مجھے روک لیں۔ شاداب بے شک اکیلے چلے جائیں اور پھپھو کے ہاں کرنے پر میں مطمئن ہو کر لیٹ گئی تھی۔

صبح جب وہ مجھے لے کر ہاسپٹل امی اور پھپھو سے ملنے آئے اور اپنے جانے کی بات کی تو پھپھو نے کہا۔

''تم خود جانا چاہتے ہو تو بے شک جاؤ مگر مینا ابھی یہاں رہے گی۔''

''لیکن امی یہاں رکنے سے حاصل، مامی کی حالت تو اب۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔'' پھپھو نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے جن کی آنکھوں میں شاداب کی بات سن کر نمی اتر آئی تھی۔

''مگر امی فواد، میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' شاداب نے اپنی مجبوری بتائی اگرچہ ان کو مجھ سے محبت نہ تھی مگر یہ بھی تو کم نہیں تھا کہ وہ فواد سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔

''میں بھی تیرے بغیر رہتی تھی، اب تو بھی چند روز اولاد سے دوری کا دکھ برداشت کر کے دیکھ اور پھر فواد پر میرا بھی حق ہے اب وہ میرے پاس رہے گا۔ کیا اس کو چند روز بھی میرے پاس رہنے کا حق نہیں؟'' پھپھو نے ناراضگی سے کہا۔

''امی! مجھ سے زیادہ حق آپ کا ہے، چند روز کیا آپ ہمیشہ فواد کے پاس رہیں گی، مامی گھر جاتی ہیں تو آپ بھی میرے پاس آجائیں پھر۔'' شاداب نے پیار سے پھپھو کے گلے میں بازو ڈال کر کہا۔

''اب شاید یہ ممکن نہ ہو بھاوج کو اس حال میں چھوڑ کر میں کہاں جاسکوں گی۔'' پھپھو کی آنکھوں میں آنسو آگئے تو شاداب کا دل بھی شاید نرم ہو گیا اور وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

''ٹھیک ہے امی جی، جب تک آپ کا دل چاہتا ہے آپ فواد کو اپنے

پاس رکھیں۔ اب جب آپ اجازت دیں گی میں تب ہی فواد کو بلاؤں گا۔'' اور پھر وہ اجازت لے کر اسی وقت چلے گئے۔ تاہم اختر کو وہ یہاں پر ہی چھوڑ گئے حالانکہ پھپھو نے کہا تھا۔

''تو وہاں اپنے کام کیسے کرے گا اختر کو ساتھ لے جاؤ۔'' مگر وہ بولے۔

''امی! فواد کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں، مینا مامی کی وجہ سے پریشان ہوگی ہوسکتا ہے فواد کو ٹھیک طریقے سے نہ دیکھ سکے مگر اختر۔'' تب پھپھو نے کہا تھا۔

''فواد کے لیے میں گاؤں سے کسی لڑکی کو بلالوں گی۔'' مگر وہ نہ مانے اور اختر کو چھوڑ گئے۔

شاداب کی طرف سے ملی ہوئی اس اجازت کا میں نے خوب فائدہ اٹھایا اور امی کے ہاسپٹل سے گھر آنے پر بھی واپس جانے کا نام نہ لیا۔ پھپھو نے دو ایک بار واپس جانے کو کہا بھی مگر میں نے صاف انکار کر دیا...... کبھی کبھی شاداب کا فون آتا تھا لیکن وہ صرف پھپھو سے بات کرتے یا پھر اختر سے تاہم واپس آنے کا انہوں نے ایک بار بھی نہ کہا تھا۔

جب مجھے کوئٹہ سے آئے ہوئے پورے تین ماہ ہوگئے تو پھپھو کے ساتھ امی نے بھی مجھے واپس جانے کو کہا اور تب میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ ٹکٹ منگوا دیں۔'' پھر شاداب کو اپنے آنے کی اطلاع کئے بغیر ہی میں اختر اور فواد کے ساتھ کوئٹہ واپس آ گئی۔ اصل میں میں شاداب کو حیران کرنا چاہتی تھی مگر خود ہی حیران رہ گئی جب ہم واپس آئے تو پانچ بجے تھے اس وقت شاداب گیم کے لیے یونٹ گئے ہوئے تھے۔ چوکیدار نے ہماری دستک پر گیٹ کی کھڑکی کھول کر ہمیں اندر آنے کا راستہ دیا میں فواد کو اٹھائے سیدھی اپنے روم میں آئی جبکہ اختر ٹیکسی میں سے سامان اتار رہا تھا۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے شاک لگا تھا۔

عائشہ، میرا مطلب ہے آپ کا بڑا سا پورٹریٹ بیڈ کے پاس والی دیوار پر تھا میں کتنی دیر حیرت سے آنکھیں پھاڑے تصویر کی طرف دیکھتی رہی پھر مارے

غصے کے فواد کو بیڈ پر پھینک کر تصویر کی طرف بڑھی اور ہاتھ بڑھا کر پورٹریٹ کے پرزے پرزے کر دیتی کہ اچانک ڈریسنگ روم کے باہر آتے ہوئے شاداب نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر میرا ارادہ سمجھ کر میرا ہاتھ پرے جھٹکتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟''

''پوچھ سکتی ہوں آپ کی اس حرکت کے بارے میں'' میں نے تصویر کو نفرت سے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں اپنے کسی بھی کام اور کسی بھی حرکت کے بارے میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں۔'' انہوں نے ناگواری سے کہا ''تو یہی ہے میری خوشیوں اور میرے ارمانوں کی قاتلہ۔'' میں غصے سے چلائی۔

''تصحیح کرلو تمہارے ارمانوں اور خوشیوں کی قاتلہ نہیں بلکہ تمہاری عزت کی محافظ اور تمہیں رسوائیوں سے بچانے والی، یہی عظیم ہستی تھی جس کی وجہ سے میں تم سے شادی پر مجبور ہوگیا حالانکہ میں نے اس کی قسم کھا کر اس سے کہا تھا'' میں شادی کروں گا تو صرف آپ سے۔'' لیکن مجھے تم سے شادی کرنا پڑی کیونکہ اس نے مجھے اپنی جان دینے کی دھمکی دی تھی، اگر میں تم سے شادی نہ کرتا تو وہ اپنی جان سے گزر جاتی جبکہ میں اسے زندہ دیکھنا چاہتا تھا اس لیے اس کی جان کی خاطر اپنی قسم توڑ دی۔'' شاداب بولتے بولتے رک کے پھر کہا۔

''مگر صرف آدھی قسم، میں نے عائشہ سے کہا تھا کوئی عورت شرعی اور قانونی طور پر میری بیوی بن کر میرے پاس نہیں آئے گی۔ سو میں نے تم سے صرف کاغذی شادی کی، اس کی جان بچانے کے لیے میں نے اپنی آدھی قسم توڑ دی مگر باقی کی آدھی قسم میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک نبھاؤں گا۔'' شاداب نے محبت بھری نظروں سے پورٹریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ اپنی قسم نبھائیں مگر میرے بیڈروم میں اس کی تصویر نہیں لگ سکتی۔'' میں نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

''تمہارا بیڈروم؟'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولے۔ ''یہ میرا بیڈروم ہے، تمہارے لیے میں نے ساتھ والا کمرہ سیٹ کروا دیا ہے۔ اتنے دن جو میں نے تمہیں اس کمرے میں برداشت کیا تو صرف اس وجہ سے کہ میں اپنی ماں کو دکھ دینا نہیں چاہتا تھا۔ پہلے ہی وہ میری وجہ سے بہت دکھ اٹھا چکی ہیں۔ محض ان کی وجہ سے میں نے تمہارے وجود کو اس کمرے میں برداشت کیا لیکن اب جب فیصلہ ہوچکا ہے کہ امی چارسدہ ہی میں رہیں گی تو تم آج سے اپنے الگ کمرے میں رہو گی کیونکہ میں مزید تمہارا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔'' انہوں نے ایک بار پھر مجھے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ کر فواد کو اٹھانا چاہا تو وہ میرے ہاتھ پرے کرتے ہوئے بولا۔

''اپنے روم میں تم اکیلی رہو گی۔ فواد یہاں میرے پاس سویا کرے گا کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔''

''اس وقت بیٹے کا خیال نہیں تھا جب اس کو ختم کرنے کی باتیں کرتے تھے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''وقت وقت کی بات ہے وہ وقت اور تھا، تب جو کہتا تھا وہ بھی صحیح تھا اور آج جو کہہ رہا ہوں یہ بھی صحیح ہے۔ عائشہ نے ہمیشہ میری خوشیوں کی خواہش کی، تمہاری زبان پر اس کا نام نہ آتا تو شاید ابھی یہ تصویر میں یہاں نہ لگاتا لیکن اب جبکہ تم سب کچھ جان چکی ہو تو میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں میری پہلی اور آخری خواہش میری زندگی کا حاصل اس کی محبت تھی اور ہے۔''

''پلیز میرے سامنے ان کا ذکر نہ کریں۔'' میں نے نفرت سے کہا مجھے واقعی آپ سے شدید نفرت ہو رہی تھی میرے نفرت بھرے لہجے کو سن کر شاداب نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''پلیز گیٹ آؤٹ۔''

''مگر فواد'' میں نے ایک بار پھر اس کو اٹھانا چاہا۔

''میں نے کہا نا وہ صرف میرا بیٹا ہے میرا پلیز گیٹ آؤٹ۔'' شاداب

نے غصے سے کہا اور میں بھاگ کر درمیان والا دروازہ کھول کر اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد شاداب دروازہ بند کرنے آئے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ فواد کے رونے کی آواز آئی میں نے سوچا اب پتہ چلے گا، مگر وہ میری بجائے اختر کو پکارنے لگے تب مجھے یاد آیا یہ وقت تو فواد کے جوس پینے کا ہے۔ میں لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک شاداب کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز آئی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ بھلا کس سے باتیں کر رہے ہیں میں اٹھ کر دروازے کے قریب آئی۔ کی ہول سے آنکھ لگا کر دیکھا وہ فواد کو لیے آپ کی تصویر کے پاس کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے۔

''دیکھو بیٹے، آپ کی مم آپ کو بلاتی ہیں۔'' میرا خون کھولنے لگا آخر میں بھی ایک پٹھان زادی تھی۔ وہ مجھ سے زیادہ ایک تصویر کو اہمیت دے رہے تھے۔ میرے بیٹے کو اسے مم کہہ کر پکارنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اس بات نے میرے اندر آگ سی لگا دی پہلے تو میں سوچتی تھی شاید کبھی ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ میری طرف لوٹ آئیں۔ مگر اب ان کی بات سن کر اور فواد کا خیال آتے ہی میں نے ایک فیصلہ کیا اور لیٹ گئی وہ پتہ نہیں گیم کے لیے گئے تھے یا نہیں کیونکہ میں پھر اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی تھی بس سوچتی رہی اور روتی رہی پھر آنکھ لگ گئی۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب شاداب کے دستک دینے پر میری آنکھ کھلی۔ وہ دستک دے رہے تھے اور فواد رو رہا تھا شاید اسے بھوک لگی تھی میں اٹھنے کی بجائے لیٹی رہی جب شاداب کے بہت بار دستک دینے پر بھی میں نے دروازہ نہ کھولا تو وہ غصے سے بولے۔

''زندہ بھی ہو یا مر چکی ہو۔''

تب میں اٹھ کر دروازے کے قریب آئی اور کہا۔

''ہوں تو زندہ لیکن یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو، فواد کو بھوک لگی ہے دروازہ کھولو۔'' انہوں نے رعب دکھایا۔

''نہیں، اگر آپ کی محبت عائشہ کے لیے ہے اور فواد آپ کا بیٹا ہے تو اب عائشہ کو فون کریں کہ وہ آ کر فواد کی بھوک مٹائے، مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔'' میں نے ان کے رعب کی پرواہ کیے بغیر کہا۔

''مینا۔'' انہوں نے تیزی سے کہا۔

''براہ مہربانی مزید دستک نہ دیں کیونکہ اگر آپ کو میرا خیال نہیں تو مجھے آپ کی اولاد کا خیال کیسے ہوسکتا ہے۔'' میں نے نفرت سے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''تم ماں ہو یا؟'' وہ غصے سے چلائے۔

''میں جو بھی ہوں آپ کیا ہیں، کبھی اس پر بھی غور کر لیں۔ بغیر نکاح مجھے برباد کرنے کا حق تھا آپ کو اور نکاح کے بعد مجھے چھونا حرام ہے۔ واہ کیسا انصاف ہے کیسی شرافت ہے۔''

''مینا دیکھو فواد کی طبیعت۔'' وہ تھوڑے نرم پڑ گئے۔

''وہ مر بھی جائے تو اب مجھے پرواہ نہیں۔'' اس کے بعد شاداب نے کچھ نہیں کہا حالانکہ میں بہت دیر دروازے کے قریب کھڑی رہی کہ شاید وہ کہیں، چلو مینا مجھے معاف کردو، آؤ فواد میرا ہی نہیں ہم دونوں کا بیٹا ہے، مگر اس کے بعد شاداب کی آواز نہ آئی۔ فواد کے رونے کی آواز کافی دیر آتی رہی پھر وہ بھی بند ہوگئی۔ میں اپنے بیڈ پر لیٹ گئی مگر نیند پھر صبح تک مجھے نہ آئی تھی کہ آخر وہ میرا بھی بیٹا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ انتقام میں میں سارے رشتے بھول گئی تھی۔

صبح نو بجے میں اپنے کمرے سے یہ سوچ کر باہر آئی کہ اب تک شاداب آفس جا چکے ہوں گے کہ سامنے سے اختر پیالے میں کوئی چیز لیے بیڈروم کی طرف جاتا ہوا نظر آیا تو میں نے پوچھا۔

''اختر، صاحب چلے گئے اور یہ کیا لے کر جا رہے ہو؟'' وہ رکے بغیر بولا۔

''بیگم صاحبہ فواد میاں کی طبیعت ٹھیک نہیں ان کے لیے دلیہ لے کر جا رہا ہوں اور صاحب نے آج چھٹی کی ہے۔''

''اچھا۔'' میں نے کہا اور واپس اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

کافی دیر بعد میں نہا کر دوسرا لباس پہن کر کمرے سے باہر آئی پہلے کچن میں جا کر اپنے لیے ناشتہ بنایا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں شاداب کا تماشہ دیکھنے اُس کے کمرے میں چلی آئی وہ بیڈ پر پشیمان نیم بے ہوش فواد کے پاس بیٹھے تھے قدموں کی آہٹ پر ایک نظر مجھ پر ڈالی پھر تلخی سے بولے۔

''اب کیا لینے آئی ہو؟''

''یہ دیکھنے کہ فواد زندہ ہے یا مر گیا۔'' میں نے بے رحمی سے کہا۔

''شٹ یور ماؤتھ۔'' وہ غصے سے بولے۔ ''خبردار جو ایک لفظ بھی میرے بیٹے کے بارے میں مزید تم نے کہا۔''

''مت بھولیے یہ آپ کا نہیں میرا بیٹا ہے میں نے حفاظت کی تھی اس چھوٹی سی جان کی' اب آپ مالک بن بیٹھے ہیں محض اپنی طاقت کے بل پر تو میں خود ہی اس کو مار ڈالوں گی' بہت محبت ہے آپ کو عائشہ سے اور بہت عزیز ہیں آپ کی خوشیاں اُسے تو پھر اُسے ہی کہا ہوتا وہ اپنی کوکھ سے پیدا کر کے ایک بیٹا بھی آپ کو دے۔''

''مینا'' شاداب تڑپ کر اُٹھتے ہوئے بولے۔ ''چپ ہو جاؤ' خدا کے لیے چپ رہو' قسمت ستم ظریفی نہ کرتی تو فواد کی ماں وہی ہوتی' وہی جنم دیتی فواد کو' اُس کی اولاد ہوتا فواد۔'' شاداب کی آواز بھیگ گئی اور میرے اندر آگ سی جل اُٹھی اور میں نے چیخ کر کہا۔

''لیکن اب یہ میری اولاد ہے' میں نے جنم دیا ہے اس کو' یہ میرا بیٹا ہے میرا' میں نے نو ماہ بوجھ اُٹھایا ہے اسکا' میری کوکھ سے جنم لیا ہے اس نے اور اگر یہ میرا نہیں تو کسی کا بھی نہیں ہوگا۔''

''تم نے جنم ضرور دیا ہے لیکن یہ تمہارا بیٹا نہیں' ماں تم جیسی نہیں ہوتی' رات بھر وہ بھوک سے بلک بلک کر روتا رہا اور مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ اور یہ تو میرا بیٹا ہی نہیں یہ عائشہ کا بیٹا ہے اور اب میں اس کو کینیڈا اُس کے پاس بھیج رہا ہوں۔'' انہوں نے ایک بار پھر اپنے حق کا مظاہرہ کیا۔

''آپ ایسا نہیں کر سکتے۔'' میں غصے سے چیخی۔

''بے شک میں ایسا ہی کروں گا' عائشہ نے کہا تھا...... شاداب اگر تم مجھ سے شادی کرتے تو یہ خوشی تمہارا مقدر نہ بنتی۔'' ''اب میں فواد کو اُس کے پاس بھیج کر اُس کو بتاؤں گا کہ یہ خوشی مجھے اپنے لیے نہیں تمہارے لیے عزیز تھی کیونکہ تمہاری تنہائی کا سوچ کر میں بہت پریشان رہتا تھا۔ اب فواد تمہاری تنہائی ختم کر دے گا تو میں اپنی باقی زندگی اطمینان سے بسر کروں گا۔'' وہ فواد کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''نہیں' نہیں' آپ فواد کو نہیں بھیج سکتے۔''

''مجھے کون روک سکتا ہے؟'' وہ طنزیہ لہجے میں کہنے لگے۔

''فواد کی موت۔'' میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''میری دعا ہے فواد مر جائے وہ اگر میرا نہیں' اپنی سگی ماں کا نہیں' تو عائشہ کا بھی نہ رہے' وہ مر جائے' اللہ کرے وہ مر جائے۔'' میں کوسنے دینے لگی اور اگر بس میں ہوتا تو خود آگے بڑھ کر فواد کا گلا گھونٹ دیتی۔

''بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ۔'' شاداب دہاڑا۔

اور میں روتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ کوئی ماں اپنی اولاد کی موت کی دعا نہیں کرتی مگر ہاں میں کر رہی تھی۔ بجائے اس کے کہ فواد عائشہ کے پاس جائے، موت کی آغوش میں چلا جائے۔ اگر اُس کی جدائی میرا مقدر ہے تو پھر عائشہ کی بجائے موت کی وادی میں چلا جائے اس طرح مجھے بھی صبر آ جائے گا۔

مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا' ایک ہفتہ بیمار رہنے کے بعد فواد تندرست ہو گیا۔ وہ جو پہلے راتوں کو اُٹھ کر میرے دودھ کے لیے روتا تھا اب ساری رات آرام سے سوتا اور دن میں اختر کے ساتھ ہی کھیلتا رہتا۔

اور اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ امی کی بیماری کے دوران شاداب اختر کو چارسدہ چھوڑ آئے تھے کہ ماما کی بیماری میں میں فواد کو نہ سنبھال سکی تو اختر سنبھال لے گا اور اختر کی موجودگی نے مجھے فواد کو بالکل بھلا دیا تھا۔ وہ سارا وقت اختر کے پاس رہتا تھا۔ صبح اختر اُس کو کسٹرڈ کھلاتا' دس بجے مسلا ہوا کیلا' پھر جوس اور سارا دن وہ نجانے کیا کچھ وہ فواد کو کھلاتا رہتا کہ فواد بھول کر بھی میرے

پاس دودھ کے لیے نہ آتا' البتہ رات کو وہ میرے بغیر نہ رہتا تھا۔ رات کو ایک دوبار ضرور میرا دودھ پیتا تھا۔

مگر اب مجھے احساس ہوا شاداب جان بوجھ کر اختر کو وہاں چھوڑ گئے تھے۔ میری پریشانی کے خیال سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ کہیں فواد مجھ سے زیادہ مانوس نہ ہو جائے کیونکہ وہ تو شروع ہی سے فواد کو تمہارے پاس بھیجنے کا سوچ چکے تھے' اسی لیے مجھے کوئٹہ لاتے ہی انہوں نے بات کی تھی اور تب میں یہ سمجھی تھی کہ شاید فواد پھپھو کو دینے کا سوچ رہے ہیں لیکن اب اُن کے سب ارادے کھل کر میرے سامنے آ گئے تھے۔

اب فواد رات کو بھی میری ضرورت محسوس نہ کرتا تھا گو کہ یہ سب میری غلطی سے ہوا تھا مگر میں نے بھی دل میں سوچ لیا تھا اگر شاداب نے فواد کو تمہارے حوالے کیا تو میں سب کچھ صاف' صاف پھپھو کو بتا دوں گی۔

یہ فواد کی بیماری سے ایک ماہ بعد کی بات ہے میں سہ پہر کو اپنے کمرے سے باہر آئی' لان میں موسم سرما کی نرم دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف شاداب کھڑے تھے جبکہ دوسری طرف اختر اور درمیان میں فواد وہ پہلے باپ کی طرف لڑکھڑاتے' قدموں سے آتا تو شاداب کے چہرے پر شفقت آمیز مسکراہٹ کھیلنے لگتی اور وہ کہتے۔

''شاباش بیٹا' اسی طرح چلنے کی مشق جاری رکھو گے تو بہت جلد چلنا سیکھ لو گے۔'' پھر باپ کو چھونے کے بعد وہ اختر کی طرف مڑ جاتا' اگر وہ گرنے لگتا تو شاداب بھاگ کر اُٹھا لیتے اور بے تحاشہ پیار کرتے' بیٹھنا اور کھڑے ہونا تو فواد نے چارسدہ ہی میں شروع کر دیا تھا اور اختر نے اُس کو وہیں چلانے کی کوشش بھی شروع کرا دی تھی لیکن ابھی وہ ٹھیک طریقے سے نہ چل سکتا تھا' چلتے چلتے گر پڑتا تاہم بولنا وہ شروع کر چکا تھا مگر وہ بھی چلنے جیسا اُس کی باتوں کی سمجھ مجھے کم ہی آتی تھی یا پھر چارسدہ تین ماہ رہنے کی وجہ سے میں نے اُس پر توجہ نہ کی تھی اس لیے مجھے سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ رات کو میرے پاس آتا تھا۔ جب اُس کے سونے کا وقت ہوتا اور محض میری حماقت اور ضد کی وجہ سے اُس نے رات کو بھی میری

رورت محسوس کرنا چھوڑ دی تھی۔

میں کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی پھر لان کی طرف بڑھی اور شاداب اور اختر ے درمیان کھڑے فواد کو اُٹھا لیا۔

شاداب نے چونک کر مجھے دیکھا چہرے پر ہلکی تلخی اور ناگواری پھیل گئی مگر ز کی موجودگی میں وہ چپ رہے اور فواد حیران حیران سا مجھے دیکھ رہا تھا پھر وہ اداب کی طرف منہ کر کے رونے لگا جیسے میری گود میں آنا پسند نہ ہو' شاداب نے ز کو اشارہ کیا اور وہ فواد کو لینے میری طرف بڑھا تو میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''جاؤ میرے لئے چائے بنا کر لاؤ''

''جی بیگم صاحبہ۔'' وہ رہائشی حصے کی طرف مڑ گیا تو شاداب نے ہاتھ بڑھا ر فواد کو مجھ سے چھین لینے والے انداز میں پکڑتے ہوئے مدھم مگر تلخ لہجے میں ہا۔

''اس کو چھونے کا تمہیں کوئی حق نہیں' تمہاری بددعا کے اثر سے یہ نکل آیا ے اور اب یہ اگلے مہینے تک اپنی مم کے پاس کینیڈا چلا جائے گا کیوں بیٹا؟'' انہوں ے مسکرا کر فواد کو دیکھا۔

''آپ ایسا نہیں کر سکتے''۔

''فضول بکواس، جبکہ میں کہہ چکا ہوں میں ایسا ہی کروں گا۔'' شاداب ، سفاک لہجہ میں کہا۔

''اگر آپ نے ایسا کیا تو میں پھپھو کو صاف صاف بتا دوں گی بلکہ رسدہ میں سب کو بتاؤں گی عائشہ کا اصل روپ' اور پھر میرے پاس کینیڈا کا ریس ہے میں عائشہ کو بھی خط لکھوں گی کہ آپ زبردستی مجھ سے میری اولاد'' ا نے بھی جوابی دھمکی دی جو اثر کر گئی۔

''تم اس کو اپنی اولاد کہہ رہی ہو۔ کیا کوئی ماں تمہارے جیسی ظالم ہوتی ؟''

''کچھ بھی کہہ لیجئے مگر یہ حقیقت ہے فواد کو میں نے جنم دیا ہے اُس بانجھ ت کو اگر اولاد کا اتنا ہی۔''

"بکواس بند کرو مینا" وہ غصے سے چلائے۔

"نہیں بہت شوق تھا اولاد کا تو اپنی کوکھ سے بچہ پیدا کرتی' وہ ڈائن چڑیل میری خوشیوں کی قاتل۔"

"شٹ اپ مینا" شاداب نے اپنا بھاری ہاتھ میرے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔ "خبردار جو عائشہ کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو۔"

"کہونگی' وہ میرا گھر برباد کر کے آرام سے نہیں رہ سکتی۔ میرا شوہر اور بچہ مجھ سے چھین کر وہ چین کی نیند نہیں سو سکتی۔ میں اُس کو ہر جگہ ذلیل کرونگی' میں میں سب کو بتاؤنگی کہ وہ کیسی مکار عورت تھی اپنے سے پندرہ برس چھوٹے لڑکے کو اپنے جال میں چڑیل نے پھانس۔"

شاداب نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع دیئے بغیر میرے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی اور غراتے ہوئے بولے۔

"مینا میں تمہارے منہ سے آئندہ عائشہ کے بارے میں گرے ہوئے الفاظ نہ سنوں' تمہیں جتنے دکھ ملے ہیں میری ذات سے ملے ہیں' تمہارا مجرم اگر کوئی ہے تو صرف میں' ہاں صرف میں ہوں برا بھلا کہنا ہے تو مجھے کہو' عائشہ نے تو تمہاری عزت بچائی تھی' تمہاری خوشیوں کے لیے کوشش کی تھی اور آخر میں جب اُس کے دل میں میرے لیے ......" وہ چپ ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"ہاں آخر میں بھی وہ تمہاری خوشیوں کے لیے مجھے چھوڑ گئی' میں نے کہا بھی کہ پہلے آپ سے شادی کروں گا' بعد میں مینا سے مگر وہ تمہاری خوشیوں میں حصے دار نہیں بننا چاہتی تھی اس لیے مجھے چھوڑ گئی اور یاد رکھنا میں اُس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔ اگر تم نے آئندہ اُس کے خلاف بکواس کی تو میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" شاداب کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور میں ڈر گئی۔ اختر کے آتے ہی شاداب اُس کو ساتھ لے کر جیپ میں بیٹھ کر کہیں چلے گئے اور میں چائے سامنے رکھے روتی رہی۔

اچانک مجھے شاداب کے دوست ضیاء کی بیوی کی باتیں یاد آئیں اُن کی

ے کوئٹہ آنے کے کچھ دن بعد کراچی پوسٹنگ ہو گئی تھی' تب میں نے شاداب
، رویے کا ذکر کیا تو اُس نے کہا تھا۔
"بھابی' شاداب بھائی زبان کے کتنے بھی کڑوے ہوں اور اُن کا رویہ بھی
ا ہی خراب ہو مگر وہ دل کے بہت اچھے ہیں۔" پھر ڈاکٹر ثریا کا ذکر کرتے ہوئے
، نے کہا تھا۔
"شاداب نے غصے میں ضیاء کو بہت سخت باتیں کہی تھیں لیکن بعد میں خود
نی مانگ کر صلح کی تھی' آپ کوشش کریں تو ان کا دل جیت سکتی ہیں۔"
مگر میں کوشش کے باوجود ان کا دل نہ جیت سکی تھی تاہم میری مرضی کے
ف وہ فواد کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتے تھے۔
رات دس بجے کے قریب آئے تو میں اُن کے بیڈ روم میں بیٹھی حسرت
، آپ کی تصویر دیکھ رہی تھی کہ آپ کتنی خوش قسمت ہیں' دور ہونے کے باوجود
اب کے دل میں تھیں اور میں پاس ہونے کے باوجود دل سے دور تھی تاہم اب
ء کی بیوی کی باتوں کی روشنی میں ایک بار پھر میں نے اُن سے اپنی زیادتیوں کی
نی مانگ کر صلح کا پروگرام بنایا تھا وہ مجھے اپنے بیڈ روم میں دیکھ کر حیران ہوئے
نرمی سے پوچھا۔
"کیا بات ہے' یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" اور فواد کو بیڈ پر لٹا دیا۔
"میں اپنی بدتمیزیوں کی آپ سے معافی چاہتی ہوں"۔ میں نے ان کے
ب آتے ہوئے کہا۔
"کوئی نیا ڈرامہ کرنے کا پروگرام ہے کیا؟" انہوں نے بغور مجھے دیکھا۔
"نہیں' آپ کی محبت اور آپ کو حاصل کرنے کا پروگرام ہے۔" میں
ڑی۔
"بیکار' نہ تو میری محبت تمہارے لئے ہے' نہ میرا وجود' میں نے تمہیں بتایا
ہے جس آدھی قسم کا تعلق اُس کی جان سے تھا وہ میں نے توڑ دی تھی لیکن باقی
آدھی قسم کا تعلق صرف میری اپنی ذات سے ہے اور اپنی جان جانے تک میں
تم کو ضرور نباہوں گا میں تمہیں ایک بار پھر بتانا ضروری سمجھتا ہوں میں تمہارے

ازدواجی حقوق کبھی نہ دے سکوں گا تم چاہو تو میں تمہیں آزاد کر سکتا ہوں۔"

"نہیں' نہیں' طلاق کا سوچ کر ہی میں کانپ گئی۔

"بس تو پھر یاد رکھنا مجھ پر اور میری محبت پر تمہارا کوئی حق نہیں' یہ صرف عائشہ کے لئے ہے وہ مجھ سے دور رہے یا قریب مجھ پر صرف اُس کا حق ہے اور تم میرے اور میری محبت کے علاوہ باقی جو چاہو گی تمہیں ملے گا۔"

"فواد پر تو میرا حق ہے نا؟" میں نے کمزور سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں' فواد پر تو خود میرا بھی اب حق نہیں رہے گا وہ یہاں سے چلا جائے گا اپنی مم کے پاس۔"

"پلیز مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔"

"سوری' وہ میرا بیٹا ہے اور میں اُس کے بارے میں فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے وہ آپ کا بیٹا ہے مگر میں اُس کی ماں ہوں' قانونی طور پر آپ سات سال تک اُس کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتے اور اگر آپ نے ایسا کیا تو انجام۔"

"مجھے انجام سے مت ڈراؤ۔" شاداب نے نفرت سے کہا۔

"نہ ڈرو انجام سے' میں کل ہی پھپھو کو خط لکھوں گی۔" میں نے ایک بار پھر دھمکی دی۔

"تم ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ میرے راستے میں آتے ہوئے بولے۔

"یقیناً میں ایسا ہی کروں گی۔" میں نے اُنہی کے لہجے میں کہا۔ "کیونکہ سات سال تک میرا حق ہے فواد پر۔"

وہ کچھ دیر نجانے کیا سوچتے رہے پھر بولے۔

"اوکے ایزیووِش' میں سات سال بعد فواد کو کینیڈا بھیج دوں گا۔ ویسے بھی فی الحال اُس کے لیے فواد کی دیکھ بھال ایک مسئلہ ہو گی جاؤ اور اب میرے روم سے جاؤ۔" اور میں باہر نکل آئی مجھے اُمید نہیں تھی کہ وہ میری بات اتنی جلدی مان لیں گے مگر وہ مان گئے تھے محض آپ کی پریشانی کے خیال سے کہ ابھی آپ فواد کو نہ سنبھال سکیں گی۔

اپنے کمرے میں آ کر میں نے سوچا جیت فی الحال میری ہی ہوئی ہے۔
ات سال ایک طویل عرصہ ہے ابھی فواد نو دس ماہ کا ہے سات سال تک میں
ِشش کروں گی کہ فواد اور شاداب کی محبت مجھے حاصل ہو جائے اور یہ سب سوچ
ر میں مطمئن ہو گئی یہاں تک کہ شاداب کے ہاتھوں پڑنے والی مار بھی بھول گئی۔

اگلی صبح میں نے اُن سب کے اُٹھنے سے پہلے ناشتہ تیار کیا اور جب
اداب فواد کے ساتھ ناشتے والی میز پر آئے تو مجھے وہاں دیکھ کر بہت حیران ہوئے
ں نے ان کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"لائیے فواد کو مجھے دے دیجئے' میں اس کو ناشتہ کراتی ہوں آپ خود ناشتہ
ریں۔"

"اس کی ضرورت نہیں فواد تمہارے ہاتھ سے نہیں کھائے گا۔" ان کی
ت سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں چپ رہی۔

انہوں نے پہلے فواد کو ناشتہ کروا کر اختر کے سپرد کیا' پھر خود برائے نام
شتہ کر کے آفس چلے گئے۔

اب سوچتی ہوں تو مجھے سب سے زیادہ غصہ اختر پر آتا ہے شاداب کے
نے کے بعد سارا وقت وہی فواد کی دیکھ بھال کرتا تھا' یہاں تک کہ اُس کی نیپی
ا خود ہی بدلتا تھا۔

ایک دن میں فواد کو اٹھائے شاداب کے بیڈ روم میں آئی اور شاداب کے
پر لے کر لیٹ گئی' ابھی میں اُس سے بات کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ وہ
ر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"مم ...... مم۔" وہ بیڈ کے سرہانے لگی آپ کی تصویر دیکھ رہا تھا اُس کی
ت سن کر میرے بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے ایک زوردار تھپڑ اُس کے
وم چہرے پر دے مارا اُس نے پہلے تو حیران ہو کر مجھے دیکھا پھر چیخ چیخ کر
نے لگا۔

"کیا ہوا' کیا ہوا؟" اختر بھاگتا ہوا آیا۔

"کچھ نہیں' اپنی بے بسی کا سوچ کر میں فواد کو سینے سے لگا کر چپ

کراتے ہوئے خود بھی رونے لگی مگر وہ چپ نہ ہوا۔ اچانک شاداب کی جیپ کی آواز سن کر میں فواد کو اختر کے حوالے کر کے اپنے کمرے میں بھاگ آئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی شاداب اپنے کمرے میں موجود تے۔

"کیا ہوا اسے؟" وہ اختر سے پوچھ رہے تھے۔

"جی معلوم نہیں۔"

"یہ اس کے چہرے پر نشان کیسے ہیں؟" انہوں نے فواد کو اُٹھاتے ہوئے پوچھا اختر نے میرے کمرے کی طرف دیکھا پھر کہا۔

"جی بیگم صاحبہ مجھ سے لے کر ادھر آئی تھیں اور میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ہوں' مارا ہو گا اُس نے۔ آئندہ بچہ اُس کو مت دینا۔"

"جی بہتر۔" اختر نے کہا۔

"او کے جاؤ۔ اور کچھ لے کر آؤ فواد میاں کے لئے کھانے کو۔" شاداب نے مجھے کچھ نہ کہا تھا اور اس بات پر مجھے حیرت تھی۔

خرابی قسمت میں ہوتی ہے میری فواد اور شاداب کے ساتھ صلح کی ہر کوشش رائیگاں گئی۔ وقت جوں' جوں گزرتا گیا میرے اور ان کے درمیان فاصلہ بڑھتا گیا اور اس میں اہم حصہ آپ کا تھا جو فواد کی ہر سالگرہ پر باہر سے گفٹ بھیجتی تھیں۔ اگر آپ نے محض میری خوشیوں کی وجہ سے شاداب کو چھوڑ دیا تھا تو پھر خط کیوں لکھتی تھیں کیونکہ آپ خود نہیں چاہتی تھیں کہ شاداب آپ کو بھول جائے۔

میں آپ کو بتا نہیں سکتی مجھے شاداب سے کتنی نفرت ہو گئی تھی اور شاید فواد سے بھی' وہ دونوں میرے وجود' میری موجودگی سے بے خبر بنے رہتے لیکن اب میں نے ان کو اپنی موجودگی کا احساس دلانا شروع کر دیا تھا جب برداشت کرتے کرتے میری ہمت جواب دے جاتی تو میں دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے بک بک پر اُتر آتی۔ شاداب آفس سے آتے اور جب وہ باپ بیٹا دونوں کھانے کی میز پر بیٹھتے تو میں بھی وہاں چلی آتی گو کہ میں کھانا اُن کے آفس سے آنے سے پہلے کھا لیتی تھی لیکن جس دن میرا ہنگامہ کرنے کا موڈ ہوتا میں کھانا ان کی موجودگی میں کھاتی اور بات بے بات برتن توڑتی۔ شاداب کو برا بھلا کہتی۔ فواد حیرت سے

، دیکھتا مگر شاداب یوں چپ رہتے جیسے آواز ہی نہ آ رہی ہو۔ نجانے اُن کو غصہ ں نہیں آتا تھا جبکہ میں چاہتی تھی وہ بھی مجھے جواباً برا بھلا کہیں مگر وہ میری ی بکواس کے جواب میں چپ رہتے اور میرا غصہ بجائے کم ہونے کے اور بھی ، جاتا مگر وہ تو جیسے کچھ محسوس ہی نہ کرتے تھے۔

میں نے گھر کا ہر کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میں کسی بھی کام کو ہاتھ نہ لگاتی ۔ شاداب نے گھر کے کام کے لئے ایک ملازمہ رکھی تھی جو گھر کے کام کے ہ دوپہر اور رات کا کھانا بھی بناتی تھی۔ صبح چونکہ وہ نو بجے آتی تھی اس لئے ر شاداب خود بناتے تھے وہ کچن میں ہی فواد کو ناشتہ کرواتے' خود بھی کرتے پھر و اختر کے سپرد کر کے آفس چلے جاتے اور اختر' وہ اور میں اگر مسلمان نہ تے تو میں یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ ضرور پچھلے جنم میں عورت و گا کیونکہ خود میں بھی فواد کو شاید اتنے اچھے طریقے سے نہ سنبھالتی جیسے وہ لتا تھا۔

شاداب کی طرح شاید فواد بھی میری موجودگی سے جیسے بے خبر تھا' وہ سارا اختر کے ساتھ لگا رہتا لیکن پھر اُسے بھی میں نے اپنی موجودگی کا احساس ے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اختر جب یونٹ سے راشن لینے جاتا یا دھوبی کو کپڑے لگتا تو میں "فواد کو پکڑ کر جی بھر کر مارتی پھر گھسیٹ کر آپ کی تصویر کے ، لاتی اور پوچھتی۔

"بتاؤ یہ کون ہے؟"

"مم ہے میری۔" وہ روتے ہوئے کہتا۔

"یہ مم ہے تو میں کون ہوں؟" میں مارے غصے کے جھنجھوڑ کر پوچھتی۔

"آپ ...... آپ" وہ سوچنے لگتا پھر کہتا۔

"آپ مما ہیں شاید۔"

"نہیں ہوں میں تمہاری مما' خبردار جو مجھے مما کہا۔" میں غم اور غصے کی سے چلا پڑتی۔

"تو پھر آپ کون ہیں؟" وہ پوچھتا اور جواب میں میرا ہاتھ اُس کے نرم

گالوں پر پڑتا اور وہ خود کو چھڑا کر باہر بھاگ جاتا پھر تب تک گیٹ کے
باڑ کے پاس بیٹھ کر روتا رہتا جب تک اختر واپس نہ آ جاتا ...... پھر شاداب
آفس سے آنے پر وہ کہتا۔

''پپا! وہ جو گھر میں ہیں وہ مارتی ہیں۔'' جواباً شاداب مجھے کچھ کہنے
بجائے اختر سے کہتے۔

''بھئی اختر' خیال رکھا کرو ہمارے بیٹے کا' تمہیں معلوم تو ہے اس
میں ایک پاگل رہتی ہے۔''

اُن کی یہ بات میرے اندر ایک آگ لگا دیتی اور میں دوڑ کر اُن
کمرے میں آتی اور چلا کر کہتی۔

''میں پاگل ہوں تو آپ کون ہیں؟ اور مجھے پاگل بنایا کس نے' خبردار
میرے بارے میں یہ فضول بکواس کی تم نے ذلیل کرنل۔'' میں نفرت میں
احترام بھول جاتی مگر شاداب چپ رہتے میں کمرے سے باہر نکلتی تو فواد پوچھتا۔

''پپا آپ ڈرتے ہیں ان سے؟''

''ہاں بیٹے پاگلوں سے ڈرنا ہی چاہیئے۔'' شاداب کہتے۔

اور تب میرا دل چاہتا میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں کپڑے پھاڑ کر گھر
باہر نکل جاؤں لیکن میں ایک پٹھان زادی تھی میرا خیال تھا سات سال ایک
عرصہ ہوتا ہے اور میں ان سات سالوں میں شاداب کا دل جیت لونگی مگر میں ایسا
کر سکی۔

فواد تین برس کا تھا جب شاداب کی پوسٹنگ کراچی ہو گئی اور کراچی آ
ہی شاداب نے تین برس کی عمر میں ہی فواد کو اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ فواد
ذہین تھا باپ بیٹا دونوں ایک دوسرے سے منہ جوڑے نجانے کیا کیا باتیں کر
ایک دن مارے اشتیاق کے میں نے اُن کی باتیں سننے کا فیصلہ کیا اور چھپ کر
لگی تب مجھے پتہ چلا اُن کے پاس آپ کے سوا کوئی موضوع ہی نہیں تھا۔ اُس
وہ شاید آفس سے جلدی اُٹھ آئے تھے کیونکہ فواد کہہ رہا تھا۔

''پپا! آپ بہت کم ورک کرتے ہیں اور گیم کے لئے بھی کم کم جا

جبکہ ساتھ والے انکل آفس سے بہت لیٹ آتے ہیں اور گیم کے لئے بھی روز
تے ہیں۔''

''بہت ورک کیا ہے بیٹا۔'' وہ فواد کے بالوں کو سلجھاتے ہوئے بولے
''لیکن اب ...... اب صرف وہی کرتا ہوں جو ڈیوٹی ہوتی ہے کیونکہ اب مجھے
پ کو بھی تو وقت دینا ہوتا ہے۔''

''پپا! پہلے آپ بہت زیادہ ورک کرتے تھے؟'' فواد نے شک بھرے
میں پوچھا۔

''ہاں بہت زیادہ ورک کرتا تھا تبھی تو آج لیفٹیننٹ کرنل ہوں۔'' انہوں
مسکرا کر کہا۔

''لیکن آپ زیادہ ورک کیوں کرتے تھے؟''

''تمہاری مم کا خیال تھا مجھے ایک اعلیٰ آفیسر بننا ہے اور میں نے خوب
ت کی اور آفیسر بن گیا۔''

''پھر وہ آپ کو چھوڑ کر کیوں چلی گئیں؟'' فواد سوال پر سوال کرتا اور
اب اُس کے ہر سوال کا جواب یوں دیتے جیسے وہ ان کا بیٹا نہیں کلاس فیلو یا
ت ہو۔

''مجبوری تھی۔'' شاداب نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''کیوں پپا' مم کو آپ سے محبت نہیں تھی؟''

''محبت ...... بہت تھی بیٹا اُس آخری لمحے جب وہ یہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ
محبت مجھ سے چھپا کر لے جا رہی ہے مگر نہیں ...... اُس کی آنکھوں میں اپنے
جلتی محبت کی لو میں دیکھ چکا تھا مگر ...... مگر اس کے باوجود میں اُسے روک نہ
یک تو اس لئے کہ تمہاری مم ضدی بہت تھیں' دوسرے اپنے گناہوں کی سزا بھی
ب بھگتنا تھی اور وہ مجھ سے محبت ہو جانے کے باوجود بغیر اقرار کیے مجھے چھوڑ
'' شاداب کی آواز بھیگ گئی تو فواد نے پوچھا۔

''آپ کو مم سے بہت محبت ہے پپا؟''

''بہت ...... وہ تو میری جان ہے۔''

"پپا۔" فواد نے اچانک مچل کر کہا۔" آپ کی جان تو میں ہوں، آپ مجھے اپنی جان کہتے ہیں اور اب مم کو بھی۔"

"ہاں آپ بھی میری جان ہیں اور آپ کی مم بھی۔" شاداب نے اُسے بازوؤں میں لے لیا۔

"پپا! آپ کو مم بہت یاد آتی ہیں؟"

"وہ بھولنے والی چیز تو نہیں۔"

"تو پپا چلیں ہم دونوں مم کے پاس چلتے ہیں۔ میں مم کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تو نہیں جاسکتا لیکن یہ جو تمہاری چھٹی سالگرہ آ رہی ہے اس کے اگلے روز چونکہ تم ساتویں میں لگ جاؤ گے اس لئے میں تمہیں جلد ہی تمہاری مم کے پاس بھیج دوں گا۔"

"اور آپ، پپا؟"

"میں، میں اس خیال سے خوش رہوں گا کہ تمہاری مم اب اکیلی نہیں رہیں گی میں نہ سہی مگر اس کا بیٹا تو اس کے پاس ہے۔"

"پپا کیا ہم تینوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے؟"

"نہیں بیٹا ہم دونوں میں سے صرف ایک تمہارے ساتھ رہے گا اب بولو تم کس کے پاس رہو گے؟"

"مم کے ساتھ، وہ عورت ہیں اور اکیلی بھی۔" فواد نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تھینک یو بیٹا۔" شاداب نے بے ساختہ اُس کو چوم لیا۔

اور میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ فواد کی چھٹی سالگرہ میں ابھی کافی ما باقی تھے گو کہ اب مجھے فواد سے بھی محبت نہ تھی۔ میرے اندر سے شاداب کی نفرت نے ممتا مار دی تھی مگر میں شاداب کو بھی پر سکون نہیں رہنے دینا چاہتی تھی سو اس سے ہنگامے کا سوچنے لگی۔

اگلے روز اختر دھوبی کے پاس کپڑے دینے گیا ہوا تھا جب فواد کو اسکول کی بس چھوڑ کر گئی میں تب گیٹ کے قریب ہی ٹہل رہی تھی فواد نے اندر داخل

ہوتے ہی مجھے دیکھا اور کچھ خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر پیار سے اُس کا بستہ پکڑا پھر پوچھا۔

"بیٹا! آپ کو مجھ سے محبت ہے یا مم سے؟"

"مم سے" اُس نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔

"لیکن تمہاری ماں میں ہوں فواد" میں نے محبت سے کہا۔

فواد چپ رہا تو میں نے پھر پوچھا۔

"بیٹا! مجھے چھوڑ کر مم کے پاس تو نہ جاؤ گے دیکھو میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"مجھے مم کے پاس ہر حال میں جانا ہے۔" فواد نے دوٹوک فیصلہ کر دیا۔

"نہیں تجھے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔" میں نے اُس کو ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا۔

"دیکھیے مم وہاں کینیڈا میں وہ اکیلی ہیں۔" وہ جیسے مجھے سمجھانے کے لئے بولا۔

"اور میں اکیلی تجھے دکھائی نہیں دیتی، کمینے باپ کی کمینی اولاد۔" میں نے ایک زور کا چانٹا اُس کے منہ پر مارا۔

"اختر انکل"۔ وہ چلایا۔

"اختر آج گھر پر نہیں، بتاؤ میرے ساتھ رہو گے یا نہیں اگر تم میرے ساتھ نہ رہے تو میں تمہیں مار ڈالونگی۔"

"مگر میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتا مجھے مم کے پاس جانا ہے۔ میں تو پپا کو بھی چھوڑ جاؤں گا مم کی وجہ سے۔" وہ وضاحت کر رہا تھا۔

"بس تو پھر تو دنیا ہی چھوڑ جا اس چڑیل مم کی وجہ سے۔" میں نے اُس کی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ تھوڑا خوفزدہ ہو کر بولا۔

"تجھے مارنے کا اہتمام۔" میں نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"پلیز مجھے چھوڑ دیجئے۔" وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں" میں نے شرٹ اُتار لی تو فواد مجھے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"پپا ٹھیک کہتے ہیں آپ پاگل ہیں۔"

"کیا؟" میری آنکھوں میں خون اتر آیا میں نے اُس کو بے تحاشہ مارتے ہوئے گھسیٹ کر گرم فرش پر لا کر ننگے پاؤں کھڑا کر دیا۔

"اب بولو میرے پاس رہو گے یا مم کے پاس جاؤ گے؟" میں نے مارتے ہوئے پوچھا۔

فواد کو مار کر مجھے ہمیشہ یوں لگتا جیسے شاداب کو مارا ہو اور میرے اندر کی آگ ذرا ٹھنڈی ہو جاتی تھی۔

"مم کے پاس جاؤں گا۔" فواد روتے ہوئے بولا۔

"بس تو پھر دنیا سے جا' زندہ رہے گا تو مم کے پاس جائے گا ناں" میں نے جنون سے پاگل ہو کر کہا۔

"پاؤں جلتے ہیں۔" فواد روتے ہوئے کہتا رہا وہ کبھی ایک پاؤں اُٹھاتا کبھی دوسرا مگر مجھے رحم نہ آیا۔ اُس کے رونے کی آواز سن کر اندر سے ملازمہ بھاگی بھاگی آئی تو فواد کو ننگے پاؤں دھوپ میں کھڑے دیکھا تو چلائی۔

"بیگم صاحبہ آپ کا' اپنا بچہ ہے رحم کھایئے۔"

"تو کون ہوتی ہے بولنے والی' چل دفع ہو جا یہاں سے۔" میں نے اُس کو ڈانٹ کر بھگا دیا لیکن کچھ دیر بعد ہی اختر دھوبی سے کپڑے لے کر آ گیا فواد کی حالت دیکھ کر وہ کپڑے وہیں پھینکتے ہوئے فواد کی جانب بھاگ کر آیا۔

"خبردار اختر' جو تم نے میرے بچے کو اٹھایا۔" میں چلائی مگر وہ میرے چلانے کی پرواہ کیئے بغیر جھک کر فواد کو اُٹھا چکا تھا۔ مارے غصے کے میں نے دو چار ہاتھ اختر کی کمر پر بھی جڑ دیئے مگر وہ رکے بغیر شاداب کے کمرے کی طرف بڑھا پھر جیپ کی آواز سن کر رک گیا شاید ملازمہ نے شاداب کو فون کر دیا تھا۔ میں ڈر گئی شاداب جیپ کھلی چھوڑ کر بھاگتے ہوئے ہماری طرف آئے۔ پھر فواد کو دیکھا اُس کے چہرے اور جسم پر میرے ہاتھوں کے نشان سرخ ہو کر صاف نظر آ رہے تھے اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ شاداب مجھ پر ایک قہر آلود نظر

ڈال کر اختر کی طرف بڑھے پھر سخت لہجے میں پوچھا۔

"تم کہاں مر گئے تھے؟"

"سر کپڑے۔" اختر نے کہنا چاہا۔

"شٹ اپ' وہ چلائے پھر نیم بے ہوش فواد کو دیکھا اور پکارا۔

"بیٹے آنکھیں کھولو۔"

فواد نے آنکھیں کھول کر اُن کو دیکھا پھر ان کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں موند کر کہا۔

"پپا انہوں نے بہت مارا ہے' بہت مارا ہے اور گرم فرش پر کھڑا کر کے پاؤں جلائے ہیں۔" پھر وہ سسک سسک کر رونے لگا۔

شاداب نے اس کو پوری شدت سے بھینچ لیا اور اختر سے کہا ڈاکٹر کو فون کرو۔" پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے پہلی بار مجھ سے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"بس مینا بہت ہو چکی، آئندہ میں تمہیں اپنے بیٹے پر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے نہ دیکھوں۔"

"وہ میرا بھی بیٹا ہے اور اب۔"

"ماں تم جیسی نہیں ہوتی' ذرا اپنی شکل دیکھو" انہوں نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں میں ماں نہیں ڈائن ہوں میں مار ڈالوں گی اس کو یہ اگر میرے پاس نہ رہا تو کسی کے پاس بھی نہ جا سکے گا۔" میں پھر فواد کو مارنے لپکی تو شاداب نے اپنی پوری قوت سے ایک ہاتھ میرے منہ پر رسید کیا میں کئی فٹ دور جا گری اور شاداب نے کہا۔

"میری نفرت میں تم حد سے نکل گئی ہو ورنہ تم اگر ماں ہوتیں تو فواد گھر پر ہی رہتا۔ تم اپنی محبت سے اُس کا دل جیت سکتی تھیں لیکن محبت' تم کیا جانو محبت کے بارے میں' محبت کرنے والے نفرت کے جواب میں بھی محبت کرتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تو میں اپنے کمرے میں آئی اور پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگی میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں؟''

میری ماں کی بیماری کی وجہ سے پھپھو ہمارے پاس نہیں رہتی تھیں وہ سال میں پندرہ بیس دن کے لئے آتیں تو میں ان کو دکھی کرنا مناسب نہ سمجھتی پہلے ہی میری ماں کی خدمت کرتے اور ان کو سنبھالتے ہوئے وہ بوڑھی ہو رہی تھیں جب وہ کوئٹہ آتیں تو شاداب کا کمرہ بند رہتا' شاداب ماں کے ساتھ فواد کو لئے ان کے کمرے میں سوتے' سارا دن اُن کو سیر کرواتے اور ماں کے سامنے مجھے بھی کبھی کبھی مسکرا کر مخاطب کر لیتے تب ان کی اس مکاری پر میرا خون کھولنے لگتا مگر میں چپ رہتی۔

فواد کی چھٹی سالگرہ پر میں نے وہ ہنگامہ کیا کہ ان کو فواد کو آپ کے پاس بھیجنے کا پروگرام ترک کر کے ایک سال اور انتظار کرنا پڑا۔ وہ ہنگامہ یہاں لکھوں تو یہ خط طویل ہو جائے گا۔ آپ آئیں گی تو باقی باتیں ہوں گی لیکن فواد کی سالگرہ پر ایک اور بات جو خاص ہوئی وہ یہ تھی کہ آئی ایس پی آر کے کیپٹن فوٹو گرافر عارف فواد کی سالگرہ پر سالگرہ کی فلم بنانے آیا تو وہ مجھے بہت اچھا لگا' میں نے اس کے ساتھ شاداب کی پرواہ کئے بغیر بہت ساری باتیں کیں اور اس کا نمبر بھی لیا اور اسے اپنے گھر آتے رہنے کی دعوت بھی دے دی۔ تقریب کے اختتام پر وہ چلا گیا اس وعدے کے ساتھ کہ وہ پھر آئے گا اور دو دن بعد وہ شاداب کی عدم موجودگی میں آیا بھی ہم نے خوب باتیں کیں مگر صرف اچھی اچھی۔

تیسری بار میں نے خود اُس کو فون کر کے بلایا کہ میں اس کے ساتھ شاپنگ پر جانا چاہتی ہوں۔ میں خوب اہتمام سے تیار ہوئی لیکن ابھی ہم گیٹ کے اندر ہی تھے کہ شاداب آ گئے۔ انہوں نے باہر ہی جیپ روکی اور بغور مجھے دیکھا پھر عارف کی طرف گھومے جس کا رنگ مارے خوف کے زرد ہو چکا تھا۔

''یہاں کیسے؟'' شاداب نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''سر بیگم صاحبہ نے بلایا تھا شاپنگ ......''

''شٹ اپ۔ گیٹ آؤٹ دوبارہ میں تمہیں یہاں نہ دیکھوں''۔ وہ دھاڑے

''یس سر۔ یس سر۔'' عارف پسینہ خشک کرتے ہوئے بھاگ گیا میں نے سوچا اب شاید میری باری ہے مگر شاداب کچھ کہے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھے تو میں نے آنچل مجھے مار والی حرکت کرتے ہوئے چیخ کر کہا۔

''کیا حق پہنچتا تھا آپ کو میرے مہمان کی بے عزتی کرنے کا؟''

''دائرے میں رہو۔ یہ میرا گھر ہے ایک شریف انسان کا۔'' انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''اونہہ شریف انسان جو اپنی بیوی کی بجائے کسی دوسری عورت سے محبت کرتا ہے'' میں نے چوٹ کی۔

''ہاں کرتا ہوں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولے۔

''تو پھر مجھے بھی یہ حق ہے۔''

''تم میرے نکاح میں ہو باہر لوگ تمہیں میرے حوالے سے جانتے ہیں۔ بہت شوق ہے مردوں سے دوستی کرنے کا تو پہلے مجھ سے طلاق لے لو اس کے بعد جو جی میں آئے کرنا لیکن اس سے پہلے اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو انجام اچھا نہ ہوگا' پھر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اچانک کراچی سے ہماری پوسٹنگ لاہور ہو گئی اور فواد کی سالگرہ کے ایک ماہ بعد ہم لاہور آ گئے اور ابھی لاہور آئے ہمیں تھوڑے سے ہی دن ہوئے تھے کہ میری امی کے فوت ہونے کی اطلاع ملی شاداب ہمیں لے کر فوراً چار سدہ آئے ماں کی موت پر میں اتنا روئی کہ سب حیران رہ گئے اور میں کسی کو بتا نہ سکی کہ یہ چھ سالوں کا رکا ہوا مواد تھا شاداب پندرہ دن بعد واپسی کے لئے روانہ ہوئے اور واپس جاتے ہوئے کہا۔

''امی! اب آپ کے ساتھ کوئی مجبوری نہیں اب چہلم کے بعد آپ بھی مینا کے ساتھ لاہور آ جائیں'' اور پھپھو مان گئیں وہ مجھے چھوڑ گئے مگر فواد کو اسکول کی پڑھائی کا بہانہ کر کے ساتھ لے آئے امی کے چہلم پر وہ پھر آئے لیکن صرف ایک دن کے لئے چلتے ہوئے انہوں نے ہمیں بھی ساتھ چلنے کا کہا لیکن پھپھو نے کہا۔

''بیٹا! یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا بھائی کہے گا میں تو چہلم کرتے ہی

چل دی۔ ہم کچھ روز بعد آ جائیں گے'' وہ مان گئے اور واپس چلے گئے۔

مگر ہم لاہور نہ جا سکے وجہ فوج کے سالانہ سینئر سلیکشن بورڈ کے اجلاس تھے جہاں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے براہِ راست بریگیڈئر کے عہدے پر ترقی دینے یا فل کرنل کے عہدے پر ترقی دینے کے لئے کمانڈر آفیسروں اور فارمیشن کمانڈروں کی رپورٹوں کی روشنی میں سفارشات مرتب کی جاتی تھیں۔

اس بار کے اجلاس میں شاداب کو لیفٹیننٹ کرنل کے عہدہ سے براہِ راست بریگیڈیئر کے عہدہ پر ترقی ملی اور یہ پہلی ترقی تھی جو ان کو اپنی فوجی مدت یعنی پورے سات سال بعد ملی تھی لیکن ان کو لیفٹیننٹ سے فل کرنل کی بجائے بریگیڈئر بنا دیا گیا اس طرح سے ان کو پھر بھی ڈبل پروموشن ہی ملی تھی اور اس کے ساتھ ہی شاداب کی پوسٹنگ کشمیر کے محاذ پر کر دی گئی ان کو فوری طور پر کشمیر کے محاذ پر پہنچنے کی ہدایت ملی تو جانے سے پہلے وہ چارسدہ آئے۔

وہ بہت پریشان تھے وجہ یہ تھی کہ کشمیر نان فیملی اسٹیشن تھا، وہاں فیملی کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں تھی جبکہ شاداب فواد اور ماں کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے مگر مجبوری تھی وہ رک بھی نہیں سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے پھپھو سے کہا۔

''امی! پتہ نہیں قسمت میں کیا لکھا ہے میرا فوری جانا بہت ضروری ہے فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا حالات آگے کیا ہوں۔ اس محاذ پر اب ہر وقت گڑبڑ رہتی ہے اس لئے فواد کو میں آپ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں اس کی ذمہ داری صرف آپ پر ہو گی ویسے اختر بھی یہیں رہے گا لیکن ہو سکتا ہے اس کو بھی جانا پڑے بہرحال فواد کو آپ کے سپرد کر رہا ہوں اس کی حفاظت کیجئے گا یہ اچھی بات نہیں مگر میرے ساتھ چونکہ مجبوری ہے اس لئے میں کوشش کروں گا اپنی پوسٹنگ کسی دوسری جگہ کروا لوں مگر فی الحال یہ ناممکن نہیں۔''

''تم پریشان نہ ہو میں تم سے زیادہ اچھے طریقے سے دیکھ بھال کروں گی اس کی'' پھپھو نے فواد کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا اور شاداب سب سے مل کر فواد کو خاص طور پر گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے رخصت ہو گئے جاتے ہوئے انہوں

نے فواد سے کہا تھا۔

''بیٹا! آپ کو مجھ سے چند ماہ بعد تو جدا ہونا ہی تھا مگر اب پہلے ہو رہا ہوں۔'' ان کی پریشانی دیکھتے ہوئے فواد نے سنجیدگی سے کہا۔

''پپا! آپ پریشان نہ ہوں میں ٹھیک رہوں گا۔''

''اور بیٹا اپنا وعدہ یاد ہے۔''

''یس پپا مجھے مم کے پاس جانا ہے۔ ان کو لے کر یہاں آنا ہے پھر ہم سب ایک ساتھ رہیں گے۔اوکے۔''

''اوکے خدا حافظ'' شاداب نے کہا اور چلے گئے۔

''امی کے فوت ہونے کے بعد میں جب چارسدہ میں تھی تو میری خالہ کا بیٹا بخت خان اپنی بیوی کی بیماری کی وجہ سے دوسری شادی کا پروگرام بنا رہا تھا وہ پہلے ہی سے مجھے چاہتا تھا لیکن تب مجھ پر شاداب کی محبت کا بھوت سوار تھا اب وہ بھی مجھے اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ آتا تو ہم دونوں ڈھیروں باتیں کرتے اور ایسے میں ایک دن میں نے بخت خان کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیا۔

گو کہ ہمارے خاندان میں کبھی کسی عورت نے دوسری شادی نہ کی تھی۔ لیکن اب مجھے پرواہ نہ تھی۔ آخر خوشیوں پر میرا بھی حق تھا اور ابھی میری عمر ہی کیا تھی۔

شاداب نے کشمیر جاتے ہی خط بھی لکھا اور فون بھی کیا تب میں نے فون پر شاداب سے کہا۔

''مجھے طلاق چاہئے میں دوسری شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' میری بات سن کر شاداب حیران رہ گئے پھر انہوں نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میں کوشش کروں گا۔ ایک دو دن کی چھٹی مل جائے پھر وہاں چارسدہ آ کر میں تمہیں آزاد کر دوں گا کہ۔''

''جلدی آنا۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''کہا تو ہے کوشش کروں گا۔'' ان کے لہجے سے مجھے ان کی خوشی کا پتہ چل رہا تھا۔

"آپ پوچھیں گے نہیں میں کس سے شادی کر رہی ہوں؟"

"یہ تمہارا پرسنل معاملہ ہے۔" کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

پھر دو ماہ گزر گئے مگر حالات خراب ہونے کی وجہ سے ان کو چھٹی نہ مل رہی تھی جبکہ میں سمجھ رہی تھی وہ جان بوجھ کر لیٹ ہو رہے ہیں۔ میں نے بخت خان کو ساری بات بتا دی تھی کہ شاداب میری بجائے کسی اور عورت میں دلچسپی لیتے ہیں تاہم عورت کا نام میں نے نہیں بتایا تھا۔

اس دن میں بیٹھی پھپھو کو راز دار بنانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔

اب وہ اطلاع جس کے لئے میں نے یہ ناول جتنا طویل خط لکھا ہے وہ اہم اطلاع جو صرف آپ کے لئے اہم ہے میرے لئے بالکل غیر اہم۔ ہاں تو جب میں پھپھو کو راز دار بنانے کا سوچ رہی تھی کہ قدرت نے خود ہی میری مشکل آسان کر دی۔ فوجیوں سے بھری ہوئی ایک جیپ اچانک ہمارے دروازے پر آ کر رکی ہم سب بھاگے بھاگے باہر نکلے تو ایک فوجی افسر نے میرے ابا سے چند ادھر اُدھر کی تسلی دینے والی باتیں کرنے کے بعد کہا۔

"بریگیڈیئر شاداب خان آفریدی کشمیر کے محاذ پر ایک شدید فوجی جھڑپ میں شہید ہو گئے ہیں۔"

"کیا؟" میں نے چونکتے ہوئے رک کر خط کا وہ حصہ دوبارہ پڑھا اور پھر بے ساختہ چیخ پڑی "نہیں، نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے شاداب کیسے مر سکتا ہے؟ وہ...... وہ نہیں مر سکتا۔ مینا نے جھوٹ لکھا ہے ...... ہاں مجھے جلانے کے لئے مینا نے جھوٹ لکھا ہے" میں چلائی اور پھر ایک دم چپ ہو گئی۔

چند روز سے میری جو کیفیت تھی شاید اسی وجہ سے تھی کینیڈا کا موسم ان دنوں بہت خوبصورت ہو رہا تھا لیکن میرے اندر ایک نا معلوم سی اداسی اور بے چینی پیدا ہو رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ لیکن اب جب شاداب کی شہادت کی خبر ملی تھی تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا حالانکہ ماحول کی یہ اداسی میرے اندر کی یہ ویرانی اور بے چینی تو مجھے کئی دن پہلے ہی اس حادثے کے بارے

میں بتا رہی تھی لیکن خبر اب ملی تھی کہ وہ شخص جو مجھ سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا وہ جو میرے اکیلے پن کا سوچ کر پریشان رہتا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ وہ جو اب صرف ایک ہی مجھ سے محبت کرنے والا تھا وہ مر گیا تھا لیکن وہ کیوں مر گیا میں سسک پڑی۔

عذرا ٹھیک کہتی تھی لوگ میری قربت میں مر جاتے ہیں۔ میں منحوس ہوں میرے سائے سے بھی بچنا چاہیئے۔" اور شاداب تمہاری زندگی کے لئے تمہاری خوشیوں کے لئے میں تمہیں دائمی جدائی دے کے یہاں سات سمندر پار چلی آئی کہ کہیں تم بھی میری نحوست کا شکار نہ ہو جاؤ لیکن تم پھر بھی چلے گئے۔"

وہ بھی اکیلا چھوڑ گیا مجھ کو راہ میں
وعدہ تھا جس کا ساتھ نبھانے کا عمر بھر

اور اب مجھے یاد آیا وہ منحوس گھڑی کیسی تھی جب کینیڈا آتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ اب جب تک ہم دونوں میں سے ایک مر نہیں جاتا تب تک میری واپسی نہ ہو گی اس بات سے میرا مطلب اپنی موت تھا لیکن میں ایک بار پھر دکھ سہنے کے لئے زندہ تھی نجانے خدا کون سے جنم کا حساب کتاب مجھ سے لے رہا تھا اور شاداب نے تو اس سال نئے برس کے کارڈ پر لکھا تھا۔

"عائشہ! گو کہ میرا آپ سے وعدہ تھا کہ میں کبھی آپ کے تعاقب میں بھی نہیں آؤں گا لیکن اب آپ کی جدائی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی قبل اس کے کہ میں وعدہ توڑ دوں آپ خود ہی آ جائیں میں آپ کی آمد کا منتظر ہوں۔" یہ کہنے کے باوجود تم چلے گئے مجھے چھوڑ کر شاداب اس عمر میں تو یہ داغ نہ دیتے۔" میں بلاتی رہی اس کو پکارتی رہی۔

اچانک دروازہ کھلا اور میری ایک اسٹوڈنٹ کمرے میں داخل ہوئی اور مجھے روتے دیکھ کر پوچھا "کیا ہوا میڈم؟"

اور میں روتے روتے چپ ہو گئی" کیا بتاؤں کہ کیا ہوا تھا میرا سب کچھ لٹ گیا تھا" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ماریہ مجھے اسلام آباد پاکستان کا ٹکٹ چاہیے پہلی جانے والی پرواز کا کیا

تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکتی ہو؟''

''آف کورس'' ماریہ نے کہا پھر پوچھا ''کوئی خاص بات؟''

''ہاں'' میں نے دوبارہ خط پر نظر ڈالی ''بریگیڈئر شاداب خان آفریدی شہید ہو گئے۔''

''او کے ہم کوشش کرتے ہیں'' اور وہ چلی گئی ......

☆

جہاز پاکستان کی طرف محوِ پرواز تھا اور میری گود میں مینا کے خط کا آخری حصہ کھلا پڑا تھا اس نے لکھا تھا۔

''شاداب کی خواہش تھی فواد آپ کے پاس رہے ان کی زندگی میں محض ان کو زچ کرنے کی خاطر میں نے ہر بار انکار کیا تھا لیکن اب مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ آ کر اپنی امانت لے جایئے اور پھر جس شدت سے شاداب نے آپ سے محبت کی ہے اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ آپ ان کا آخری دیدار تو نہ کر سکیں اب ان کی آخری آرام گاہ کا تو دیدار کیجیئے گا۔

اب اجازت باقی باتیں آپ کے آنے پر ہوں گی۔

مینا

اسلام آباد کا موسم خراب ہونے کی وجہ سے کینیڈا سے آنے والی اس پرواز کو لاہور رکنا پڑا یہ جون کی ایک تپتی ہوئی دوپہر تھی کچھ دیر تو مہمانوں کو انتظار کروایا گیا پھر بتایا گیا یہ فلائیٹ کل صبح دس بجے اسلام آباد جائے گی اس وقت دوپہر کے دو بجے تھے میں نے سوچا یہ جو آدھا دن اور پوری رات میرے پاس ہے کیوں نہ ایک چکر برج کلاں کا لگا لیا جائے۔

انسان دنیا کے کسی بھی حصے میں رہے مگر وہ اپنے وطن کو نہیں بھولتا۔ خاص کر وہ جگہ جہاں اس نے جنم لیا ہوتا ہے جہاں اس نے آنکھیں کھولی ہوتی ہیں۔ میرا دل بھی اپنا پیارا پیارا گاؤں دیکھنے کے لئے تڑپنے لگا تھا پرویز بھائی کے کینیڈا جانے کے بعد جب فیروز اور اماں ابا کی برسی پر میں گاؤں گئی تھی تو چچی نے مجھے میرے ہی ماں باپ کے گھر کی چابی دینے سے انکار کر دیا تھا اور میں قبروں پر دعا

مانگ کر قبرستان سے واپس لاہور چلی گئی تھی اس کے بعد کئی سال لاہور میں رہنے کے باوجود میں برسی پر گاؤں کبھی نہ گئی تھی بس اپنے گھر پر ہی تھوڑا سا اہتمام کر لیتی تھی۔

لیکن آج پھر دل وہاں جانے کو تڑپنے لگا تھا اور کچھ دیر بعد ہی میں قصور جانے والی بس میں بیٹھی قصور کی طرف جا رہی تھی۔ یہ آگ برساتی ایک جلتی ہوئی دوپہر تھی۔ جب گاڑی رکتی تو مجھے یوں لگتا جیسے ابھی دم نکل جائے گا۔ کینیڈا کی سردی سے اچانک لاہور کی گرمی میں آنے پر میرا برا حال ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے یہ سفر ختم ہوا اور دو گھنٹے بعد میں کچہری روڈ قصور پر کھڑی برج کلاں جانے والی وین کا انتظار کر رہی تھی اس دوران نجانے میں کتنی پانی کی بوتلیں پی چکی تھی۔ مارے گرمی کے برا حال تھا پھر وین آئی تو اس میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی مگر میں بیٹھ گئی اور آدھے گھنٹے بعد ہی وین نے مجھے برج کلاں اسٹاپ پر اتار دیا۔

وہاں جہاں سے میرا پیارا گاؤں شروع ہوتا تھا کتنی دیر میں کھڑی اپنے گاؤں کی طرف دیکھتی رہی۔ اسٹاپ پر کئی تانگے کھڑے تھے جن کے گھوڑے گرمی سے ہانپ رہے تھے ایک تانگہ والے نے پوچھا۔

''آپا کہاں جانا ہے؟''

''اندر گاؤں برج کلاں۔'' میں نے کہا اور تانگے میں جا بیٹھی۔

''سالم تانگہ چاہیئے یا اور سواری دیکھ لوں۔'' تانگہ بان نے پوچھا۔

''نہیں تم چلو۔'' میں نے آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو چھپانے کے لئے سیاہ چشمہ آنکھوں پر چڑھا لیا۔

''تانگہ چل پڑا اور ساتھ ہی تانگے والے کی زبان بھی

''آپ کو کس کے گھر جانا ہے جی؟''

''بس جانا ہے کسی کے گھر'' میں نے آہستہ سے کہا اور اپنے آس پاس دیکھنے لگی وہی باغات کے سلسلے تھے لیکن ان میں اب بانس بھی بہت نظر آ رہے تھے اور برج کلاں اسٹاپ سے ہمارے گاؤں تک کا جو راستہ تھا پہلے کچا تھا لیکن اب وہ بھی پکا بن چکا تھا نجانے اور بھی کیا کیا تبدیلیاں آئیں ہوں گی کہ میں تو ایک

پوری عمر گزار کر بلکہ گنوا کر گاؤں آئی تھی۔

''یہ راستہ پکا کب بنا؟'' بالآخر میں نے پوچھ ہی لیا۔

''جی بہت لمبا عرصہ ہو گیا اس راستے کو پکا ہوئے'' پھر وہ تو شروع ہی ہو گیا۔

''آپا ہمارے گاؤں کی اپنی شان ہے خاص کر انگریز کے زمانے میں جب حریت پسند یہاں آ کر چھپتے تھے تب یہ جاننے کے باوجود انگریز گاؤں میں قدم نہیں رکھتے تھے ہمارے چوہدری نمبردار کی حویلی میں وہ سب لوگ جاتے پھر وہ جو کہتے وہی کرتے۔''

وہ مجھے میرے ہی خاندان کے بارے میں بتا رہا تھا پھر کہنے لگا۔

''یہاں پہلے صرف امرود اور آلوچے کے باغات ہوتے تھے لیکن اب میٹھے لوکاٹ خوبانی اور دوسرے بہت سے پھلوں کے علاوہ بانس بھی بہت زیادہ ہیں یہاں پر بانس سب سے پہلے چوہدری صدیق نے لگائے تھے! وہ رکا پھر پوچھا۔

''آپ کو جانا کہاں ہے؟''

میں نے اسے اپنے گھر کا ایڈریس بتایا تو وہ بولا۔

''یہ کہیے لڑکیوں کے اسکول اسٹاپ پر جانا ہے۔''

''اسکول اسٹاپ؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی آپا اب یہاں لڑکیوں کا اسکول بھی بن چکا ہے اور ایک چھوٹا سا ہسپتال بھی''

''اچھا'' میں نے حیرت سے کہا۔

اور اس نے تانگہ ہمارے گھر کے اندر جانے والی گلی کے پاس روک دیا میں نے اس کو سو کا نوٹ دیا تو وہ بولا۔

''آپا میرے پاس کھلا نہیں ہے۔''

''رکھ لو سارے۔'' میں نے کہا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

اور میں اس کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ بجائے گھر کی طرف جانے کے دوسری طرف قبرستان والے راستے پر مڑ گئی۔ قبرستان پہنچی تو اپنے آنسوؤں پر ضبط

نہ رہا اماں ابا کی قبریں وہیں تھیں جہاں بہت سال پہلے دیکھی تھیں جیسے بہت حفاظت کی جا رہی ہو۔ اماں ابا کی قبر سے لپٹ کر میں خوب جی بھر کر روئی پھر اپنے بچے اور فیروز کی قبر کی طرف بڑھی تو چونک پڑی' ساتھ ہی چچا کی قبر تھی قبر پر نصب کتبہ بتا رہا تھا وہ پندرہ سال پہلے فوت ہو چکے ہیں۔

میرے آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ مجھے لگا جیسے وہ ابھی ابھی مجھ سے جدا ہوئے ہیں۔ سورج کی سخت روشنی نرم ہو رہی تھی اور مدھم بھی جب میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو خیال تھا چچی آج تو چابی ضرور دے دیں گی یہ گزرتے سال ان کا غصہ کم کر چکے ہوں گے۔ میں باغات والی سائیڈ سے اپنے گھر کی گلی میں داخل ہوئی ویسے ہی گھر تھے لیکن تبدیلیوں کے ساتھ اب کچے گھر زیادہ تر پکے بن چکے تھے۔

میں ایک ایک گھر کی طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی کبھی یہاں سے گزرتے ہوئے میں زور زور سے پکارا کرتی تھی۔

''ثریا' گڈو' ارشاد اور عذرا'' دکھ میرے دل میں اترنے لگا اماں ابا وہ سب چہرے جن کے بغیر جینا موت نظر آتا ہے لیکن جب وہ چلے جاتے ہیں تو پھر میرے جیسے ڈھیٹ لوگ زندہ رہتے ہیں۔ ثریا کے گھر کے باہر کتا بیٹھا ہوا تھا ارشاد کے کھلے دروازے سے بکریاں نظر آ رہی تھیں۔ جبکہ بھینسیں گھروں سے باہر باغوں میں ہوتی تھیں۔

میں اپنے گھر کے قریب آئی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دروازہ کھلا تھا میں نے یہ سوچ کر کہ شاید اندر چچی ہوں دستک دے ڈالی تھوڑی دیر بعد ہی ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکی نے باہر جھانکا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی پوچھا۔

''جی فرمایئے؟''

اور میں حیرت سے اس کو دیکھے گئی وہ ہو بہو جوانی کی عذرا تھی اور شاید عذرا کی بیٹی تھی مگر یہاں۔

''کیا بات ہے؟'' وہ مجھے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

''میں اندر آنا چاہتی ہوں''۔ میں نے بمشکل کہا اپنا تعارف کرواتی تو بھی

کس حیثیت سے؟

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

''بیٹی یہ سوال شہروں میں پوچھے جاتے ہیں گاؤں میں نہیں۔'' میں نے دل کا درد چھپا کر کہا۔

''مما دیکھئے تو کون ہیں؟ کچھ بتاتیں بھی نہیں اور اندر بھی آنا چاہتی ہیں۔'' لڑکی نے اندر کی طرف منہ کر کے کہا اور دوسرے ہی لمحے عذرا میرے سامنے تھی اور حیرت سے مجھے ایڑی سے لے کر سر تک دیکھا اور میں نے اس کو۔ وہ جو کبھی بہت دبلی پتلی اور نازک سی ہوا کرتی تھی اب گوشت کا پہاڑ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ایک عورت لگ رہی تھی چچی جیسی جبکہ میں ایک تو ویسے ہی اپنی عمر سے کم لگا کرتی تھی اپنی خوبصورتی اور اسمارٹنس کی وجہ سے دوسرے کینیڈا کی فضا میں رہنے کی وجہ سے اور بھی خاصی اپنی عمر سے کم لگ رہی تھی یہی وجہ ہے وہ بہت حیرت سے مجھے دیکھتی رہی پھر کہا۔

''اوہ تو تم زندہ ہو ابھی تک اپنے اسی رنگ روپ کے ساتھ۔'' اس کے لہجے میں جیسے حسد بھی شامل ہو گیا۔

اور اس کے منہ سے یہ لفظ سن کر میرا جی چاہا کاش میں مر گئی ہوتی مجھے اپنے زندہ ہونے پر شرمندگی سی ہوئی۔

''یہاں کیا لینے آئی ہو؟ کس نے پتہ بتایا ہے ہمارا''۔ وہ ماتھے پر بل ڈالے پوچھنے لگی اور میں آج بہت برسوں بعد بھی مجرموں کی طرح چپ کھڑی تھی جبکہ عذرا کہہ رہی تھی۔

''دیکھو تمہارے منحوس وجود سے بچا کر میں اپنا شوہر اور بچہ دور لے گئی تھی اور آج ماشاء اللہ میرے دو جوان بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں اگر تم ہمارے ساتھ رہتیں تو شاید ہم بھی زندہ نہ رہتے لیکن اب دیکھو اپنے باپ کے اس آباد گھر کو بہت مشکل سے میں نے آباد کیا ہے اور میں مشکل سے تمہارے بھائی کو سمجھا سکی تھی کہ تم واقعی منحوس ہو جو تم سے محبت کرتا ہے اس کو موت کی تاریکی نگل جاتی ہے تمہارا وجود ایک بیکار بوجھ تھا اور شاید ہے مجھے حیرت ہے تم زندہ کیسے ہو کسی کے کام نہیں

آ سکتیں پھر زندہ رہنے کا فائدہ۔ تاہم مجھے حیرت ہے تمہارا وہ حسن آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہے۔ اونہہ اس کے سوا خدا نے تمہیں دیا ہی کیا تھا'' اس نے پھر بہت برس پہلے والی بات دہرائی۔

''عذرا میں کیسے زندہ ہوں یہ میں ہی جانتی ہوں جب اماں ابا اور فیروز کے بعد تم لوگوں نے بھی مجھے چھوڑ دیا تب مجھے واقعی مر جانا چاہیئے تھا لیکن مجھ جیسے بدنصیبوں کو موت بھی کب آتی ہے۔''

''یہاں کیا لینے آئی ہو میں تمہیں رکھنے والی نہیں۔'' عذرا نے نفرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''عذرا! میں یہاں رہنے نہیں آئی صرف ایک بار اس گھر کو پھر سے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''نہیں میں تمہارے منحوس قدم اس گھر کے اندر نہیں آنے دوں گی جہاں تمہارے قدم پڑتے ہیں' خوشیاں وہاں سے روٹھ جاتی ہیں۔ تمہیں خود ہی سوچنا چاہیئے تھا کیوں اپنے باپ کے آباد گھر کو برباد کرنا چاہتی ہو۔''

''عذرا صرف ایک بار صرف ایک بار بلکہ آخری بار یہ گھر مجھے اندر سے دیکھ لینے دو'' میں رو پڑی کہ دل تو ویسے ہی بھرا ہوا تھا۔

''ہرگز نہیں تو چل یہاں سے'' وہ چلائی اور بہت ساری عورتیں آ گئیں کچھ اماں کے زمانے کی تھیں اور کچھ میرے زمانے کی ان میں ثریا بھی تھی میری سہیلی۔

''عائشہ تم'' وہ مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ بوڑھی عورتوں نے مجھے پیار سے گلے لگایا مگر میرے اندر کی پیاس نہ بجھی سب نے عذرا سے کہا اسے اندر جانے دو مگر وہ نہ مانی تو ثریا نے کہا۔

''عائشہ! ہمارے گھر آؤ یہ گھر پہلے والا کب ہے انہوں نے سارا اندر سے نیا بنوایا ہے جب اس میں بسنے والے تمہارے ماں باپ نہیں رہے تو پھر گھر دیکھ کر کیا کرو گی۔''

''عذرا صرف ایک بار مجھے اندر آنے دو۔'' میں نے منت کی اور عذرا

کے جواب دینے سے پہلے ہی گلی میں پرویز بھائی داخل ہوئے۔ پہلے حیرت سے اپنے گھر کے سامنے لگے مجمع کو دیکھا پھر مجھ پر نظر پڑتے ہی ساکت رہ گئے کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے پھر تیزی سے میری طرف بڑھے اور ''عائشہ'' کہتے ہوئے مجھے گلے سے لگا کر سسک پڑے مگر میں ساکت کھڑی رہی گو کہ میری آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا لیکن اس میں میری مرضی شامل نہیں تھی میں بھائی کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی جس کو میری پرواہ نہ تھی جس نے میری خبر نہ لی تھی میں اس کے سامنے کیوں روتی لیکن آنسوؤں پر میرا اختیار نہ تھا۔

پرویز بھائی مجھے گلے سے لگائے اندر لے آئے بڑے سے صحن کو انہوں نے سبزہ لگا کر خوبصورت لان بنا ڈالا تھا۔

''مجھے معاف کر دو عائشہ میں نے تمہاری طرف سے لاپرواہی برتی میں تجھے بھول گیا، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھے مگر نجانے کیسے میں عذرا کی باتوں میں آ گیا۔'' پرویز بھائی بہت کچھ کہتے رہے مگر میں ان کی بجائے گھر کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

میرا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
میری یہ گلیاں میرے یہ کوچے یہ میرے باغ
میں بھی نہ کیوں اب اس کی حکایت رقم کروں
سب مجھ سے چھن گئے ہیں میں کیوں اُن کا غم کروں
سو بار دل ہی رویا ہے یادوں کی دھول پر
میں کیوں نہ آج گریہ سے آنکھوں کو نم کروں
وہ جن کے دم سے محفلِ یاراں تھی اشکبار
اُن کے بھی نام کیوں نہ میں زیبِ قلم کروں

عذرا اور اُس کی بچیاں چپ چاپ کھڑی تھیں۔ میں نے سارا گھر گھوم پھر کر دیکھا گھر کا کونہ کونہ بدل گیا تھا اور لوگ بھی تو بدل گئے تھے۔ نہ وہ بے تحاشہ لاڈ پیار کرنے والے اماں، ابا تھے نہ اب یہاں وہ چہیتی زبان دراز، ضدی اور

نفلی بیمار عائشہ رہتی تھی ہاں پرویز بھائی تھے اور خدا اُن کو ہمیشہ خوش رکھے بیتے دنوں کا کرب چھپا کر میں گھر دیکھنے کے بعد دروازے کی طرف بڑھی تو پرویز بھائی نے مجھے تھام لیا۔

''نہیں عائشہ، اب میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا اب تم یہاں ہمارے ساتھ رہو گی سمجھیں۔ اب میں تمہیں خود سے جدا نہیں کرونگا۔'' پتہ نہیں پرویز بھائی دل سے کہہ رہے تھے یا پھر دکھاوے کے طور پر لیکن میں یہاں رکنے کے لئے تو نہ آئی تھی میرے جواب دینے سے پہلے ہی عذرا نے کہا۔

''یہ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

''بکواس بند رکھنا۔'' پرویز بھائی نے غصے سے عذرا کو کہا پھر مجھے پکڑ کر بٹھانا چاہا۔

''نہیں پرویز بھائی جب مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت تھی تب آپ مجھے اکیلی چھوڑ گئے تھے اب تو میں اپنے کام سے آئی ہوں پھر واپس کینیڈا چلی جاؤنگی۔''

''کینیڈا سے آ کر میں نے تمہیں تلاش کیا تھا مگر معلوم ہوا تم کینیڈا جا چکی ہو۔'' پرویز بھائی نے اپنی ندامت مٹانے کے لئے جھوٹ بولا اور میں چپ رہی۔

''نورین، زرین یہ تمہاری پھپھو ہیں۔'' پرویز بھائی نے تعارف کروایا انہوں نے حیرت سے ماں کو دیکھا پھر مجھے سلام کیا اور میں جواب دیتے ہوئے اٹھ گئی۔

''اب رات کو کہاں جاؤ گی پلیز رک جاؤ۔'' پرویز بھائی کہہ رہے تھے۔

''کہیں بھی جاؤں لیکن اس گھر میں نہیں رکوں گی۔'' میں ان کے روکنے کے باوجود باہر نکلی پھر دروازے پر کھڑے پرویز بھائی کے بیٹوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی وہ تو خوب جوان ہو چکے تھے میں اُن کو نظر انداز کرتی ہوئی ثریا کے گھر میں داخل ہوگئی۔ یہ سبُ میرے کتنے قریبی رشتے دار تھے لیکن یہ سب رشتوں کے تقدس سے کتنی دور تھے۔

ثریا کے گھر والے بہت ہی محبت سے پیش آئے۔ گئے دنوں کی بہت ساری باتیں ہوئیں میری آمد کی خبر شاید جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی جس جس کو پتہ چلا وہی ملنے چلا آ رہا تھا کچھ اماں' ابا کے حوالے سے اور کچھ میرے اپنے حوالے سے اس ملنے ملانے میں رات کا کھانا کھایا پھر انہوں نے سونے کے لئے میرا بستر لگایا ہی تھا کہ نوری آئی وہ دروازے میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''میں نے سنا ہے عائشہ باجی آئی ہیں۔'' اگرچہ وہ مجھ سے بڑی تھی لیکن ہماری نوکر تھی اس لئے شروع سے ہی مجھے باجی کہتی تھی اور میں اس کو دن میں نجانے کتنی بار جھاڑا کرتی تھی بلکہ اکثر مارتی بھی تھی بہت لاڈ اور پیار میں بگڑی ہوئی تھی نا میں' اور اس مختصر پیار کی سزا میں نے بہت لمبی پائی تھی۔

میں اُٹھ کر نوری سے گلے ملی تو وہ رونے لگی میں بھی رو پڑی پھر اُس نے بتایا۔

''کشور آپا بیمار ہیں وہ کہتی تھیں مجھے ضرور مل کر جانا۔'' اور میں اُسی وقت نوری کے ساتھ کشور کے گھر آ گئی۔ ثریا نے کہا بھی ''رات ہمارے گھر رہو۔'' مگر میں نہ مانی۔

کشور آپا بہت زیادہ بوڑھی ہو چکی تھیں مجھے گلے لگا کر بہت روئیں اور میرے آنسو تو رکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ نوری کچھ دیر ہمارے پاس بیٹھی رہی پھر اپنے گھر چلی گئی۔ اُس کا گھر کشور کے ساتھ ہی تھا اور وہ کہہ گئی تھی کہ وہ رات اِدھر میرے ہی پاس رہے گی کشور آپا نے میرے لئے بستر لگایا پھر کھانے کا پوچھا۔

''ثریا کے گھر میں کھانا کھا چکی ہوں۔'' میں نے بتایا پھر اُن کا حال پوچھا۔

''کیسا حال' شوہر جوانی میں ساتھ چھوڑ گیا بچہ کوئی تھا نہیں اب لپائی وغیرہ کرتی ہوں اناج مل جاتا ہے سالن اگر پیسے ہوں تو خود بنا لیتی ہوں ورنہ کسی کے گھر سے بلکہ نوری کے گھر سے مانگ لیتی ہوں۔'' وہ رونے لگی اسی نے بتایا پرویز بھائی کو گاؤں آئے دس سال ہو چکے ہیں یعنی میں ابھی لاہور میں ہی تھی جب وہ

واپس آئے تھے چچی کے بارے میں اُس نے بتایا فالج ہو چکا ہے سارا وقت چارپائی پر رہتی ہے۔''

''کشور آپا پنکھا نہیں ہے آپ کے گھر؟'' میں نے پوچھا کیونکہ مجھے گرمی لگ رہی تھی اور مچھر بھی کاٹ رہے تھے۔

''میرے گھر تو بجلی بھی نہیں یہ نوری نے اپنے گھر سے تار دے کر بلب لگا رکھا ہے اچھا میں کسی کے گھر سے۔''

''نہیں آپا رہنے دیں'' اتنے میں نوری پھر آ گئی اور میں نے پوچھا۔

''تو سنا نوری کیسی گزر رہی ہے تیری؟''

''بس جی جیسی ہم جیسوں کی گزرتی ہے تین بیٹے ہیں اور چار بیٹیاں۔ سب کی شادیاں کر چکی ہوں۔ گھر والا بیمار رہتا ہے کام نہیں کر سکتا میں لوگوں کے گھروں یا باغوں میں کام کر کے چار پیسے کما لیتی ہوں۔ گزارہ ہو جاتا ہے اللہ کا شکر ہے وہ جس حال میں رکھے۔''

''ہاں یہ بات بہت سچ ہے۔'' میں نے دل میں سوچا پھر پوچھا۔

''تمہارے بیٹے تمہیں کچھ نہیں دیتے؟''

''جی دو تو دوبئی ایسے گئے ہیں کہ واپس ہی نہیں آئے۔ تیسرا خود ہی غریب ہے اپنا گھر مشکل سے چلاتا ہے ہمیں کیا دے گا۔'' نوری نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

''اچھا'' میں نے کہا پھر وہ سوگئی۔ گرمی کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔

اچانک خدا کو شاید مجھ پر رحم آ گیا ہوا چلنے لگی آسمان پر جو ڈھیروں تارے چمک رہے تھے اُن کو بادلوں نے چھپا لیا اور پھر بارش شروع ہو گئی۔ نوری نے میرا بستر کمرے میں لگا دیا پھر نوری اپنے گھر چلی گئی کشور اندر آئی تو میں نے کہا۔

''چھت ٹپک رہی ہے آپا۔''

''بس کیا بتاؤں سوچا تھا ساون شروع ہونے سے پہلے ہی چھت پر مٹی ڈالوں گی مگر'' وہ چپ ہو گئی اور دکھ سے میرا دل پھٹنے لگا۔ صرف ایک بار خدا زندگی دیتا ہے لیکن خود بے نیاز بن جاتا ہے کسی کو اتنا دیتا ہے کہ وہ حساب بھی نہیں رکھ

سکتا اور کسی کو اتنا کم کہ وہ پورا کھا بھی نہیں سکتا لیکن وہ بے نیاز ہے کسی کو جوابدہ نہیں۔

بارش کی وجہ سے ایک تو چھت ٹپک رہی تھی دوسرے حبس بھی بہت ہو گیا تھا ہوا رک گئی تھی پھر بارش رکی تو نوری آئی اُس نے بستر پھر باہر لگا دیئے۔ میں لیٹنے لگی تو نجانے منہ میں کیا چلا گیا مجھے کھانسی کے ساتھ قے آ گئی اور کشور آپا نے گھبرا کر کہا۔

"ارے پھر گلا تو خراب نہیں تمہارا؟"

اور پھر پرانا زمانہ یاد کر کے میں رونے لگی اور خوب اونچی آواز میں جی بھر کر روئی۔ کشور مجھے چپ کرواتے ہوئے کہتی رہی۔ "اس وقت نہ تو مولوی آ سکتا ہے اور نہ حکیم ویسے تو اب یہاں ڈاکٹر بھی ہوتا ہے ہسپتال میں۔"

اور مجھے وہ زمانہ یاد آیا جب میں ہٹی کٹی ہونے کے باوجود ماں' باپ کا سکون غارت کر دیتی تھی کتنی محبت تھی اماں' ابا کو مجھ سے اور کتنی نفرت کی تھی ان کے بعد لوگوں نے مجھ سے ایک زمانہ تھا میں نقلی گلا خراب کر کے اماں ابا کو رات رات بھر سرہانے کھڑا رکھتی تھی۔ اور اب جب حقیقت میں گلا خراب ہوتا تھا تو کینیڈا کے اُس ایک کمرے کے فلیٹ میں کوئی مجھے پانی کا پوچھنے والا بھی نہیں ہوتا تھا میری نا سمجھی کی عمر میں سرزد ہونے والی حرکتوں کی سزا خدا نے نجانے کیا سوچ کر عمر بھر کے لئے مجھ پر مسلط کر دی تھی کہ عمر کٹنے کے قریب آ گئی تھی مگر سزا پوری ہونے میں نہ آ رہی تھی۔

زندگی پوچھ رہی ہے مجھ سے
اور اب کتنی سزا باقی ہے

رات یونہی نئی پرانی باتیں یاد کرنے۔ گرمی' اور مچھروں سے بچنے کی کوششوں میں نکل گئی۔ علی الصبح میں جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

☆☆☆

"اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو؟ ناشتہ کر کے چلی جانا" کشور محبت سے کہہ رہی تھی۔

"آپا میرے پاس زیادہ وقت نہیں مجھے جلدی لاہور جانا ہے۔" تب وہ بولی......

"چھ بجے ایک ویگن گاؤں کے اندر آتی ہے قصور جانے والوں کو لینے تم بھی اس میں چلی جانا ویسے اگر کچھ دن رہ جاتیں تو اچھا تھا کہاں اور کب تک اکیلی رہو گی میرے پاس آ جاؤ"

"تمہارے پاس تو کیا آپا اب شاید میں دوبارہ یہاں کبھی نہ آ سکوں لیکن اپنا ایڈریس لکھوا دیں میں آپ کو اتنے پیسے بھیج دوں گی کہ باقی جو تھوڑی بہت عمر ہے آپ کو کام نہیں کرنا پڑے گا۔ گھر کی چھت پکی کروا لینا اور بجلی کا ایک پنکھا بھی خرید لینا" یہی بات میں نے نوری سے بھی کہی کہ میں اس کو بھی پیسے بھیجوں گی پھر ان دونوں کے ساتھ میں قبرستان جانے کے لئے نکلی تو یاسین سامنے سے آتے ہوئے بولا......

"میں نے سنا ہے عائشہ بی بی آئی ہیں۔" پھر مجھے دیکھا اور پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا وقت کتنا بدل گیا تھا وہ کتنا بوڑھا ہو گیا تھا وہ میرے ابا کی عمر کا تھا لیکن میں اس کے ساتھ بھی زبان درازی کر جایا کرتی تھی۔

وہ میرا حال پوچھ رہا تھا میں نے بتایا "ایک ضروری کام سے پاکستان آئی ہوں سوچا آپ سے ملتی جاؤں آپ کیسے ہیں؟"

"بس پتر زندہ ہیں!" تب نوری نے بتایا۔ "یاسین کا ایک جوان بیٹا مر گیا ہے اور جو دوسرا ہے وہ نشہ کرنے لگا ہے جبکہ ایک بیٹی کی ابھی تک پیسے نہ ہونے کی وجہ سے شادی نہیں ہو سکی۔"

"وہی غریب لوگ اور وہی ان کی دکھ بھری باتیں' میں نے اس کو بھی تسلی دی اور پیسے بھیجنے کا کہا کہ "میرے پاس اور کچھ نہیں مگر پیسہ بہت تھا اور پیسہ ان کی ضرورت بھی تھا میں نے سوچ لیا یہاں سے جاتے ہی ڈرافٹ بنوا کر بھیج دوں گی پھر قبرستان آئی۔ آخری بار مٹی سے لپٹ کر روئی اور جب میں قبرستان سے باہر آ رہی تھی تو باغ والی پگڈنڈی پر کوئی کسان پوری آواز میں ریڈیو لگائے سائیکل پر جا رہا تھا اور کوئی لوک فنکار گا رہا تھا۔"

ماۓ نی میں کنو اکھیاں
درد وچھوڑے دا حال نی

"تب میں نے ایک نظر قبروں پر ڈالی نوری کے ساتھ کشور لاٹھی کا سہارا لئے کھڑی تھی میں نے ان کے پتے نوٹ کئے پھر ایک چکر نہر کا لگایا وہاں جہاں میرے مستقبل کی کسی نے پیش گوئی کی تھی اور کتنی صحیح کی تھی۔ پھر میں واپس گاؤں آئی ویگن آ چکی تھی میں نے نوری اور کشور کو خدا حافظ کہا اور اپنے گاؤں کو آخری سلام کر کے ویگن میں بیٹھ گئی۔"

بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں، گور پیا کوئی ہور
بلھے شاہ! پھر ہماری بجائے کوئی اور مر گیا

اور مجھے شاداب یاد آ گیا کینیڈا جاتے ہوئے میں نے سوچ لیا تھا جب تک میں مر نہیں جاتی واپس نہیں آؤں گی اور میں زندہ رہی تھی جبکہ شاداب چلا گیا تھا۔

ان ہی سوچوں میں گم گاؤں پیچھے رہ گیا اور میں قصور پہنچ گئی۔ آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور تیز ہوا چل رہی تھی کل رات کی بارش کے بعد ساون کا آغاز ہو گیا تھا۔

قصور سے میں لاہور جانے والی بس میں بیٹھی تھی اور پورے نو بجے میں لاہور ایئر پورٹ موجود تھی اور ٹھیک دس بجے طیارہ اسلام آباد کے لئے پرواز کر گیا۔

گیارہ بجے میں پشاور والی پروزا میں بیٹھی اور ٹھیک بارہ بجے میں چارسدہ کے لئے وین میں بیٹھ چکی تھی۔ اب ذہن میں صرف شاداب کی یاد تھی اور دل میں فواد کا خیال تھا۔ کیا واقعی وہ ایسا ہے جیسا مینا نے لکھا ہے۔

راستے میں وین خراب ہو گئی تو میں نے ٹورسٹ بس میں لفٹ لی جو مردان جا رہی تھی چارسدہ کے قریب پہنچتے ہی گائیڈ بولا۔

"اب ہم چارسدہ کے تاریخی مقام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہزاروں سال پہلے یہ جگہ بڑی آباد اور بارونق تھی لیکن ایک مہیب زلزلے نے اس عظیم شہر

کے آثار مٹا دیئے ہیں کئی سو سال تک یہ شہر مٹی کے نیچے دبا رہا یہ جو بڑے بڑے ٹیلے نظر آ رہے ہیں یہ اس پرانے شہر کے آثار قدیمہ ہیں چارسدہ پہلے پشاور کی تحصیل میں ہوتا تھا اب تین سال ہوئے اس کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا ہے۔" پھر وہ وہی باتیں دہرانے لگا جو کبھی ذاکر کے بھائی نے مجھے بتائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہم چارسدہ میں داخل ہو گئے میں نے گائیڈ کو رکنے کا کہا اور صرف ایک لمحہ رک کر میرے اترتے ہی بس آگے بڑھ گئی۔

اور میں آہستہ قدموں سے اس تاریخی شہر کی طرف بڑھنے لگی۔ کیسا عجیب اتفاق تھا۔ قصور بھی ایک تاریخی شہر تھا وہ بھی ایک خوفناک زلزلے میں تباہ ہو کر دوبارہ آباد ہوا تھا اور آج میں اس کو آخری بار دیکھنے کے بعد ہمیشہ کے لئے چھوڑ آئی تھی۔ اور اس وقت ایک دوسرے تاریخی شہر میں موجود تھی۔

تانگہ کر کے میں دل میں شاداب کی پر درد یاد کی کسک لئے جب مینا کے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو ہر طرف شاداب کا ہی چہرہ تھا جب وہ آخری بار مجھے پشاور چھوڑنے آیا تھا۔ تو کتنی زیادتیاں کی تھیں اور پھر بعد میں جب میں کینیڈا جا رہی تھی تو اس نے جس انداز میں تلافی کی معذرت کی تھی وہ انداز بھولنے والا کب تھا۔ میرے پاؤں پر میرے ہاتھ کی پشت پر میرے رخسار پر اور میری آنکھوں پر اس کی محبتیں آج بھی مجھے اسی طرح محسوس ہوتی تھیں۔

تانگہ رکا تو میں چونک پڑی پھر کرایہ ادا کر کے میں مینا کے گھر میں داخل ہوئی تو گھر میں گہرا سکوت تھا۔ میرے آواز دینے پر مینا کی بھابی باہر آئی اور مجھے حیرت سے دیکھنے لگی۔ میں نے اپنا تعارف کرایا پھر رقیہ اور مینا کا پوچھا۔

"جی ان کو تو حماد خان اپنی حویلی لے گئے تھے۔ شاداب کی آخری رسوم ادھر ان کی اپنی حویلی میں ادا کی گئی تھیں آپ بیٹھیے ناں"

"نہیں تم میرے ساتھ کسی کو بھیج دو میں ابھی رقیہ آپا کے پاس جانا چاہتی ہوں۔" میں نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ مجھے حیرت تھی اس بات پر کہ حماد خان آپا کو حویلی کیسے لے گیا۔

اس نے رکنے پر بہت اصرار کیا پھر ایک بچے کو میرے ساتھ بھیج دیا۔ ہم پھر تانگے میں شاداب کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک وسیع باغ کے سامنے بچے نے تانگہ رکوایا میں نے پیسے ادا کئے پھر بچے کو دیکھا۔

''یہی ہے جی۔'' اس نے کہا۔

''اچھا۔'' میں نے سامنے دیکھا وسیع باغ کے اندر ایک قلعہ جیسی اونچی دیواروں والی قدیم عمارت کھڑی تھی میں بچے کے ساتھ چلتی ہوئی باغ میں داخل ہوئی پھر عمارت کے گیٹ پر پہنچ کر میں نے دستک دینا چاہی تو بچہ بولا۔

''دروازہ کھلا ہے جی'' اور ہم گیٹ کی کھڑکی کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

گیٹ کھلتے ہی وسیع لان نظر آیا اور اس کے بعد اصل عمارت کا دروازہ۔

''بچہ مجھے ساتھ لئے عمارت کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا اور پھر ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔'' یہ ایک بڑا کمرہ تھا جس میں مینا چند دوسری عورتوں کے سات زمین پر بیٹھی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑی۔

میں سب کو سلام کرتے ہوئے مینا کے قریب آئی مگر وہ یونہی بیٹھی رہی اس نے مجھ سے گلے ملنا ضروری نہیں سمجھا لیکن میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کو پیار کیا اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے لیکن وہ سپاٹ چہرہ لئے بیٹھی رہی اس کی آنکھیں بھی خشک تھیں اور وہ چپ تھی۔ میں نے رقیہ آپا کا پوچھا تو مینا کی بجائے ایک دوسری عورت نے کہا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ دوسرے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔''

''اچھا۔'' میں نے کہا اور خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد مینا نے سب عورتوں کو جانے کا اشارہ کیا پھر میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو میرا خط مل گیا تھا آپ کو؟''

''ہاں مل گیا تھا پہلے تو میں سمجھی تم نے مذاق کیا ہو گا مگر پھر یقین کرنا پڑا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''مذاق'' مینا نے زہر خند سے کہا اور پھر میرا حال احوال پوچھے بغیر ہی وہ

شروع ہو گئی۔

''قسمت نے میری زندگی سے جو مذاق کیا ہے اس کے بعد میں کسی سے مذاق کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتی:..... آپ سے میں پوچھتی ہوں اگر آپ کو شاداب سے محبت تھی تو شادی کر لی ہوتی اس سے۔''

''مینا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے'' میں نے کہنا چاہا مگر وہ تو اپنی ہی کہنے کے موڈ میں تھی۔

''ارے جب شاداب نے کہا تھا کہ وہ پہلی شادی آپ سے کرے گا تو آپ نے کر لی ہوتی۔ اس طرح شاید وہ مجھے بھی قبول کر لیتا لیکن آپ کے بغیر اس نے مجھے جو زندگی دی تھی میرا جو حال تھا وہ سب بتانے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔''

''مینا تمہیں بہت پہلے یہ سب مجھے بتانا چاہئے تھا۔'' میں نے کہنا چاہا مگر وہ اپنی دھن میں کہتی رہی۔

''ذرا سوچیئے وہ بیڈ روم ہمارا تھا بلکہ میرا کیونکہ میں شاداب کی تھی لیکن اس میں تصویر آپ کی لگی ہوئی تھی...... شوہر میرا تھا لیکن اس کے دل میں محبت آپ کی تھی اور فواد کو پیدا میں نے کیا تھا اور وہ مم آپ کو کہتا ہے۔ اس ظلم سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے۔ اس دنیا میں ایک عورت ایک ماں کے ساتھ۔''

''مینا اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔'' میں نے ایک بار پھر وضاحت کرنا چاہی۔

''آپ کا قصور تو صرف یہ ہے کہ جب آپ کینیڈا کے لئے روانہ ہوئیں تو آپ کی آنکھوں میں شاداب کے لئے جو محبت کی چمک پیدا ہوئی وہ شاداب سے چھپ نہ سکی اور آپ کی اس محبت نے اس کو باقی زندگی چین سے جینے نہ دیا'' مینا کہہ رہی تھی۔ اور میں حسرت سے سوچ رہی تھی میں تو سمجھتی تھی کہ میں ان آخری لمحوں میں پیدا ہونے والی شاداب کی محبت کو چھپا کر کینیڈا چلی آئی ہوں مگر نہیں وہ میری آنکھوں میں پیدا ہونے والی محبت کی اس چمک کو پہچان چکا تھا گو کہ یہ چمک

مدھم تھی کیونکہ میں اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ تو شاید مجھ سے زیادہ مجھے سمجھتا تھا مجھے جانتا تھا۔

''ہاں وہ مجھے مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا اس لئے اس آخری وقت میں پیدا ہونے والی چمک کو کیسے محسوس نہ کرتا لیکن میرے لئے یہ حیرت کی بات تھی میری محبت محسوس کرنے کے باوجود اس نے اقرار پر اصرار نہ کیا تھا۔''

میں اپنی سوچوں سے چونک پڑی مینا کہہ رہی تھی۔

''میں ایک پٹھان زادی ہوں ہمارے یہاں رسم ہے ہمارے ساتھ جو جیسا سلوک کرتا ہے یا احسان ہم اس کے ساتھ ویسا ہی رویہ رکھتے ہیں اور زیادہ نہیں تو اتنا ہی احسان اس پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ حساب برابر رہے۔ اصل میں ہم زیادہ دیر کسی کا احسان اٹھا ہی نہیں سکتے۔ کبھی آپ نے مجھے بے عزت اور رسوا ہونے سے بچایا تھا ہاں جب فواد میرے وجود میں شامل ہو چکا تھا جب ہر طرف مجھے اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی اور قتل و غارت کے طویل سلسلے نظر آرہے تھے تب آپ نے میری مدد کی تھی گو کہ اس وقت مجھے یہ معلوم تھا کہ شاداب نے آپ کی وجہ سے ہی مجھے برباد کیا اور پھر آپ ہی کے کہنے پر مجھ سے شادی کر لی لیکن وہ میرے حقوق کبھی ادا نہ کر سکا کیونکہ اس نے آپ ہی کی قسم کھائی تھی کہ وہ آپ کے سوا کسی سے نکاح نہیں کرے گا لیکن جب آپ نے جان دینے کی دھمکی دی تو وہ اپنی قسم توڑنے پر رضا مند ہو گیا لیکن صرف آدھی قسم اس نے مجھ سے صرف نکاح کیا اور کہا تھا کہ اس قسم کا تعلق چونکہ آپ کی جان سے تھا اس لئے اس نے توڑ دی لیکن باقی کی آدھی قسم کا تعلق چونکہ اس کی اپنی ذات سے ہے اس لئے وہ اسے ضرور نباہے گا اور شاداب نے وہی کیا جو کہا تھا مرتے دم تک اس نے مجھے میرے حقوق ادا نہیں کیے۔

ہاں تو میں آپ سے کہہ رہی تھی جو ہم پر جتنا احسان کرتا ہے ہم بھی اس پر اتنا ہی احسان کرتے ہیں کل آپ نے مجھے رسوا ہونے سے بچایا تھا آج میں نے آپ کو رسوا ہونے سے بچایا ہے۔ یہاں لوگ آپ کی بہت عزت کرتے ہیں

آپ کو بہت پارسا سمجھتے ہیں اور میں نے ان کو یہ بالکل نہیں بتایا کہ آپ نے خود سے پندرہ برس چھوٹے لڑکے کو اپنے جال میں پھانس کر اس کی پوری زندگی برباد کر دی اپنی عمر دیکھئے اور اپنی کرتوت دیکھئے''۔ مینا کی باتیں تازیانے سے کم نہیں تھیں اس نے اپنی اور میری عمر کے درمیان فرق کا بھی لحاظ نہ کیا تھا میں اس سے بڑی تھی مگر وہ ذرا بھی لحاظ نہ کر رہی تھی میں نے بے بسی سے کہا۔

''مینا پلیز یہ غلط ہے میں نے جو کچھ بھی کیا صرف رقیہ آپا اور شاداب کی اصلاح کے لئے کیا۔ جب سے خدا نے مجھے دکھوں کے حوالے کیا تھا تب سے کسی اور کا دکھ مجھ سے دیکھا ہی نہیں جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے میں نے شاداب۔'' مگر مینا نے مجھے بات پوری نہیں کرنے دی۔

''میں کچھ سننا نہیں چاہتی کیونکہ مجھے آپ سے بھی شدید نفرت ہے۔ میں فواد آپ کے حوالے کر دوں گی یہ کہہ کر کہ آپ اس کو گود لے رہی ہیں میں کسی کو آپ کے عشق کی داستان نہیں سناؤں گی۔ بلکہ۔'' وہ اچانک چپ ہو کر کھلے دروزے کی طرف دیکھنے لگی اچانک کسی نے ''مم'' کہا تو میں نے بھی چونک کر سامنے دیکھا اور بے شک فواد ہی تھا۔ ڈھیلے ڈھالے سیاہ شلوار سوٹ میں کندھے پر گن لٹکائے وہ ہماری طرف دیکھ رہا تھا اسے دیکھ کر مجھے ایک دم شاداب یاد آ گیا۔ میں بغور اسے دیکھنے لگی۔ شاداب بھی تو پہلی بار مجھے اسی حلیے میں نظر آیا تھا۔ مینا نے اچانک نفرت سے منہ پھیر لیا تو میں نے کہا۔

''دیکھو وہ تمہیں پکار رہا ہے مینا؟''

''مجھے نہیں آپ کو پکار رہا ہے۔ اسے بڑھ کر گلے لگا لیجئے۔ بہت خواہش تھی آپ کو بچے کی شاداب کی وجہ سے پوری ہو گئی آپ تو اس کو کچھ نہ دے سکیں مگر وہ آپ کو بیٹا ضرور دے گیا۔'' مینا کی باتیں مجھے جلا رہی تھیں۔ میں نے سامنے دیکھا فواد اب بھی دروازے میں کھڑا مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا پھر وہ گن پھینک کر میری طرف...... ''مم......مم'' کہتے ہوئے بھاگا اور قریب آ کر بے ساختہ مجھ سے لپٹ گیا لیکن مینا کے پاس ہونے کی وجہ سے نئیں گرم جوشی سے اس کو گلے

بھی نہ لگا سکی وہ خود ہی بہت دیر مجھ سے لپٹا رہا پھر الگ ہوتے ہوئے اس نے حیرت سے مجھے دیکھا شاید میرے سرد رویے نے اسے مایوس کیا تھا۔

میں نے بمشکل ضبط کیا آنکھوں میں پھر بھی نمی اتر آئی تب فواد نے مینا کو دیکھا پھر میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کب آئیں کینیڈا سے؟''

''کل آئی تھی موسم خراب ہونے کی وجہ سے ایک دن لاہور میں رکنا پڑا۔'' میں نے سارے آنسو اپنے دل پر اتارتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''آپ نے آنے سے پہلے فون کر دیا ہوتا میں آپ کو ریسیو کرنے آجاتا جواد بھائی کے ساتھ'' وہ شاداب والے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''بس خیال نہ رہا۔'' میں مینا کی وجہ سے بات مختصر کر رہی تھی۔

''خیال رہنا چاہئے تھا نا۔'' پاپا آپ اکیلی نجانے کتنی پریشانی اٹھا کر یہاں پہنچ پائی ہوں گی۔ وہ سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''باپ کی طرح اس کو بھی اس بات کی فکر ہے کہ آپ اکیلی ہیں۔'' مینا نے غصے سے کہا اور نفرت سے فود کو دیکھا۔ میں چپ رہی کہتی بھی تو کیا مینا نے ہی پھر کہا۔

''آپ کی محبت فواد کے وجود میں شامل کرتے ہوئے اس نے میرے بچے سے اس کا بچپن بھی چھین لیا۔ چھوٹی عمر میں ہی وہ پھر ایک بڑا اور سمجھدار بولتا مسکراتا سب باپ پر ہے اور حد تو یہ ہے اس کی وہی لاپرواہی مجھ سے ہے جو شاداب کی تھی اس کو وہی محبت آپ سے ہے جو شاداب کو آپ سے تھی۔'' وہ رکی پھر چیخی۔

''اور مجھے وہی نفرت فواد سے ہے جو شاداب سے تھی میرا جی چاہتا ہے کہ اس کو مار ڈالوں'' اور اس نے سچ مچ فواد کو پکڑ کر کئی زور دار چانٹے اس کے منہ پر رسید کر دیئے۔

''مینا یہ کیا کرتی ہو یہ تو معصوم بچہ ہے۔'' میں نے کھینچ کر فواد کر سینے

سے لگا لیا۔

''یہ اس کمینے کی کمینی اولاد ہے جس نے سات سال کی قید مجھے کسی جرم کے باعث کاٹنے پر مجبور کیا وہ مکار' ذلیل' کمینہ'' مینا غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''مینا پلیز وہ شہید ہو چکا ہے اب تو اس کو مت اس طرح کہو اب تم اس کی بیوہ ہو۔'' میں نے تڑپ کر کہا۔

''نہیں میں اس کی بیوہ نہیں اس کمینے کی بیوہ بننے سے بہتر ہو کہ میں بخت خان کی دوسری بیوی بن جاؤں میں نے سات سال اس کے لئے برباد کئے ہیں لیکن اب'' اس نے ایک بار پھر فواد کو مارنے کی کوشش کی۔ میں نے فواد کو بچایا تو مینا بولی......

''شاداب کو بہت فخر تھا کہتا تھا آپ فواد سے محبت کرتی ہیں اس لئے اب فواد سے دنیا میں کوئی بھی نفرت نہیں کر سکے گا۔ لیکن مجھے یہ دیکھو میں نفرت کرتی ہوں فواد سے سچی نفرت' میں جس نے اپنی کوکھ سے فواد کو جنم دیا ہے ہاں مجھے نفرت ہے آپ سے شاداب سے فواد سے ایک ماں ہونے کے باوجود میرا جی فواد کو قتل کرنے کو چاہتا ہے نجانے یہ اب تک بچا کیسے ہوا ہے اور یہ کمبخت مرتا بھی تو نہیں۔''

''پلیز مینا بچے کے سامنے ایسی باتیں مت کرو۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے فواد کو دیکھا تو وہ لاپرواہی سے بولا۔

''مم! آپ پریشان نہ ہوں میں عادی ہوں ان کے اس رویے اور تشدد کا پہلے جب یہ مارتی تھیں۔ تو میں پپا کو بتا دیا کرتا تھا لیکن جب ایک دن انہوں نے مجھے بہت زیادہ مارا تو پپا نے بھی ان کو مارا پھر کہا۔ آئندہ میرے بیٹے کو مارا تو میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ تب مجھے ان پر ترس آ گیا انہوں نے مجھے مارنا تو نہ چھوڑا مگر میں نے پپا کو بتانا چھوڑ دیا۔ پپا کہتے تھے یہ مینٹل ہیں اور یہ واقعی ایب نارمل ہیں۔''

''کمینے پھر مجھے پاگل کہا۔'' مینا لپکی فواد کی طرف اسی وقت ایک عورت

کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئی کھانا ہمارے سامنے رکھ کر وہ باہر چلی گئی تو فواد مینا کو دیکھتے ہوئے بولا......

"مم کھائیں۔"

"دیکھو مینا تم خواہ مخواہ خفا ہوتی ہو وہ تمہیں کھانے کا کہہ رہا ہے۔" میں نے مینا کا دل نرم کرنا چاہا۔

"وہ مجھے نہیں آپ کو ہی کہہ رہا ہے۔" مینا نفرت سے بولی میں نے فواد کو دیکھا اور وہ بولا......

"میری مم آپ ہیں اور میں آپ ہی سے مخاطب ہوں ان سے تو میں بات ہی نہیں کرتا۔"

"بری بات ہے فواد۔" میں نے سمجھایا۔

"یہ ہر وقت تو مارتی ہیں بات کیسے کروں آپ کھائیے نا۔" وہ مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"فواد" اچانک دروازے میں سے ایک دس سالہ بچہ نے فواد کو پکارا۔

"پلوشہ! ادھر آؤ تمہیں مم سے ملواؤں۔" فواد نے کہا وہ لڑکی اندر آئی تو اس نے میرا تعارف کروایا پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔

"مم! یہ بابا کی بیٹی پلوشہ ہے آپ کھانا کھائیں میں ابھی آتا ہوں۔"

پھر وہ پلوشہ کے ساتھ چلا گیا تو مینا نے مجھے دیکھتے ہوئے طنزیہ کہا۔

"باپ کی طرح اس کو بھی اپنے سے بڑی عمر کی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں اور حماد خان کا خیال بھی پلوشہ کی شادی فواد سے کرنے کا ہے تاکہ حصہ باہر نہ جا جائے۔" اتنا کہہ کر وہ کھانے میں مصروف ہوگئی۔

میں جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ میں اس کی مجرم تھی میری وجہ سے شاداب نے اس کے حقوق نہ دیئے تھے وہ یوں کھانا کھاتی رہی جیسے کسی شادی میں کھا رہی ہو جبکہ میرا دل تو ایک نوالہ لینے کو بھی نہ چاہ رہا تھا۔

"یہاں آ کر شاداب کی لافانی محبت کے کئی رنگ میرے سامنے آ۔

تھے اور ابھی نجانے اور کتنے آنے تھے ہم کھانے سے فارغ ہوئیں۔ مینا نے پھر سے اسٹارٹ لینا چاہا لیکن اچانک چند عورتوں کے آنے پر وہ ان سے باتوں میں مگن ہوگئی فواد پھر کمرے میں نہ آیا تھا میں اکیلی بیٹھی سوچوں میں گم تھی کہ ایک عورت میرے قریب آئی اور مجھ سے لپٹ کر رو دی میں نے حیران ہو کر اس کو دیکھا تو مینا نے بتایا۔"

"یہ حماد لالہ کی گھر والی ہے۔"

میں نے حیران ہو کر مینا کو دیکھا وہ کہتی تھی میں نے کسی کو نہیں بتایا تو پھر یہ کیا تھا؟

"آپ نے آنے کی اطلاع کی ہوتی کوئی لینے چلا جاتا۔" وہ خلوص سے کہہ رہی تھی۔

"بس خیال نہ رہا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔"مم دادی اٹھ گئی ہیں اور آپ کو بلا رہی ہیں۔"

"بیٹا اس کو کیوں کاندھے پر ڈال رکھا ہے؟"

"مم جواد لالہ کہتے ہیں پاپا نے ویسے تو میری تربیت میں کوئی کمی نہیں رہنے دی لیکن انہوں نے مجھے بزدل بنا دیا ہے، اسلحہ چلانا نہیں سکھایا وہ کہتے ہیں اسلحہ چلانا تو ہماری بہادری میں شمار ہوتا ہے۔ یہ گن انہوں نے مجھے نشانہ صحیح کرنے کے لئے دی ہے۔" فواد نے گن ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"پھر وہ میرے ساتھ رقیہ کے کمرے میں داخل ہوا اور میں حیران سی ان کو دیکھتی رہ گئی وہ پہلے سے بہت زیادہ کمزور ہو چکی تھیں اور اس وقت چارپائی پر لیٹی تھیں مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھیں اور مجھے گلے سے لگا کر اونچی آواز میں رونے لگیں۔"

میں بمشکل ضبط کر رہی تھی بھلا ان کے ساتھ مل کر پھوٹ پھوٹ کر روتی بھی تو کس ناطے؟ ہمدردی میں تو انسان دو چار آنسو بہا سکتا ہے اور یہ آنسو تو ضبط کے باوجود میری آنکھوں سے گرتے چلے جاتے تھے۔ تاہم یہ الگ بات تھی کہ

آنکھوں سے زیادہ آنسو دل پر گرتے رہے۔

ہم نجانے کتنی دیر اس طرح گلے ملے روتی رہیں کہ فواد نے رقیہ آپا کا پلو پکڑتے ہوئے کہا۔

دادی جان بس کیجئے کیوں اتنا روتی.......... میں ہوں نہ آپ کے پاس پپا کی جگہ۔"

"ہاں تو ہے میرے پاس اس کے روپ میں۔" رقیہ نے مجھے چھوڑ کر فواد کو سینے سے لگا کر آنکھیں بند کرلیں تو فواد نے مجھ سے کہا۔

"مم آپ بیٹھئے نا۔"

"فواد کی بات سن کر رقیہ نے بھی مجھے بیٹھنے کا کہا پھر خود بھی میرے پاس بیٹھ گئی تو فواد بھی ہمارے پاس بیٹھ گیا تھا۔ رقیہ بہت دیر میرے چہرے کو دیکھتی رہی جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو اور میں دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی یہ سوچ کر کہ کہیں مینا نے رقیہ آپا کو کچھ بتا تو نہیں دیا جب کچھ وقت یونہی گزرا تو میں نے پوچھا۔"

"آپا کیا دیکھ رہی ہو؟"

"شاداب کی محبت۔" انہوں نے یہ کہہ کر میرے شک کو یقین میں بدل دیا۔ مجھے جو شرمندگی تھی وہ تو تھی لیکن اب کھل کر رونے کا جواز بھی مل گیا تھا جبکہ میں ضبط کرنا چاہتی تھی۔ اگر باہر سے کوئی عورت آجاتی تو کیا کہتی؟ یہ کون ہے شاداب کی جو یوں تڑپ تڑپ کر رو رہی ہے جبکہ رقیہ آپا کہہ رہی تھیں۔

"تم نے مجھے کیوں نہ بتایا عائشہ" آج انہوں نے آپ کی بجائے تم کا لفظ استعمال کیا تھا وہ کہہ رہی تھیں۔

"اگر تم نے نہیں بتایا تو مجھے خود سمجھ لینا چاہئے تھا اس وقت جب تمہیں دیکھتے ہی وہ پشاور چلا گیا تھا اور لوٹ کر آیا تو میرے ساتھ ساتھ تمہارے لئے بھی سوٹ اور دوپٹہ لایا تھا اور مجھ سے کہا تھا امی میرا نام نہ لیجئے گا۔ بس اپنی طرف سے دے دیجئے گا۔ تب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم دونوں میں ناراضگی چل رہی تھی اور

میں اس وقت کیوں نہ سمجھ گئی جب تم نے شاداب کے کمرے سے آنے کے بعد اچانک واپس کوئٹہ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ تمہارے کہنے پر میں نے ظہیر سے کہا تھا وہ صبح کہیں نہ جائے کہ اسے آپ کو چھوڑنے اسلام آباد جانا ہے تب شاداب بھی پاس ہی کھڑا تھا۔ صبح ہوئی تو ظہیر غائب تھا کتنی منت کی شاداب کی تب کہیں وہ تمہیں اسلام آباد چھوڑ کر آنے کے لئے رضا مند ہوا تھا حالانکہ وہ خود تمہیں چھوڑنے جانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صبح اٹھتے ہی اس نے ظہیر کو اپنے ایک ضروری کام سے بھیج دیا تھا۔ جب وہ تمہیں چھوڑنے روانہ ہوا تو تھوڑی دیر بعد ہی ظہیر آ گیا تب میں نے سرزنش کی تو وہ بولا تھا۔

"مجھے تو شاداب لالہ نے بھیجا تھا وہ کہتے تھے تمہاری آنٹی کو میں ڈراپ کردوں گا۔" اس کا آپ کو نہ چھوڑنے جانے کا بھی ایک ڈرامہ تھا بس میں ہی بے وقوف تھی جو تم دونوں نے مجھے مزید بیوقوف بنایا ورنہ ایسی بہت سی باتیں تھیں جو مجھے اشارے سے سمجھا رہی تھیں اس کا تمہارے کمرے میں سونا اور تمہارا رابعہ کے گھر رہنے پر ضد کرنا، اللہ میں پہلے کیوں نہ سمجھ گئی۔

"آپا! میں بے قصور تھی اور پھر وہ تو مجھے اسلام آباد کی بجائے پشاور چھوڑ کر واپس آیا تھا اور جس حال میں چھوڑا تھا"۔ میں رو پڑی رقیہ نے تڑپ کر مجھے گلے لگایا پھر کہا۔

"تم نے مجھے کیوں نہ بتایا عائشہ یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی میری بھابی بھی تو میرے بھائی سے پندرہ برس بڑی تھی اور تم میری بھابی سے زیادہ خوبصورت تھیں اور بڑی بات یہ کہ وہ تمہیں پسند کرتا تھا تم سے محبت کرتا تھا اور ان علاقوں میں بات کو اتنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ ہائے میرا بیٹا اپنی محبت کے لئے تڑپتا ہوا چلا گیا۔ یہ بات مجھے بھولتی ہی نہیں وہ ایک بار تو مجھ سے کہتا میں ہر حال میں اس کی خوشی پوری کرتی میں تمہیں راضی کر لیتی۔"

"آپا میں آپ کو کیسے بتاؤں' میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے تو بس آپ کی وجہ سے اس کی اصلاح میں دلچسپی لی اور وہ غلط فہمی کا شکار

ہوگیا۔ میں نے اس کو بعد میں بہت سمجھایا مگر وہ اپنی ضد چھوڑنے پر تیار نہ ہوا تو میں نے خود ہی ملک چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں آپ کی اور اس کی خوشیاں چاہتی تھی۔''

''لیکن خوشیاں تو شاید ہم تینوں کے مقدر میں نہیں تھیں۔'' آپا پھر رونے لگیں میں بھی روتی رہی اور فواد مجھے دیکھتے ہوئے غمناک آنکھوں سے نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

میں نے شروع سے لے کر آخر تک آپا کو شاداب کی تمام باتیں ارحرکتیں بتا دی پھر پوچھا۔

''آپا یہ حماد اتنا نرم کیسے ہوگیا آپ کی صلح کب ہوئی؟''

''صلح تو ان دونوں بھائیوں میں بہت پہلے ہی ہوچکی تھی جب شاداب نے اپنے کاندھے سے بندوق اتار کر ہاتھ میں کتاب پکڑی تھی تب باہر ہی باہر بھائی سے صلح بھی کر لی تھی لیکن میری خفگی کے ڈر سے مجھے نہ بتایا ورنہ وہ دونوں بھائی آپس میں خوب ملتے رہتے تھے اسی لئے تو شاداب نے کہا تھا کہ وہ حماد سے زمینوں اور باغوں میں سے حصہ نہیں لے گا۔ مجھے تو اب پتا چلا اس صلح کا جب شاداب شہید ہونا تو میت میرے بھائی کی بجائے حماد نے وصول کی اور پھر میرے پاس آیا میرے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی بہت رویا اور کہا۔''

'' ماں! میرے ساتھ گھر چلو' شاداب نہیں رہا تو کیا اب میں تمہارا بیٹا ہوں اور شاداب کی تدفین کی تمام رسمیں اس کے اپنے باپ کے گھر ادا ہوں گی وہ میرا بیٹا تھا' مگر میں نہ ٹھیک طرح بھائی بن سکا اور نہ ہی باپ ......''

'' یوں میں اس کے ساتھ چلی آئی انکار کرتی بھی تو کیسے کشمیر کے محاذ سے شدید زخمی حالت میں شاداب کے پیغام دیا تھا اس کی میت اس کے ساتھ چلی آئی انکار کرتی تو کیسے کشمیر کے محاذ سے شدید زخمی حالت میں شاداب نے پیغام دیا تھا اس کی میت اس کے بھائی کے سپرد کی جائے اور اب میں بھی یہیں ہوں۔'' وہ چپ ہوگئی۔

'' آپ کے ساتھ اب حماد خان کا رویہ؟'' میں نے پوچھا اس خیال سے کہ اگر ٹھیک نہ ہوا تو میں رقیہ آپا کو بھی فواد کے ساتھ کینیڈا لے جاؤں گی کہ شاداب کے بعد اب وہ میری ذمہ داری تھیں۔

'' سگے بیٹے سے زیادہ اچھا' ہر بات ہر کام مجھ سے پوچھ کر کرتا ہے' بیوی اس کی میری بہت خدمت کرتی ہے حماد بار بار اپنی پچھلی غلطیوں کی معافی مانگتا اور جواد' وہ فواد کو چھوٹا بھائی ہی سمجھتا ہے لیکن وہ نہیں ہے میرے جگر کا ٹکڑا' کاش یہ سب کچھ اس کی زندگی میں ہوتا۔'' آپا رو پڑی۔

اچانک حماد کی بیوی اندر داخل ہوئی اور رقیہ سے پشتو میں بات کرنے لگی تھوڑی دیر بعد وہ چلی گئی تو رقیہ نے کہا۔

'' دیکھو ابھی کل کی بات لگتی ہے اور اب چالیس دن پورے ہو جائیں گے کل چہلم ہے'' شاداب کا ان کی آنکھیں پھر چھلک پڑیں پھر انہوں نے فواد سے کہا۔''

'' تمہارا بڑا بھائی کہاں ہے؟''

'' جواد لالہ' بابا جان کے ساتھ کسی جنازے میں شرکت کے لئے صبح ہی مردان چلے گئے تھے اور ابھی تک نہیں آئے۔'' ہاں یاد آیا حماد کے دوست کا بیٹا فوت ہوگیا تھا۔'' پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا۔''مینا سے ملی ہو۔''

'' جی ہاں' سب سے پہلے میں اس سے ہی ملی تھی۔'' مینا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

'' میں آپ کی یہ غلط فہمی دور کرنے آئی تھی کہ پھپھو کو آپ کے اور شاداب کے بارے میں' میں نے نہیں کسی اور نے بتایا ہے۔ پھر وہ جس طرح اچانک آئی تھی اسی طرح چلی گئی اور فواد نے رقیہ آپا سے کہا۔

'' دادی جی! مم کے ساتھ مینا آنٹی نے بڑی بدتمیزی کی ہے۔''

'' واقعی؟'' رقیہ نے مجھے دیکھا پھر کہا۔

'' ہم سب اپنی اپنی جگہ حق پر ہیں وہ بھی سچی ہے جو زندگی اس نے

سات سال شاداب کے ساتھ بسر کی ہے اس کی وجہ سے اس کا رویہ بھی کچھ غلط نہیں لگتا''۔'' لیکن پھر بھی اس کو تمہارے ساتھ بدتمیزی نہیں کرنی چاہئے تھی۔'' آپا نے کہا۔

'' مجھے برا نہیں لگا آپا میں اس کی کیفیت سمجھتی ہوں۔'' میں نے جواب دیا پھر بہت دیر بیٹھے ہم باتیں کرتے رہے کہ اچانک ملازمہ نے حماد کے آنے کی اطلاع کی اور مجھ سے کہا۔

'' وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔''

'' میں نے رقیہ آپا کو دیکھا تو وہ بولیں۔''

'' وہ سب کچھ جانتا ہے شاداب نے صرف مجھ سے ہی چھپایا تھا اس بات کو بھائی کو تو اس نے سب کچھ بتا رکھا تھا تم جاؤ۔''

'' آیئے مم۔ فواد نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں درد میں ڈوبی طویل سانس لے کر اٹھ گئی۔''

''میں فواد کے ساتھ کمرے سے باہر آئی تو سامنے سے ایک تئیس، چوبیس سال کا لڑکا تیزی سے آتے ہوئے ہمیں دیکھ کر رک گیا قریب، آنے پر اس نے مجھے بڑے ادب سے سلام کیا تو فواد نے کہا۔''

'' مم یہ جواد لالہ ہیں۔''

'' ہوں۔ میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کو دیکھا وہ بہت غور سے مجھے دیکھ رہا تھا مجھ سے نگاہیں ملتے ہی وہ فوراً دیکھتے ہوئے بولا۔''

'' تمہارا نشانہ اب کیسا ہے۔ فواد خاناں؟''

'' لالہ ابھی کچھ زیادہ اچھا نہیں کر سکا لیکن میں کوشش کر رہا ہوں۔'' فواد نے کہا پھر ہم آگے بڑھے تو جواد نے زیر لب کہا۔

'' اچھا تو یہ تھیں میرے چچا کا سکون برباد کرنے والی۔''

چلتے چلتے مجھے یوں لگا جیسے اچانک پاؤں من من بھاری ہو گئے ہوں مگر میں رکی نہیں فواد نے بھی شاید جواد کا یہ جملہ سن لیا تھا میرا ہاتھ آہستہ سے دباتے

ہوئے بولا۔

'' مم! انہوں نے ایسا پاپا کی وجہ سے کہا ہے۔ پاپا بہت پریشان رہتے تھے نا آپ کی وجہ سے کبھی ایک پل بھی کھل کر نہ مسکرا سکے بہت محبت تھی ان کو آپ سے۔ بہت یاد کرتے تھے وہ آپ کو بلکہ وہ سارا وقت مجھ سے آپ ہی کی باتیں کرتے تھے۔''

اتنے میں حماد کا کمرہ آ گیا فواد میرے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو کھلے دریچے کے قریب ایک شخص کھڑا تھا لیکن وہ ہماری بجائے باہر پائیں باغ میں دیکھتے ہوئے نجانے کیا سوچ رہا تھا فواد نے ان کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

'' بابا! مم آئی ہیں۔''

'' وہ ایک دم مڑا اور میری طرف دیکھنے کی بجائے فواد سے کہا۔''

'' بیٹا! آپ ذرا دیر کو باہر جائیں گے۔''

'' چھوڑو بابا جان۔'' فواد نے کہا اور مجھے دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد حماد نے ایک نظر عائشہ پر ڈالی اور دل میں سوچا۔ شاداب کا انتخاب غلط تو نہیں تھا۔ اچانک وہ لمحے ان کی نظروں کے سامنے آ گئے جب وہ فواد کو چھٹی سالگرہ پر بغیر اطلاع کے جواد کے ساتھ لے کر کراچی گئے تھے۔ وہ گھر میں داخل ہوئے تو مینا چیخ چیخ کر بول رہی تھی جبکہ فواد سہا ہوا شاداب کے ساتھ لگا ہوا تھا جو یوں محویت سے کیک پر موم بتی لگا رہا تھا جیسے کانوں میں آواز ہی نہ آ رہی ہو جبکہ مینا کہہ رہی تھی۔

''تم یہ زیادتی میرے ساتھ نہیں کر سکتے تم فواد کو مجھ سے چھین نہیں سکتے ذلیل انسان میں تمہیں گود سے فواد کو جدا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تم سنتے ہو۔''

'' اس نے کانوں میں روئی ٹھونسے کھڑے شاداب کو جھنجھوڑ ڈالا تو موم بتی لگاتے ہوئے شاداب نے ایک نظر اس کو دیکھا سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔''

'' فواد پہلے کب تمہارے پاس تھا جواب تمہیں اس کے دور ہونے کی فکر

ہے اور سنو بہت بار تنبیہہ کر چکا ہوں وہ بات کیا کرو جنگلیوں کی طرح نوچنے لگتی ہو مجھے۔ ہاتھ لگا کر بات نہ کیا کرو۔ کیا تم نہیں جانتیں مجھ پر تمہارا اس قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"مجھے تمہیں ہاتھ لگانے کا شوق نہیں ذلیل کرنل' اور فواد میرے پاس تھا یا نہیں میں اس بات کو نہیں جانتی میں صرف اتنا جانتی ہوں یہ عائشہ کے پاس نہیں جائے گا۔ سنا تم نے کمینے کرنل۔"

"یہ عائشہ کے پاس ضرور جائے گا بچے پر تمہارا قانونی اور شرعی حق صرف سات برس تک تھا یہ بات تم نے ہی مجھ سے کہی تھی اس وقت جب میں نے فواد کو عائشہ کے پاس بھیجنے کی بات کی تھی اور آج فواد کی چھٹی سالگرہ ہے کل وہ ساتویں میں لگ جائے گا اور اسکے تمام کاغذات میں تیار کروا چکا ہوں اگلے ہفتے وہ کینیڈا ہر صورت میں چلا جائے گا۔"

"میری زندگی میں یہ نہیں ہوسکتا۔" مینا چیخی۔

"تو ٹھیک ہے خودکشی کر لو کوئی منع نہیں کرے گا۔ فواد کو تو ہر حال میں اس کے پاس جانا ہے وہی ماں ہے اس کی۔" شاداب نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"لیکن ابھی یہ پورے سات برس کا نہیں ہوا ابھی کل ساتواں برس شروع ہو گا ابھی ایک برس میرے پاس رہنے کا حق ہے۔ فواد کو تم ایک برس پہلے مجھ سے جدا نہیں کر سکتے...... تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

شاداب جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ حیران کھڑے حماد اور جواد پر نظر پڑ گئی۔

"لالہ آپ۔" شاداب تیزی سے ان کی طرف آیا اور مینا اندر بھاگ گئی۔ حماد نے بغور بھائی کو دیکھا مگر کچھ پوچھا نہیں کیونکہ جواد ساتھ تھا' مینا ان کو سلام کرنے بھی نہیں آئی تھی۔ سالگرہ کا کیک مینا کے بغیر کاٹا گیا اور کیک کٹتے ہی جواد نے فواد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے محبت سے کہا۔

"آؤ فواد خاناں آج کلفٹن چلتے ہیں۔"

"ہم سب چلتے ہیں کھانا بھی باہر کھائیں گے۔" شاداب نے حماد کو دیکھا کر کہا۔

"شاداب صرف جواد اور فواد کو جانے دو مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" کہتے ہوئے حماد نے جواد کو جانے کی اجازت دے دی ان کے جاتے ہی شاداب کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

"کیا بات ہے شاداب جو مینا یوں چیخ رہی تھی ہمارے خاندان کی عورتیں تو اپنے مرد کی طرف دیکھنے کی جرات نہیں کرتیں جبکہ مینا نہایت بدتمیزی سے تم سے مخاطب تھی۔"

شاداب نے ان کی بات سن کر نگاہیں جھکا کر کہا۔

"کچھ نہیں لالہ بس وہ بدتمیز ہے......"

"لیکن کیوں؟" حماد نے یقین نہ کیا۔

"چھوڑیں لالہ آپ بھابی کی سنائیں اور پلوشہ کیسی ہے؟" شاداب نے ایک بار پھر ان کو ٹالنا چاہا۔

"وہ سب خیریت سے ہیں۔" حماد نے کہا پھر آہستگی سے پوچھا۔ "یہ عائشہ کون ہے؟"

"شاداب نے چونک کر ان کو دیکھا اور سمجھ گیا وہ مینا کی تمام بکواس سن چکے ہیں لیکن وہ چپ رہا۔ کہتا بھی تو کیا ان سے عائشہ کے بارے میں۔ اس کو خاموش دیکھ کر حماد نے اٹھ کر شاداب کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"شاداب' میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں تم شاید مجھ پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ میں اب تمہیں جواد سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ گو کہ شروع میں تمہاری طرف سے صلح ہونے کے باوجود میں تم پر اعتبار نہ کر سکا کہ کہیں یہ صلح بھی تمہاری کوئی چال نہ ہو لیکن اب میں تمہیں بھائی ہی نہیں بیٹا بھی سمجھتا ہوں مجھے بتاؤ عائشہ کون ہے؟ شاید میں تمہارے لئے کچھ کر سکوں۔"

بھائی کی ہمدردی پا کر شاداب ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھا اور وہ بات جو وہ

ماں سے بھی نہ کہہ سکا حماد سے کہہ دی وہ حماد کے کاندھے سے لگ کر سسک پڑا۔

''لالہ وہ وہی ہستی تھی جو مجھے تباہی اور بربادی کے راستے سے دور لے گئی وہ جس نے ہر لمحہ میری اصلاح کی۔ لالہ وہ وہی تھی جس سے ملنے کا آپ کو بھی بہت اشتیاق تھا لالہ عائشہ...... عائشہ میری زندگی تھی میری محبت' میرا سب کچھ وہی تو تھی۔

''لالہ صرف وہی......''

''کیا وہ مرگئی ؟'' حماد پوری بات سنے بغیر بولے۔

''نہیں لالہ' خدا نہ کرے۔ وہ مجھے چھوڑ کر کینیڈا چلی گئی...... اور...... اور اس کے بغیر میری یہ زندگی بیکار ہے لالہ' میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا' نہیں رہ سکتا مگر رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہوں۔'' وہ بچہ بن کر ہی بھائی کو دل کا حال سنا رہا تھا۔

''مگر وہ...... وہ کیوں تمہیں چھوڑ کر چلی گئی؟'' حماد نے پیار سے بھائی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''لالہ ! وہ مجھ سے پندرہ برس بڑی تھی اور اسی بات پر ان کو اعتراض تھا......''

''پندرہ برس بڑی تھی؟'' حماد نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں لالہ' لیکن لگتی بالکل نہیں تھی لگتی تو میرے برابر کی تھی۔'' شاداب نے جلدی سے کہا تو بھائی کی کیفیت دیکھ کر حماد بے ساختہ مسکرا پڑے پھر کہا۔

''تم نے یہ بات پہلے کیوں نہ مجھے بتائی......؟''

''کیسے بتاتا لالہ جبکہ وہ رضامند ہی نہیں تھی۔''

''بھائی تم مجھے بتاتے میں خود اس کو رضامند کر لیتا ویسے یہ بتاؤ کیا وہ بھی تم سے محبت کرتی تھی......؟''

''محبت۔'' ......شاداب کھو گیا بے ساختہ وہ لمحے یاد آئے جب وہ مینا کو میس چھوڑ کر اس کے پاس گیا تھا تب جب اچانک عائشہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

''شاداب'' میں نے ہمیشہ تمہاری خوشی چاہی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ تمہارے لئے دکھ بن گئی لیکن میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی اس لئے تم سے شادی نہ کی بچے کے بغیر میں بہت تڑپی ہوں شاداب' اور میں نہیں چاہتی تھی تم بھی اس' محرومی کا شکار بنو۔'' وہ اور بھی بہت کچھ کہتی رہی تھی لیکن شاداب تو اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جہاں پہلی بار اسے وہ محبت مچلتی نظر آئی تھی جو اس کے اپنے وجود میں آکاس بیل کی طرح پھیل گئی تھی۔ شاداب کا دل تڑپا کہ وہ عائشہ سے کہے اس وقت جب وہ اس کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا رہی ہے اب تو اپنی محبت کا اقرار کرتی جائے لیکن وہ چپ رہا اور عائشہ چلی گئی۔

''تم نے بتایا نہیں شاداب کیا وہ بھی تم سے محبت کرتی تھی؟'' حماد نے اس کو خاموش پا کر دوبارہ پوچھا۔

''پہلے نہیں لالہ مگر ہاں آخر میں اس کو بھی مجھ سے محبت ہو گئی تھی۔''

''پھر تم نے اس کے ساتھ شادی کیوں نہ کر لی؟''

''تب میں مینا سے شادی کر چکا تھا۔''

''تو کیا ہوا دوسری شادی ہمارے یہاں معیوب تو نہیں۔'' شاداب چپ رہا جبکہ حماد نے کہا۔'' یہ مینا کیوں شور کر رہی تھی؟''

''لالہ میں عائشہ کے پاس فواد کو کینیڈا بھیج رہا ہوں۔''

''کیوں؟'' حماد نے تعجب سے پوچھا۔

''وہ بہت اکیلی ہے لالہ۔'' کہہ کر شاداب نے ان کو عائشہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا حماد ساری بات سن کر بہت دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر شاداب کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

''فواد کینیڈا نہیں جائے گا۔''

''پلیز لالہ' فواد اس دنیا میں آیا ہی اس کی وجہ سے ہے اور اسی کی خاطر ہے۔''

''سنو شاداب' فواد اس کے پاس کینیڈا نہیں جائے گا بلکہ میں خود جاؤں

گا۔'' حماد خان نے نجانے کیا سوچ کر کہا۔

''آپ لالہ؟'' شاداب نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں' کیوں کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میں ماموں لوگوں کی وجہ سے ان کی باتوں میں آ کر تمہیں اور ماں جی کے گھر سے نہ نکالتا تو آج تم یوں خوشیوں سے محروم نہ ہوتے۔ اب میں تمہاری یہ دوسری شادی خود اپنے ہاتھوں سے کراؤں گا۔''

''وہ کیسے لالہ۔'' شاداب حیران سا بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ ایسے کہ تم ابھی فون کر کے اپنے چند دوستوں کو بلاؤ اور ساتھ ہی یونٹ کے قاضی کو بھی فون کر دو یہاں ابھی تمہارا نکاح ہو گا۔''

''عائشہ کے بغیر لالہ؟'' شاداب ابھی تک حیران تھا۔

''ہاں عائشہ کے بغیر آدھا نکاح ابھی ہو گا' پھر اس آدھے نکاح والے کاغذات لے کر میں خود کینیڈا جاؤں گا اور عائشہ سے نکاح نامے پر دستخط کروا کر اس کو تمہاری دلہن کی شکل میں واپس لاؤں گا۔'' حماد نے اپنا پورا پروگرام بھائی کو بتایا تو شاداب کا چہرہ کھل اٹھا۔

''کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے لالہ؟'' اس نے بے یقینی سے بھائی کے چہرے کو دیکھا۔

''ہو سکتا نہیں ابھی ہو گا چلو اٹھو تم جلدی سے فون کرو۔'' حماد نے کہا تو شاداب فوراً اٹھ گیا۔

پھر آدھے گھنٹے سے بھی پہلے شاداب کے دوست بمعہ قاضی پہنچ گئے۔

تب اچانک مینا کو پتا چلا تو اس نے گھر سر پر اٹھالیا اس نے حماد اور شاداب کے دوستوں کی بھی پرواہ نہ کی' حماد نے شاداب کی طرف دیکھا اور شاداب مینا کو بازو سے پکڑ کر اس کے کمرے میں لے گیا تو حماد بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

''تم ذلیل انسان میری اجازت کے بغیر شادی نہیں کر سکتے۔'' وہ بدتمیزی سے شاداب سے مخاطب تھی۔ شاداب ہمیشہ اس کی بکواس تحمل سے پی جاتا تھا مگر

حماد خان یہ بدتمیزی برداشت نہ کر سکے تلخ لہجے میں بولے۔

''ہمارے خاندان یا علاقے میں کیا دوسری شادی بیوی کی اجازت سے بھی ہوئی ہے اور تم ذرا اپنا رویہ بھی دیکھو۔''

''نہیں ہوئی تو اب ہو گی' آپ نے دیکھا میرے ابا کو میری امی نے وسری شادی کی اجازت نہیں دی۔'' مینا نے باپ کا حوالہ دینا چاہا مگر حماد نے اس کو بات پوری نہ کرنے دی۔

''وہ تمہارے بابا تھے جن میں جرأت کی کمی تھی وہ تو اپنی بہن کا حق لینے کے واسطے ایک جرگہ بھی نہ بلا سکے۔''

''اور یہ حق غصب کس نے کر رکھا تھا؟'' مینا نے بدتمیزی سے پوچھا۔

''مینا بکواس بند کرو۔'' شاداب نے غصے سے اس کو گھورا۔

''نہیں شاداب' تم نہیں جانتے یہ تمہارا بھائی نہیں دشمن ہے یہ ہمارا گھر باد کرنا چاہتا ہے۔'' مینا نے اپنی طرف شاداب کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''شٹ اپ'' شاداب نے کہا تو حماد بولے۔

''دیکھو مینا تمہیں زیادہ شور کرنے کی ضرورت نہیں' تمہیں تمہارے حقوق لتے رہیں گے یہ شادی شاداب کی خوشی اور یہ ضرور ہو گی۔''

''میرے حقوق!'' مینا نے نفرت سے کہا' ''اب تک تو ادا نہیں ہوئے۔''

''کیا مطلب؟'' حماد جو کچھ بھی نہ جانتے تھے حیران ہو کر پوچھنے لگے۔

''مطلب؟'' مینا ہچکچائی پھر کہہ دیا۔'' شادی سے پہلے میں ان کے لئے ال تھی جو فواد کا تحفہ بخش دیا شادی کے بعد ان کے لئے حرام۔''

''مینا سچ کہہ رہی ہے۔'' شاداب؟

شاداب چپ رہا کہتا بھی تو کیا یہ کہ عائشہ سے انتقام لینے کے لئے وہ ارہ ہو گیا تھا عورت کا احترام بھول گیا تھا جو ان کے علاقے اور خاص کر اس ، اپنے خاندان کا وطیرہ ہے مینا ان کو وارننگ دیتی اپنے کمرے میں چلی گئی تو د خان نے سخت غصے سے کہا۔''

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا شاداب' ایک عورت جسے تم قاضی کے سامنے اقرار کر کے اپنے نکاح میں لیتے ہو اس کے حقوق ادا نہ کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے تمہاری محبت اپنی جگہ لیکن مینا کے حقوق۔"

"سوری لالہ' اب عائشہ سے شادی کے بعد میں مینا کو بھی اس کے ازدواجی حقوق دے دوں گا لیکن اس سے پہلے یہ ناممکن ہے۔" ؟ شاداب نے آہستہ سے کہا۔

"اوکے اب آؤ۔" حماد نے کہا اور دونوں ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

"جواد واپس آیا تو قاضی رخصت ہو رہا تھا اور شاداب کے دونوں دوست بھی جواد نے باپ سے پوچھا۔"

"بابا یہ سب کیا ہے؟"

"تمہارے چچا نے دوسری شادی کی ہے۔"

"اتنی سادگی سے اور چچی جان کہاں ہیں؟ جواد نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔"

"کینیڈا۔" حماد نے کہا اور شاداب کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔

"کیا مطلب؟ شادی یہاں اب ہوئی ہے اور چچی کینیڈا میں ہیں سمجھ نہیں۔" جواد باپ سے پوچھ رہا تھا جبکہ فواد حیران شاداب کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک وہ شاداب کے قریب بیٹھتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"پپا کینیڈا میں تو مم رہتی ہیں کیا آپ ان سے شادی کر رہے ہیں؟"

"جواب میں شاداب نے مسکرا کر سر ہلا دیا جبکہ حماد خان جواد سے کہہ رہے تھے۔"

"بیٹا ابھی صرف آدھی شادی ہوئی ہے باقی آدھی بہت جلد میرے کینیڈا جانے پر ہوگی۔"

"مگر وہ کینیڈا نہ جا سکے شکار کھیلتے ہوئے جواد کی بندوق کی گولی سے ایک آدمی ہلاک ہو گیا جس کی وجہ سے حماد جرگوں کے چکر میں پھنس گئے اور بعد میں

شاداب کشمیر کے محاذ پر پوسٹنگ ہونے پر ان سے ملا تو حماد نے کہا۔

"بس یار اب فیصلہ ہونے والا ہے۔ فیصلہ ہوتے ہی میں کینیڈا روانہ ہو جاؤں گا۔" تب شاداب نے دوسری کئی باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا تھا۔

"لالہ فواد کو ساتھ لے کر جایئے گا ورنہ شاید وہ انکار کر دے۔"

"ایسا نہیں ہوگا میں اسے اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔" حماد خان نے کہا تو شاداب مسکراتا ہوا ان سے رخصت ہو گیا لیکن قبل اس کے وہ اپنا وعدہ پورا کرتے کہ کینیڈا جاتے شاداب خود ہی دنیا سے چلا گیا تھا۔

"پلیز آپ بیٹھیے۔" حماد نے خیالوں کی دنیا سے باہر آتے ہوئے کہا۔

اور میں جو کب سے کھڑی اس کے بولنے کی منتظر تھی بیٹھ گئی۔

"اچھا کیا جو آپ خود آ گئیں ورنہ کل شاداب کے چہلم سے فارغ ہو کر میرا کینیڈا آنے کا پروگرام تھا کہ وعدہ کیا تھا میں نے شاداب سے جو مجھے ہر حال میں پورا کرنا تھا" حماد خان نے خود میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بات شروع کی۔

میں نے نہیں پوچھا کہ وہ وعدہ کیا تھا صرف اتنا کہا۔

"مجھے تو مینا کا خط ملا تھا اس کے بعد میں نے کہا وہاں کیسے رک سکتی تھی۔"

"اور کیا مینا نے آپ کو خط لکھا تھا؟" وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

"جی' شاداب کی شہادت کا لکھا تھا۔"

"اچھا تو پھر آپ نے آنے سے پہلے اطلاع کیوں نہ کی کوئی آپ کو ریسیو کرنے آ جاتا۔"

"بس خیال نہ رہا جس کی وجہ سے کافی پریشانی بھی اٹھانی پڑی۔"

میں کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حماد نے کہا۔

"شاداب نے مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔" میں چپ رہی بولتی بھی تو کیا۔ حماد نے ہی پھر کہا۔

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا' آپ کے جانے کے بعد وہ ہمیشہ ڈسٹرب رہا۔"

"وہ مجھ سے پندرہ برس چھوٹا تھا۔" بالآخر مجھے کہنا پڑا۔ "اور پھر یہاں میری ایک حیثیت تھی، عزت تھی، لوگ کیا کہتے کہ میں نے اپنے سے پندرہ برس چھوٹے کو...... اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیاداری کا خیال تو کرنا ہی پڑتا ہے پھ میری اس میں دلچسپی صرف رقیہ آپا کی وجہ سے تھی اور شاداب غلط فہمی کا شکار ہو گ وہ ہر فرق کو بھول گیا تھا مگر مجھے تو خیال کرنا ہی تھا۔"

"یہ تو کوئی خاص بات نہیں، ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مذہب میں اس کی زندہ اور واضح مثال موجود ہے آپ سمجھ رہی ہیں میری بات۔"

"جی۔" میں اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکی۔

"دیکھئے ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے رہنمائی ہے ان کی حیات طیبہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ہمیں اپنا ہر فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے مذہب کو پڑھنا چاہئے۔"

حماد خان کہہ رہا تھا اور میں حیرت سے اس کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی یہ اگر اتنا ہی مذہب کا خیال رکھتا ہے۔ تو پھر خود کیوں نہ مذہب سے رہنمائی حاصل کی۔ اگر حماد شاداب کو جائداد اور باغات میں سے حصہ دینے سے انکار نہ کرتا تو شاداب میری زندگی میں نہ آتا۔

"آپ سوچ رہی ہوں گی اگر میں ایسا ہی دین و دنیا کا خیال رکھنے والا تھا تو پھر شاداب کو حصہ دینے سے انکار کیوں کیا۔ تب میں جوان تھا گرم خون تھا اور پھر میرے ماموں کا خیال تھا کہ اس ساری جائیداد پر میرا حق ہے۔ انہوں نے یہ بات شاید اس لیے کہی تھی کہ ماموں کی بیٹی ہی میری بیوی تھی اور میں ان کی باتوں میں آ گیا۔ دراصل ہمارے یہاں یہ مسئلہ ہے جو پارٹی طاقتور ہوتی ہے وہ اپنے سے چھوٹی پارٹی کو دبا لیتی ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ کمزور یا تو اپنا حصہ چھوڑ دیتے ہیں یا پھر قتل و غارت کے طویل سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ شاداب چونکہ ابھی چھوٹا تھا اس لئے ماموں کا خیال تھا وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا باقی رہی جرگہ بلانے کی بات تو جب وہ جرگہ بلائیں گے تب دیکھی جائے گی اور میں ان کی

یہ بات مان گیا کہ وہ میرے ماموں تھے میری بھلائی ہی چاہتے تھے۔ تب یہ بات مجھے معلوم نہ تھی کہ ماموں نے شاداب کے نانا اور ماموں کو پیغام بھیج رکھا ہے کہ اگر جرگہ بلانے کی کوشش کی تو اپنے خاندان کا خاتمہ یقینی سمجھ لینا یہی بات تھی کہ شاداب کے ماموں اور نانا کبھی جرگہ نہ بلا سکے تاہم شاداب جس کے بارے میں یہ خیال تھا۔" "ارے آپ بور تو نہیں ہو رہیں" حماد نے اچانک رک کر پوچھا۔

"جی نہیں آپ سنائیے۔"

"اصل میں آپ کو یہ کہانی اس لئے سنا رہا ہوں کہ بعض دفعہ ہم خود کچھ نہیں کرتے۔ لوگ اپنی مرضی اور مطلب کا فیصلہ ہم سے کروا لیتے ہیں جو کہ کوئی اچھی بات نہیں، ہاں تو میں آپ کو بتا رہا تھا کہ شاداب جس کے بارے میں ماموں کا خیال تھا کہ کچھ نہ کر سکے گا وہ میرے خون کا پیاسا بن گیا۔ وہ ہر آنے والے کے ساتھ مجھے پیغام بھیجتا کہ میں اس کے ہاتھوں بچ نہ سکوں گا بلکہ جواد بھی، میں نے یہ بات ماموں سے کی تو وہ بولے۔"

"اپنی حفاظت کا انتظام کر کے باہر نکلا کرو۔ ابھی ہم شاداب کو کچھ نہیں کہہ سکتے ابھی اس کو مارنے کی صورت میں سارا الزام تم پر آئے گا مگر دو تین سال تک یعنی جب تک وہ پورا جوان ہو گا اس کو قتل کر دیا جائے گا پھر کوئی ہم پر شک نہ کر سکے گا۔ اگر ہمیں شاداب کو قتل کرنا ہوتا تو بہت پہلے کر دیتے پھر میں خود ساری بات سنبھال لوں گا۔ فی الحال صبر کرو اور اپنی حفاظت کا خیال رکھو۔ آخر آدمیوں کی تمہارے پاس کیا کمی ہے؟"

میں شاداب کی فوری موت چاہتا تھا اور قتل کے حق میں تھا لیکن ماموں نہ مانے اور مجھے صبر کرنا پڑا۔ اور پھر جب شاداب نے مجھ سے صلح کر لی تو ساری بات ہی ختم ہو گئی۔ شاداب نے کہا تھا اس کو جائیداد کی ضرورت نہیں باغوں کی بھی ضرورت نہیں تب اس کی یہ بات سن کر میں بہت خوش ہوا تھا لیکن اب۔

وقت گزر جاتا ہے ہمارے ہاتھوں میں تجزیہ نامہ تھما کر کہ دیکھو تم نے کون سے فیصلے اچھے یا برے کئے اور اب میں گزرے وقت میں کئے گئے فیصلوں کا

تجزیہ کرتا ہوں تو دل پر منوں بوجھ آ پڑتا ہے۔ گو کہ یہ فیصلے مجھ سے میرے ماموں نے کروائے لیکن۔'' حماد کھڑا ہو گیا۔

''لیکن میں جواب سمجھدار تھا خود اپنے فیصلے کر سکتا تھا مگر افسوس میں نے ایسا نہ کیا۔ اور وہ میرا بھائی جو میرے بیٹے جیسا تھا باپ کے بعد وہ میری ذمہ داری تھا مگر میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا اور وہ میرا پیارا بھائی میرا بیٹا ایک تڑپتی سسکتی زندگی گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔'' حماد چپ ہوا تو میں نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کئے حماد نے بے چینی سے کمرے سے ٹہلتے ہوئے کہا۔

'' میں اس کی زندگی میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا اگر جائیداد اور باغات میں سے حصہ دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اگر اس کی روٹھی ہوئی خوشیاں اس کو واپس دینے کا فیصلہ کیا تو وعدہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ خود روٹھ گیا لیکن اپنا وعدہ ہر حال میں مجھے پورا کرنا ہے۔

اچھا ہوا آپ کو میناؔ نے خط لکھ دیا ورنہ مجھے آپ کو لینے جانا ہی تھا کہ کفارے کے طور پر پہلے میں نے یہ کیا کہ جو محبت اور توجہ میں خود شاداب کو نہ دے سکا وہ محبت اور توجہ فواد کو جواد دے رہا ہے میں نے جواد کے دل میں فواد کے لئے سگے بھائی جیسی محبت پیدا کی ہے اور زمین جائیداد باغات سب کچھ آدھا آدھا ان دونوں کے نام کر دیا ہے اور جواد سے کہا ہے کہ وہ فواد کو ہمیشہ چھوٹا بھائی ہی سمجھے۔ دوسرے میں نے آپ کے بارے میں شاداب سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی شادی آپ سے ضرور کراؤں گا اور یہ وعدہ پورا کرنے میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔''

'' جی'' میں نے حیرانی سے اس کو دیکھا کہیں اس کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا کہ وہ شاداب کی شہادت کے بعد مجھ سے اس کی شادی کر رہا تھا مگر حماد خان میری حیرانی سے بے خبر اپنے کمرے میں رکھی بڑی سی آہنی سیف کھولنے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

سیف بند کیے بغیر وہ میری طرف آئے اور ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔''اس میں آپ کی امانت بھی ہے اور میرا وعدہ بھی شاداب کے آدھے نکاح نامے کی صورت میں موجود ہے اس پر اپنے دستخط کر کے اس کو پورا کیجئے گا تاکہ بعد میں آپ کی طرف کے گواہ کے طور پر میں اپنے دستخط کر کے اپنا شاداب سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دوں اور پھر آپ اس حویلی میں شاداب کی بیوی کی حیثیت سے بلکہ اس حویلی کی چھوٹی بہو کے طور پر اپنی آئندہ زندگی پوری عزت و آبرو کے ساتھ گزار سکیں گی۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے پریشانی سے کہا اور لفافہ ان کے ہاتھ میں ہی رہنے دیا۔''میں ایسا نہیں کر سکتی، میں یہاں نہیں رک سکتی، کسی بھی حوالے سے، مجھے ہر حال میں کینیڈا واپس جانا ہے، مینا نے لکھا تھا وہ فواد کو رکھنا نہیں چاہتی اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا، مطلب یہ کہ میں فواد کو لینے آئی تھی...... اگر مجھے وہاں پر ہی یہ پتا چل جاتا کہ فواد کو آپ نے رکھ لیا ہے تو میں یہاں بھی نہ آتی۔''

''آپ غلط سمجھی ہیں، فواد میرے بھائی کا بیٹا ہے، مجھے بیشک وہ جواد سے بھی زیادہ عزیز ہے لیکن شاداب اس کو صرف آپ ہی کا بیٹا سمجھتا تھا۔ اس لیے اب فواد کے ساتھ، ساتھ آپ بھی اس حویلی میں رہیں گی یہ شاداب کی خواہش تھی اور میری درخواست بھی ہے......''

''مجھے افسوس ہے میں یہاں نہ رک سکوں گی۔'' میں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو رکنا پڑے گا، شاداب آپ کی تنہائی کا سوچ کر بہت پریشان رہتا تھا اور میں نہیں چاہتا اب اس کی روح بھی بے چین رہے'' حماد خان کسی صورت بھی میری بات ماننا نہیں چاہتے تھے۔

''آپ میری مجبوریوں کو نہیں سمجھ رہے، یہاں پر ذاکر بھائی اور رابعہ لوگ ہیں اور باقی جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ سب سنیں گے تو کیا کہیں گے اور لالہ میں

اس عمر میں بے عزت ہونا نہیں چاہتی، میں لوگوں کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتی اور پھر جب وقت گزر ہی گیا ہے تو ان باتوں میں کیا رکھا ہے اب یہ سب فضولیات۔"

"بس...... بس مزید ایک لفظ بھی نہیں۔" حماد میرے قریب آتے ہوئے بولے پھر انہوں نے اپنے کاندھے پر رکھی چادر کو اٹھا کر میرے سر پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کو دنیا کا ڈر ہے تو چلیے دنیا والوں کو اس بات کا پتا نہیں چلے گا کہ آپ اس حویلی میں کس حیثیت سے رہتی ہیں۔"

"مگر کیسے نہیں پتا چلے گا۔"

"وہ ایسے کہ آپ کینیڈا کی اردو چیئر سے استعفیٰ دے دیں اسلام آباد میں بہت سے سیکٹیرز سے میرے تعلقات ہیں میں آپ کا ٹرانسفر چارسدہ کالج میں کروا لوں گا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"حالانکہ اب تو بات صاف ہے ماں جی کی آپ سے بہت دوستی ہے جب آپ چارسدہ کالج میں پڑھانے آئیں گی تو وہ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے یہ کہہ سکتی ہیں کہ اپنی دوستی کی وجہ سے انہوں نے آپ کو مجبور کیا ہے کہ آپ چونکہ اکیلی ہیں اس لیے ادھر ادھر رہنے کی بجائے آپ ان کے ساتھ حویلی میں رہیں گی۔" حماد خان ایک لمحہ رک کے پھر کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں دنیا میں رہ کر دنیاداری کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس طرح آپ کی عزت نفس بھی برقرار رہے گی اور میرا شاداب سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا بلکہ فواد کو ماں کا پیار بھی مل جائے گا، میں شاداب کی زندگی میں اس کے لیے کچھ نہ کر سکا لیکن اب اگر میں یہ سب کر سکا تو شاید شاداب کی روح بھی پرسکون ہو جائے گی۔ کشمیر جانے سے پہلے اس کی پوسٹنگ لاہور ہوئی تھی، لاہور سے وہ گنڈا سنگھ بارڈر پر ہونے والی ایک تقریب میں جب شرکت کے لیے گیا

تو اچانک آپ کے گاؤں کو بھی دیکھنے چلا گیا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ آپ کا بھائی بہت عرصے پہلے وطن واپس آ چکا ہے۔ یہی وجہ تھی کشمیر کے محاذ پر جانے سے پہلے وہ مجھ سے ملا تھا اور کہا تھا۔ "لالہ اس محاذ پر آج کل بہت گڑبڑ ہے پتا نہیں کیا ہو میری موت کی صورت میں فواد اور عائشہ کو اپنے ساتھ اس حویلی میں رکھئے گا کہ اس کا بھائی شاید اس کو ابھی بھی اپنے ساتھ نہ رکھے اور میں نہیں چاہتا عائشہ مزید اکیلی رہے۔"

"حماد کے منہ سے پرویز بھائی کا ذکر سنتے ہی میری آنکھیں برس پڑیں مجھے خود پر اختیار نہ رہا اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مرے تو صرف ماں، باپ تھے لیکن بھائی نے مجھے بھی ان کے ساتھ ہی مردہ سمجھ لیا تھا پلٹ کر کبھی میری خبر نہ لی تھی۔ اور اب جب انہوں نے اپنی ندامت مٹانے کو مجھے رکنے کا کہا تو میں رک نہ سکی کہ شاداب کے بعد اب فواد کو میری ضرورت تھی لیکن یہ دکھ تو میرے لیے ناسور بن چکا تھا۔

"پلیز آپ چپ ہو جائیں اب میں بھائی ہوں آپ کا، آپ اس حویلی میں میری بہن بن کر رہیں گی۔"

"کیا ہوا عائشہ؟" اچانک رقیہ آپا فواد کے ساتھ اندر داخل ہوئیں میں مارے ہچکیوں کے کچھ بول ہی نہ سکی۔

حماد نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فواد اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

"پلیز مم روتے نہیں آخر ہوا کیا، کچھ بتائیے تو سہی؟"

"بات کیا ہوئی حماد مجھے تو فواد بلا کر لایا ہے کہ مم رو رہی ہیں آپ چپ کروائیں" رقیہ آپا پوچھ رہی تھیں اور حماد نے ان کو جواب دینے کی بجائے فواد کو دیکھا۔

"آپ گئے نہیں تھے باہر ہی کھڑے رہے، بری بات ہے۔"

"سوری بابا جان پپا نے کہا تھا۔ جب مم مل جائیں تو پھر کبھی ان کو اکیلا نہ چھوڑوں اس لیے میں باہر کھڑا تھا۔"

"اوہ شاداب خاناں، یہ تم نے کیا کیا کیوں اتنی جلدی چلے گئے" کہتے ہوئے حماد نے فواد کو اٹھا کر بہت سا پیار کیا پھر اس کو اتارتے ہوئے رقیہ سے کہا۔

"ماں جی، یہ عائشہ کوئی بھی بات ماننے کے لیے تیار نہیں یہ یہاں رہنا نہیں چاہتیں اب آپ ہی ان کو سمجھائیں پلیز۔"

"اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے اب میں اس کو کہیں نہ جانے دوں گی، پہلے تو شاداب نے مجھے کچھ بتایا نہیں تھا ورنہ میں اس کو اس کی خوشی ہر قیمت پر لے کر دیتی اور اب میں اس کی روح کو بے چین نہیں رہنے دوں گی، عائشہ! اب تم یہاں رہو گی ہمارے ساتھ اب ہم سب اپنے دکھ سکھ ایک ساتھ دیکھیں گے۔" رقیہ آپا محبت سے کہہ رہی تھیں ان سب کی محبت دیکھ کر میں خوفزدہ ہوگئی گو کہ میرا دل رکنے کو چاہنے لگا تھا۔

لیکن میں رکنا نہیں چاہتی تھی اب تو میں اچھی طرح جان گئی تھی کہ میں واقعی منحوس ہوں، جہاں میرے قدم پڑتے ہیں یا جہاں میں رکتی ہوں خوشیاں وہاں سے روٹھ جاتی ہیں جن سے میں محبت کرتی ہوں وہ جاں سے گزر جاتے ہیں۔

ہاں یہ سچ تھا جب تک شاداب اکیلا مجھ سے محبت کرتا رہا، زندہ رہا لیکن کینیڈا جاتے ہوئے اس آخری ملاقات میں نجانے کیسے میرے دل میں اس کے لیے ایک تڑپ ایک محبت پیدا ہوگئی تھی اور میرے محبت کرنے کے بعد وہ پورے سات برس بھی نہ جی سکا تھا اور اب میں نے فیصلہ کیا تھا۔

میں اکیلی کینیڈا جاؤں گی، ہاں میں نہیں چاہتی تھی کہ شاداب کی نشانی فواد میری نحوست کا شکار ہو جائے اور میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ حویلی جس میں ابھی صرف شاداب کا غم ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ فواد کی وجہ سے پہلے کم اور پھر ختم ہو جائے گا لیکن اگر میں یہاں رکی تو پھر شاید یہاں میرے سوا کوئی بھی

نہ رہے۔ بقول عذرا کے میں بندے کھاتی ہوں اور میں اب کسی کو کھانا نہیں چاہتی تھی یہ لوگ میرے منحوس وجود کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے لیکن میں خود تو اپنے بارے میں اب اچھی طرح جانتی تھی پھر رکنے کا فیصلہ کیسے کرتی۔

"عائشہ! اب جب میں نے آپ کو، آپ کی عزت نفس کے ساتھ رکنے اور رہنے کے بارے میں بتا دیا ہے پھر بھی آپ جانے پر یہ ضد کیوں ہیں؟" حماد خان پوچھ رہے تھے۔

"اس لیے...... اس لیے کہ میں منحوس ہوں جہاں رہنے کا فیصلہ کرتی ہوں وہاں صرف میں ہی رہ جاتی ہوں، باقی سب چلے جاتے ہیں، ہنستی بستی وہ جگہ ویران ہو جاتی ہے صرف میری وجہ سے اجڑ جاتی ہے۔ ابھی تو آپ کو صرف شاداب کا غم ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ فواد کی صورت میں بھر جائے گا لیکن اگر میں یہاں رہی تو پھر اور بھی بہت سارے غم میرے منحوس وجود کی وجہ سے ادھر آئیں گے اور میں اس حویلی کو برباد نہیں کرنا چاہتی ویسے بھی ساری عمر اکیلی رہی ہوں اب تو عادت سی ہوگئی ہے اکیلا رہنے کی پھر باقی زندگی رہ ہی کتنی گئی ہوگی پلیز آپ مجھے جانے دیں اس حویلی کو آباد رہنے دیں پلیز۔" میں روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کون کہتا ہے آپ منحوس ہیں؟" حماد خان نے پوچھا۔

"سب کہتے ہیں، میں کہتی ہوں۔" میں نے اس کو یقین دلانا چاہا۔

"کیا شاداب بھی آپ کو ایسا سمجھتا تھا؟"

"اگر سمجھ جاتا تو اپنی جان سے کیوں جاتا آپ نہیں جانتے اس کی موت کی وجہ بھی میں ہوں، جب تک وہ مجھ سے محبت کرتا رہا زندہ رہا اور جب میں نے محبت محسوس کی اس کی تو وہ مرگیا حالانکہ مرنا تو اب مجھے چاہیے تھا۔ پلیز آپ فواد کو بھی اپنے پاس رکھیے اور حویلی کو آباد رہنے دیں اور مجھے جانے دیں۔"

"اگر شاداب تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا تو ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں؟" رقیہ آپا

نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو حماد خان بولے۔

''اگر آپ اس حویلی کی بات کرتی ہیں تو سنیں یہ حویلی آباد ہی آپ کی وجہ سے رہی ہے۔''

''میری وجہ سے؟'' میں نے حیرت سے سوچا، پوچھا نہیں جبکہ حماد خان کہہ رہے تھے۔

''یہ تو آپ جانتی ہیں میں اور شاداب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ایک دن میں ایک جنازے میں شریک تھا کہ اچانک بارش ہونے لگی، دعا ختم ہوتے ہی میں اپنے محافظوں کو وہاں تدفین کی رسم میں شامل ہونے کا کہہ کر خود گاڑی میں بیٹھ کر حویلی کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں گاڑی خراب ہوگئی بارش بہت تیز ہوچکی تھی میں پریشان سا گاڑی سے باہر نکلا تو دور سے ایک گھوڑا سوار نظر آیا، میں نے سوچا اس سوار سے مدد لوں، بارش ہونے کی وجہ سے میں پہچان نہ سکا قریب آنے پر معلوم ہوا وہ سوار تو شاداب تھا۔ میں شاداب سے بڑا تھا اس کے باوجود مجھے اس کے خوف نے آ گھیرا کہ اب اگر اس ویرانے میں شاداب نے مجھے مار دیا تو پھر کیا ہوگا، تب میں نے شاداب کی حیرت بھری آواز سنی شاید اس نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔''

''ارے حماد لالہ آپ اور یہاں؟''

''ہاں'' میں نے غصے سے اس کو دیکھا تو معلوم ہوا ہر وقت اس کے کاندھے پر رہنے والی بندوق غائب تھی میرے دیکھتے ہی دیکھتے شاداب گھوڑے سے نیچے اترا اور بڑے ادب سے کہا۔

''السلام علیکم حماد لالہ، کیا گاڑی خراب ہوگئی؟''

میں حیران تو ہوا مگر سلام کا جواب دے دیا۔

''کیا گاڑی خراب ہوگئی؟'' شاداب مجھے دیکھتے ہوئے پھر پوچھ رہا تھا۔

''ہاں'' مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی جواب دینا پڑا تھا۔

''تو آپ میرا گھوڑا لے جائیں۔'' اس نے محبت اور دوستی سے پیشکش کی۔

''نہیں، میں ایسے ہی چلا جاؤں گا'' میں نے انکار کیا مگر شاداب کے اصرار پر مجھے گھوڑا لینا پڑا تاہم جب میں گھوڑے پر بیٹھ کر آگے بڑھا تب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اب شاداب مجھے آسانی سے پیچھے سے گولی مار سکے گا مگر ایسا نہ ہوا اور میں گھر چلا آیا شام کو شاداب آیا تو نوکر نے گھوڑا اس کے حوالے کر دیا میں نے اس کو اندر بلانا گوارہ نہ کیا تھا۔ میں نے سوچا یہ بھی اس کی ایک چال ہے لیکن اس نے نوکر سے کہا۔

''میں حماد لالہ سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اور میں نے اس کو اندر بلالیا تب میرے آس پاس بیٹھے ہوئے بہت سے آدمیوں کی موجودگی میں اس نے مجھ سے معافی مانگی اور کہا۔

''حماد لالہ، مجھے معاف کر دیں میں کچھ بدتمیز ہوگیا تھا۔ آپ سب کچھ اپنے پاس رکھیں۔ اب مجھے کسی حصے کی تمنا نہیں میں پڑھ لکھ کر خود کما لوں گا۔''

پھر وہ چلا گیا، میرے آدمیوں نے کہا وہ مجھے اب دوسرے طریقے سے مارنا چاہتا ہے لیکن ایسا کچھ نہ ہوا وہ جہاں مجھے ملتا راستہ روک کر خود سلام کرتا۔

دو سال یونہی گزر گئے پھر وہ ٹریننگ کے لیے چلا گیا مگر میرا دل اب بھی صاف نہ ہوا تھا تاہم وہ مجھ سے اسی محبت اور احترام سے ملتا جب بھی ماں جی سے ملنے گاؤں آتا۔ پھر جب وہ آفیسر بن گیا تو میں نے بھی دل صاف کرلیا کیونکہ میں جان گیا تھا کہ اب اگر وہ چاہتا تو قانون اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر مجھ سے اپنا حصہ وصول کرسکتا تھا مگر اس نے کچھ بھی نہ کیا جب بھی وہ ملتا یہی کہتا۔

''لالہ یہ سب جواد کا ہے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں'' ایک دن باتوں ہی باتوں میں میں نے پوچھا۔

''شاداب! تم اتنا بدل کیسے گئے؟ تم تو میرے خون کے پیاسے تھے'' اور

وہ اتنا سعادت مند تھا اس نے یہ نہیں کہا کہ تمہارے کرتوت بھی تو ایسے ہی تھے لالہ۔ اس نے کہا تو صرف یہ۔

''بس لالہ تباہی و بربادی کے اس راستے پر اچانک ہی ایک پیاری سے ہستی مجھے مل گئی، جو مجھے ہاتھ تھام کر ان راہوں سے دور لے گئی، وہاں جہاں نفرت نہیں، محبت کی جاتی ہے نفرت کے جواب میں بھی محبت۔ لالہ اگر وہ مجھے نہ ملتی تو میں آپ کو ہر حال میں قتل کر دیتا مگر اس کے ملنے کے بعد مجھے سوائے محبت کے کچھ یاد ہی نہیں رہا تو پھر میں آپ سے کیسے نفرت کرتا۔''

اور میں سوچ رہا تھا کیا معلوم تمہارے قتل کرنے سے پہلے میرے ماموں تمہیں قتل کروا دیتے۔

وہ کون ہے مجھے اس سے نہیں ملاؤ گے؟'' بالآخر میں نے پوچھا۔

''ابھی نہیں لالہ، مگر وقت آنے پر وہ آپ سے بھی ملے گی وہ بہت اچھی ہے لالہ کہ اسے دیکھ کر مجھے سوائے محبت کے کچھ یاد ہی نہیں رہا۔ اس نے بہت پیار اور محبت سے میری اصلاح کی ہے اور وہ میری محبت ہے۔'' یہ کہہ کر شاداب نے آنکھیں بند کرلیں۔

''میں نے مزید کچھ نہ پوچھا لیکن یہ ضرور ہوا کہ اس دن میرے دل سے بھی شاداب کے لیے موجود نفرت ختم ہوگئی۔ میں اس کو واقعی اپنا بھائی سمجھنے لگا، پھر یہ نفرت ہمیشہ قائم رہنے والی محبت میں بدل گئی۔ آپ نے شاداب ہی کی نہیں میری بھی اصلاح کی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حویلی آباد ہی آپ کی وجہ سے رہی اگر آپ شاداب کی زندگی میں نہ آتیں تو وہ مجھے قتل کرتا یا میں اس کو، بات ایک ہی تھی قتل و غارت کے یہ سلسلے صرف آپ کی وجہ سے رکے تھے اور پھر مینا کے ساتھ شاداب نے جو حرکت کی اس کے بعد مینا کے بھائی اس کو جان سے مار دیتے بعد میں چاہے خود پھانسی چڑھ جاتے یا میرے ہاتھوں قتل ہو جاتے کہ تب تک مجھے شاداب سے بیٹوں جیسی محبت ہو چکی تھی۔ اپنے بھائی کا قتل میں ان کو کبھی معاف نہ

کرتا۔ مگر قتل و غارت کا یہ سلسلہ بھی آپ کی وجہ سے رک گیا کیونکہ آپ کے کہنے پر شاداب نے مینا سے شادی کر کے اپنی زیادتی کا کفارہ ادا کردیا، یوں وہ گھر بھی آپ کی وجہ سے آباد رہا اور یہ حویلی بھی صرف آپ کے دم سے آباد رہی، باقی جو لوگ آپ کے بارے میں اس قسم کی فضول باتیں کرتے ہیں وہ اپنے اندر کی گندگی دکھاتے ہیں کہ قسمت اور مقدر خدا بناتا ہے اور اس کے بارے میں کسی انسان کا دوسرے کو طعنہ دینا یا برا کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔

پھر اگر بقول ان لوگوں کے اگر آپ کی وجہ سے کچھ انسانوں کا نقصان ہوا ہے حالانکہ ایسا سمجھنا تو نہیں چاہیے تو بہت سے لوگوں کو آپ کے وجود سے فائدہ بھی پہنچا ہے۔ جس شعبے سے آپ وابستہ ہیں اور جو تعلیم کی خدمت آپ انجام دے رہی ہیں یہ بھی کسی کسی کے حصے میں آتی ہے۔

''اب آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ اس حویلی پر ہم سے زیادہ آپ کا حق ہے کہ یہاں آنے اور رہنے سے پہلے ہی آپ نے اس کی آبادکاری کے لیے کام کیا ہے۔ آپ کی یہاں موجودگی اس حویلی کے لیے رونق کا باعث ہوگی اب لیجئے اپنی امانت۔'' حماد خان نے لفافہ زبردستی مجھے پکڑا دیا پھر کہا۔

''یہ آدھا نکاح نامہ صبح مجھے پورے نکاح نامے کی شکل میں چاہیے تاکہ باقی کا کام بھی جلد ہو اور میرا وعدہ بھی پورا ہو۔'' پھر وہ باہر نکل گئے اور میں رقیہ آپا کو دیکھنے لگی۔

''وہ ٹھیک کہتا ہے عائشہ شاداب صرف تمہاری وجہ سے بدل گیا تھا۔ اب تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی اور پھر کیا اتنے سالوں بعد ملنے والے اس بیٹے کو پھر چھوڑ دو گی۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

اور میں سوچ رہی تھی کیا واقعی میں کچھ لوگوں کچھ گھروں کو آباد کرنے کا باعث بھی بنی ہوں؟ میری وجہ سے اگر چند کی جان گئی تھی تو بہت سوں کی جان بچی بھی تھی میری وجہ سے، میں منحوس نہیں تھی۔ اگر عذرا یا اس کی ماں بہنوں نے مجھ

سے نفرت کی تھی تو ایاز، فیروز، شاداب اور بہت سوں کے علاوہ خاص کر فواد نے مجھ سے محبت کی تھی بلکہ فواد کرتا ہے۔ کیا کسی عورت کے حصے میں ایسی لازوال محبتیں آئیں ہوں گی جو میرے حصے میں آئیں اور مجھے ملیں میں تو خوش قسمت تھی جو اتنے سارے لوگوں نے مجھ سے محبت کی تھی یہ الگ بات ہے کہ ان ساری محبتوں کے باوجود میں تشنہ ہی رہی تھی مگر اب شاید اس تشنگی کے مٹنے کا وقت آ گیا تھا میں نے رقیہ آپا کو دیکھا تو وہ بالکل اماں کے انداز میں میرا منہ چوم کر بولیں۔

''اب جبکہ میں سب کچھ جان چکی ہوں تو میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی، دیکھو کوئی منحوس نہیں ہوتا بس کمینے لوگ کہہ کر بنا دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کی باتوں کو یاد رکھنے کی بجائے بھول جانا چاہیے۔'' پھر انہوں نے فواد سے کہا۔

''جاؤ اپنی مم کو پپا کے کمرے میں لے جاؤ تاکہ اب تھوڑا سا آرام بھی کر لیں۔''

''اوکے دادی جان۔'' فواد نے کہا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلا تو سامنے حماد خان کی بیوی کھڑی تھی مجھے دیکھتے ہی ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

''آئیے کھانا تیار ہے۔''

''جی مجھے بھوک نہیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''بھوک نہیں ہے پھر بھی تھوڑا سا کھا لیجئے اور فواد کو بھی کھلایئے۔'' وہ بہت زیادہ محبت سے کہہ رہی تھی اور یہاں کی یہ محبت میرے لیے کوئی نئی چیز نہ تھی میں اس کے ساتھ کھانے والے کمرے میں آئی۔

زمین پر دسترخوان بچھا تھا اور مینا بھی وہاں موجود تھی مجھے دیکھ کر بھی وہ انجان بنی رہی مگر میں خود ہی اس کے پاس بیٹھ گئی کھانا شروع ہوا مینا نے خوب جی بھر کر کھایا اور فواد نے مجھے زبردستی کھلایا، مینا یہ سب خاموشی سے دیکھتی رہی اور کھاتی رہی پھر میں ہی سب سے پہلے اٹھی، فواد میرے ساتھ تھا حماد کی بیوی بھی میرے ساتھ ہی اٹھ گئی اور میرے ساتھ ہی چلتے ہوئے مجھے اس کمرے کی طرف

لائی جہاں مجھے قیام کرنا تھا۔

''یہ شاداب کا کمرہ ہے۔'' اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ اگرچہ کبھی کبھار ہی آتا تھا اور بہت کم ہمارے یہاں ٹھہرتا تھا لیکن میں اس کے کمرے کو ہمیشہ صاف رکھتی تھی کیونکہ وہ جب بھی آتا تھا اچانک ہی آتا۔ پھر وہ چلی گئی تو میں نے ایک نظر کمرے پر ڈالی۔

ایک بڑا سا رنگین پلنگ جیسا کہ پرانے زمانے میں ہوتے تھے، دو کرسیاں اور زمین پر قالین بچھا ہوا تھا، دریچے اور دروازے کے پردے بہت خوبصورت ریشم کے تھے میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ تکیے پر رکھا پھر پلٹ کر فواد کو دیکھا وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا میں کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی، پھر قالین پر بیٹھتے ہوئے بازو پھیلا دیئے، فواد نے حیران ہو کر مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

''آؤ بیٹا، وہاں سب کے سامنے میں تمہیں جی بھر کر پیار بھی نہ کر سکی، گلے نہ لگا سکی کہ لوگ کیا کہیں گے مگر اب یہاں کوئی نہیں دیکھنے والا اب آؤ اور اپنی مم کی برسوں کی پیاس بجھاؤ کہ تمہیں دیکھنے کو بہت دل تڑپتا تھا میرا، آؤ بچے میرے بیٹے۔''

''اوہ مم'' فواد بھاگ کر میری بانہوں میں آیا اور اس کو بے تحاشہ پیار کرتے ہوئے میں رو پڑی، شاداب شدت سے یاد آیا فواد نے مجھے چپ کرواتے ہوئے کہا۔

''مم پپا کہتے تھے آپ کو ہمیشہ خوش رکھوں، کبھی رونے نہ دوں۔''

''اور کیا کہتے تھے پپا تمہارے؟'' میں نے روتے، روتے پوچھا اب جب شاداب نہیں تھا تو میں اس کی باتیں سننا چاہتی تھی۔

''مم! پپا کہتے تھے فواد تمہیں ہم دونوں میں سے ایک وقت میں صرف ایک کا پیار ملے گا اور میں تمہیں تمہاری مم کے پاس بھیج دوں گا وہ بہت اکیلی ہیں تم ہمیشہ ان کے پاس رہنا۔''

"اور؟" میں نے پھر پوچھا۔

"لیکن بعد میں جب بابا جان نے کہا وہ خود آپ کو لینے جائیں گے تو پ
بہت خوش ہوئے انہوں نے کہا۔"

"بیٹا جی اب ہم تینوں ساتھ رہیں گے اب آپ بھی اپنے بابا جان کے ساتھ کینیڈا جانا اور اپنی مم کو لے کر آنا اب دیکھوں گا لالہ کو اور اپنے بیٹے کو کیسے انکار کرتی ہے۔" تب پپا بہت خوش تھے لیکن یہ خوشی ان کو مل نہ سکی۔" فواد سسک پڑا تو مجھے اپنے آنسو روکنے پڑے پھر وہ میرے ساتھ ہی پلنگ پر لیٹ گیا۔ مجھ سے لپٹ کر وہ اپنے پپا کی باتیں کرتے کرتے سو گیا تو میں نے سرہانے رکھا ہو لفافہ کھولا۔

نکاح نامے کے کاغذات تھے اور ساتھ شاداب کی ڈائری اور وہ انگوٹھی جو کبھی میرے ساتھ ہی شاداب نے میرے لیے خریدی تھی میں کتنی دیر ان سب کو دیکھتی رہی اور پھر انگوٹھی کی ڈبیا اور نکاح نامے کے کاغذات واپس لفافے میں رکھے اور ڈائری پڑھنے کا فیصلہ کیا جو آج دوسری بار میرے سامنے آئی تھی میں نے ڈائری کھولی تو اس میں سے سفید کلر کا رومال نکل کر میری گود میں گر پڑا میں نے حیرت سے اس رومال کو دیکھا پھر مجھے یاد آیا شاداب ہمیشہ سفید رومال استعمال کرتا تھا۔ میں نے رومال بھی لفافے میں ڈال دیا اور ڈائری پڑھنی شروع کی پہلے صفحے پر صرف شاداب کا نام اور ایڈریس تھا اور دوسرے صفحے پر لکھا تھا۔

"آج اچانک ہی ضیاء کو ڈائری لکھتے دیکھ کر میں نے پوچھا یار یہ تم روز کیا لکھتے ہو جواب میں ضیاء نے کہا۔" یار کوئی اور لکھے نہ لکھے لیکن ایک فوجی کو روزانہ ڈائری لکھنا چاہیے، بہت اچھا لگتا ہے بعد میں بیتے دنوں کی باتیں پڑھنا۔"
یہ سن کر میں بھی اگلے روز ہی ڈائری خرید لایا مگر مجھے یقین ہے میں کبھی بھی ضیاء جیسی باقاعدگی سے ڈائری نہ لکھ سکوں گا۔

میں ایک ایک صفحہ پڑھتی رہی اور اچانک اس صفحے پر رک گئی شاداب

نے لکھا تھا۔

"دنیا کا طویل ترین اور کربناک کھیل کسی سے بیک وقت محبت اور نفرت کرنا ہے اور میں یہ کھیل گزشتہ تین برس سے کھیل رہا ہوں۔"

ہاں مجھے عائشہ سے محبت بھی ہے اور شدید نفرت بھی، اتنی شدید کہ جی چاہتا ہے عائشہ کے ساتھ ساتھ دنیا کی ہر عورت کو ختم کر دوں اور جب میں اس کو ختم کرنے کا فیصلہ کرتا ہوں تو میرا دل چلانے لگتا ہے، مجھے عائشہ سے محبت ہے، مجھے عائشہ سے محبت ہے، تب میں چیخ پڑتا ہوں کہ مجھے عائشہ سے نفرت ہے لیکن اس نفرت کا کہتے ہوئے نجانے کیوں میری آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، تب میں اس نفرت کو بھولنے کے لیے نئی نئی لڑکیوں سے دوستی کرتا ہوں اور اس کے باوجود اندر کی یہ آگ سرد نہیں ہوتی میں عائشہ کو بتانا چاہتا ہوں وہ میرے لیے صرف ایک عورت تھی اور دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں، وہ اگر مجھے دیکھ سکتی ہے تو دیکھ لے اب مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، بہت ساری لڑکیاں مجھ پر مرتی ہیں میں بہت خوبرو ہوں یکن عائشہ مجھے ملے بھی تو کہاں، دیکھے بھی تو کیسے؟ اگلے چند صفحے چھوڑ کر شعر لکھے فا۔

تم نے کیسا یہ رابطہ رکھا
نہ ملے ہو نہ فاصلہ رکھا
تو نہ رسواء ہو اس لیے ہم نے
اپنی چاہت پہ دائرہ رکھا

اس ایک صفحے پر لکھا تھا

"آج سجاد کی مہندی تھی میں فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آیا تو میرے تر پر وہ دشمن جاں لیٹی سو رہی تھی مینا نے کہا تھا کہ یہ کمرہ آپ کا ہے تاہم مجھے رت تھی کہ اگر یہ کمرہ میرا تھا تو اس میں عائشہ کا سامان بھی کیوں رکھا تھا میں اس

غلط فہمی کو سمجھ گیا تھا مگر کسی کو بتایا نہیں، شام کو عائشہ میرے لائے ہوئے لباس ک
پہن کر اسی کمرے سے باہر آئی تھی اور وہ کتنی پیاری لگ رہی تھی اسے اس بات پ
اعتراض ہے کہ وہ مجھ سے پندرہ برس بڑی ہے مگر وہ مجھ سے بڑی لگتی کب تھی وہ ت
میرے برابر کی لگتی تھی میں بہت دیر تک کھڑا حیرت سے اس کو دیکھتا رہا اور سوچ
رہا کیا یہ وہی ہستی ہے جس کے لیے میں نے بندوق پھینک کر ہاتھ میں کتاب
پکڑی تھی جس کی محبت میں مجھے فوجی زندگی کی سختیاں بھی نرمیاں لگا کرتی تھیں
جس کی خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ کر بڑا آفیسر بنوں اور اس کی اس خواہش کی تکمیل
کرتے ہوئے میں خود کو بھی بھول گیا تھا تب ہی تو قبل از وقت پروموشنیں حاصل
ہوسکیں مگر وہ جس کے لیے یہ سب کیا وہی بدل گئی میں گھور کر اس کو دیکھنے لگا۔

پہلے تو مجھے اس بات پر شدید غصہ آیا کہ وہ مجھے بے چین بے آرام
کرکے خود کتنے آرام سے سو رہی ہے...... لیکن پھر غصے کی جگہ محبت نے لے لی کہ
اس محبت پر مجھے اختیار ہی کب تھا۔ مجھے یاد آیا آج میں نے اس کو کتنا تنگ کیا
ہے اور وہ سارا وقت کیسی سہمی سہمی اور گھبرائی گھبرائی سی رہی تھی۔

اس کی گھبراہٹ کا سوچ کر میں بے ساختہ مسکرا دیا اور پھر تھکا تھکا سا اس
کے قریب ہی بستر پر لیٹ گیا اور پھر سوائے عائشہ اور محبت کے مجھے کچھ یاد نہ رہا
آج وہ میرے بہت قریب تھی اتنی قریب جتنا میں چاہتا تھا۔ میں کہنی کے بل لیٹ
کر اس کا خوبصورت چہرہ دیکھنے لگا جہاں میرے منہ سے محبت کا ذکر سنتے ہی نفرت
پھیل جاتی تھی، میں کچھ دیر اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتا رہا پھر جذبات سے
بوجھل اس پر جھکتے ہوئے اپنے جلتے لب اس کی چاند سی پیشانی پر رکھ دیئے تو۔

اچانک عائشہ کی آنکھ کھل گئی، پہلے تو شاید اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور
جب آیا تو اس نے فوراً الگ ہونے کی کوشش کی مگر تب میں اپنے آپ میں کب
تھا میں اس کو اپنے پاس دیکھنا چاہتا تھا اور اب اس کا قرب مجھے مدہوش کرچکا تھا،
اس کی قربت کا فرحت بخش احساس میرے پورے وجود پر خمار بن کر چھا گیا تھا۔

اس کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر میں نے اپنا بازو اس پر دراز کرتے ہوئے اس کو اپنی
گرفت میں لینا چاہا تھا لیکن اچانک ہی اس کے تلخ رویے نے میری محبت کو نفرت
میں بدل دیا اور اس نفرت میں مجھے کچھ بھی یاد نہ رہا، محبت کی جگہ نفرت نے لے لی
تو میں نے اس کو خوب برا بھلا کہتے ہوئے تھپڑ جو کبھی میرے منہ پر اس نے غصے
میں مارا تھا میں نے اس کے منہ پر جڑ دیا اور وہ کتنی دیر حیرت سے کھڑی چپ
چاپ مجھے دیکھتی رہی شاید اسے مجھ سے اس بات کی توقع نہیں تھی مگر میں تو نفرت
میں سب کچھ بھول گیا تھا بلکہ بھول جاتا تھا۔

پھر وہ تو کمرے سے باہر نکل گئی اور میری نفرت دل کی پکار پر اچانک
محبت میں بدل گئی، میں نے خود کو بہت برا بھلا کہا مگر اس کے پیچھے نہ جاسکا کہ اس
کی عزت بھی تو بہت عزیز تھی مجھے لیکن جب سرد رات کا خیال کرکے میں باہر آیا تو
وہ آگ تاپتے ہوئے اور چائے پیتے ہوئے سجاد سے باتوں میں محو تھی میں واپس
لوٹ آیا۔

صبح وہ رابعہ کی امی کے گھر رہنے پر بضد تھی اور شاید اس کی طبیعت بھی
خراب تھی جب مینا سے ان باتوں کا پتا چلا تو میں تڑپ اٹھا فوراً رابعہ کے گھر آیا تو
وہ امی سے باتیں کر رہی تھی۔ تب میں نے امی کو باہر بلا کر کہا ان کو ساتھ لے کر
آئیں وہ ہماری مہمان ہیں رابعہ لوگوں کی نہیں۔

امی نے حیرت سے مجھے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ تاہم پھر عائشہ کو وہ اپنے
ساتھ ہی لائیں۔'' اگلے صفحے پر لکھا تھا۔

''آج امی کے کہنے پر وہ مجھے میری شادی کا کہنے آئیں تو مارے غصے
کے میرا جی چاہا ابھی اس کو قتل کرکے پھانسی چڑھ جاؤں مگر میں نے ضبط کیا تاہم
ضبط کرتے کرتے بھی میں تلخ ہوگیا اور اس کو جی بھر کر برا بھلا کہا، بے عزتی کی اور
وہ چپ چاپ سنتی رہی کچھ بولی بھی تو صرف یہ۔

''شاداب میں نے یہ سب کچھ تمہاری اصلاح کے لیے کیا۔'' اور یہ الفاظ

میرے غصے میں مزید اضافہ کر گئے پھر وہ کمرے سے چلی گئی اور اس کے جاتے ہی میری نفرت، محبت میں بدل گئی مجھے دکھ تھا آخر وہ میری کیفیت کو سمجھتی کیوں نہیں. میں جس آگ میں لمحہ لمحہ جل رہا تھا وہ اس کی ہلکی سی تپش بھی محسوس نہ کر رہی تھی وہ مجھ سے اور میری محبت سے خود کو لاپروا ظاہر کر رہی تھی اس کے اس رویے کے باوجود میرے اندر سے اس کی محبت ختم نہ ہو رہی تھی بلکہ اس کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو رہا تھا۔

لیکن یہ محبت اس وقت پھر نفرت میں بدل گئی جب میں نے امی کو ظہیر سے یہ کہتے سنا کہ باجی صبح جا رہی ہیں اس کو اسلام آباد چھوڑ آنا یہ سن کر مجھے شاک لگا۔

وہ ہر قدم پر اپنے فیصلے چاہتی تھی، اپنی مرضی کرتی تھی، میری کوئی اہمیت نہ تھی، میری باتوں کے جواب میں انتقام کے طور پر وہ وقت سے پہلے اپنا پروگرام ختم کر کے کوئٹہ واپس جا رہی تھی حالانکہ ابھی اسے ذاکر بھائی کے گھر رہنے جانا تھا مگر محض میری وجہ سے وہ قبل از وقت جا رہی تھی، اچانک مارے غصے کے میں نے اس کو سزا دینے کا فیصلہ کیا اور صبح سب سے پہلے اٹھتے ہی ظہیر کو اپنے ایک ضروری کام سے بھیج دیا پھر خود اس کو چھوڑنے پشاور تک گیا اور راستے میں جی چاہا اس کو روک لوں مگر وہ رکنے والی کب تھی بس پھر اس کو تکلیف دینے اور بے چین کرنے کے لیے میں جو کچھ کر سکتا تھا میں نے کیا اصل میں اس کو بتانا چاہتا تھا میں کہ اگر اس کے نزدیک میری اہمیت نہیں تو اب میرے نزدیک بھی اس کی اہمیت نہیں، یہی وجہ تھی کہ میں اس کو بے یارومددگار چھوڑ گیا اور وہ بھی زخمی کر کے، پھر واپس گھر جانے کی بجائے میں ادھر ادھر آوارہ گھومتا رہا مجھے حیرت تھی میری اتنی زیادتیاں سہنے کے جواب میں وہ خاموش کیوں رہتی تھی وہ میری ساری باتیں صبر سے کیوں سنتی تھی یہ سوچتے ہی میری نفرت ختم ہو کر محبت میں بدل گئی مجھے دکھ تھا میں اتنا ظالم کیسے بن گیا مجھے اس کی ہر زیادتی بھول گئی یاد رہا تو صرف یہ کہ آج میں نے

اس کے ساتھ درندگی کی ہے اسے زخمی کیا ہے۔ ایک مرد کی اس سے بڑی کمینگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ایک بے بس عورت پر ظلم کرے، ان ہی پریشان اور پشیمان سوچوں میں گم میں سارا دن بھٹکتا رہا۔

رات گئے گھر واپس آیا تو مینا میری منتظر تھی اور جب مینا نے یہ بتایا کہ عائشہ میری شادی کی بطور خاص تاکید کر کے گئی ہے تو مارے غصے اور نفرت کے میں سلگ اٹھا، ساری محبت پھر سے نفرت میں بدل گئی تھی عائشہ کی اس نفرت کا شکار سامنے کھڑی مینا کو ہونا پڑا۔

ہر لڑکی کا قرب حاصل کرنے کے بعد مجھے افسوس ہوتا تھا میں ایسا کیوں کرتا ہوں مگر آج مینا کے ساتھ یہ زیادتی کر کے میں کچھ زیادہ ہی پریشان تھا یہی وجہ تھی صبح ہونے سے پہلے ہی میں گھر چھوڑ چکا تھا۔

بہت سے صفحے پڑھنے کے بعد میں پھر ایک صفحے پر رک گئی شاداب نے نفرت بھرے انداز میں لکھا تھا۔

''آج اس بے حس انسان کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جو خود کو ڈاکٹر پرویز چوہدری کہتا ہے گنڈا سنگھ بارڈر سے واپسی پر اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ عائشہ برج کلاں کی رہنے والی ہے سوچا آج آیا ہوں تو اس کا گھر بھی دیکھتا جاؤں اور گھر پر اس کے بھائی سے ملاقات ہوگئی۔ بمشکل ان سے مل کر میں رخصت ہوا تو عائشہ کا دکھ ایک بار پھر پوری شدت سے مجھے محسوس ہوا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے فواد دیا اب صرف چند ماہ کی بات ہے پھر یا تو عائشہ میری بیوی بن کر پاکستان آجائے گی یا پھر فواد وہاں اپنی مم کے پاس ہی رہے گا یوں عائشہ کی تنہائی ختم ہو جائے گی جس کے لیے میں اکثر بلکہ ہمیشہ پریشان رہتا ہوں......''

بہت سارے صفحے پڑھنے کے بعد میں پھر ایک صفحے پر رک گئی بلکہ چونک پڑی شاداب نے لکھا تھا۔

''عاشی جان کے لیے میرا آخری پیغام۔''

اس کے نیچے اس نے لکھا تھا۔

''شاداب کی جان، جب سے میں نے قاضی کے سامنے نکاح نامے پر دستخط کیئے ہیں تب سے ایک خوشی ہر وقت میرے اردگرد رہنے لگی تھی مجھے یقین تھا تم، ہاں جان تم۔''

میں نے رک رک کر کئی بار پڑھا کہ وہ ہمیشہ مجھے آپ کہہ کر مخاطب کرتا تھا یہ ''تم'' اس نے کہیں غلطی سے تو نہیں لکھ دیا لیکن نہیں اس ڈائری میں اس نے مجھے تم کہہ کر ہی مخاطب کیا تھا میں پھر سے پڑھنے لگی۔

''ہاں جان، مجھے یقین تھا تم لالہ کے اور خاص کر فواد کے سامنے انکار نہ کرسکو گی اب مجھے اپنی خوش قسمتی کا یقین آنے لگا تھا، بس ایک بات کا ڈر تھا جب مینا تمہیں میرے رویے کے بارے میں بتائے گی تو مگر خیر تب میں نے مینا کو بھی اس کے حقوق دینے کا فیصلہ کر لیا تھا، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے میں تمہاری آمد کے خواب دیکھنے لگا تھا ہر وقت تمہارے قدموں کی آہٹ سننے لگا تھا۔

مگر یہ کیا، چند روز سے مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے محسوس ہونے لگا ہے جیسے تمہارے قدموں کی آہٹ کسی اور آہٹ میں بدل گئی یوں جیسے موت کی آہٹ سنائی دینے لگی ہو، ہمارے اس محاذ پر آجکل گڑبڑ بھی تو بہت ہے چند سالوں سے اس وادی میں حریت پسندوں نے آزادی کی تحریک میں جو جان ڈالی ہے دشمن اس کا بدلہ ہمارے پاکستان سے لینے کے چکر میں ہے آئے دن ادھر سے فائرنگ ہو رہی ہے لیکن ہمیں فی الحال چپ رہنے کا حکم ہے۔

آج کی فائرنگ میں ہمارے دو جوان شہید ہوگئے ہیں میں نے اسٹیشن ہیڈ کوارٹر والوں سے سخت احتجاج کیا تو ہمیں جوابی طور پر راست اقدام کرنے کا حکم مل گیا ہے اور اب اگر ان لوگوں نے چھیڑ چھاڑ کی تو انجام اچھا نہ ہوگا کیونکہ ان کو سبق دیئے بغیر میں آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ بعد میں چاہے ہیڈ کوارٹر والے میرے خلاف کورٹ مارشل کردیں۔ مگر میں اب مزید دشمن کی یہ بزدلانہ حرکتیں

برداشت نہ کرسکوں گا اور کیا پتا اس حرکت کا جواب دیتے ہوئے میں خود بھی شہید ہو جاؤں۔ میں کوئی ولی نہیں ہوں اس کے باوجود مجھے لگتا ہے بلکہ یقین ہے کہ شاید میں کشمیر کے اس سرد محاذ سے زندہ واپس نہ جاسکوں، جب میری یہاں پوسٹنگ ہوئی تھی تو محض عائشہ! تمہاری اور ماں کی وجہ سے میں نے سوچا تھا کہ جیسے بھی ہوا میں جلد ہی اپنی پوسٹنگ کسی پرامن محاذ پر کروالوں گا مگر اب یہاں کے لوگوں کا حال دیکھ کر اور حریت پسندوں کا جذبہ اور دشمن کی مکاری کی وجہ سے میں نے پوسٹنگ کا خیال دل سے نکال دیا ہے اور شہادت کو اپنا مقدر سمجھ لیا ہے، میرا دل تڑپتا ہے جب میری نظروں کے سامنے وادی کے اس پار ظلم ڈھائے جاتے ہیں مگر یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود ہمیں خاموش رہنے کا حکم ہے۔

یہ کیسا بے حس دور ہے عائشہ، جس میں ہزاروں بیٹیوں کے پکارنے پر بھی کسی کو محمد بن قاسم بننے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم مجبور ہیں اپنی علاقائی پالیسیوں کی وجہ سے، کہیں سپر پاورز کی وجہ سے، نام نہاد امن کی وجہ سے، ہم یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہیں کبھی ایک دکھی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہزاروں میل دور سے محمد بن قاسم آیا تھا اور آج ہزاروں بیٹیوں کے سر سے ہمارے سامنے چادریں اتاری جارہی ہیں ہمارے سامنے بے آبرو ہوتے ہوئے ہمیں پکار رہی ہیں اور ہم حکم نہ ملنے کی وجہ سے مجبور بیٹھے ہیں۔ یہاں اس محاذ پر موجود ہر جوان دشمن کو سبق سکھانا چاہتا ہے اس کے ظلم پر جو وہ ہمارے مسلمان بھائی بہنوں پر کر رہا ہے اس کی سزا دینا چاہتا ہے مگر ہم مجبور ہیں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا میں دشمن کو اس کی مکاریوں کی سزا دیکر ہی چھوڑوں گا کیونکہ میں نے شہادت کو اپنا مقصد بنا لیا ہے کیونکہ میں مزید کشمیر جنت نظیر کے خوبصورت مناظر کو شعلوں میں جلتے نہیں دیکھ سکتا حالانکہ جب سے تم نے جان کو ایک سستی چیز کہا تھا تب سے میں اپنی جان کی بڑی حفاظت کرتا رہا تھا کہیں تم یہ نہ کہہ سکو کہ میں نے تمہاری محبت میں ایک سستی چیز گنوا دی مگر یہ چیز سستی نہیں ہے عائشہ، تم یہاں آکر دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ جان سستی نہیں ایک

مہنگی چیز ہے۔

لیکن شاداب کی جان تم یہاں کیسے آسکتی ہو، یہاں تو صرف تمہارا تصور ہے یا پھر تمہاری یاد، کاش کہ تم بھی ہوتیں تو یہ دل اتنا اداس اور بیقرار نہ ہوتا۔

دیکھو کل فون پر مینا سے بات ہوئی تو اس نے کہا کہ وہ مجھ سے طلاق لیکر بخت خان سے شادی کرنا چاہتی ہے جو اس کی خالہ کا بیٹا ہے یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔

اچانک میں نے سوچا کیا خدا یوں بھی مہربان ہوتا ہے کہ تمہارے آنے سے پہلے ہی مینا ہمارے درمیان سے ہٹ رہی ہے اب تم آؤ گی تو میں، تم اور فواد ماں کے ساتھ مل کر اپنی نئی زندگی شروع کریں گے مگر نہیں...... شاید تمہارے آنے سے پہلے مجھے دشمن کو سبق سکھاتے ہوئے رخصت ہونا پڑے اگر ایسا ہوا اور نجانے کیوں مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔ جبھی تو میں احتیاط کے طور پر تمہارے لیے یہ آخری پیغام لکھ رہا ہوں۔

میں کتنا بدنصیب ہوں عائشہ، دو بے سہارا اور دکھی عورتوں کو سہارا دینے کے لیے میں نے پڑھنے اور اچھا آدمی بننے کا فیصلہ کیا مگر میرا مقدر دیکھو میں ان میں سے کسی ایک کو بھی سہارا نہ دے سکا۔

ماں کو میں نے پہلے پڑھائی اور پھر ٹریننگ اور اس کے بعد تمہاری میجر والی شرط پوری کرنے کے چکر میں نظر انداز کیا اور جب میں نے ماں کو اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا تو مامی کی بیماری کی وجہ سے ان کو چارسدہ میں ہی رکنا پڑا پھر مامی کی موت کے بعد انہوں نے میرے ساتھ رہنا تھا مگر قدرت کو نجانے کیا منظور ہے کہ میری پوسٹنگ کشمیر جیسے سرد محاذ پر ہوگئی جہاں کسی بھی لمحے ایک چھوٹی سی چنگاری بڑی آگ لگا سکتی ہے......

اور نہ تمہیں سہارا دے سکا جب میں تم سے شدید پیار کرتا تھا تو تمہاری آنکھوں اور تمہارے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہ تھی مگر جان جب میں نے مینا سے شادی کر لی تو اچانک وہ محبت مجھے تمہاری آنکھوں میں نظر آئی جو میں بہت

پہلے دیکھنا چاہتا تھا جدائی کی اس کربناک گھڑی میں تم اس محبت کو چھپانے کے چکر میں تھیں اور میں پانے کے چکر میں۔ دل تڑپ تڑپ کر کہہ رہا تھا۔ ایک بار ایک بار تم بھی اسی شدت، اسی جذبے سے میری محبت کا اقرار کرو جیسے کہ میں کرتا آیا تھا مگر اب شاید ایسا وقت نہیں تھا میرے دل کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی اس کو کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کر رہا ہو میں بڑی مشکل سے ضبط کر رہا تھا حالانکہ جی چاہ رہا تھا اپنی اس پہلی جیت اور آخری ہار پر تمہاری گود میں سر رکھ کر روؤں یا تمہیں سینے سے لگا کر آنکھیں بند کروں تو وقت ہمیشہ کے لیے تھم جائے مگر ایسا کچھ نہ ہوا، میں نے اپنی پوری کوشش کی مگر تم نے اپنی نہ کو ہاں میں نہ بدلا تمہاری طبیعت میں جو ضدی پن تھا وہ اس وقت بھی جیت گیا۔ میں نے سوچا ”کس تمنا سے تجھ کو چاہا تھا کس محبت سے ہار مانی ہے۔

ایک بار پھر تم نے مجھے اپنا فیصلہ ماننے پر مجبور کر دیا لیکن میں یہ سوچ کر کچھ مطمئن اور تھوڑا بے چین تھا کہ یہ فیصلہ تم نے بھی بڑی مشکل سے کیا تھا کیونکہ اب تمہارے دل میں میرے لیے محبت تھی لیکن اب تم مینا کو دکھ دینا نہیں چاہتی تھیں حالانکہ میں اگر تم سے شادی کرتا تو مینا کو کچھ اعتراض نہ ہوتا مگر۔

ترا ہجر میرا نصیب ہے ترا غم ہی میری حیات ہے
مجھے تیری دوری کا غم ہو کیوں تو کہیں بھی ہو مرے ساتھ ہے

اور پھر تم چلی گئیں تم نہیں جانتیں تمہارے جانے کے بعد مجھ پر کیا گزری مجھے یوں لگا جیسے میرے زندہ رہنے کا اب کوئی جواز باقی نہیں مگر فوجی ہونے کی حیثیت سے اپنے وطن کے لیے مجھے زندہ رہنا تھا اور میں یونہی زندہ تھا کہ اچانک فواد کی آمد نے مجھے چونکا دیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے یہ نعمت مجھے دی، میری خوشی دیکھ کر سب حیران ہوئے اور شاید تم بھی سوچتی ہو گی کہ پہلے کہتا تھا مجھے اولاد کی ضرورت نہیں اب بیٹا ملا ہے تو کتنا خوش ہے۔

ہاں میں خوش تھا لیکن میری خوشی کی وجہ بھی سن لو، فواد کی آمد کا سنتے ہی

میں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس دنیا میں میرے لیے نہیں صرف تمہارے لیے آیا ہے تمہاری تنہائی دور کرنے وہ میرا نہیں ہم دونوں کا بیٹا تھا بلکہ صرف تمہارا بیٹا تھا، میں نے سوچ لیا مینا کو کوئٹہ لا کر اس سے بات کر کے میں فواد کو تمہیں کینیڈا بھیج دوں گا۔

لیکن مینا نے اس کی اجازت نہ دی گو کہ اس کی اجازت کی کوئی اہمیت نہ تھی میں چاہتا تو فواد تمہیں اسی وقت بھیج دیتا مگر مینا ماں سے کہتی اور مجھے جتنی محبت تم سے تھی اتنی ہی ماں سے بھی یہی وجہ ہے میں نے سوچا آہستہ آہستہ مینا کو منالوں گا کہ وہ فواد تمہیں دے دے مگر مینا کسی صورت بھی ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی اس کی اس ہٹ دھرمی کی سزا میں نے اس کو یہ دی کہ فواد کو صرف تم یاد رہیں دور ہونے کے باوجود اور مینا قریب ہونے کے باوجود بھول گئی ، میں نے اپنے اندر موجود تمہاری محبت کی ساری شدت فواد میں منتقل کر دی اور اس کو سوائے محبت کے کچھ بھی یاد نہ رہا۔

میری یہ تحریر تم اسی صورت میں پڑھ سکو گی اگر میں نہ رہا تو اب جب تم اس تحریر کو پڑھنے بیٹھو گی تو مینا تمہیں اپنی سات سالہ شادی شدہ زندگی کا حال سنا چکی ہو گی اس کی باتیں سن کر مجھے معاف کر دینا۔

یہ سچ ہے...... ہاں یہ سچ ہے جان کہ اگر تم مجھے اپنی جان سے گزر جانے کی دھمکی نہ دیتیں تو میں کبھی مینا سے شادی نہ کرتا، محض تمہاری جان بچانے کے لیے میں نے مینا سے شادی کی حالانکہ یہ شادی کرنے کی بجائے میں اپنی جان دینا زیادہ بہتر سمجھتا تھا لیکن پھر تمہاری وہی بات یاد آئی کہ جان بہت سستی ہے سو میں نے شادی کر لی۔

مگر میں باقی کی آدھی قسم کبھی بھی نہ توڑ سکا، میں تمہارے علاوہ کسی عورت کو ازدواجی حقوق دینے کا یا چھونے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا انتقام میں میں نے جو کیا یا جو ہوا سو ہوا لیکن محبت میں اور اس وقت جبکہ تمہارے دل میں بھی میرے لیے محبت پیدا ہو چکی تھی میں کیسے کسی دوسری عورت کو اپنا قرب بخشتا۔

سو جان، میں تمہارے تصور میں گم رہا مینا میرے پاس ہونے کے باوجود نہ ہونے کے برابر رہی اور تم دور ہونے کے باوجود میرے اندر ہی کہیں موجود رہیں لیکن درد کی صورت، بقول شاعر۔۔۔

رہا نہ دل میں وہ بے درد اور درد رہا
مقیم کون ہوا ہے مقام کس کا تھا

امید ہے میری مجبوری سمجھ کر تم مجھے معاف کر دو گی اور سنو میری یہ بات آخری اور پہلی خواہش سمجھ کر مان لینا اگر میں شہید ہو جاؤں تو ہمیشہ کے لیے لالہ حماد کے پاس آ جانا، زندگی میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جب اپنوں کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہاں میرے باپ کی حویلی میں تمہیں حماد لالہ کے علاوہ تمہارے بیٹے فواد کا سہارا بھی ملے گا یہ میری خواہش ہے باقی تمہارا دل نہ مانے تو جہاں خود رہو وہاں اپنے بیٹے کو بھی لے جانا۔ وہ صرف تمہارا ہے اس کو کوئی بھی تم سے چھیننے کی کوشش نہیں کرے گا لیکن بہتر یہی ہے لالہ اور بھابھی کے ساتھ رہنا۔ رہو گی نا؟

اور ماں کو تو اگر میں نہ رہا تو حماد حویلی لے جائیں گے وہ تو بہت سال پہلے ماں کو حویلی لے جانا چاہتے تھے لیکن ماں بھی تو تمہاری طرح ضدی ہے میں ان کی ضد کو جانتا تھا اس لیے ہمیشہ حماد لالہ کو منع کر دیتا تھا لیکن میرے بعد وہ بھی نہیں مانیں گے اور پھر تم سب مل کر رہنا تمہاری اور فواد کی موجودگی میں ماں میری کمی محسوس نہ کرے گی بلکہ فواد کی موجودگی میں تم اور ماں دونوں ہی میری کمی محسوس نہ کرو گی۔ ویسے بھی شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں تم دیکھ نہ سکو گی لیکن میں تمہارے آس پاس ہی رہوں گا۔

ارے یہ کیا میں نے تو اس بات کو اپنے اوپر جیسے فرض ہی کر لیا ہے کہ میں زندہ نہیں رہوں گا، ہو سکتا ہے میں غازی بن کر لوٹ آؤں تو پھر کتنا خوبصورت وقت ہو گا جب تم فواد میں اور ماں ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہیں گے پھر۔

ارے یہ اچانک فائرنگ کی آواز آنے لگی ہے لگتا ہے دشمن پھر کوئی مکاری کرنے لگا ہے لیکن اب میں اس کو کوئی موقع نہیں دوں گا اب میں اس کو اس کی مکاریوں کا سبق سکھا کر رہوں گا لیکن پہلے تم سے چند آخری باتیں کرلوں کینیڈا جاتے ہوئے تم نے کہا تھا۔

''شاداب اپنی طرف سے میں نے ہمیشہ تمہاری اصلاح اور خوشیوں کی کوشش کی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ تمہارے لیے دکھ بن گئیں'' یہ بات تمہیں اس لیے کہنا پڑی کہ میں نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا تھا بجائے اس کے کہ تمہارا شکریہ ادا کرتا میں نے تمہارے ساتھ زیادتیوں کی حد کردی۔

حالانکہ تمہاری وجہ سے ہمیشہ مجھے خوشی ہی ملی سوائے تمہاری محبت کے خیر اب تو یہ محبت بھی مجھے حاصل ہے۔ تمہاری وجہ سے پڑھنا شروع کیا تمہاری وجہ سے میں آفیسر بنا اور تمہاری وجہ سے ہی مجھے فواد ملا تمہاری محبت میں اگر پڑھ لکھ کر میں آفیسر بنا تو تمہاری نفرت میں فواد کا باپ بن گیا کیونکہ تمہارے جیتے جی تمہاری موجودگی میں میں کسی دوسری عورت سے شادی کر ہی نہ سکتا تھا اور جب شادی نہ کرتا تو اولاد کیسے پاتا...... فواد کا تحفہ تمہاری وجہ سے ہی ملا تھا...... تمہاری ذات سے ہمیشہ مجھے کچھ نہ کچھ ملا ہی ہے یہی وجہ ہے جب تم چلی گئیں تو مجھے اپنی زیادتیاں یاد آئیں۔ آج ایک بار پھر ان زیادتیوں پر میں تم سے معافی چاہتا ہوں امید ہے تم مجھے معاف کردو گی۔

میری شہادت پر سنو رونا نہیں کیونکہ یہ خدا سے میری یہی دعا ہے کہ وہ تمہیں میری زندگی میں مجھ سے اس طرح جدا نہ کرے کہ اپنے سامنے میں تمہیں منوں مٹی تلے جاتا دیکھوں۔

دیکھو باہر فائرنگ کے ساتھ ساتھ گولہ باری بھی شروع ہوگئی ہے میرے لوگ مجھے پکار رہے ہیں میں ان سب کا جوش وخروش سمجھ رہا ہوں اس لیے بہت ساری باتیں موجود ہونے کے باوجود یہ پیغام ختم کر رہا ہوں کہ میرا وطن اور اس کی

زمین مجھے پکار رہی ہے جبکہ تمہارے لیے فواد چھوڑے جا رہا ہوں ماں کا خیال رکھنا ویسے حماد تم سب کا خیال رکھے گا۔''

اس کے بعد ڈائری کے سارے صفحے خالی تھے میرے نام پہ ایک پیغام اس نے شہادت سے صرف ایک دن پہلے لکھا تھا پھر اسی رات اور اگلے روز وہ دشمن کو سبق دیتے ہوئے بلکہ دینے کے بعد شہادت پا گیا۔

ڈائری کے خالی صفحوں پر میری آنکھوں سے پانی گرنے لگا اور پھر میں سسک سسک کر رونے لگی۔ میری زندگی میں تین مرد آئے تھے تینوں نے مجھ سے محبت کی...... اور تینوں سے میں نے بھی محبت کی۔ ایاز سے منگیتر ہونے کی حیثیت سے، فیروز سے بیوی کی حیثیت سے اور...... اور شاداب سے تو شاید عشق ہوگیا تھا اس کو بھی تو مجھ سے عشق تھا پھر مجھے کیسے نہ ہوتا لیکن اس کی زندگی میں اس کی محبت کا اقرار نہ کرنے کی بات اب مجھے دکھ دے رہی تھی اور میں رو رہی تھی۔

اچانک فواد کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر وہ کبھی بند کبھی کھلی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر جب نیند پوری طرح آنکھوں سے دور ہوئی تو آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

پھر اچانک اس کی نظر میری گود میں پڑی ڈائری پر گئی تو اس نے میرے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو پپا یاد آرہے ہیں...... لیکن مم پپا کو یاد کرکے آپ روتی کیوں ہیں پپا کہتے تھے شہیدوں کو روتے نہیں وہ تو ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ بس ہمیں ان کی زندگی کا ادراک نہیں ہوتا'' یہ کہتے ہوئے خود اس کی آنکھوں میں بھی نمی اتر آئی جس کو وہ محض میرے لیے پی گیا۔ اس کی یہ عادت بھی شاداب پر تھی جب شاداب ضبط کرتا تو اس کی آنکھوں میں بھی ہلکی نمی اتر آتی تھی۔

میں نے حیرت سے اس سات برس کے اپنے بیٹے کو دیکھا شاداب نے ٹھیک لکھا تھا کہ میں نے ماں سے زیادہ ابھی تربیت فواد کی ہے میں نے اس کو بے

ساختہ گلے سے لگا لیا اور فواد نے سرگوشی میں کہا۔

"پپا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ اگر وہ شہید ہوگئے تو میں رونے کی بجائے ضبط کروں گا ان کا کہنا تھا اگر میں رویا تو تمہاری مم اور دادی پھر زیادہ روئیں گی اور میں نے ان سے وعدہ کر لیا کہ میں رونے کی بجائے صبر کروں گا اور اب آپ بھی صبر سے کام لیں۔"

"او کے بیٹا۔" میں نے اس کی بات مان کر آنسو پونچھ لیے تو فواد نے پوچھا۔

"مم آپ نے کاغذات پر دستخط کر دیئے ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تو اب کر دیجئے میں نے پپا سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری بات ضرور مان لیں گی اور دستخط کر دیں گی۔" اس نے کاغذ نکال کر میرے سامنے رکھے تو اچانک میرا ذہن بہت برس پہلے ماضی میں گھوم گیا۔

تب میں اسکول میں پڑھتی تھی جب میری ایک سہیلی نے کہا تھا۔

"عائشہ تم اتنی خوبصورت ہو اگر تم منگنی شدہ نہ ہوتیں تو میں تمہیں اپنی بھابھی بنا لیتی۔"

وہ لڑکی ذات کی کمبوہ تھی۔

تب میں نے اکڑ کے کہا تھا۔

"چل، چل شیشہ دیکھا ہے کبھی۔ میں پیدائشی چوہدریوں کی بیٹی ہوں اور کسی چوہدری کی ہی بیوی بنوں گی۔" اور اب میں نے سب کچھ بھول کر اس آدھے نکاح نامے کو اپنے دستخط کر کے پورے نکاح نامے میں بدل دیا لیکن میرا دل مطمئن تھا میں اگر پیدائشی چوہدریوں کی بیٹی تھی تو شاداب بھی ایک بڑے پٹھان قبیلے کا فرد تھا...... اچانک میں نے فواد کو دیکھا وہ ڈبیا میں سے انگوٹھی نکال چکا تھا مجھ سے پوچھے بغیر اس نے انگوٹھی یہ کہتے ہوئے میری انگلی میں ڈال دی کہ

"چلیئے پپا کی جگہ یہ میں پہنا دیتا ہوں۔"

اور اس لمحے میرا جی چاہا کاش یہ انگوٹھی ہی میں شاداب کے ہاتھوں پہن لیتی۔ کوئی ایک خواہش اس کی میں بھی تو پوری کر دیتی میری آنکھوں میں پھر نمی اتر آئی تب ہی میری نظر دوبارہ رومال پر پڑی جو کاغذات کے ساتھ ہی لفافے سے نکل آیا تھا اور جو شاداب نے ڈائری کے اندر رکھا ہوا تھا میں نے فواد سے اس رومال کے بارے میں پوچھا۔

"یہ رومال مم! پپا کہتے تھے جب تمہاری مم کینیڈا جا رہی تھیں تو تب ان کی آنکھوں میں پہلی بار صرف میرے لیے آنسو آئے تھے اور یہ آنسو میرے لیے انمول موتی تھے اور میں نے ان کو اپنے اس سفید رومال سے چن لیا تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے اس کے بعد اس رومال کو کبھی یوز نہیں کیا تاہم وہ اکثر اس کو نکال کر دیکھا کرتے تھے بلکہ مجھے بھی دکھاتے تھے کہ اس میں وہ موتی ہیں جو صرف میرے لیے تمہاری مم نے بہائے۔"

"کیا واقعی فواد؟" میں نے پوچھا اور رو پڑی۔

"پلیز مم رونا بند کریں اور دیکھئے کتنی رات ہوگئی ہے پلیز اب سو جائیں آپ کو میری قسم۔" اور میں بغیر انکار کیئے اس کے ساتھ لیٹ گئی اور نجانے کیسے نیند بھی مہربان ہوگئی تھی۔

پھر فواد کے جھنجوڑنے پر ہی میری آنکھ کھلی تھی وہ میرے سرہانے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"اوہ مم نماز نہیں پڑھنا تھی آپ کو؟"

"ارے، دیر سے سوئی تھی نا۔"

"خیر قضاء پڑھ لیجئے گا لیکن اب جلدی سے اٹھ جائیں پپا خواب میں آئے تھے اور کہہ رہے تھے۔"

"بڑے بے مروت ہو یار مم کو پا کر پپا کو بھول گئے ان کو مجھ سے ملانے

کا وعدہ یاد نہیں رہا کیا۔ اس کو مجھ سے ملانے فوراً لے کر آؤ۔"

فواد کے خواب پر مجھے یقین کرنا پڑا کہ یہ جو ذرا آنکھ لگی تھی، میری آنکھ لگتے ہی شاداب آیا تھا اور کہا تھا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے عائشہ بیٹا پا کر بیٹے کے باپ کو بھول گئی ہو کم از کم ملنے تو چلی آتیں۔"

"اب سوچ کیا رہی ہیں؟ جلدی سے اٹھیے۔" فواد نے کہا تو میں جلدی سے چپل پہن کر باتھ روم کی طرف بڑھی۔ تاہم میں سوچ رہی تھی شاداب نے ٹھیک ہی لکھا تھا تم نہ دیکھ سکو گی لیکن میں تمہارے آس پاس ہی موجود رہوں گا وہ واقعی موجود تھا ہمارے ساتھ فارغ ہو کر باہر آئی تو فواد گرما گرم بھاپ اڑاتی کافی کا مگ لیے کھڑا تھا۔

"یہ کس نے بنائی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے مم پپا کو بھی کبھی کبھی بنا کر دیا کرتا تھا انہوں نے خود مجھے بنانا سکھائی تھی کہتے تھے، تمہاری مم کافی بڑے شوق سے پیتی ہیں ان کو خود بنا کر دیا کرنا۔ ان کے بہت سارے کام کیا کرنا مگر کافی زیادہ نہ پینے دیا کرنا ان کو کہ یہ صحت کے لیے اچھی نہیں ہوتی، حالانکہ وہ خود بہت زیادہ کافی پیتے تھے اور جب میں ان کو منع کرتا تو وہ کہتے۔"

"یار ابھی میں اس لیے زیادہ پیتا ہوں کہ وہ بھی وہاں بہت زیادہ پیتی ہوگی۔ جب تم اسکی کم کرواؤ گے تو میں خود ہی کم کردوں گا۔ میں کوئی تمہاری مم کی طرح ضدی ہوں کہ ہر بات سے انکار کروں۔ اب لیجے آپ ذرا پی کر دیکھیں۔"

اور کافی پی کر میں قبرستان جانے کے لیے فواد کے ساتھ کمرے سے باہر آئی اس نے کہا تھا کہ اسے قبرستان کا پتا ہے ہم رہائشی حصے سے باہر باغ میں آئے تو جواد گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے آرہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ اترا گھوڑا نوکر کے سپرد کیا اور مجھے سلام کرتے ہوئے پوچھا۔

"آنٹی جی! کہاں جارہی ہیں آپ؟"

میرے جواب دینے سے پہلے ہی فواد نے کہا۔

"لالہ ہم پپا سے ملنے قبرستان جارہے ہیں۔"

"پیدل کیوں جارہی ہیں آپ؟ آئیں میں گاڑی نکالتا ہوں۔" جواد نے دوسری طرف مڑتے ہوئے کہا تو میں نے یہ منع کردیا۔

"رستے میں فواد شاداب ہی کی باتیں کرتا رہا جبکہ مجھے بہت سال پہلے سنا ہوا صوفی تبسم کا پنجابی کلام یاد آرہا تھا۔"

تو ساڈا تے تیرا دل ساڈا تینوں ایویں رقیب برا پایا
جے تو میرے جنازے تے نئیں آیا راہ تک دا ای تیری مزار آجا

اور میں شاداب کی قبر پر پہنچ کر رک گئی۔ کچی قبریوں جیسے ابھی، ابھی بنی ہو کچھ دیر میں کھڑی رہی لیکن پھر میرا ضبط جواب دے گیا اور میں دونوں ہاتھ قبر پر رکھ کر بیٹھتے ہوئے پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

آج میں نکاح نامے پر دستخط کر کے اس کی خریدی ہوئی انگوٹھی پہن کر اس کے سامنے آئی تھی اور وہ منوں مٹی تلے آرام وسکون سے لیٹا تھا۔ میری آمد کو اس نے دیکھا ہوگا۔ میری محبت کو اس نے محسوس کیا ہوگا۔ لیکن اب وہ چپ رہنے پر مجبور تھا اس کو بولنے کی، اٹھنے کی اجازت نہیں تھی اور میں بے چین اور بیتاب ہو رہی تھی دل کی بیقراری کسی طرح بھی رکنے میں نہ آرہی تھی اور میں روئے جارہی تھی مجھے چپ کراتے ہوئے فواد خود بھی رو رہا تھا اور جب وہ زیادہ بے چین ہو کر پپا پپا پکارنے لگا تو میں نے اس کو پوری شدت سے اپنے سینے سے لگالیا۔

اور اچانک بہت سال پہلے ملنے والی اور ہاتھ دیکھنے والی خانہ بدوش فقیرنی کی بات مجھے یاد آئی اس نے کہا تھا۔

"آپ کی قسمت میں دو بیٹے ہیں ایک مر جائے گا اور دوسرے کی اس کو

سمجھ نہ آئی تھی۔"

جبکہ مجھے اب آئی تھی شاداب کی شہادت کے بعد اس کے نکاح نامے پر دستخط کرنے کے بعد میں فواد کی ماں بن گئی تھی. پھر مجھے عذرا کی بات بھی یاد آئی اس نے کہا تھا۔

"تمہیں یاد نہیں اس فقیرنی نے کیا کہا تھا تمہاری تین شادیاں ہوں گی ابھی وقت ہے کرلو بعد میں بڑھاپے میں شادی کر کے ہمیں بدنام کرو گی تو ابھی کرلو۔" تب میں نے صاف انکار کردیا تھا کہ میں ساری عمر اب شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

مگر آج اس عمر میں میں نے شاداب کی خواہش پوری کرتے ہوئے نکاح نامے پر دستخط کردیئے تھے کیونکہ آج شاداب کے علاوہ مجھے کسی کی پرواہ نہ تھی نہ اپنی عمر کی اور نہ ہی عذرا کی باتوں کی۔

"اب تو تم خوش ہونا شاداب" میں فواد کو گلے سے لگائے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں نے تمہاری تمام خواہشیں پوری کردی ہیں تمہاری تمام باتیں مان لی ہیں اب تم مجھے معاف کردو پلیز معاف کردو صرف ایک بار کہہ دو تم نے مجھے معاف کیا کچھ تو بولو بتاؤ مجھے تم خوش ہونا شاداب۔"

وہ خوش ہی ہوگا مگر بولے گا نہیں کہ اس جگہ آنے والے بولا نہیں کرتے۔

رقیہ آپا کی آواز سن کر میں مڑی تو میرے پیچھے شاداب کا سارا خاندان کھڑا تھا آپا رقیہ، حماد خان اس کی بیوی، بچی اور بیٹا۔ میں اٹھی تو آپا رقیہ نے مجھے گلے سے لگالیا جبکہ جواد نے فوراً فواد کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یار مرد روتے نہیں ضبط کرتے ہیں۔" اور فواد ضبط کرگیا مگر میں کیسے ضبط کرتی جس نے قدم قدم پر شاداب کو دکھ دیئے تھے اور وہ پھر بھی قدم قدم پر محبتوں اور چاہتوں کے پھول بکھیر گیا تھا میری راہوں کا ہر خار خود چن کر گیا تھا۔

میرے ساتھ رقیہ آپا بھی رونے لگیں تو حماد نے ان کو گلے سے لگالیا اور میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"شہیدوں کے لیے روتے نہیں اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کہوں گا اور پھر شاداب نہیں تو کیا فواد تو ہے۔"

اور یہ بات سن کر میں نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ وہ خود تو چلا گیا تھا لیکن میرے لیے سہارا چھوڑ کر، بلکہ بہت سارے سہارے۔ میری وہ تنہائی دور کرکے جس کا اس کو بہت خیال تھا اور اب میں اکیلی کہاں تھی میرے ساتھ میرا بلکہ ہمارا بیٹا تھا، امی تھیں حماد خان جیسا بھائی تھا اور اس کی بیوی جیسی بہن، یہ سارے رشتے بہت سچے اور اچھے ملے تھے مجھے۔

میں نہیں جانتی اس نکاح نامے کی شرعی اور قانونی حیثیت کیا تھی میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ نکاح شاداب کی خواہش تھی اور شاید اب کفارے کی صورت بھی یہی تھی۔

حماد خان کے کہنے پر ہم سب دعا مانگ کر قبرستان سے چل پڑے ایک طرف فواد نے میری انگلی پکڑ رکھی تھی تو دوسرا ہاتھ رقیہ آپا نے تھام رکھا تھا مگر دل کے اندر اب بھی ایک بے قراری تھی بے چینی تھی اور یہ بے چینی تو اب شاید باقی کی تمام عمر ساتھ رہنا تھی۔

قبرستان سے باہر نکلتے ہوئے میں نے ایک الوداعی نظر شاداب کی تازہ قبر پر ڈالی اور دکھ سے سوچا۔

بس اک ذرا سی بات تھی لیکن تمام عمر
وہ مجھ کو جاگنے کی سزا دے کے سوگیا

اور میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے فواد نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور میرے ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"مم! کتنی بار آپ کو سمجھایا ہے پپا نہیں ہیں تو کیا میں تو ہوں آپ کے

پاس ویسے بھی آپ کے رونے سے پپا پریشان ہوں گے بلکہ مجھ سے خفا ہوں گے کہ میں آپ کو خوش نہیں رکھ سکا اور ذرا یہ بھی تو سوچئے اگر پپا کے ساتھ ساتھ میں بھی نہ ہوتا تو پھر۔“

”فواد۔“ میں نے بیٹھتے ہوئے اس کو جھک کر سینے سے لگالیا۔

”ایسی باتیں نہیں کرتے بیٹا...... ایسی باتیں نہیں کرتے۔“

”ٹھیک ہے نہیں کروں گا آگر آپ مسکرا دیں اور خوش رہنے کا وعدہ کریں۔“ اور میں مسکرا دی میری مسکراہٹ دیکھ کر سب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی البتہ یہ اور بات تھی کہ ان مسکراہٹوں کے ساتھ ساتھ سب کی آنکھوں مین ہلکی نمی بھی تھی اور زندگی اسی دھوپ چھاؤں کا نام ہے میں نے سوچا شاداب نہیں تو کیا میرے پاس میرا بیٹا تو ہے اور پھر فواد، شاداب ہی تو تھا۔ اور میرے قدم آہستہ آہستہ حویلی کی طرف اٹھنے لگے جہاں بہت خوشیاں اور ایک پرسکون مستقبل میرا منتظر تھا۔

☆☆☆